www.KitaboSunnat.com
(جلد چہارم)
فتاویٰ اسلامیہ
کتاب القرآن الکریم تا کتاب الجامع
فتاویٰ
سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ
فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ
فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین
اور
"اللجنۃ الدائمۃ للإفتاء والإرشاد سعودی عرب"
جمع وترتیب:
فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالعزیز المسند حفظہ اللہ
ترجمہ:
مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ
(اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)
دار السلام
DARUSSALAM

القرآن الکریم
تا
کتاب الجامع

جمع وترتیب:
فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالعزیز المسند حفظہ اللہ

ترجمہ:
مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ
(اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)

نظرثانی:
ابو عبداللہ محمد عبدالجبار

دارالسلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض ۔ جدہ ۔ شارجہ ۔ لاہور
لندن ۔ ہیوسٹن ۔ نیویارک

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب فون:4033962-4043432 1 00966 فیکس:4021659

E-mail: riyadh@dar-us-salam.com - darussalam@awalnet.net.sa

Website: www.dar-us-salam.com

www.KitaboSunnat.com

---

1. طریق مکۃ۔ العلیا۔ الریاض فون:4614483 1 00966 فیکس:4644945
2. شارع العین۔ الملز۔ الریاض فون:4735220 فیکس:4735221
3. جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270
4. الخبر فون:8692900 3 00966 فیکس:8691551
5. مدینہ منورہ موبائل:0503417155

شارجہ: فون:5632623 6 00971 فیکس:5632624

امریکہ: 1. ہوسٹن فون :7220419 713 001 فیکس:7220431
2. نیویارک فون :6255925 718 001 فیکس:6251511

لندن: فون:4885 539 208 0044 فیکس:4889 539 208

ملائیشیا: کوالالمپور فون:9750 7710-603 فیکس:0749 7710-603

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

1. 36-لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور فون:7232400-7240024 42 0092 فیکس:7354072
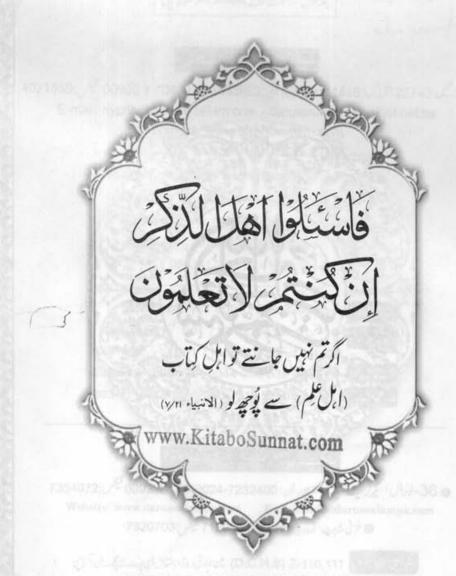
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

2. غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون:7120054 فیکس:7320703

کراچی شوروم: Z-110,111 (D.C.H.S) مین طارق روڈ (بالمقابل فری پورٹ شاپنگ مال) کراچی

فون:0092-21-4393936 فیکس:4393937 Email: darussalamkhi@darussalampk.com

فہرست مضامین فتاویٰ اسلامیہ (جلد چہارم)

www.KitaboSunnat.com
۲۴
القرآن الکریم
احکامِ قرآن اور اس کے آداب

احکام قرآن اور اس کے آداب

قرآن کریم کا احترام

سوال آنجناب سے امید ہے کہ آپ ہمیں اور ہمارے مسلمان بھائیوں کو قرآن کریم کے مقام سے آگاہ فرمائیں گے؟

جواب قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جسے اس نے اپنے بندے اور رسول سیدنا محمد ﷺ پر نازل فرمایا تاکہ یہ قیامت تک ساری کائنات کے لیے ہدایت و نور ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے ابتدائی لوگوں کو بھی اور ان کے بعد آنے والوں کو بھی یہ توفیق عطا فرمائی کہ انہوں نے اسے اپنے سینوں میں محفوظ کیا' زندگی کے تمام امور و معاملات میں اس کے مطابق عمل کیا' چھوٹے بڑے ہر معاملے میں اس سے فیصلہ چاہا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بعض بندگان الٰہی کے ہمیشہ شامل حال رہا ہے کہ وہ حسی و معنوی طور پر قرآن کریم کی اس طرح تعظیم و تکریم بجا لاتے ہیں جس طرح اس کا حق ہے جب کہ بہت سے لوگ اور بہت سی جماعتیں ایسی بھی ہیں' جو اگرچہ اپنے آپ کو اسلام ہی کی طرف منسوب کرتی ہیں لیکن وہ قرآن عظیم اور حدیث رسول ﷺ کے حق کو ادا کرنے سے محروم ہیں لہٰذا مجھے خدشہ ہے کہ یہ لوگ کہیں اس ارشاد باری تعالیٰ کے مصداق نہ ہوں:

﴿ وَقَالَ ٱلرَّسُولُ يَٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِى ٱتَّخَذُواْ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانَ مَهْجُورًا ﴿٣٠﴾ ﴾ (الفرقان ۲۵/ ۳۰)

"اور پیغمبر کہے گا' اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔"

آج بہت سے لوگوں نے واقعی قرآن کو چھوڑ رکھا ہے' انہوں نے اس کی تلاوت کو چھوڑ دیا' اس میں تدبر کو چھوڑ دیا اور اس کے مطابق عمل کو چھوڑ دیا۔ ((فَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ))

اللہ رب العالمین کے اس کلام کی تعظیم و تکریم کا جو تقاضا ہے' بہت سے لوگ اس سے بھی غافل ہیں۔ آج کل مسلمان ملکوں میں اخبارات و جرائد کثرت سے شائع ہوتے ہیں' جن کے ٹائیٹل پر یا اندرونی صفحات میں قرآنی آیات ہوتی ہیں لیکن بہت سے مسلمانوں کی عادت یہ ہے کہ وہ انہیں پڑھنے کے بعد کوڑا کرکٹ میں پھینک دیتے ہیں اور پاؤں تلے بھی یہ اخبارات و جرائد آتے ہیں بلکہ بعض لوگ تو انہیں کچھ دیگر مقاصد کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں جس کے باعث یہ نجاستوں اور غلاظتوں سے بھی آلودہ ہو جاتے ہیں حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ إِنَّهُۥ لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِى كِتَٰبٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٨٠﴾ ﴾ (الواقعة ۵۶/ ۷۷ـ۸۰)

"بلاشبہ یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے۔ (جو) کتاب محفوظ میں (لکھا ہوا ہے)۔ اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں۔ پروردگار عالم کی طرف سے اتارا گیا ہے۔"

یہ آیات کریمہ اس بات کی دلیل ہیں کہ کسی مسلمان کے لیے طہارت کے بغیر قرآن کریم کو ہاتھ لگانا جائز نہیں جیسا کہ

جمہور اہل علم کی رائے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کے نام ایک خط لکھ کر عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ کیا جس میں لکھا تھا:

«لاَ يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلاَّ طَاهِرًا»(موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، ح:٧٩٣ وسنن الدارقطني، ح:٤٣٣)

"انسان قرآن مجید کو اس وقت ہی ہاتھ لگائے جب وہ پاک ہو۔"

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَمَسَّ الْقُرْآنَ إِلاَّ وَأَنْتَ طَاهِرٌ» (المستدرك على الصحيحين للحاكم: ٣/ ٤٨٥)

"قرآن مجید کو صرف طہارت ہی کی حالت میں ہاتھ لگاؤ۔"

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ قرآن مجید کو پکڑنے کے لیے وضو کرو۔ [1] جب قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کے لیے وضو کرنا ضروری ہے تو ان لوگوں کو اپنے طرز عمل پر غور کرنا چاہیے' جو ان اخبارات وجرائد کو دسترخوان کے لیے استعمال کرتے ہیں' جن میں قرآنی آیات بھی چھپی ہوتی ہیں اور پھر وہ انہیں دیگر نجاستوں اور غلاظتوں کے ساتھ کوڑا کرکٹ میں پھینک دیتے ہیں ۔ بلاشک وشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب مقدس اور اس کے پاک کلام کی بے ادبی وبے حرمتی ہے۔

ہر مسلمان مرد وعورت پر یہ واجب ہے کہ وہ قرآن مجید اور ان کتابوں کی حفاظت کریں جو قرآنی آیات' احادیث نبویہ یا ایسے کلام پر مشتمل ہوں' جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو یا جس میں اس کے کچھ اسماء حسنیٰ ہوں' ان سب کو پاک جگہ پر حفاظت سے رکھنا چاہیے اور اگر ان اخبارات وجرائد وغیرہ کی ضرورت نہ رہی ہو تو انہیں پاک زمین میں دفن کر دیا جائے یا جلا دیا جائے اور اس بارے میں تساہل سے قطعاً کام نہیں لینا چاہیے جب کہ بہت سے لوگ غفلت یا جہالت کی وجہ سے اس ممنوع کام کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ کتاب اللہ' اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ وصفات علیا اور اس کے رسول ﷺ کی احادیث مبارکہ کا ادب واحترام بجالائیں اور ایسے کام کا ارتکاب نہ کریں جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو اور وہ اللہ رب العالمین کے پاک کلام کے مقام ومرتبے کے منافی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اپنی محبت اور رضا کے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے' ہم سب کو اپنے نفسوں کی شرارتوں اور برے اعمال سے بچائے اور ہم سب کو اپنی کتاب مقدس اور اپنے رسول ﷺ کی سنت مطہرہ کی تعظیم اور ادب واحترام بجالانے اور ان کے مطابق عمل کرنے کی توفیق بخشے اور ہر اس قول وفعل سے محفوظ رکھے' جو ان کے ادب واحترام کے تقاضوں کے منافی ہو' بے شک وہی قادر وکارساز ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

قرآن مجید کی تلاوت' دیکھ کر کرنا افضل ہے یا زبانی؟

سوال کیا قرآن مجید سے دیکھ کر تلاوت کرنا زبانی تلاوت سے افضل ہے' راہنمائی فرمائیں؟

[1] السنن الکبریٰ للبیہقی: 88/1

جواب نماز کے علاوہ تو قرآن مجید سے دیکھ کر تلاوت کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ ضبط وحفظ میں زیادہ معاون ہے' ہاں اگر کسی کو زبانی پڑھنے سے زیادہ یاد ہوتا ہو یا اس سے خشوع زیادہ پیدا ہوتا ہو تو اسے زبانی پڑھنا چاہیے۔

نماز میں افضل یہ ہے کہ زبانی تلاوت کی جائے کیونکہ اگر وہ نماز میں دیکھ کر تلاوت کرے گا تو اس حالت میں اسے پکڑنے اور رکھنے اور صفحات کے پلٹنے اور الفاظ وحروف پر نظر جمانے کا عمل بار بار کرنا پڑے گا' نیز حالت قیام میں وہ سینے پر بائیں ہاتھ پر دائیں کو بھی نہیں رکھ سکے گا۔ قرآن مجید کو بغل میں رکھنے کی صورت میں وہ رکوع اور سجود بھی صحیح طور پر نہ کر سکے گا للہذا نمازی کے لیے ہم اس بات کو ترجیح دیں گے کہ وہ دیکھ کر تلاوت کرنے کی بجائے زبانی تلاوت کرے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مقتدی امام کے پیچھے قرآن مجید لے کر کھڑے ہوتے ہیں اور امام کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے ہیں جب کہ مذکورہ بالا امور کے پیش نظر اس طرح نہیں کرنا چاہیے' اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر بالفرض کسی امام کا حافظہ اچھا نہ ہو اور وہ کسی مقتدی سے کہے کہ تم میرے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے قرآن مجید لے کر کھڑے ہوا کرو تاکہ اگر میں غلطی کروں تو بتا دو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

آیۃ الکرسی قرآن مجید کی سب سے عظیم آیت کیوں ہے؟

سوال آیۃ الکرسی کتاب اللہ کی سب سے عظیم آیت کیوں ہے؟

جواب آیۃ الکرسی اللہ تعالیٰ کی صفات' اس کی توحید' اس کی ذات گرامی کے شایان شان امور کے اثبات اور صفات نقص سے تنزیہ پر مشتمل ہے اور یہ ساری باتیں آیۃ الکرسی کے سوا کسی ایک آیت میں جمع نہیں ہیں اس لیے اس کی فضیلت بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح نمازوں کے بعد اور سونے کے وقت اس کے پڑھنے کے بارے میں بھی بہت سی احادیث وارد ہیں [1] اس کے پڑھنے سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ الغرض اس کے پڑھنے کی بہت ہی فضیلت آئی ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

قرآن کریم کو کس طرح حفظ کیا جائے؟

سوال کیا کسی حدیث میں قرآن کریم کو حفظ کرنے کی کیفیت بیان کی گئی ہے؟ اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو ناپاک کپڑے میں نماز پڑھ لے اور اسے دوران نماز میں یاد آئے؟ کیا سورۃ الکافرون کی فضیلت میں بھی کچھ احادیث وارد ہیں؟

جواب جامع ترمذی میں "(کتاب الدعوات) باب دعاء الحفظ" حدیث نمبر: 3570 ہے' جس میں حضرت علی بن ابی طالب کا قصہ ہے کہ انہوں نے جب اپنے حافظے کی خرابی کی شکایت کی تو آپ نے انہیں ایک طویل دعا سکھائی کہ وہ شب جمعہ چار رکعات نماز پڑھیں..... لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اور صحیح سند سے ثابت نہیں' البتہ حفظ قرآن اور دیگر امور کے لیے دعا کی ترغیب ضرور دی گئی ہے۔ ویسے بھی حفظ وفہم کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو بہت آسان کر دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] عمل الیوم واللیلۃ' للنسائی' حدیث: 100 صحیح بخاری' فضائل القرآن' باب فضل سورۃ البقرۃ' حدیث: 5010

﴿ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَٰهُ بِلِسَانِكَ ﴾ (مریم۱۹/ ۹۷)

"(اے پیغمبر!) ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے۔"

علماء نے ذکر فرمایا ہے کہ قرآن مجید حفظ کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کے معانی کو سمجھا جائے' پھر الفاظ کی بار بار تکرار کی جائے' اس کی تلاوت ہمیشہ کی جائے اور پھر حفظ کیے ہوئے حصے کو روزانہ اور پھر ہر ہفتہ میں پڑھا جائے حتی کہ قرآن مجید ذہن میں خوب راسخ ہو جائے' حدیث میں بھی آیا ہے:

«تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَهُوَ أَشَدُّ تَفَلُّتًا مِّنَ الإِبِلِ فِي عُقُلِهَا»(صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب استذكار القرآن وتعاهده، ح: ٥٠٣٣ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الأمر بتعهد القرآن . . . الخ، ح: ٧٩١ واللفظ لمسلم)

"قرآن مجید کو ہمیشہ پڑھتے رہو قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اس طرح اونٹ بھی اپنی رسی کو جلد نہیں توڑتا جس طرح جلدی سے قرآن بھول جاتا ہے۔"

جو شخص ہمیشہ تلاوت کرتا رہے اور اس سے غافل نہ ہو تو قرآن مجید مرتے دم تک اس کے ذہن میں راسخ رہتا ہے۔

جو شخص اس طرح نماز پڑھے کہ اس کا کپڑا یا بدن یا جگہ ناپاک ہو اور اسے نماز سے فارغ ہونے کے بعد یاد آئے تو خطا و نسیان کے عذر کی وجہ سے اسے اس نماز کے دوہرانے کی ضرورت نہیں' البتہ اگر اسے دوران نماز میں ہی یاد آجائے تو ضروری ہے کہ نماز کو توڑ دے' ناپاکی کو زائل کرے اور پھر نماز دوبارہ پڑھے کیونکہ اگر نماز کا کچھ حصہ باطل ہو جائے تو ساری نماز کو دوہرانا لازم ہے۔

"سورۃ الکافرون" کے بارے میں جامع ترمذی میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعا روایت ہے کہ یہ قرآن کے چوتھائی حصے کے برابر ہے۔ [1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی سنتوں اور طواف کی دو رکعتوں وغیرہ میں اس سورت کو سورۂ اخلاص کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ [2] آپ نے سوتے وقت بھی اس کے پڑھنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ شرک سے براءت ہے۔ [3] اس میں عملی' قصدی اور ارادی توحید کو بیان کیا گیا ہے اور یہی توحید عبادت ہے لیکن اسے سمجھنا اور اس کے مدلول کو جاننا ضروری ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

لیٹ کر قرآن مجید کی تلاوت کرنا

سوال کیا پہلو یا پشت پر لیٹ کر قرآن کریم کو دیکھ کر پڑھنے میں کوئی حرج ہے؟

---

[1] جامع ترمذی' فضائل القرآن' باب ماجاء فی ﴿ اذا زلزلت ﴾ حدیث: 2894

[2] صحیح مسلم' صلاۃ المسافرین' باب استحباب رکعتی سنة الفجر --- ' حدیث: 726' جامع ترمذی' الحج' باب ماجاء مایقرء فی رکعتی الطواف' حدیث: 869

[3] ابوداود' الادب' باب مایقال عندالنوم' حدیث: 5055

جواب جائز ہے کہ قرآن کریم کی بیٹھ کر' کھڑے ہو کر' چلتے' دوڑتے اور سواری کرتے ہوئے اور پہلو یا پشت کے بل لیٹے ہوئے تلاوت کی جائے۔ لیکن افضل یہ ہے کہ آدمی باوضو قبلہ رخ بیٹھ کر' قلب و قالب کے ساتھ متوجہ ہو کر غور و فکر اور تدبر کے ساتھ تلاوت کرے تاکہ قرآن مجید سے مکمل استفادہ کیا جاسکے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

تلاوت قرآن پر اجتماع میں کوئی حرج نہیں

سوال میں اور میرے ساتھی ہفتے میں ایک رات جمع ہو کر قرآن مجید کی کچھ آیات کی تلاوت کرتے ہیں تاکہ ہم قرآن مجید کو سیکھ سکیں اور تجوید کے ساتھ پڑھ سکیں اور پھر کچھ دیگر امور کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ تلاوت کی وجہ سے اجتماع جائز نہیں ہے' البتہ حفظ کے لیے جائز ہے تو کیا یہ صحیح ہے؟

جواب قرآن مجید کی تلاوت' تعلیم و تدریس' حفظ اور دین کو سمجھنے کے لیے جمع ہونے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِّنْ بُيُوتِ اللهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلاَّ نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلاَئِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن ... الخ، ح:٢٦٩٩)

"جب بھی کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کرتے اور اسے آپس میں پڑھتے پڑھاتے ہیں' تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے' رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ ان فرشتوں میں کرتا ہے' جو اس کے پاس ہیں۔"

حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ رمضان کی ہر رات جبریل علیہ السلام کو قرآن مجید سناتے اور ان سے سنتے تھے'[1] اسی طرح نبی ﷺ' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس بھی بہت دیر تک بیٹھ کر انہیں قرآن مجید پڑھاتے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر یاد دلاتے رہتے تھے۔ بسا اوقات آپ نے بعض صحابہ کو بھی حکم دیا کہ وہ آپ کو قرآن مجید پڑھ کر سنائیں۔[2]

یہ سب کچھ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ قرآن مجید سننے' پڑھنے' دَور کرنے اور علم پڑھنے پڑھانے کے لیے جمع ہونا شرعاً جائز ہے۔ (واللہ ولی التوفیق)

——— شیخ ابن باز ———

اجتماعی شکل میں قرآن مجید کی قراءت

سوال مسجد میں باجماعت قرآن مجید کی قراءت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

[1] صحیح بخاری' فضائل القرآن' باب کان جبریل یعرض القرآن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم' حدیث: 4997

[2] صحیح بخاری' فضائل القرآن' باب من احب ان یستمع القرآن من غیرہ' حدیث: 5049

جواب اس سوال میں اجمال ہے۔ اگر اس سے مقصود یہ ہے کہ سب لوگ ایک ہی آواز سے پڑھیں اور سب ایک ہی جگہ وقف کریں اور رکیں تو یہ صورت غیر مشروع ہے اور کم سے کم اس کے بارے میں جو کہا جاسکتا ہے وہ یہ کہ یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ صورت' رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے اور اگر اجتماعی قراءت' قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے ہو تو پھر امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر سوال سے مقصود یہ ہے کہ لوگ اجتماعی شکل میں قراءت قرآن مجید حفظ کرنے یا اس کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک پڑھتا اور باقی سنتے ہیں یا ان میں سے ہر ایک اپنے طور پر پڑھتا ہے اور وہ دوسروں کی آواز کے ساتھ نہ آواز ملاتا اور نہ ان کے وقف کے مطابق وقف کرتا ہے تو یہ صورت شرعاً جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِّنْ بُيُوتِ اللهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلاَّ نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلاَئِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن . . . الخ، ح:٢٦٩٩)

"جب بھی کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کرتے اور اسے آپس میں پڑھتے پڑھاتے ہیں' تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے' رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے' فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ ان فرشتوں میں فرماتا ہے جو اس کے پاس ہیں۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ختم قرآن کی دعا

سوال کیا شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ختم قرآن کی دعا پڑھنے میں کوئی حرج ہے؟ سنت کی روشنی میں ختم قرآن کے موقع پر کون سا عمل واجب ہے؟

جواب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ختم قرآن کی دعا آپ سے ثابت نہیں ہے۔ آپ کی تفسیر میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں' البتہ آپ کی طرف اس کی نسبت مشہور ہے' اس کے پڑھنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔ اگر انسان اس موقع پر دوسری دعائیں پڑھ لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ ختم قرآن کے موقع پر کسی مخصوص اور معین دعا کے پڑھنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ((واللہ الموفق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——

دعائے ختم قرآن کے وقت اجتماع

سوال دعائے ختم قرآن کے وقت اجتماع کے بارے میں کیا حکم ہے مثلاً یہ کہ انسان جب قرآن مجید ختم کرلے تو وہ اپنے اہل خانہ یا دیگر لوگوں کو بلائے تاکہ وہ اجتماعی طور پر ختم قرآن کی اجتماعی طور پر دعا کر سکیں اور انہیں ختم قرآن کا وہ ثواب حاصل ہو سکے جو شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ سے وارد ہے یا دیگر دعاؤں کو پڑھ سکیں جو قرآن مجید کے آخر میں لکھی ہوتی ہیں' تو سوال یہ ہے کہ کیا ختم قرآن کی دعا کے موقع پر اجتماع جائز ہے خواہ یہ ختم رمضان المبارک کے اختتام پر ہو یا کسی اور موقع پر' کیا اس

اجماع کو بدعت تو نہیں کہا جائے گا' کیا رسول اللہ ﷺ سے ختم قرآن عظیم کی کوئی مخصوص دعا ثابت ہے؟

جواب ہمارے علم کے مطابق ختم قرآن کے وقت کی کوئی مخصوص اور معین دعا ثابت نہیں ہے لہٰذا انسان کے لیے جائز ہے کہ وہ اس موقع پر جو چاہے دعا کرے لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ ادعیہ نافعہ کو اختیار کرے مثلاً اپنے گناہوں کی معافی مانگے' جنت کا سوال کرے' جہنم کے عذاب سے پناہ مانگے' فتنوں سے محفوظ رہنے کی دعا کرے اور اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگے کہ وہ اسے قرآن کریم کا اس طرح فہم عطا فرمائے جس سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ راضی ہو جائے' نیز اللہ تعالیٰ سے قرآن مجید کے حفظ کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق کے لیے بھی دعا کرے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ وہ ختم قرآن کے موقع پر اپنے اہل خانہ کو جمع کر کے دعا فرمایا کرتے تھے [1] لیکن ہمارے علم کی حد تک نبی اکرم ﷺ سے اس کے بارے میں کچھ ثابت نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف جو دعا منسوب ہے' میرے علم کے مطابق اس کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ البتہ یہ دعا ہمارے مشائخ اور دیگر علماء میں مشہور ضرور ہے لیکن آپ کی کسی کتاب سے مجھے یہ دعا معلوم نہیں ہو سکی۔ (واللہ اعلم)

——— شیخ ابن باز ———

جس شخص کو قرآن مجید کے معانی کا علم نہیں اسے بھی ....

 میں قرآن مجید کی تلاوت تو ہمیشہ کرتا رہتا ہوں لیکن اس کے معانی کو نہیں سمجھتا تو کیا اللہ تعالیٰ مجھے اس تلاوت کا ثواب عطا فرمائے گا؟

جواب قرآن کریم ایک بابرکت کتاب ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ مُبَٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓا۟ ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿٢٩﴾ ﴾ (ص۳۸/ ۲۹)

"(یہ) کتاب جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔"

لہٰذا انسان کو اس کی تلاوت کا ثواب ملتا ہے خواہ وہ اس کے معانی کو سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو' لیکن ہر وہ مومن جو قرآن مجید پر عمل کا مکلف ہے' اسے چاہیے کہ وہ معانی کو سمجھے بغیر تلاوت نہ کرے' مثلاً اگر کوئی انسان علم طب حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس مقصد کے لیے وہ طب کی کتابیں پڑھتا ہے' تو اس وقت تک اس کے لیے ان کتب سے استفادہ ممکن نہ ہو گا جب تک وہ ان کے معانی ومطالب کو نہ سمجھے بلکہ اس کی پوری پوری خواہش ہو گی کہ وہ ان کے معنی و مطلب کو سمجھے تاکہ ان کے مطابق عمل کر سکے تو پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اس کتاب کے بارے میں آپ خود ہی اندازہ فرمائیں کہ یہ کتاب جو دلوں کے لیے شفا اور انسانوں کے لیے نصیحت ہے' اسے سمجھے بغیر اور اس کے معنی کو سیکھے بغیر اس کی تلاوت کس طرح کی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو دس آیات سے بھی اس وقت تک تجاوز نہ کرتے' جب تک ان کے معانی ومفاہیم کو نہ جان لیتے اور علم و عمل کے تقاضوں کو پورا نہ فرما لیتے تھے۔ بہرحال انسان کو قرآن مجید کی تلاوت کرنے کا اجر وثواب ضرور ملتا ہے خواہ وہ اس کے معنی ومفہوم کو سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو' لیکن انسان کو معنی ومفہوم کے سمجھنے کے

[1] سنن دارمی' فضائل القرآن' باب فی ختم القرآن' حدیث: 3468 - 3469

لیے پوری پوری کوشش ضرور کرنی چاہیے' اسے ایسے علماء سے قرآن مجید کو سمجھنا چاہیے' جو علم اور امانت میں قابل اعتماد ہوں' اگر کسی ایسے عالم کی صحبت میسر نہ آسکے تو پھر قابل اعتماد کتب تفسیر مثلاً تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر وغیرہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ (واللہ اعلم)

—— شیخ ابن عثیمین ——

قرآن مجید کے نقطوں اور اعراب کی اساتذہ سے تعلیم

سوال کیا قرآن مجید نقطوں اور اعراب کے بغیر نازل ہوا تھا تو اس صورت میں اسے کیسے پڑھا جاتا تھا؟

جواب ہاں یہ بات صحیح ہے کہ ابتدا میں قرآنی نسخے نقطوں' اعراب اور وقف کی علامات کے بغیر لکھے جاتے تھے۔ نقطے اور اعراب وغیرہ تابعین کے عہد میں لگائے گئے اور عہد نبوی اور اس کے بعد کے دور میں لوگ' حفظ کرنے اور اساتذہ سے سیکھنے کی بنیاد پر قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

اچھے طریقے سے تلاوت نہ کرنے اور غلطیاں کرنے کی صورت میں گناہ ہو گا؟

سوال میں قرآن مجید پڑھتا تو بہت ہوں لیکن اچھے طریقے سے نہیں پڑھ سکتا اور تلاوت میں بہت غلطیاں کرتا ہوں تو کیا مجھے گناہ ہو گا؟

جواب ہر مسلمان شخص پر یہ واجب ہے کہ وہ قرآن مجید کے الفاظ کو صحیح طور پر پڑھنا سیکھے تاکہ وہ خوب اچھے طریقے سے تلاوت کر سکے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے امت کو ملا ہے اور جیسا کہ اسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمایا ہے لہٰذا قرآن مجید سیکھنے میں مقدور بھر کوشش کرنی چاہیے خواہ اس میں کتنا ہی وقت لگ جائے اور خواہ اسے ایک لفظ بار بار دوہرانا پڑے حتی کہ وہ اسے صحیح طور پر پڑھنے کے قابل ہو جائے' اس محنت کا اسے دوگنا ثواب ملے گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ، لَهُ أَجْرَانِ»(صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل الماهر بالقرآن ... الخ، ح:۷۹۸)

"جو شخص قرآن مجید پڑھتا اور ہکلاتا ہو اور پڑھنا اس کے لیے بہت دشوار ہو تو اسے دوگنا ثواب ملے گا۔"

تو بھائی آپ صبر کریں' محنت کریں اور ایک لفظ کو بار بار پڑھیں تاکہ اسے صحیح طور پر تلاوت کر سکیں خواہ اس میں آپ کو کتنی ہی مشقت کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ اس سے آپ کو یقیناً زیادہ ثواب ملے گا۔ آپ جلدی سے اس طرح قرآن نہ پڑھیں کہ آپ کو یہ پروا ہی نہ ہو کہ آپ صحیح پڑھ رہے ہیں یا غلط' کیونکہ غلط پڑھنے میں قرآن مجید کی بے ادبی اور بے حرمتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے بطور کلام استعمال فرمایا۔ ہم اس کی تلاوت' حروف و حرکات کے ساتھ کرتے ہیں' سیدنا جبریل علیہ السلام نے اسے اللہ تعالیٰ سے حاصل کر کے سیدنا محمد ﷺ کے قلب اطہر پر نازل کیا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنَّهُۥ لَتَنزِيلُ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ ٱلرُّوحُ ٱلْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ ٱلْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾ ﴾ (الشعراء ٢٦/ ١٩٢_١٩٥)

"اور بلاشبہ یہ (قرآن) پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے۔ اسے امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے (یعنی اس نے) آپ کے دل پر (القاء کیا ہے) تاکہ آپ (لوگوں کو) نصیحت کرتے رہیں (اور یہ ہے بھی) فصیح عربی زبان میں۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

قرآن مجید کو زمین پر رکھنا

سوال قرآن مجید کو پاک زمین یا مصلیٰ پر رکھ دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب افضل یہ ہے کہ قرآن مجید کو کسی بلند جگہ پر رکھا جائے تاکہ حسی اور معنوی طور پر اس کی عظمت ورفعت ملحوظ رہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ﴿١٤﴾ ﴾ (عبس ٨٠/ ١٤)

"(اللہ کے ہاں یہ قرآن مقدس ان پر عظمت صحیفوں میں ہے) جو بلند مقام پر رکھے ہوئے (اور) پاک ہیں۔"

جب آپ کو قرآن مجید کے ہاتھ سے رکھ دینے کی ضرورت پیش آئے' خواہ تھوڑے وقت کے لیے ہی رکھنا ہو تو اسے کسی اونچی جگہ رکھیں اور اگر کوئی اونچی جگہ نہ ہو تو پھر کسی پاک کپڑے پر رکھ کر زمین پر رکھنا بھی جائز ہے۔ البتہ قرآن مجید کو کسی نشیبی یا ناپاک یا مٹی والی جگہ پر نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ اس میں بے ادبی اور بے حرمتی ہے۔ بوقت ضرورت پاک بستر پر رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن کوشش یہ ہونی چاہیے کہ قرآن مجید کو بلند جگہ پر رکھا جائے تاکہ حسی اور معنوی طور پر اس کی عظمت ورفعت ملحوظ رہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

ترتیل کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت

سوال عورت اگر خاموشی کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرے تو صحیح ہے یا اس کے لیے بھی واجب ہے کہ ترتیل کے ساتھ تلاوت کرے؟

جواب تلاوت میں ترتیل واجب نہیں نہ مرد کے لیے اور نہ عورت کے لیے' البتہ یہ تلاوت کے آداب میں سے ضرور ہے۔ حسن قراءت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ترتیل کے ساتھ اور معنی ومفہوم کے تدبر کے ساتھ قراءت کرے۔ قرآن مجید کو تیزی کے ساتھ بھی پڑھا جاسکتا ہے بشرطیکہ الفاظ اور حروف حذف نہ ہوں۔

حالات کے مطابق قراءت کو جہری وسری دونوں طرح کیا جاسکتا ہے۔ اگر قراءت جہری کرنے میں زیادہ نشاط اور زیادہ خشوع وخضوع پیدا ہو تو قراءت جہری کرنی چاہیے بشرطیکہ کسی کو ایذاء نہ پہنچے اور اگر قراءت سری کرنے میں زیادہ خشوع ہو تو قراءت سری کی جائے اور اگر دونوں صورتیں برابر ہوں تو پھر انسان کو اختیار ہے جس طرح چاہے قراءت کرلے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

افضل یہ ہے کہ تین دن سے پہلے قرآن مجید ختم نہ کیا جائے

سوال آپ کی ان لوگوں کے لیے کیا نصیحت ہے جو ایک مہینہ بلکہ کئی کئی ماہ تک قرآن کریم کو تو ہاتھ نہیں لگاتے لیکن غیر مفید اخبارات و جرائد پڑھتے رہتے ہیں؟

جواب ہر مومن مرد اور عورت کے لیے مسنون یہ ہے کہ وہ غور و فکر اور تدبر کے ساتھ کثرت سے قرآن مجید کی زبانی یا دیکھ کر تلاوت کرتا رہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ مُبَٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓا۟ ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿٢٩﴾ ﴾ (ص۳۸/ ۲۹)

”(یہ) کتاب جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔“

نیز فرمایا:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَٰبَ ٱللَّهِ وَأَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنفَقُوا۟ مِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَٰرَةً لَّن تَبُورَ ﴿٢٩﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِۦٓ ۚ إِنَّهُۥ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٠﴾ ﴾ (فاطر۳۵/ ۲۹-۳۰)

”جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں' وہ اس تجارت کے فائدے کے امیدوار ہیں جو کبھی تباہ نہیں ہوگی۔ کیونکہ اللہ ان کو پورا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی دے گا بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا (اور) خوب قدر دان ہے۔“

تلاوت مذکورہ قرآن مجید کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے دونوں کو شامل ہے۔ غور و فکر' تدبر اور اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کے ساتھ کی جانے والی تلاوت' قرآن مجید کے مطابق عمل کا وسیلہ ثابت ہوتی ہے اور اس کا ثواب بھی بہت ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«اِقْرَؤُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لأَصْحَابِهِ»(صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل قراءة القرآن وسورة البقرة، ح:٨٠٤)

”قرآن پڑھا کرو کیونکہ یہ اپنے پڑھنے والوں کے لیے روز قیامت سفارشی بن کر آئے گا۔“

آپ نے یہ بھی فرمایا:

«خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ»(صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب خيركم من تعلم القرآن وعلمه، ح:٥٠٢٧)

”تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن مجید پڑھے اور پڑھائے۔“

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ وَّالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا لاَ أَقُولُ الٓمٓ

حَرْفٌ، وَلٰكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَّلَامٌ حَرْفٌ وَّمِيمٌ حَرْفٌ»(جامع الترمذي، فضائل القرآن، باب ماجاء في من قرأ حرفا من القرآن ... الخ، ح:٢٩١٠)

''جو شخص کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھے اسے اس کے عوض ایک نیکی ملتی ہے اور ایک نیکی کا دس نیکیوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ﴿الٓمٓ﴾ ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک حرف ہے' لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ (یعنی ﴿الٓمٓ﴾ پڑھنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں)''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا:

«اِقْرَإِ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ شَهْرٍ»

''ہر ماہ ایک بار قرآن مجید پڑھ لیا کرو۔''

انہوں نے عرض کیا کہ مجھے اس سے زیادہ پڑھنے کی طاقت ہے تو آپ نے فرمایا:

«اِقْرَأْهُ فِي سَبْعٍ»(صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب في كم يقرأ القرآن؟، ح:٥٠٥٤ وصحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن صوم الدهر ... الخ، ح:١١٥٩)

''سات دنوں میں ایک بار پڑھ لیا کرو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی معمول تھا کہ وہ ہر سات دنوں کے بعد قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔ قرآن مجید کے تمام پڑھنے والوں کے لیے میری وصیت ہے کہ وہ تدبر' غور و فکر' اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اور قرآن سے استفادہ وعلم کے قصد سے زیادہ سے زیادہ تلاوت کریں اور ہر ماہ ایک بار ضرور ختم کریں اور اگر ایک ماہ سے کم مدت میں ختم کرنا ممکن ہو تو یہ خیر عظیم ہے۔ سات دنوں سے کم مدت میں بھی ختم کیا جا سکتا ہے' لیکن افضل یہ ہے کہ تین دن سے پہلے ختم نہ کرے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے کم سے کم جس مدت کی راہنمائی فرمائی وہ یہی تین دن کی مدت ہے جیسا کہ آپ نے سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا۔ [1] اگر کوئی شخص تین دن سے پہلے ختم کر لے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے بہت تیز بھی پڑھا ہے اور اس پر غور و فکر بھی نہیں کیا۔ قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنے کی صورت میں طہارت کے بغیر پڑھنا جائز نہیں ہے' البتہ زبانی پڑھنے کی صورت میں کوئی حرج نہیں' آدمی بے وضو بھی پڑھ سکتا ہے۔ تاہم جنبی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ غسل کیے بغیر دیکھ کر یا زبانی تلاوت کرے کیونکہ امام احمد اور اہل سنن نے صحیح سند کے ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کو قرآن کی تلاوت کے لیے جنابت کے سوا اور کوئی چیز مانع نہ ہوتی تھی۔ [2]

—— شیخ ابن باز ——

تلاوت کے بعد ((صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيمُ)) کہنا

سوال قرآن مجید کی تلاوت کے بعد ((صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيمُ)) کہنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

---

[1] صحیح بخاری' فضائل القرآن' باب فی کم یقرأ القرآن' حدیث: 5052۔ صحیح مسلم' الصیام' باب النھی عن صوم الدھر ---' حدیث: 1159

[2] ابو داود' الطھارۃ' باب فی الجنب یقرأ القرآن' حدیث: 229

جواب قرآن مجید کی تلاوت کے بعد ((صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم)) کہنے کا سنت سے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے کوئی ثبوت نہیں ہے بلکہ یہ کہنے کا رواج عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے بہت بعد اسی آخری دور میں ہوا ہے۔ لاریب قائل کا ((صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم)) کہنا' اللہ تعالیٰ کی ثناء اور اس کی عبادت ہے اور جب یہ عبادت ہے تو پھر یہ جائز نہیں کہ ہم شرعی دلیل کے بغیر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا کوئی طریقہ ایجاد کریں اور جب ان الفاظ کے کہنے کی کوئی دلیل نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ ان الفاظ کے ساتھ تلاوت کو ختم کرنا مشروع اور مسنون نہیں ہے لہٰذا تلاوت ختم کرنے کے بعد ((صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم)) نہیں کہنا چاہیے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ﴿ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ﴾ (آل عمران: ۳/۹۵) تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں! اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ((صَدَقَ اللّٰهُ)) لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ جب تم تلاوت ختم کرو تو یہ کہو ((صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم)) ' نبی اکرم ﷺ بھی قرآن مجید کی تلاوت فرمایا کرتے تھے لیکن یہ ثابت نہیں کہ آپ نے کبھی تلاوت کے بعد ((صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم)) کہا ہو' ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ کو سورۃ النساء کی تلاوت سنائی اور جب وہ اس آیت پر پہنچے:

﴿ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴾ (النساء٤/ ٤١)

"بھلا اس دن کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کو (احوال بتانے کے لیے) بلائیں گے اور آپ کو اِن لوگوں کا (حال بتانے کے لیے) گواہ طلب کریں گے۔"

تو آپ نے فرمایا: "بس (اتنی تلاوت ہی کافی ہے)" (1) آپ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اب کہو ((صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم)) اور نہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے از خود ہی یہ الفاظ کہے تھے۔ یہ حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ تلاوت کے اختتام پر ((صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم)) کہنا حکم شریعت نہیں ہے۔

البتہ اگر کوئی ایسی بات رونما ہو جائے جس کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے خبر دی ہو اور اسے دیکھ کر کسی قرآنی آیت سے استشہاد کرتے ہوئے آپ ((صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم)) کہہ دیں' تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے کلام کی تصدیق کے قبیل سے ہو گی۔ مثلاً آپ اگر کسی شخص کو دیکھیں کہ وہ اپنے رب کی طاعت و بندگی بجا لانے کی بجائے اپنی اولاد کے ساتھ مشغول ہے' تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

﴿ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ (التغابن٦٤/ ١٥)

"تمہارا مال اور تمہاری اولاد تو سراسر آزمائش ہے۔"

یا اسی طرح کی دیگر آیات سے استشہاد کرتے ہوئے یہ کہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

سورۂ توبہ میں ترک "بسم اللہ" کے اسباب

سوال سورۂ توبہ کو دوسری سورتوں کی طرح بسم اللہ سے کیوں شروع نہیں کیا گیا' اس سورت کی تلاوت کے وقت یہ کہنا کہ ((اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ' وَمِنْ شَرِّ الْكُفَّارِ وَمِنْ غَضَبِ الْجَبَّارِ' وَالْعِزَّةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ)) صحیح ہے یا نہیں؟

(1) صحیح بخاری' فضائل القرآن' باب قول المقرئ للقارئ: حسبک' حدیث: 5050

جواب سورۃ براءت (توبہ) کے آغاز میں اس دعا کا پڑھنا جو آپ نے ذکر کی ہے بدعت ہے' اس کا کوئی ثبوت نہیں لہٰذا اسے اس سورت کے شروع میں نہیں پڑھنا چاہیے۔ میں نے اپنے بچپن میں ان الفاظ کو قرآن مجید کے بعض نسخوں کے حاشیہ پر لکھا ہوا بھی دیکھا ہے لہٰذا جو شخص ان الفاظ کو قرآن مجید کے حاشیہ پر لکھا ہوا دیکھے' تو اس کے لیے واجب ہے کہ وہ ان کو مٹا دے کیونکہ یہ الفاظ بدعت ہیں۔ اس سورت کے شروع میں ان کا پڑھنا نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

جہاں تک اس سوال کی پہلی شق کا تعلق ہے کہ اس سورت کو بسم اللہ سے کیوں شروع نہیں کیا گیا' تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سورت اسی طرح بسم اللہ کے بغیر ہی نازل ہوئی ہے۔ اگر اس کے ساتھ بھی بسم اللہ نازل ہوئی ہوتی تو وہ بھی آج موجود اور محفوظ ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اُٹھایا ہوا ہے' ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا ٱلذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَٰفِظُونَ ﴿٩﴾﴾ (الحجر ۹/۱۵)

"بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔"

نبی اکرم ﷺ سے بھی یہ سورت اسی طرح بسم اللہ کے بغیر ہی منقول ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس مسئلہ میں یہ مشکل پیش آئی تھی جیسا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ سورت کیا ایک مستقل سورت ہے یا یہ سورۃ الانفال ہی کا بقیہ حصہ ہے۔ لہٰذا انہوں نے دونوں سورتوں کو الگ الگ تو کر دیا۔ لیکن درمیان میں بسم اللہ نہ لکھی۔ دونوں سورتوں کو الگ الگ کرنا دراصل دو حکموں کے درمیان ایک حکم تھا۔ یعنی اگر یہ بات ثابت ہو جاتی کہ یہ سورۃ الانفال ہی کا بقیہ ہے تو پھر حد فاصل اور بسم اللہ کی ضرورت نہ تھی اور اگر یہ ثابت ہو جاتا کہ یہ مستقل سورت ہے تو پھر حد فاصل اور بسم اللہ دونوں کی ضرورت تھی لیکن ان میں سے کوئی بات بھی ثابت نہ ہو سکی' تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حد فاصل تو قائم کر دی لیکن بسم اللہ نہ لکھی' اور یہ ایک صحیح اجتہاد تھا۔ [1] میں علم الیقین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اگر اس سورت کے شروع میں بھی بسم اللہ نازل ہوئی ہوتی تو وہ یقیناً اب تک موجود اور محفوظ ہوتی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا ٱلذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَٰفِظُونَ ﴿٩﴾﴾ (الحجر ۹/۱۵)

"بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔"

لہٰذا سورۃ براءۃ کی تلاوت شروع کرتے وقت "بسم اللہ الرحمان الرحیم" پڑھنا مشروع نہیں ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

خوب صورت آواز سے قرآن مجید کی تلاوت

سوال فضیلۃ الشیخ! ترنم سے قرآن مجید کی تلاوت کرنے کے کیا معنی ہیں؟

جواب سنت صحیحہ میں' ترنم سے قرآن مجید کی تلاوت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے' تو اس سے مراد تحسین صوت ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت گانے کے انداز میں کی جائے' صحیح حدیث میں ہے:

«مَا أَذِنَ اللهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهِ»(صحیح البخاري، التوحید، باب قول النبي ﷺ "الماهر بالقرآن مع سفرة الكرام البررة" ... الخ، ح: ۷۵٤٤ وصحیح مسلم، صلاة

---

[1] ابوداود' الصلاۃ' باب من جھربھا' حدیث: 786- ترمذی' تفسیر القرآن' باب (9) ومن سورۃ التوبۃ' حدیث: 3086

المسافرین، باب استحباب تحسین الصوت بالقرآن، ح: ۷۹۲)

''اللہ تعالیٰ نے اور کسی چیز کی طرف اس طرح کان نہیں لگائے جس طرح اپنے نبی کی قرآن مجید کی حسن صوت اور بلند آواز سے تلاوت کی طرف کان لگائے ہیں۔''

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهِ»(صحیح البخاري، التوحید، باب قول الله تعالٰی وأسروا قولكم أو اجهروا به ... الخ، ح:۷۵۲۷)

''وہ ہم میں سے نہیں ہے جو خوبصورت اور بلند آواز سے قرآن کی تلاوت نہ کرے۔''

مذکورہ حدیث میں اللہ تعالیٰ کے جو کان لگا کر قرآن مجید سننے کا ذکر ہے' تو یہ سننا اس طرح ہے' جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے شایان شان ہے۔ اس صفت میں بھی اللہ تعالیٰ اپنی دیگر تمام صفات کی طرح مخلوق سے مشابہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کان اور اس کے سننے کے بارے میں بھی وہی کہا جائے گا' جو اس کی دیگر صفات کے بارے میں کہا جاتا ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اس طرح ہیں' جس طرح اس کی ذات گرامی کے شایان شان ہیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِۦ شَىْءٌ ۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْبَصِيرُ ﴿١١﴾ ﴾ (الشوری۴۲/ ۱۱)

''اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سنتا (اور) دیکھتا ہے۔''

((تغنی)) (یعنی ترنم سے تلاوت کرنے) سے مراد' بلند اور خوبصورت آواز کے ساتھ خشوع وخضوع سے تلاوت کرنا ہے تاکہ اس سے دل کے تار ہل جائیں اور مقصود بھی یہی ہے کہ قرآن سے دل کے تار ہلا دیئے جائیں تاکہ دلوں میں خشوع بھی پیدا ہو اور اطمینان وسکون بھی اور وہ قرآن سے استفادہ بھی کریں۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے پاس سے گزر ہوا تو وہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے' آپ نے ان کی تلاوت کو سننا شروع کر دیا اور پھر فرمایا:

«لَقَدْ أُوتِيَ هٰذَا مِزْمَارًا مِّنْ مَّزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ»(صحیح البخاري، فضائل القرآن، باب حسن الصوت بالقراءة للقرآن، ح:۵۰۴۸ وصحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب استحباب تحسین الصوت بالقرآن، ح:۷۹۳ وسنن النسائي، الافتتاح، تزیین القرآن بالصوت، ح:۱۰۲۲ واللفظ له)

''اسے تو آل داود علیہ السلام کا سا لحن عطا کیا گیا ہے۔''

جب سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے انہیں بتایا کہ آپ ان کی تلاوت سنتے رہے ہیں تو انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ میری تلاوت سن رہے ہیں تو میں اور بھی زیادہ خوبصورت طریقے سے تلاوت کرتا۔''[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خوبصورت طریقے سے پڑھنے سے منع نہیں فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ خوبصورت آواز میں بڑے اہتمام کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرنا امر مطلوب ہے تاکہ پڑھنے اور سننے والے میں خشوع بھی پیدا ہو اور دونوں قرآن مجید سے استفادہ بھی کریں۔

——— **شیخ ابن باز** ———

---

[1] **السنن الکبری للبیہقی' : 230 - 231' مسند ابی یعلی' 7279/13**

قرآن مجید کو بوسہ دینا

سوال ہم دیکھتے ہیں کہ بعض بھائی جب قرآن مجید کی تلاوت کرنا چاہتے ہیں تو پہلے قرآن مجید کو بوسہ دیتے ہیں اور پھر اپنی آنکھوں اور چہرے کے ساتھ اسے لگاتے ہیں تو کیا یہ حکم شریعت ہے؟

جواب ہمیں شریعت مطہرہ میں اس کا کوئی ثبوت معلوم نہیں ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

قرآن مجید کا غیر عربی زبان میں ترجمہ اور کافر کا اسے ہاتھ لگانا

سوال کیا یہ ممکن ہے کہ قرآن مجید کا مثلاً فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا جائے اور کافر اسے پڑھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ إِنَّهُۥ لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِى كِتَٰبٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾ ﴾ (الواقعة ٥٦/ ٧٧-٧٩)

"یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے (جو) کتاب محفوظ میں (لکھا ہوا ہے)' اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں۔"

اور اس کتاب کے ٹائیٹل پر یہ آیت لکھ دی جائے:

﴿ وَلِلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ مُّحِيطًا ﴿١٢٦﴾ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِى ٱلنِّسَآءِ ۖ قُلِ ٱللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ﴾ (النساء ٤/ ١٢٦-١٢٧)

"اور آسمان و زمین میں جو کچھ ہے' سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ (اے پیغمبر!) لوگ تم سے (یتیم) عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں کہہ دو کہ اللہ تم کو ان کے (ساتھ نکاح کرنے کے) معاملے میں اجازت دیتا ہے۔"

جواب قرآن مجید کا کسی بھی دوسری زبان میں ایسا ترجمہ کرنا تو ممکن ہی نہیں جو دقت تعبیر' علو اسلوب' جمال نگارش اور استحکام نظم کے اعتبار سے قرآن مجید کے اعجاز' افادۂ احکام و آداب کے تمام مقاصد کی تکمیل اور دروس و عبر اور اصلی وثانوی تمام معانی کے اظہار کے اعتبار سے قرآن مجید کے مماثل ہو کہ یہ سب قرآن مجید ہی کے امتیازات وخصوصیات ہیں جو اس کے کمال فصاحت وبلاغت کی کرشمہ سازی ہیں' لہٰذا اگر کوئی شخص قرآن مجید کے اس طرح کے ترجمہ کی کوشش کرے' جو ان تمام خوبیوں سے مرصع ہو تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے' جو سامان اور سیڑھی کے بغیر آسمان پر چڑھنے کی کوشش کرے یا پروں اور آلات کے بغیر فضا میں اڑنا چاہے۔

ہاں یہ ممکن ہے کہ ایک عالم نے قرآن مجید کے جو معانی سمجھے ہوں' ان کے مفہوم کو وہ حسب وسعت وطاقت کسی دوسری زبان میں بیان کر دے تاکہ اس زبان کے بولنے والوں تک وہ اس ادراک کو پہنچا دے' جسے اس کے فکر کی جولانیوں نے ہدایت قرآن سے اخذ کیا ہے' اس کے احکام سے استنباط کیا ہے یا عبرو مواعظ کو اس نے معلوم کیا ہے لیکن غیر عربی زبان میں اس عالم کی اس شرح کو قرآن نہیں کہا جائے گا اور نہ تمام اطراف وجوانب سے یہ قرآن مجید کے قائم مقام ہو گا بلکہ یہ تو قرآن مجید کی عربی زبان میں ایسی تفسیر کی طرح ہو گا' جس کے ذریعہ سے معانی کو آسان انداز میں سمجھانے اور احکام کے استنباط کے لیے کوشش کی گئی ہو گی اور ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی عربی زبان میں بھی اس تفسیر کو قرآن نہیں کہا جا

سکتا لہٰذا جنبی اور کافر کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ غیر عربی زبان میں قرآن مجید کے معانی کے ترجمہ کو ہاتھ لگا سکتا ہے جیسا کہ وہ عربی زبان میں مکمل کی گئی تفسیر کو بھی ہاتھ لگا سکتا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

اجرت لے کر قرآن مجید پڑھنا

سوال اجرت لے کر لوگوں کے لیے قرآن مجید کے پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے' راہنمائی فرمائیں' ((جزاکم اللہ خیرًا))؟

جواب اگر اس سے مقصود لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینا اور حفظ کرانا ہے' تو پھر علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ جس شخص کو بچھو نے ڈسا تھا اس پر معلوم اجرت کی شرط کے ساتھ قرآن پڑھا گیا تھا اور اسی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللهِ»(صحيح البخاري، الطب، باب الشرط في الرقية بفاتحة الكتاب، ح: ٥٧٣٧)

''جس چیز پر اجرت لینے کے تم سب سے زیادہ حق دار ہو وہ کتاب اللہ ہے۔''

اور اگر اس سے مقصود' کسی موقع کی مناسبت سے محض تلاوت کر کے اجرت لینا ہے تو یہ جائز نہیں ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے حرام ہونے کے بارے میں ہمیں نہیں معلوم کہ اہل علم میں کوئی نزاع ہو۔

—— شیخ ابن باز ——

جو قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد بھول جائے

سوال میں نے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سنی ہے' جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت یاد کی اور پھر اسے بھول گیا تو اس نے گناہ کا ارتکاب کیا تو کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

جواب نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث میں قرآن مجید کی آیت کو یاد کر کے بھلا دینے کے بارے میں شدید وعید ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس سے مراد وہ شخص ہے جو محض سستی' کتاب اللہ سے اعراض اور عدم دلچسپی کی وجہ سے بھلا دے اور اگر کوئی شخص طبیعت کے تقاضے یا اپنے اور اپنے اہل خانہ کے لیے واجبات و فرائض کے ادا کرنے میں مشغولیت کی وجہ سے بھول جائے تو اسے کوئی گناہ نہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو قرآن مجید پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا:

«رَحِمَهُ اللهُ، لَقَدْ أَذْكَرَنِي آيَةً كُنْتُ أُنْسِيتُهَا»(صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب نسيان القرآن، وهل يقول نسيت، ح: ٥٠٣٧ـ٥٠٣٨ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الأمر بتعهد القرآن . . . الخ، ح: ٧٨٨ واللفظ له)

''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے' اس نے مجھے وہ آیت یاد دلا دی ہے' جو میں بھلا دیا گیا تھا۔''

بھول جانا بشری تقاضا ہے' نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ»(صحيح البخاري، الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان، ح: ٤٠١ وصحيح مسلم، المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، ح: ٥٧٢)

''میں تمہاری طرح بشر ہی ہوں' (اس لیے) جس طرح تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں۔''

تعجب اس بات پر ہے کہ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی سزا سے ڈرتے تو ہیں لیکن خواہش نفس انہیں اس طرف لے جاتی ہے کہ پھر یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم قرآن مجید کا کوئی حصہ بالکل یاد نہیں کریں گے کیونکہ خدشہ ہے کہ اگر یاد کیا تو بھول جائیں گے' تو اس دلیل کے ساتھ' جو قطعاً صحیح نہیں ہے' وہ اپنے آپ کو خیر سے محروم کر لیتے ہیں۔ لہٰذا ہم یہ عرض کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو یاد کرو اور پھر مقدور بھر اسے یاد رکھنے کی کوشش کرو اور پڑھتے رہو جیسا کہ نبی ﷺ نے قرآن مجید کو یاد رکھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

«لَهُوَ أَشَدُّ تَفَلُّتًا مِّنَ الإِبِلِ فِي عُقُلِهَا»(صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب استذكار القرآن وتعاهده، ح: ٥٠٣٣ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الأمر بتعهد القرآن ... الخ، ح: ٧٩١)

''یہ اونٹ کے رسی تڑانے سے بھی جلد حافظہ سے نکل جانے والا ہے۔''

آپ قرآن مجید حفظ کریں اور اسے یاد بھی رکھیں اور اگر تقاضائے طبیعت کی وجہ' سے نہ کہ کتاب اللہ سے بے رغبتی یا سستی کی وجہ سے' بھول جائیں تو اس کا آپ کو کوئی گناہ نہیں ہو گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

قرآن مجید کا دوسری زبانوں میں ترجمہ

سوال کیا قرآن مجید کا انگریزی یا فرانسیسی یا عبرانی وغیرہ زبانوں میں ترجمہ کرنا جائز ہے؟

جواب قرآن کریم کے الفاظ کا ترجمہ ممکن ہی نہیں' یہ محال ہے اس لیے کہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی ایسا لفظ استعمال کیا جائے جو قرآنی لفظ کے مماثل ہو کیونکہ قرآن مجید اپنے الفاظ وتراکیب کے اعتبار سے ایک معجزہ ہے۔ البتہ قرآن مجید کے معانی کا ترجمہ جائز ہے' یعنی قرآن مجید کی تفسیر کا ترجمہ بوقت ضرورت وحاجت دوسری زبانوں میں جائز ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ سلف صالحین کی کتب میں سے کسی ایسی کتاب کو لے لیا جائے جو مذہب سلف کے مطابق ہو اور اس میں بیان کردہ معانی کا دیگر زبانوں میں ترجمہ کر دیا جائے تاکہ وہ لوگ اپنی زبان میں قرآن کریم کے معانی کو جان لیں۔ اس کے ساتھ ہم یہ بھی عرض کریں گے کہ ہر مسلمان کے لیے عربی زبان کو سیکھنا بھی واجب ہے کہ جس زبان میں قرآن کریم اور شریعت اسلامیہ نازل ہوئی ہے تاکہ وہ اپنے دین' اپنے رب کے کلام اور اپنے نبی کی سنت کو صحیح طریقے سے سمجھ سکے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

ایسے گھر میں قرآن پڑھنا جس میں کتا ہو

سوال ایسے گھر میں قرآن پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے جس میں کتا موجود ہو؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں اور واجب یہ ہے کہ کتے کو نکال دیا جائے اور اسے گھر میں نہ رہنے دیا جائے الا یہ کہ وہ شکار یا کھیتی یا مویشیوں کی حفاظت کے تین امور میں سے کسی امر کے لیے ہو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا لَيْسَ بِكَلْبِ صَيْدٍ وَّلاَ مَاشِيَةٍ وَّلاَ أَرْضٍ فَإِنَّهُ يُنْقَصُ مِنْ أَجْرِهِ قِيرَاطَانِ كُلَّ يَوْمٍ»(صحيح مسلم، المساقاة، باب الأمر بقتل الكلاب وبيان نسخه ... الخ، ح: ١٥٧٥ ومعناه متفق عليه من حديث ابن عمر بدون ذكر أرض)

”جو شخص شکار یا مویشی یا کھیتی کی حفاظت کے مقصد کے علاوہ کتا رکھے تو اس کے اجر وثواب میں سے ہر روز دو قیراط کم کر دیے جاتے ہیں۔“

—————— شیخ ابن باز ——————

بچوں کا قرآن مجید کو ہاتھ لگانا

سوال بچوں کے قرآن شریف کو ہاتھ لگانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ائمہ کرام رحمہم اللہ کا محدث کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کے جواز میں اختلاف ہے۔ بعض اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ محدث کے لیے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا جائز ہے کیونکہ کوئی ایسی صحیح صریح دلیل نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ محدث کے لیے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا ممنوع ہے اور اصل' براءت ذمہ اور عدم التزام ہے اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ طہارت کے بغیر قرآن مجید کو ہاتھ لگانا حلال نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اہل یمن کی طرف جو خط روانہ کیا تھا اس میں یہ بھی تھا:

«لا يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلاَّ طَاهِرًا» (موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، ح:٧٩٣ وسنن الدارقطني، ح:٤٣٣)

”قرآن مجید کو صرف پاک شخص ہی ہاتھ لگائے۔“

اور طاہر سے مراد یہاں وہ شخص ہے' جو حدث سے پاک ہو۔ یہ قول پہلے قول کی نسبت زیادہ صحیح ہے کیونکہ طاہر کا لفظ اگرچہ طہارت معنوی اور طہارت حسی کے لیے مشترک ہے لیکن خطاب شارع سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ”طاہر“ یہاں معنوی طہارت کے لیے نہیں بلکہ حسی طہارت کے لیے بولا گیا ہے کیونکہ معنوی طور پر طاہر تو مسلمان ہی ہوتا ہے۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ کیا یہ حکم قرآن مجید پڑھنے والے چھوٹے بچوں کے لیے بھی ہے کہ وہ بھی طہارت کے بغیر قرآن مجید کو ہاتھ نہ لگائیں اور یہ کہ ان کے لیے بھی وضو کرنا لازم ہے؟ یا یہ حکم ان کے لیے نہیں ہے کیونکہ وہ غیر مکلف ہیں؟ اس مسئلہ میں علماء میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ چھوٹے بچے کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کے لیے وضو کرے کیونکہ وہ غیر مکلف ہے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اس کے لیے بھی وضو لازم ہے' لہٰذا اس سے وضو ضرور کروایا جائے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ زیادہ احتیاط تو اسی میں ہے اور پھر اس میں یہ مصلحت بھی ہے کہ ہم ان چھوٹے بچوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے ادب واحترام کا بیج بو رہے ہیں اور اگر وضو کی پابندی کروانے میں دشواری ہو تو یہ ممکن ہے کہ وہ قرآن مجید کو کسی کپڑے وغیرہ سے ہاتھ لگائیں کیونکہ اگر درمیان میں کوئی چیز حائل ہو تو پھر محدث اور غیر محدث دونوں کے لیے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا جائز ہے۔

—————— شیخ ابن عثیمین ——————

قرآن مجید کو صرف پاک شخص ہی ہاتھ لگائے

سوال قرآن مجید کو وضو کے بغیر ہاتھ لگانے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے جب کہ ہاتھ

لگانے والے کا جسم پاک ہو؟

جواب جمہور اہل علم کے نزدیک وضو کے بغیر قرآن مجید کو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے۔ ائمہ اربعہ -- رحمہم اللہ -- کا بھی یہی قول ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی یہی فتویٰ دیا کرتے تھے کہ قرآن مجید کو صرف پاک شخص ہی ہاتھ لگائے۔ اس سلسلے میں ایک صحیح حدیث بھی موجود ہے جو کہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کی طرف ایک خط لکھا تھا جس میں یہ بھی مذکور تھا کہ:

«لاَ يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلاَّ طَاهِرًا» (موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، ح:٧٩٣ وسنن الدارقطني، ح:٤٣٣)

''قرآن مجید کو صرف پاک شخص ہی ہاتھ لگائے۔''

یہ حدیث جید ہے' اس کے کئی طرق ہیں' جن سے ایک دوسرے کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور واجب بھی یہی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کو صرف وہی شخص اٹھائے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرے جو پاک ہو یا پھر اسے غلاف وغیرہ سے پکڑے یا قرآن مجید کپڑے وغیرہ میں لپیٹا ہو تو اسے کپڑے سمیت ہی پکڑے' وضو کے بغیر براہ راست دونوں ہاتھوں سے قرآن مجید کو پکڑنا صحیح قول کے مطابق جائز نہیں ہے' جمہور اہل علم کا بھی یہی مذہب ہے۔

بے وضو شخص کے زبانی قرآن مجید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ بے وضو شخص قرآن مجید پڑھے اور قرآن مجید کو کسی اور نے پکڑ رکھا ہو' لیکن جنبی شخص کے لیے قرآن مجید پڑھنا ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ثابت ہے کہ ''جنابت کے علاوہ کوئی اور چیز آپ کے لیے تلاوت سے مانع نہ ہوتی تھی۔''[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے جید سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے باہر تشریف لائے' آپ نے قرآن مجید کی کچھ تلاوت فرمائی اور فرمایا:

«هٰذَا لِمَنْ لَّيْسَ بِجُنُبٍ فَأَمَّا الْجُنُبُ فَلاَ وَلاَ آيَةً»(مسند أحمد:١/ ١١٠)

''یہ اس شخص کے لیے ہے جو جنبی نہ ہو اور جو جنبی ہو وہ قرآن مجید کی ایک آیت بھی نہیں پڑھ سکتا۔''

مقصود یہ ہے کہ جو شخص جنبی ہو وہ قرآن مجید کی تلاوت نہیں کر سکتا' نہ دیکھ کر اور نہ زبانی جب تک کہ وہ غسل نہ کر لے اور جس شخص کا حدث اصغر ہو اور وہ جنبی نہ ہو تو وہ زبانی پڑھ سکتا ہے' لیکن قرآن مجید کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

یہاں ایک اور مسئلہ بھی قابل غور ہے اور وہ یہ کہ کیا حیض اور نفاس والی عورتیں قرآن مجید پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟ اس مسئلہ میں بھی اہل علم کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ نہیں پڑھ سکتیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ زبانی پڑھ سکتی ہیں۔ قرآن مجید کو ہاتھ لگا کر نہیں پڑھ سکتیں کیونکہ حیض اور نفاس کی مدت لمبی ہوتی ہے' جنابت کی طرح یہ مدت مختصر نہیں ہوتی کہ آدمی جلد غسل کر کے تلاوت کر سکے جبکہ اس کے برعکس حیض کی مدت تو دس دن یا اس سے بھی زیادہ تک دراز ہو سکتی ہے' اسی طرح نفاس کی مدت بھی طویل ہوتی ہے' لہٰذا حیض اور نفاس والی عورتیں زبانی قرآن مجید پڑھ سکتی ہیں۔ راجح بات یہی ہے' چنانچہ صحیحین میں حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب حج کے موقع پر ان کے ایام شروع ہو گئے تھے فرمایا تھا:

«اِفْعَلِي مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لاَ تَطُوفِي بِالْبَيْتِ حَتَّى تَطْهُرِي»(صحيح البخاري، الحيض،

[1] ابوداود' الطھارۃ' باب فی الجنب یقرء القرآن' حدیث: 229

باب تقضي الحائض المناسك كلها إلا الطواف بالبيت، ح:٣٠٥ وصحيح مسلم، الحج، باب بيان وجوه الإحرام ... الخ، ح:١٢١١)

"وہ سب کچھ کرو جو حاجی کرتے ہیں ہاں البتہ پاک ہونے تک بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکتیں۔"

حاجی قرآن مجید بھی پڑھتا ہے اور اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے قرآن مجید پڑھنے کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ کے لیے قرآن مجید پڑھنا جائز ہے' اسی طرح آپ نے اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے بھی جب انہوں نے حجۃ الوداع کے موقع پر میقات پہنچنے پر محمد بن ابی بکر کو جنم دیا تھا یہی فرمایا تھا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ نفاس والی عورت بھی قرآن مجید پڑھ سکتی ہے لیکن قرآن مجید کو ہاتھ نہیں لگا سکتی۔ باقی رہی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما جس میں یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَقْرَإِ الْحَائِضُ وَلاَ الْجُنُبُ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ»(جامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في الجنب والحائض ... الخ، ح:١٣١)

"حائضہ اور جنبی قرآن مجید میں سے کچھ بھی نہ پڑھیں۔"

تو یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی اسناد میں ابن عیاش ہے' جو موسیٰ بن عقبہ سے روایت کرتا ہے اور محدثین ابن عیاش کی روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اہل شام یعنی اپنے شہر کے لوگوں سے روایت کرنے میں جید ہے لیکن اہل حجاز سے روایت کرنے میں ضعیف ہے اور اس کی یہ روایت اہل حجاز سے ہے' لہٰذا ضعیف ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

ان اخبارات و کاغذات کو جن پر اللہ کا نام ہو جلانا یا دفن کرنا

سوال بعض اخبارات و کاغذات میں قرآن کریم کی کچھ آیات لکھی ہوتی ہیں نیز بعض اوراق اور خطوط وغیرہ کے آغاز میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" بھی لکھی ہوتی ہے' تو سوال یہ ہے کہ ان اخبارات' دستاویزات اور خطوط کے پڑھنے کے بعد ہم کیا کریں؟ کیا انہیں پھاڑ دیں یا جلا دیں یا کیا کریں؟

جواب مذکورہ اخبارات و کاغذات کی حفاظت واجب ہے یا پھر پڑھنے کے بعد انہیں جلا دیا جائے یا پاک زمین میں دفن کر دیا جائے تاکہ قرآنی آیات اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کو بے ادبی و بے حرمتی سے بچایا جا سکے۔ یہ جائز نہیں کہ انہیں کوڑے کے ڈرموں یا بازاروں میں پھینک دیا جائے یا انہیں لفافوں کے طور پر یا کھانے کے لیے دستر خوان وغیرہ کے طور پر استعمال کیا جائے کیونکہ ان تمام امور میں بے ادبی و بے حرمتی اور عدم حفاظت ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

شریعت' حائضہ کو قرآن مجید پڑھنے سے نہیں روکتی

سوال کیا حائضہ کے لیے عرفہ کے دن دعاؤں کی ایسی کتابوں کو پڑھنا جائز ہے' جن میں قرآنی آیات بھی لکھی ہوتی ہیں؟

جواب حیض اور نفاس والی عورتوں کے لیے مناسک حج کے بارے میں لکھی ہوئی دعائیں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں' بلکہ

صحیح قول کے مطابق ان کے قرآن مجید پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ ایسی کوئی صحیح اور صریح نص موجود نہیں ہے' جو حیض اور نفاس والی عورتوں کو قرآن مجید پڑھنے سے روکتی ہو۔ البتہ جنبی شخص کے لیے قرآن مجید پڑھنے کی ممانعت ہے جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے [1] اور حیض و نفاس والی عورتوں کے بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے:

«لاَ تَقْرَإِ الْحَائِضُ وَلاَ الْجُنُبُ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ»(جامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في الجنب والحائض ... الخ، ح:۱۳۱)

"حائضہ اور جنبی قرآن مجید میں سے کچھ بھی نہ پڑھیں۔"

لیکن یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ یہ اسماعیل بن عیاش کی حجازیوں سے روایت ہے اور وہ حجازیوں سے روایت کرنے میں ضعیف ہے' لیکن اس کے باوجود حائضہ عورت کو چاہیے کہ وہ قرآن مجید زبانی پڑھے اور اسے ہاتھ نہ لگائے' جب کہ جنبی غسل کیے بغیر زبانی یا دیکھ کر کسی طرح بھی نہیں پڑھ سکتا۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ جنابت کا وقت بہت مختصر ہوتا ہے اور اس کے لیے فوراً غسل کرنا ممکن ہوتا ہے اور پھر معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے کہ جب چاہے غسل کر لے اور اگر غسل کرنے سے عاجز ہو تو تیمم کر لے اور نماز اور قرآن پڑھ لے' لیکن حیض اور نفاس والی خواتین کا معاملہ ان کے اپنے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ ان کا معاملہ اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے' وہ جب حیض اور نفاس سے پاک ہوں گی تو غسل کریں گی اور ظاہر ہے کہ حیض اور نفاس میں کئی دن لگ جاتے ہیں' لہٰذا ان کے لیے قرآن مجید پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے تاکہ بھول نہ جائیں اور پھر قرآن پڑھنے اور قرآن مجید سے احکام شرعیہ کا علم حاصل کرنے کی فضیلت سے محروم نہ ہو جائیں۔ یہ خواتین جب قرآن مجید پڑھ سکتی ہیں تو ان کتابوں کو پڑھنا تو بالاولیٰ جائز ہو گا جن میں آیات و احادیث پر مشتمل دعائیں ہوتی ہیں۔ یہی بات درست اور علماء کے اقوال میں سے صحیح ترین قول ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

قاری قرآن کے لیے طہارت

سوال کیا اس مدرس کے لیے جو اپنے شاگردوں کو قرآن مجید پڑھاتا ہو' یہ واجب ہے کہ وہ طاہر ہو یا اس کے لیے طہارت شرط نہیں ہے؟

جواب مدرس اور غیر مدرس سب کے لیے حکم ایک ہی ہے کہ وہ طہارت کے بغیر قرآن مجید کو ہاتھ نہ لگائیں۔ جمہور اہل علم جن میں ائمہ اربعہ بھی ہیں' کا بھی یہی مذہب ہے کیونکہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

«لاَ يَمَسُّ الْقُرْآنَ إِلاَّ طَاهِرًا»(موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، ح:۷۹۳ وسنن الدارقطني، ح:۴۳۳)

"قرآن مجید کو صرف پاک شخص ہی ہاتھ لگائے۔"

[1] مسند احمد: 110/1

یہ حدیث جید الاسناد ہے۔ اسے امام ابو داود نے (مراسیل میں) اور دیگر کئی محدثین نے متصل اور مرسل روایت کیا ہے اور اس کے کئی طرق ہیں' جو اس کی صحت واتصال پر دلالت کناں ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فتویٰ بھی اسی کے مطابق ہے۔ ((واللّٰہُ وَلی التوفیق))

شیخ ابن باز

قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا کثرت سے ذکر

سوال قرآن مجید میں بنی اسرائیل کا ذکر' کثرت سے کیوں کیا گیا ہے اور اکثر سورتوں میں موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے کیوں استشہاد کیا گیا ہے؟

جواب موسیٰ علیہ السلام اولوا العزم پیغمبر ہیں' اللہ تعالیٰ نے انہیں ہم کلامی کے شرف سے نوازا' بہت سے معجزات سے سرفراز کیا' فرعون کی طرف انہیں مبعوث فرمایا اور انبیا کی تکذیب کرنے والے ان کے اس دشمن کو ہلاک کر دیا۔ پھر بنی اسرائیل پر یہ انعام فرمایا کہ انہیں ان کے اس دشمن سے نجات دی' بنی اسرائیل کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام سنایا' انہیں معجزات دکھائے' انہیں اپنے ہم عصر لوگوں پر فضیلت دی لیکن اس سب کچھ کے باوجود انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی حالانکہ وہ آپ کو اسی طرح پہچانتے تھے' جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے' لہٰذا قرآن مجید انہیں زجر وتوبیخ کرتا ہے کہ انہوں نے علم کے باوجود عمل کیوں نہیں کیا اور حق کو پہچاننے کے باوجود اسے قبول کیوں نہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ان کا تذکرہ کثرت سے کیا ہے۔

شیخ ابن جبرین

حیض ونفاس والی خواتین کا قرآن مجید پڑھنا

سوال فضیلۃ الشیخ! میں سونے سے پہلے قرآن کریم کی کچھ سورتیں پڑھنے کی عادی ہوں' لیکن مخصوص ایام میں نہیں پڑھ سکتی تو کیا یہ جائز ہے کہ میں ان سورتوں کو کسی کاغذ پر لکھ لوں اور ان ایام میں (قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنے کی بجائے) اس کاغذ سے دیکھ کر پڑھ لیا کروں؟

جواب علماء کے صحیح قول کے مطابق حیض اور نفاس والی خواتین کے لیے قرآن مجید پڑھنا جائز ہے' لیکن وہ قرآن مجید کو ہاتھ نہ لگائیں بلکہ کسی پاک کپڑے وغیرہ سے پکڑیں۔ اسی طرح جس کاغذ وغیرہ میں قرآن لکھا ہوا ہو اسے بھی بوقت ضرورت کپڑے وغیرہ سے پکڑا جا سکتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

غیر طاہر کا قرآن مجید کو ہاتھ لگانا

سوال اندرون اور بیرون ملک یہ دیکھا گیا ہے کہ مدارس کے طلبہ پیشاب کرنے کے بعد وضو کیے بغیر قرآن مجید کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ مدارس میں یہ عادت عام ہے حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿ لَا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ﴾ (الواقعة : 79/56) اور رسول

اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے: ﴿ لَا یَمَسُّ الْقُرْآنَ اِلَّا طَاهِرٌ ﴾ تو سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کو باوضو ہاتھ لگانے میں کیا حکمت ہے اور کیا جو شخص بے وضو ہاتھ لگائے گا وہ گناہ گار ہو گا؟

جواب امور طلبہ کے ذمہ دار حضرات کو چاہیے کہ وہ انہیں ہر اس چیز کی عملی تعلیم دیں' جو ہر عبادت کے لیے واجب ہے' انہی عبادات میں سے' دیکھ کر قرآن مجید کی تلاوت بھی ہے کہ یہ طہارت کاملہ پر موقوف ہے۔ اس طرح قرآن مجید کی تعلیم دینے والے مدرسین پر بھی یہ واجب ہے کہ وہ ہر سبق کے آغاز میں طلبہ کی راہنمائی فرمائیں اور جو بے وضو ہو اس سے وضو کرائیں۔ الحمد للہ! اب ہر مدرسے میں دن رات ہر وقت پانی وافر مقدار میں موجود ہے اور مدرسہ میں داخل ہونے والا ہر بچہ شروع ہی سے وضو کرنے کا طریقہ بھی جانتا ہے اور سائل نے جو دلائل خود ہی ذکر کیے ہیں وہ اس بارے میں کافی ہیں کہ قرآن مجید جو کہ پاک کلام' اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے' کو ہاتھ لگانے کے لیے طہارت لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں خود ہی فرمایا ہے کہ اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں اور پھر اس کے بعد یہ ذکر فرمایا ہے کہ یہ اس کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اور پاک سے مراد وہ لوگ ہیں جو کفر' شرک اور حدث اکبر و اصغر سے پاک ہوں' کیونکہ عموم دلائل کا یہی تقاضا ہے اور اگر "کتاب مکنون" سے مراد وہ کتاب ہے کہ جس کے قریب صرف فرشتے ہی جاتے ہیں تو قرآن بھی اسی کی فرع ہے' لہٰذا اسے بھی صرف وہی ہاتھ لگائے جو باطنی اور ظاہری طور پر دونوں طرح پاک ہو۔ (واللہ اعلم)

——— شیخ ابن جبرین ———

حدث اصغر والا قرآن مجید کو ہاتھ نہ لگائے

سوال حدث اصغر والے کے لیے قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کے بارے میں کیا حکم ہے' راہنمائی فرمائیں؟

جواب حدث اصغر والے کے لیے قرآن مجید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ قرآن مجید کو ہاتھ نہ لگائے کیونکہ جواز قراءت کے لیے یہ شرط نہیں کہ انسان طاہر ہو' اور اگر کوئی انسان جنبی ہو تو اس کے لیے غسل کیے بغیر قرآن مجید کو پڑھنا مطلقاً جائز نہیں ہے' لیکن وہ قرآن مجید کے الفاظ پر مشتمل ذکر کر سکتا ہے مثلاً ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ پڑھ سکتا ہے' مصیبت کے وقت ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾ پڑھ سکتا ہے یا قرآن کریم سے ماخوذ اس طرح کے دیگر اذکار پڑھ سکتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کیسٹیں کاغذ کی طرح نہیں

سوال کیا وہ کیسٹیں جو قرآنی آیات اور بعض احادیث شریفہ پر مشتمل ہوں' انہیں ردی کی ٹوکری میں پھینکنا جائز ہے؟

جواب یہ کیسٹیں جو احادیث نبویہ یا آیات کریمہ پر مشتمل ہوں' ان میں آیات و احادیث نظر ہی نہیں آتیں۔ یہ تو صرف آواز کا اتار چڑھاؤ (لہریں) ہوتی ہیں۔ جب کیسٹ ٹیپ ریکارڈر میں لگی چرخی پر گھومتی ہے' تو اس سے آواز پیدا ہوتی ہے لہٰذا کیسٹ کے لیے وہ احکام نہیں ہوں گے' جو اس کاغذ کے ہیں' جس پر قرآن یا احادیث لکھی ہوں' لہٰذا انسان کیسٹ کو جہاں بھی رکھ دے کوئی حرج نہیں بشرطیکہ مقصود بے ادبی و بے حرمتی نہ ہو۔ اس طرح بیت الخلاء میں بھی ساتھ لے جانے

میں کوئی حرج نہیں کیونکہ آیات واحادیث کیسٹ پر ظاہر اور نمایاں نہیں ہوتیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

تبرک کے لیے گاڑی وغیرہ میں قرآن مجید رکھنا

سوال بعض لوگ گھروں کے کمروں، ہوٹلوں اور دفتروں، وغیرہ میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ لکھ کر لٹکا دیتے ہیں اسی طرح ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں وغیرہ میں آیت ﴿ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴾ لکھ کر لٹکا دی جاتی ہے، تو سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح آیات کا لکھ کر لٹکانا بھی ان تعویذات کے قبیل سے ہے، جو شرعاً ممنوع ہیں؟ یاد رہے! لوگوں کا اس سے مقصود برکتوں کا حصول اور شیطانوں کو دفع کرنا ہوتا ہے، نیز اس سے مقصود بھولنے والے کو یاد دہانی اور غافل کو تنبیہ کرنا بھی ہوتا ہے۔ اور کیا برکت کی نیت سے گاڑی میں قرآن مجید رکھنا بھی تعویذ کے قبیل سے ہو گا؟

جواب اگر اس سے مقصود لوگوں کو یاد دہانی کرانا اور ایسے امور کی تعلیم دینا ہے، جو ان کے لیے منفعت بخش ہوں، تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس سے مقصود شیطانوں اور جنوں سے محفوظ رہنا ہو، تو مجھے اس کی کوئی اصل معلوم نہیں، اسی طرح برکت کے لیے گاڑی وغیرہ میں قرآن مجید رکھنے کی نہ کوئی اصل ہے اور نہ یہ مشروع ہے۔ اور اگر گاڑی میں قرآن مجید اس لیے رکھا جائے کہ اسے بعض اوقات پڑھ لیا جائے یا بعض دیگر سوار اسے پڑھ لیں تو یہ ایک اچھی بات ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ (واللہ ولی التوفیق)

——— شیخ ابن باز ———

دفتروں میں آیات کو لٹکانا

سوال کیا دفتروں میں بعض قرآنی آیات کو لٹکانا جائز ہے؟ اور کیا یہ صحیح ہے کہ ان کا حکم بھی وہی ہے جو تصویروں کا ہے؟

جواب تصویروں کا لٹکانا تو جائز نہیں ہے البتہ یاد دہانی کے لیے دفتروں میں آیات اور احادیث کے لٹکانے میں کوئی حرج نہیں۔ ((واللہ ولی التوفیق))

——— شیخ ابن باز ———

نمازی کے پاس بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت

سوال کیا مسجد میں اس وقت بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت جائز ہے، جب پاس ہی کچھ نمازی مسجد میں نفل پڑھ رہے ہوں؟

جواب مسجد میں بلند آواز سے قرآن مجید اس وقت نہیں پڑھنا چاہیے، جب نمازیوں کی نماز میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو، اسی طرح مسجد کے علاوہ بھی جب کسی جگہ لوگ نماز یا قرآن مجید پڑھ رہے ہوں تو سنت یہ ہے کہ ان کے پاس بلند آواز سے قرآن مجید نہ پڑھا جائے کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن کچھ لوگوں کے پاس گئے جو مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے اور بلند آواز سے قرآن مجید کی قراءت کر رہے تھے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

«أَلَا إِنَّ كُلَّكُمْ مُنَاجٍ رَبَّهُ فَلَا يُؤْذِيَنَّ بَعْضُكُمْ بَعْضًا»(سنن أبي داود، التطوع، باب رفع الصوت بالقراءة في صلاة الليل، ح: ١٣٣٢ ومسند أحمد: ٣/ ٩٤)

"خبردار! بلاشبہ تم میں سے ہر ایک اپنے رب سے سرگوشیاں کرتا ہے لہٰذا ایک دوسرے کو تکلیف ہرگز نہ دو۔"

—— شیخ ابن باز ——

نماز پڑھنے والے کے پاس بلند آواز سے قراءت

سوال کیا اسلام کسی مسلمان یا مسلمانوں کی جماعت کے لیے اس بات کو جائز قرار دیتا ہے کہ وہ بلند آواز سے قرآن مجید یا کوئی اور چیز پڑھیں جب کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہوں؟

جواب اسلام اس بات کو جائز قرار نہیں دیتا کہ مسجدوں میں اس وقت بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے یا ذکر کیا جائے یا کوئی دنیوی بات کی جائے' جب لوگ نماز پڑھ رہے ہوں کیونکہ اس طرح ان کی نماز میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے اور حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمایا ہے[1] اور اگر کوئی شخص بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت یا ذکر اس وقت کرے جب جماعت کھڑی ہو تو وہ معصیت کا ارتکاب کرتا ہے کہ نماز باجماعت میں شریک نہیں ہوتا اور پھر بلند آواز سے تلاوت یا ذکر کر کے مسلمانوں کو تشویش میں بھی مبتلا کرتا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

ریڈیو سے قرآن مجید سننا

سوال ریڈیو سے قرآن مجید سننے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ریڈیو تو ایک آلہ ہے اس کے بارے میں تو کوئی حکم نہیں ہے بلکہ حکم اس چیز کا ہے جو اس سے نشر کی جاتی ہے لہٰذا ریڈیو سے اگر قرآن مجید یا اللہ کی شریعت کے احکام یا ایسے مواعظ جن سے دلوں میں گداز پیدا ہوتا ہو یا ایسی سچی سیاسی خبریں جن سے لوگ' افراد اور ملکوں کے حالات معلوم کر سکیں اور وہ دوستوں اور دشمنوں کے بارے میں صحیح موقف اختیار کر سکیں یا اس سے ایسی تجارتی خبریں نشر کی جائیں' جن سے لوگ ایسے امور کو پہچان سکیں جو معیشت کے حوالہ سے مفید اور منفعت بخش ہوں یا اس طرح کی دیگر اچھی باتیں نشر کی جائیں تو پھر ریڈیو کو سننا بہتر ہے بلکہ کبھی کبھی اسے سننا واجب بھی ہو جاتا ہے اور اگر ریڈیو سے ایسے فحش گانے نشر کیے جائیں' جن میں بے شرمی و بے حیائی کی باتیں ہوں یا ایسی جھوٹی سیاسی خبریں نشر کی جائیں' جن سے مقصود حقائق کو بدلنا' لوگوں کو دجل و فریب میں مبتلا کرنا اور جھوٹ' گناہ اور بہتان کے ذریعے سے لوگوں کے جذبات کو بھڑکانا ہو تو اس طرح کی باتوں کو نشر کرنا باطل ہے لہٰذا ایسی باتوں سے نہ تو سکوت اختیار کرنا چاہیے اور نہ انہیں سننا چاہیے الّا یہ کہ ان جھوٹی خبروں' فاسد آراء اور باطل اقوال کے سننے والے انہیں اس لیے سنیں کہ وہ ان کے جھوٹ اور دجل و فریب کو واضح کر سکیں اور امت کو ان کی تباہ کاریوں سے بچا سکیں اور ان لوگوں کو محفوظ رکھ سکیں جن کے ان کی چکنی چپڑی باتوں سے مبتلائے فریب ہونے کا اندیشہ ہو۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ

---

[1] ابو داود' التطوع' باب رفع الصوت بالقراءة فی صلاۃ اللیل' حدیث: 1332' مسند احمد: 94/3

فتویٰ کمیٹی

ترتیب نزولی

سوال قرآن کریم کی سورتوں اور آیات کی ترتیب کیسے مکمل ہوئی؟ نیز قرآن مجید کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت کون سی ہے؟

جواب قرآن کریم کی آیات کی ترتیب توقیفی ہے یعنی رسول اللہ ﷺ خود ہی یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں شامل کر دو۔ سورتوں میں سے بعض کی ترتیب توقیفی ہے اور بعض کی اجتہادی' یعنی جن سورتوں کی ترتیب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے وہ توقیفی ہے مثلاً سورۂ بقرہ اور آل عمران کہ نبی ﷺ ہمیشہ انہیں ملا کر پڑھا کرتے تھے کیونکہ ان کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔ اسی طرح آپ سورۃ الاعلیٰ اور الغاشیہ کو اور الجمعہ اور المنافقون کو بھی ہمیشہ ملا کر پڑھا کرتے تھے' یعنی جن سورتوں کی ترتیب نبی ﷺ سے ثابت ہے وہ توقیفی ہے اور جن کی ترتیب نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے ان کی ترتیب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجتہاد سے کام لیا ہے مگر ہمیں اس بات کا حق حاصل نہیں ہے کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متفقہ اجتہاد سے اعراض کریں بلکہ ہمیں قرآن کریم کی موجود ترتیب ہی کی پابندی کرنی چاہیے۔

رہی یہ بات کہ قرآن کریم کی سب سے آخر میں کون سی آیت نازل ہوئی؟ تو اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ سب سے آخر میں آیت ربا نازل ہوئی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت یہ ہے:

﴿ ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَٰمَ دِينًا ﴾ (المائدۃ ۵/ ۳)

شیخ ابن عثیمین

ضاد کا مخرج

سوال ضاد کا مخرج کیا ہے؟ اگر اسے اصلی مخرج سے ادا کیا جائے تو اس کی آواز کس طرح ظاہر ہو گی۔ پاک و ہند میں کئی لوگ اسے "غدواد" یا "دواد" دال مفخمہ کے مشابہ' مثلاً ﴿ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ کو ((ولاغدوا لین)) یا ((ولا الدوا لین)) پڑھتے ہیں اور کچھ لوگ اسے ظاء کے مشابہ پڑھتے ہیں جب کہ مخرج کے اعتبار سے ضاد اور ظاء کے تلفظ میں واضح فرق ہے۔ پہلے گروہ نے فتویٰ دیا ہے کہ دوسرے گروہ کے پیچھے نماز جائز نہیں یا اس طرح پڑھنے کی صورت میں کم از کم اجر وثواب میں کمی ضرور ہو جاتی ہے۔

تو اے گروہ علماء حق مبین! ضاد کے مخرج کو اور اس کے اور ظاء کے فرق کو واضح کریں' شریعت کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل بتائیں اور یہ فرمائیں کہ مذکورہ گروہوں میں سے کس کا موقف مبنی بر حق وصواب ہے؟

جواب اوّلاً: ضاد کا مخرج زبان کے دائیں یا بائیں کنارے سے یاء کے مخرج کے بعد اور لام کے مخرج سے پہلے داڑھوں کے ساتھ ملنے والے حصہ سے ہے۔ ضاد کو منہ کے ابتدائی حصہ سے زبان کے قریب ترین کنارے سے نکالا جاتا ہے اور اس کی آواز' دال مفخمہ اور ظاء معجمہ کے قریباً بین بین ہے لہٰذا ضاد کی جو آواز سوال میں ذکر کی گئی ہے وہ غلط ہے۔

ثانیاً: جو شخص حرف ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے نکالنے کی قدرت رکھتا ہو' تو اس کیلئے یہ واجب ہے کہ وہ اسے صحیح مخرج

سے نکالے اور جو شخص ضاد یا کسی بھی دوسرے حرف کو زبان سے صحیح طور پر ادا کرنے سے عاجز ہو تو وہ معذور ہے اور اس کی نماز صحیح ہے۔ لیکن وہ اپنے جیسے یا اپنے سے بھی کم تر لوگوں کی امامت کروا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ ضاد اور ظاء کے تلفظ میں اس قدر معافی ہے' جو کسی دوسرے حرف میں نہیں ہے کیونکہ ان کا مخرج قریب قریب ہے اور نطق کے اعتبار سے دونوں میں تمیز کرنا مشکل ہے جیسا کہ اہل علم کی ایک جماعت نے اس کی وضاحت فرمائی ہے مثلاً حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نجات دینے والی سورتیں

سوال میرے پاس دارالحدیث مدینہ منورہ کے بعض طلبہ ایک نسخہ لے کر آئے جسے "سور منجیات" کے نام سے موسوم کیا گیا تھا اور اس میں سورۂ کہف' سجدہ' یٰسٓ' فصلت' دخان' واقعہ' حشر اور ملک لکھی ہوئی تھیں۔ اور ان طلبہ نے بیان کیا کہ اس نسخہ کی بہت سی کاپیاں حرم مکہ ومدینہ اور دیگر مقامات پر تقسیم کی گئی ہیں' سوال یہ ہے کہ کیا ایسی کوئی دلیل ہے' جس سے ان سورتوں کا یہ نام اور یہ تخصیص ثابت ہو؟

جواب فضیلت میں قرآن مجید سارے کا سارا ایک سورت کی طرح' اور اس کی آیات سینوں کے لیے شفا ہیں' مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہیں۔ جو قرآن سے وابستہ ہو جائے اور اس کی ہدایت کو اختیار کر لے تو یہ اس کے لیے کفر' ضلالت اور عذاب الیم سے نجات ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول' عمل اور تقریر سے دم کے جواز کو واضح فرمایا ہے لیکن یہ ثابت نہیں کہ آپ نے ان آٹھ سورتوں کی کوئی تخصیص کی ہو یا انہیں منجیات کے نام سے موسوم فرمایا ہو' بلکہ ثابت یہ ہے کہ آپ تینوں معوذات یعنی سورۂ اخلاص' الفلق اور الناس کے ساتھ اپنے آپ پر دم کیا کرتے تھے۔ آپ انہیں تین بار پڑھتے' ہر بار پڑھنے کے بعد دونوں ہتھیلیوں پر پھونک مارتے اور انہیں اپنے چہرے اور جہاں تک ہو سکتا اپنے سارے جسم پر پھیرتے تھے۔ [1] سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ نے سورۂ فاتحہ کے ساتھ ایک کافر قبیلے کے سردار کو دم کیا تھا جسے بچھو نے ڈسا تھا تو وہ اللہ کے حکم سے صحت یاب ہو گیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے اس کی تائید فرمائی۔ [2] آپ نے سوتے وقت آیۃ الکرسی پڑھنے کی بھی تلقین فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ جو شخص رات کو سوتے وقت اسے پڑھے تو اس رات شیطان اس کے قریب نہیں آئے گا۔ [3] جو شخص سوال میں مذکور سورتوں کو منجیات کے نام سے مخصوص کر لے وہ جاہل اور بدعتی ہے اور جو شخص دیگر سورتوں کو چھوڑ کر انہیں اس ترتیب سے جمع کر لے' خواہ اس کا مقصد نجات کی امید ہو یا حفظ کرنا یا ان سے تبرک حاصل کرنا' تو وہ اس مصحف عثمانی کی ترتیب کی مخالفت کی وجہ سے برا اور نافرمانی کا کام کرتا ہے' جس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا۔ اور پھر اس طرح وہ قرآن کریم کے اکثر حصہ کو ترک کر دیتا ہے اور بعض حصے کی وہ تخصیص بیان کرتا ہے' جو رسول اللہ ﷺ سے یا کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں ہے' لہٰذا واجب ہے کہ اس عمل سے منع کیا جائے اور ان مطبوعہ نسخوں کو ختم کر دیا جائے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

---

[1] صحیح بخاری' فضائل القرآن' باب فضل المعوذات' حدیث: 5017

[2] صحیح بخاری' الاجارۃ' باب مایعطی فی الرقیة علی احیاء العرب بفاتحة الکتاب' حدیث: 2276

[3] صحیح بخاری' فضائل القرآن' باب فضل سورۃ البقرۃ' حدیث: 5010

مصحف عثمانی کے رسم الخط میں تبدیلی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ لاَ نَبِيَّ بَعْدَهُ سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ، أَمَّا بَعْدُ:

اسلامی فقہی کونسل نے اس خط کو ملاحظہ کیا جسے شیخ ہاشم وہبۃ عبدالعال نے جدہ سے ارسال کیا ہے اور جس میں انہوں نے عثمانی رسم الخط کی املائی رسم الخط میں تبدیلی کے مسئلہ کا ذکر کیا ہے تو کونسل نے اس موضوع پر گفتگو بھی کی اور اس موضوع سے متعلق کونسل کبار علماء ریاض کی قرار داد نمبر:۷۱ مجریہ ۱۳۹۹/۱۰/۲۱ھ کو بھی ملاحظہ کیا جس میں بتایا گیا ہے کہ درج ذیل اسباب کا تقاضا ہے کہ قرآن مجید کی عثمانی رسم الخط میں کتابت ہی کو باقی رکھا جائے:

① یہ ثابت ہے کہ قرآن مجید کی عثمانی رسم الخط میں کتابت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوئی اور انہوں نے کاتبین مصحف کو یہ حکم دیا تھا کہ اس کی کتابت ایک معین رسم الخط میں کریں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ' تابعین رحمہم اللہ اور ان کے بعد سے لے کر اب تک کے مسلمانوں کا بھی اسی رسم الخط پر اتفاق ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِي»(سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، ح:٤٦٠٧ والمعجم الكبير للطبراني:١٨/ ٢٤٧ والمستدرك على الصحيحين للحاكم: ١/ ٩٦)

"میری اور میرے بعد کے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو۔"

سیدنا عثمان' سیدنا علی اور دیگر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی اقتداء اور ان کے اجماع کے مطابق عمل کی وجہ سے یہ بات طے شدہ ہے کہ قرآن مجید کی کتابت عثمانی رسم الخط ہی میں کی جائے۔

② عثمانی رسم الخط کی بجائے قراءت میں آسانی کے مقصد سے موجودہ املائی رسم الخط کے اختیار کرنے سے ایک اور تبدیلی بھی آئے گی اور وہ یہ کہ املائی رسم الخط اصطلاح کی ایک قسم ہے اور اس میں کسی دوسری اصطلاح کی وجہ سے تبدیلی ممکن ہے اور بعض حروف کی تبدیلی یا کمی بیشی کی وجہ سے قرآن مجید میں تحریف بھی پیدا ہو سکتی ہے' جس کی وجہ سے قرآن مجید میں وہ اختلاف رونما ہو جائے گا' جو صدیاں گزرنے کے باوجود بھی پیدا نہ ہو سکا اور پھر اس سے دشمنان اسلام کو قرآن مجید پر اعتراض کرنے کا موقع ملے گا جب کہ اسلام شر کے ذرائع اور فتنہ کے اسباب کو ختم کرنے کے لیے آیا ہے۔

③ اگر قرآن مجید کی کتابت کے لیے عثمانی رسم الخط کی پابندی نہ کی جائے' تو خدشہ ہے کہ کتاب اللہ لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ جائے گی اور ہر انسان اسے اپنی فکر اور اپنی سوچ کے مطابق لکھنے لگ جائے گا' کوئی اسے لاطینی رسم الخط میں لکھے گا اور کوئی کسی دوسرے رسم الخط میں۔ اور اس میں بھی جو خطرات ہیں وہ مخفی نہیں اور دفع مفاسد' جلب مصالح سے زیادہ بہتر ہے۔

اسلامی فقہی کونسل نے جب سعودی عرب کے کبار علماء کی کونسل کے اس فیصلے کو دیکھا تو کونسل نے بالاتفاق اس کی تائید کی کہ قرآن مجید کی کتابت کے لیے عثمانی رسم الخط کو بدلنا جائز نہیں ہے بلکہ واجب یہ ہے کہ اس رسم الخط ہی کو باقی رکھا جائے تاکہ نص قرآنی میں کسی تبدیلی یا تحریف کے وقوع پذیر نہ ہو سکنے کی یہ زندہ جاوید دلیل برقرار رہے اور صحابہ

کرام اور ائمہ سلف رضی اللہ عنہم کی بھی اتباع ہو سکے۔

جہاں تک اس نسل نو کے لیے جو مروج رسم الخط کی عادی ہے' قرآن مجید کی تعلیم اور قراءت کو آسان کرنے کی ضرورت کا تعلق ہے' تو یہ ضرورت مدرسین کی راہنمائی سے پوری ہو سکتی ہے کیونکہ تعلیم قرآن کے سلسلہ میں بھی انسان استاد سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اور استاد ہی بچوں کو وہ کلمات بھی سکھاتا ہے جن کا رسم الخط مصحف عثمانی میں مروجہ قواعد املاء کے رسم الخط سے مختلف ہوتا ہے خصوصاً جب کہ ان کلمات کی تعداد قلیل ہو اور قرآن مجید میں ان کا استعمال تکرار اور کثرت کے ساتھ ہوا ہو مثلاً کلمہ "الصلٰوۃ" اور "السمٰوات" وغیرہ تو بچہ جب عثمانی رسم الخط میں کسی کلمہ کو سیکھ جائے گا تو اس کا پڑھنا بھی اس کے لیے آسان ہو جائے گا' اسی طرح "هٰذَا" اور ذٰلِکَ کے کلمات بھی اگرچہ مروجہ قواعد املاء کے مطابق نہیں ہیں لیکن بچوں کو اگر ان کے بارے میں بتا دیا جائے تو پھر انہیں ان کے پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں ہو گی۔

واللہ ولی التوفیق' و صلی اللہ علی سیدنا محمد النبی الامی و علی آلہٖ وسلم تسلیماً کثیراً

دستخط	دستخط
عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز	ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف
چیئرمین فقہی کونسل	وائس چیئرمین

قرآن مجید کی تلاوت کے بعد "صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم" کہنا

سوال قرآن کریم کی تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد " صدق اللہ العظیم " کہنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس کلمہ کو کثرت کے ساتھ لوگ استعمال کرنے لگے ہیں لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس مقام پر اس کے پڑھنے کے لیے اہل علم کو اس کی کوئی دلیل نہیں ملی لہٰذا اسے معمول نہیں بنانا چاہیے کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں داخل ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ... الخ، ح:١٧١٨)

"جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ (عمل) مردود ہے۔"

اس کلمہ کا استعمال اگر بدعت نہیں تو بدعت کے مشابہ ضرور ہے خصوصاً جب کہ اسے ہر قراءت کے بعد پڑھا جائے' لیکن بعض لوگ تو اس کے اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ وہ نماز میں بھی اسے پڑھنے لگے ہیں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یا سلف امت سے یہ ہرگز ثابت نہیں کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد صدق اللہ العظیم پڑھتے ہوں' لوگوں میں اس کلمہ کا عام اور مشہور ہو جانا اور بعض لوگوں کا اسے مستحسن سمجھنا اس کے مشروع یا مستحسن یا لازمی ہونے کے لیے کافی نہیں ہے' البتہ تلاوت کے دوران میں اگر کوئی تعجب انگیز مقام آئے اور انسان کتاب اللہ کی تعظیم کے پیش نظر بعض اوقات یہ کہہ دے کہ "صدق اللہ العظیم" تو اس میں کوئی حرج نہیں' لیکن ہر تلاوت سے فراغت کے وقت اسے معمول بنا لینے کا کوئی ثبوت نہیں ہے جیسا کہ تتبع' اہتمام اور اہل علم کے ساتھ مذاکرہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے۔

شیخ ابن باز

سورۃ الضحیٰ اور اس کے بعد کی سورتوں کے بعد اللہ اکبر کہنا

سوال میں نے ریڈیو اور ٹیلی وژن پر بعض قاریوں سے سنا ہے کہ وہ سورۃ الضحیٰ کی تلاوت کے بعد اللہ اکبر کہتے ہیں تو کیا یہ مشروع ہے اور اس سورۃ کے علاوہ دیگر سورتوں کے لیے بھی یہ حکم ہے اور کیا نماز میں بھی ان کی قراءت کے بعد اللہ اکبر کہنا جائز ہے؟

جواب قاریٔ مکہ عبداللہ بن کثیر جو کہ قراء سبعہ میں سے ایک ہیں' کی قراءت میں اللہ اکبر کہنا وارد ہے اور انہوں نے اپنے مشائخ سے لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک کی سند سے یہ روایت کیا ہے کہ سورۃ الضحیٰ سے لے کر سورۃ الناس تک ہر سورت کے بعد اللہ اکبر کہا جائے' لیکن اہل حدیث سے یہ تکبیر منقول نہیں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ مرفوعاً ثابت نہیں ہے' ابن کثیر کے علاوہ قراء میں سے کسی اور نے بھی اسے ذکر نہیں کیا لہٰذا جو ابن کثیر کی قراءت سے پڑھے وہ تکبیر کہہ لے لیکن تکبیر کہنے والے یا نہ کہنے والے کسی پر کوئی اعتراض نہیں کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

چارپائی پر لیٹ کر قرآن پڑھنا

سوال کیا انسان کے لیے چارپائی پر لیٹ کر قرآن مجید پڑھنا جائز ہے؟

جواب ہاں! چارپائی پر لیٹ کر بھی قرآن پڑھنا جائز ہے لیکن جنبی کے لیے غسل کے بغیر قرآن مجید پڑھنا جائز نہیں ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

قراءت قرآن سے مقصود' تدبر اور عمل ہے

سوال ایک شخص الحمدللہ قرآن مجید کی قراءت اچھے طریقے سے کر سکتا ہے' تو کیا اس کے لیے قرآن مجید سے دیکھ کر کثرت سے تلاوت کرنا افضل ہے یا کیسٹ سے کسی قاری کی تلاوت سننا افضل ہے؟

جواب افضل یہ ہے کہ آدمی وہ عمل کرے' جس سے دل کی زیادہ اصلاح ہو اور دل زیادہ متاثر ہو خواہ یہ خود تلاوت کرنے سے ہویا تلاوت سننے سے۔ کیونکہ قراءت سے مقصود تدبر' معنی و مفہوم کو سمجھنا اور کتاب اللہ کے مطابق عمل کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ مُبَٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓا۟ ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿٢٩﴾ ﴾ (ص ۳۸/ ۲۹)

"یہ کتاب جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے' بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑ سکیں۔"

اور فرمایا:

﴿ إِنَّ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانَ يَهْدِى لِلَّتِى هِىَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ ٱلْمُؤْمِنِينَ ٱلَّذِينَ يَعْمَلُونَ ٱلصَّٰلِحَٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴿٩﴾ ﴾ (الاسراء ۱۷/ ۹)

”یہ قرآن وہ رستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں‘ اس بات کی خوش خبری دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔“

اور فرمایا:

﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ هُدًى وَشِفَآءٌ ﴾ (فصلت٤١/ ٤٤)

”کہہ دیجئے! جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کے لیے (یہ قرآن) ہدایت اور شفاء ہے۔“

——— شیخ ابن باز ———

ہوٹلوں کے کمروں میں قرآن مجید کے نسخوں کی تقسیم کے بارے میں فقہی کونسل کی قرار داد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ، أَمَّا بَعْدُ:

اسلامی فقہی کونسل نے اپنے ساتویں اجلاس میں جناب محمود شیت خطاب ممبر اسلامی فقہی کونسل کے خط پر غور کیا جو ہوٹلوں کے کمروں میں قرآن کریم کے نسخوں کی تقسیم سے متعلق ہے۔ جناب محمود شیت خطاب اسے مناسب نہیں سمجھتے کیونکہ ان کی رائے میں ایسا کرنا قرآن مجید کی بے حرمتی ہے۔

موضوع کے مناقشہ اور تبادلہ‘ آراء کے بعد کونسل نے یہ طے کیا کہ مصلحت اس میں ہے کہ ہوٹلوں کے کمروں میں قرآن مجید کے نسخوں کو رکھا جائے تاکہ فائدہ عام ہو اور شاید اس سے وہ بھی فائدہ اٹھا لے جس نے پہلے قرآن مجید پڑھا یا دیکھا نہ ہو۔ کونسل نے رابطہ کے جنرل سیکرٹری سے بھی کہا ہے کہ وہ جناب محمود شیت خطاب کی طرف خط لکھیں اور قرآن مجید کے حوالہ سے ان کی دینی غیرت پر شکریہ بھی ادا کریں اور کونسل کی رائے سے انہیں مطلع بھی کریں۔ واللہ ولی التوفیق‘ و صلی اللہ علی خیر خلقه سیدنا و نبینا محمد و علی آلہٖ و صحبه وسلم۔

لوگوں سے قرآن مجید کے ساتھ گفتگو

سوال کیا قرآن مجید کے ساتھ کلام کرنا جائز ہے مثلاً اگر کوئی شخص سلام کہے تو اسے جواب دیا جائے ”سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ“ جس طرح کہ اس عورت کا قصہ ہے جسے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے؟

جواب اہل علم کے ہاں معروف یہ بات ہے کہ کلام کی جگہ قرآن کو استعمال نہ کیا جائے کیونکہ کلام کی اپنی شان ہے اور قرآن کی اپنی شان‘ لہٰذا کم سے کم جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ کلام کے لیے قرآن مجید کو استعمال کرنا مکروہ ہے لہٰذا سلام کا جواب عام دستور کے مطابق دینا چاہیے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سلام کے جواب میں وعلیکم السلام و رحمة اللہ و برکاته ہی کہا کرتے تھے۔ اسی طرح دوست احباب کی مزاج پرسی کے لیے بھی دستور کے مطابق عبارتیں استعمال کی جائیں۔

——— شیخ ابن باز ———

قرآن کریم کی تلاوت کے بعد "صدق اللّٰہ العظیم" کہنا

سوال قرآن کریم کی تلاوت کے بعد "صدق اللہ العظیم" کہنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب "صدق اللہ العظیم" ایک ایسا کلمہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ثناء شمار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ثناء کا کلمہ عبادات میں سے شمار ہوتا ہے کیونکہ اس پر انسان کو اجر و ثواب ملتا ہے لیکن انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ عبادت کی کوئی بھی ایسی صورت اختیار کرے، جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حکم نہ دیا ہو۔

تلاوت قرآن کے اختتام پر "صدق اللہ العظیم" کہنے کا شریعت نے حکم نہیں دیا اور ہمارے علم کی حد تک رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی کسی سے یہ ثابت نہیں ہے بلکہ نبی ﷺ نے ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ آپ کو سورۃ النساء سنائیں، جب وہ اس آیت پر پہنچے:

﴿ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴾ (النساء ٤/ ٤١)

"بھلا اس دن کیا حال ہو گا جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان گواہوں پر آپ کو گواہ بنادیں گے۔"

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حَسْبُكَ" (بس کافی ہے) اور اس کے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تلاوت کو بند کر دیا۔[1] نبی ﷺ سے یہ قطعاً ثابت نہیں کہ آپ نے اس آیت یا کسی دوسری آیت کی تلاوت کے بعد کہا ہو "صدق اللّٰہ العظیم" اور نہ ہی آپ ﷺ نے یہ کلمہ کہنے کا حکم دیا ہے لہٰذا آدمی کو یہ کلمہ نہیں کہنا چاہیے۔ بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ کلمہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ قُلْ صَدَقَ اللَّهُ ۗ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ﴾ (آل عمران ٣/ ٩٥)

"کہہ دیجئے! اللہ نے سچ فرمایا، پس دین ابراہیم کی پیروی کرو جو سب سے بے تعلق ہو کر ایک (اللہ) کے ہو رہے تھے۔"

سے ماخوذ ہے تو یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ تو نبی ﷺ کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے کہ آپ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والوں تک یہ بات پہنچا دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی طرف جو وحی بھیجی ہے، اس میں وہ سچا ہے۔ ہم کسی مسلمان سے یہ نہیں کہتے کہ وہ "صدق اللہ العظیم" نہ کہے۔ بلکہ ضرور کہے، لیکن اسے دل میں کہے اور زبان سے بھی کہہ سکتا ہے مگر تلاوت کے اختتام کے ساتھ اس کلمہ کی تعیین اور تخصیص نہ کرے کیوں کہ یہ شریعت میں ثابت نہیں۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ یہ واجب ہے کہ انسان اپنے دل اور زبان سے کہے "صدق اللّٰہ العظیم" اور یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اور کوئی بات میں سچا نہیں ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴾ (النساء ٤/ ٨٧)

"اور اللہ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہے؟"

---

[1] صحیح بخاری، فضائل القرآن، باب قول المقرئ للقارئ: حسبک، حدیث: 5050- صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب فضل استماع القرآن ---، حدیث: 800

بہرحال مذکورہ بالا آیت قطعاً اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ تلاوت کے اختتام پر انسان زبان سے "صدق اللہ العظیم" کہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کسی ایک سورت کی زیادہ تلاوت کرنا

سوال کسی ایک سورت کی دوسری سورتوں کی نسبت زیادہ تلاوت کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے مثلاً میں اکثر اوقات سورۂ مریم کی تلاوت کرنا زیادہ پسند کرتا ہوں کیونکہ میں اسے تلاوت کرتے ہوئے بہت لطف و راحت محسوس کرتا ہوں؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں کہ انسان کسی بھی سبب سے قرآن مجید کی کسی ایک سورت کو دوسری سورتوں سے ترجیح دے۔ یوں تو سارا قرآن ہی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لہٰذا کلام اللہ ہونے کے اعتبار سے تو سارا قرآن ہی ایک جیسا ہے لیکن جلیل اور عظیم معانی پر مشتمل ہونے کے اعتبار سے بعض سورتیں بعض سے افضل بھی ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ: کتاب اللہ کی سب سے عظیم سورت' سورۃ الفاتحہ ہے اور سب سے عظیم آیت' آیۃ الکرسی ہے۔ [1]

ایک صحابی کو نبی ﷺ نے ایک سریہ میں بھیجا تھا تو وہ جب بھی قرآن (نماز کی امامت کے دوران میں) پڑھتے تو اسے سورۂ اخلاص کے ساتھ ختم کرتے' نبی ﷺ نے فرمایا:

«سَلُوهُ لأَيِّ شَيْءٍ يَصْنَعُ ذٰلِكَ»

"اس سے پوچھو کہ یہ ایسا کیوں کرتا ہے؟"

اس نے جواب دیا: اس لیے کہ یہ سورت' رحمٰن کی صفت پر مشتمل ہے لہٰذا میں اسے پڑھنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَخْبِرُوهُ أَنَّ اللهَ يُحِبُّهُ»(صحيح البخاري، التوحيد، باب ماجاء في دعاء النبي ﷺ أمته إلى توحيد الله، ح:٧٣٧٥ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل قراءة "قل هو الله أحد" ح:٨١٣)

"اسے بتادو کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت رکھتا ہے۔"

نبی اکرم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ»(صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب فضل "قل هو الله أحد"، ح:٥٠١٣ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل قراءة "قل هو الله أحد"، ح:٨١٢)

"یہ (سورۃ الاخلاص) قرآن مجید کے ایک ثلث کے برابر ہے۔"

لہٰذا اگر سائل سورۂ مریم پڑھنے کو زیادہ پسند کرتا ہے کہ اس میں عظیم و نافع واقعات بیان کیے گئے ہیں' اس میں آخرت میں جزاو سزا کا ذکر ہے' آیات کی تکذیب و تکفیر کرنے والے کا انکار ہے اور اس سورت کو اللہ تعالیٰ نے خوبصورت آہنگ اور عظیم معانی عطا فرمائے ہیں' اس کی وجہ سے اگر سائل اس سورت کو پسند کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

[1] صحیح بخاری' فضائل القرآن' باب فضل فاتحۃ الکتاب' حدیث: 5006- صحیح مسلم' صلاۃ المسافرین' باب فضل سورۃ الکہف و آیۃ الکرسی' حدیث: 810

قرآن مجید کو سری طور پر پڑھنے والا

سوال الحمد للہ ! میں قرآن مجید بہت اچھے طریقے سے پڑھتا ہوں کہ مجھے قریباً قریباً قرآن مجید حفظ ہے لیکن میری مشکل یہ ہے کہ جب میں قرآن مجید سے دیکھے بغیر زبانی جہری طور پر قراءت کروں تو میں بہت بھولنے لگتا ہوں' تو سوال یہ ہے کہ کیا سری طور پر پڑھنے میں کوئی گناہ ہے اور کیا اس سے ثواب میں کوئی کمی واقع ہو جاتی ہے؟

جواب سری طور پر قرآن مجید پڑھنا زیادہ افضل ہے جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے جسے حسن اسناد کے ساتھ محدثین کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْآنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ»(سنن أبي داود، التطوع، باب رفع الصوت بالقراءة في صلاة الليل، ح:١٣٣٣ وجامع الترمذي، فضائل القرآن، باب من قرأ القرآن فليسأل الله به . . . الخ، ح:٢٩١٩)

"جہری طور پر قرآن مجید پڑھنے والا جہری طور پر صدقہ کرنے والے کی طرح ہے اور سری طور پر قرآن مجید پڑھنے والا سری طور پر صدقہ کرنے والے کی طرح ہے۔"

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مجید سری طور پر پڑھنا افضل ہے' جس طرح کہ سری طور پر صدقہ کرنا افضل ہے' البتہ اگر مصلحت اور حاجت کا تقاضا جہر کا ہو تو پھر جہری طور پر پڑھنا افضل ہے' جس طرح امام کو نماز پڑھاتے ہوئے اور خطیب کو لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے جہری طور پر پڑھنا پڑتا ہے لہٰذا اگر آپ کے لیے سری طور پر پڑھنا زیادہ نافع ہے تو یہ افضل ہے البتہ اگر آپ کے بھائیوں کو آپ سے سننے کی ضرورت ہو' تو اس صورت میں آپ دیکھ کر تلاوت کر لیا کریں تاکہ آپ سے غلطی نہ ہو یا اگر سامعین میں کوئی حافظ ہو جو غلطی کے بارے میں بتا سکے تو پھر زبانی پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

—— شیخ ابن باز ——

عیسائی کا قرآن مجید کو ہاتھ لگانا

سوال کسی عیسائی کے قرآن مجید یا قرآن مجید کے معانی کے ترجمہ کو ہاتھ لگانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس مسئلے کی بابت اہل علم میں اختلاف ہے' جب کہ اہل علم کا اس بارے میں مشہور قول یہ ہے کہ عیسائیوں' یہودیوں اور دیگر تمام کافروں کے لیے قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کی ممانعت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مسافر کو منع فرمایا کہ وہ دشمن کے علاقہ میں سفر کرتے ہوئے قرآن مجید کو ساتھ لے کر جائے۔[1] آپ نے یہ اس لیے فرمایا تاکہ ان کے ہاتھ قرآن مجید کو نہ لگیں' تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے ہاتھ قرآن مجید کو نہیں لگنے چاہئیں' البتہ ان کے کانوں تک قرآن مجید کی تلاوت ضرور پہنچنی چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ﴾ (التوبة٩/ ٦)

---

[1] صحیح البخاری' الجهاد والسير' باب كراهية السفر بالمصاحف إلى أرض العدو' حديث : 2990- و صحيح مسلم' الامارة' حديث : 1869-

"اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سننے لگے"
یعنی ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تا کہ وہ قرآن مجید سن سکیں۔ لیکن ان کو قرآن مجید دیا نہ جائے۔ بعض اہل علم اس کے جواز کے بھی قائل ہیں خصوصاً جب کہ کافر کے مشرف بہ اسلام ہونے کی امید ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ہرقل' عظیم روم کی طرف اپنے مکتوب گرامی میں یہ ارشاد باری تعالیٰ بھی لکھا تھا:

﴿ قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِۦ شَيْـًٔا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَقُولُوا۟ ٱشْهَدُوا۟ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٦٤﴾ ﴾

(آل عمران ٣/ ٦٤)

"کہہ دیجئے! اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی ہے) اس کی طرف آؤ وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (اللہ کے) فرمانبردار ہیں۔" [1]

ان اہل علم کا استدلال یہ ہے کہ یہ عظیم آیت' کتاب اللہ کی آیت ہے اور نبی ﷺ نے اسے ہرقل کے نام اپنے مکتوب گرامی میں لکھا تھا' لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ حجت نہیں ہے بلکہ اس سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ کفار کی طرف خطوط میں کتاب اللہ کی ایک یا دو آیتوں کے لکھنے کا جواز ہے لیکن انہیں پورا قرآن مجید پکڑا دینا نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے' البتہ اگر قرآن مجید کے معانی کا ترجمہ کتابی صورت میں ہو تو کافر کے ہاتھ لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے یا جو شخص حالت طہارت میں نہ ہو اس کے ہاتھ لگانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ترجمہ کے لیے وہ حکم نہیں ہے جو قرآن مجید کے لیے ہے کیونکہ ترجمہ تو قرآن مجید کے معانی کی تفسیر ہے اور حکم قرآن' اس کے صرف عربی زبان میں لکھے ہوئے متن کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ یہ قرآن کی تفسیر نہیں بلکہ خود قرآن ہے لیکن اگر اس کے ساتھ ترجمہ بھی ہو تو اس کا حکم تفسیر کا ہوگا' اور تفسیر کے لیے حکم یہ ہے کہ بے وضو' مسلم اور کافر کے لیے اسے ہاتھ لگانا جائز ہے کیونکہ اس صورت میں یہ کتاب' قرآن مجید نہیں بلکہ کتب تفسیر میں سے شمار ہوتی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

قرآن کریم میں محکم و متشابہ

سوال قرآن کریم میں محکم و متشابہ سے کیا مراد ہے؟ سارے قرآن کو محکم ہی کیوں نہیں بنا دیا گیا تا کہ لوگ حق کے سوا کوئی اور تاویل کر ہی نہ سکیں؟

جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے تین اوصاف بیان فرمائے ہیں' ایک تو یہ کہ قرآن سارے کا سارا محکم ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] صحیح البخاری' بدء الوحی' باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' حدیث: 7 و صحیح مسلم' الجہاد' باب: کتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ہرقل ملک الشام یدعوہ إلی الاسلام' حدیث: 1773-

﴿ كِتَٰبٌ أُحۡكِمَتۡ ءَايَٰتُهُۥ﴾ (ھود۱۱/ ۱)

"یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا دوسرا وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ متشابہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱللَّهُ نَزَّلَ أَحۡسَنَ ٱلۡحَدِيثِ كِتَٰبٗا مُّتَشَٰبِهٗا﴾ (الزمر۳۹/ ۲۳)

"اللہ نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی ہیں۔"

اس آیت میں تمام قرآن کے لیے ایک عام حکم بیان کیا گیا ہے۔ تمام قرآن کے لیے حکم عام کے معنی یہ ہیں کہ قرآن مجید اپنے اخبار' احکام اور الفاظ وغیرہ کے اعتبار سے محکم اور متقن ہے اور متشابہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ کمال' عمدگی' تصدیق اور ہم آہنگی کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے کہ قرآن مجید کے احکام و اخبار میں تضاد اور اختلاف نہیں ہے بلکہ بعض مقامات سے بعض دیگر کے حق میں گواہی ملتی اور تصدیق ہوتی ہے۔ جن آیات میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے انہیں سمجھنے کے لیے تدبر اور غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلۡقُرۡءَانَۚ وَلَوۡ كَانَ مِنۡ عِندِ غَيۡرِ ٱللَّهِ لَوَجَدُواْ فِيهِ ٱخۡتِلَٰفٗا كَثِيرٗا ۝٨٢﴾ (النساء٤/ ٨٢)

"بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے' اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے۔"

قرآن نے اپنا تیسرا وصف یہ بیان کیا ہے کہ اس کا بعض حصہ محکم اور بعض متشابہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ ٱلَّذِيٓ أَنزَلَ عَلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ مِنۡهُ ءَايَٰتٞ مُّحۡكَمَٰتٌ هُنَّ أُمُّ ٱلۡكِتَٰبِ وَأُخَرُ مُتَشَٰبِهَٰتٞۖ﴾ (آل عمران۳/ ۷)

"وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔"

محکم سے یہاں یہ مراد ہے کہ جس کے معنی واضح اور ظاہر ہوں کیونکہ اس کے بالمقابل جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں وہ ہیں ﴿ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ﴾ "اور بعض متشابہ ہیں۔" اور لفظ کی تفسیر اس کے بالمقابل لفظ سے بھی معلوم ہوتی ہے اور یہ تفسیر کا ایک اہم قاعدہ ہے جو ہر مفسر کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ لفظ کے معنی اس کے بالمقابل استعمال کیے گئے لفظ سے بھی واضح ہوتے ہیں مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَٱنفِرُواْ ثُبَاتٍ أَوِ ٱنفِرُواْ جَمِيعٗا ۝٧١﴾ (النساء٤/ ٧١)

"یا تو الگ الگ ہو کر نکلا کرو یا سب اکٹھے کوچ کیا کرو۔"

اس آیت میں "ثُبَاتٍ" کا لفظ مشکل تھا لیکن جب ہم اس کے بالمقابل استعمال کیے گئے لفظ کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ "ثُبَاتٍ" کے معنی الگ الگ کے ہیں کیونکہ اس کے مقابل استعمال کیے گئے لفظ "جَمِيعًا" کے معنی اکٹھے کے ہیں۔ اس طرح ہم مذکورہ بالا آیت کے بارے میں کہیں گے کہ اس میں محکم کے معنی واضح اور غیر مشتبہ کے ہیں کہ انہیں عام و خاص سب لوگ جانتے ہیں جیسا کہ ﴿ وَاَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ "اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔" اور اس طرح کے دیگر امور ہیں' جن کے معنی بالکل واضح ہیں۔

قرآن مجید کی بعض آیات متشابہ ہیں۔ متشابہ ان آیات کو کہتے ہیں کہ جن کے معنی بہت سے لوگوں سے مخفی ہوں کہ ان

کے معنی اللہ تعالیٰ اور علم میں دستگاہ کامل رکھنے والوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأُخَرُ مُتَشَـٰبِهَـٰتٌ ۖ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَـٰبَهَ مِنْهُ ٱبْتِغَآءَ ٱلْفِتْنَةِ وَٱبْتِغَآءَ تَأْوِيلِهِۦ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُ ۗ وَٱلرَّٰسِخُونَ فِى ٱلْعِلْمِ ﴾ (آل عمران ۳/ ۷)

"اور بعض متشابہ ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے' وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ مراد اصلی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ جانتے ہیں جو علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں۔"

یہ معنی قراءت وصل کے مطابق ہیں۔ یاد رہے کہ اس آیت کی قراءت میں سلف کے دو معروف قول ہیں۔ ایک یہ کہ ﴿ اِلَّا اللّٰہُ ﴾ پر وقف کیا جائے اور دوسرا یہ کہ یہاں وقف نہ کیا جائے بلکہ وصل کیا جائے۔ بہر حال ان میں سے ہر قراءت مبنی بر دلیل ہے۔

سائل نے جو یہ پوچھا ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سارے قرآن کو محکم کیوں نہیں بنا دیا' اس میں سے بعض کو متشابہ کیوں بنایا ہے؟ تو اس سوال کا جواب دو طرح سے ہے:

اولاً: معنی عام کے اعتبار سے تو سارا قرآن ہی محکم ہے جیسا کہ ہم نے شروع میں عرض کیا تھا کیونکہ متشابہ کو ہم محکم کی طرف لوٹا دیں گے تو اس کے معنی بھی واضح اور روشن ہو جاتے ہیں اور اس طرح سارا قرآن ہی محکم ہو جاتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ان مقامات کو جو متشابہ ہیں' جن پر غور و فکر اور تدبر کرنا پڑتا ہے اور انہیں محکم کی طرف لوٹانا پڑتا ہے' انہیں ایک حکمت کی وجہ سے نازل کیا ہے۔ حکمت یہ ہے کہ ان میں ابتلاء' امتحان اور آزمائش ہے کہ بعض لوگ ان متشابہ آیات کو قرآن مجید میں طعن و تشکیک اور فتنہ کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اس طرح یہ آیات ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتلاء و امتحان بن جاتی ہیں' جس طرح یہ آیات قرآنیہ بعض لوگوں کے لیے امتحان و آزمائش کا سبب ہیں۔ اسی طرح آیاتِ کونیہ و قدریہ بھی بعض لوگوں کے لیے امتحان و آزمائش کا ذریعہ بنتی ہیں کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ شریعت پر عمل کے سلسلہ میں بعض اشیاء کو امتحان و آزمائش کے لیے مقرر کر دیتا ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی کس طرح آزمائش کی جن کے لیے ہفتہ کے دن مچھلیوں کے شکار کو حرام قرار دے دیا تھا' اس میں ان کے لیے بڑی آزمائش تھی کہ ہفتہ کے دن سطح آب پر مچھلیاں بڑی کثرت سے نمودار ہوتی تھیں کہ دوسرے دنوں میں اس قدر کثرت سے نظر نہیں آتی تھیں لیکن وہ لوگ اس آزمائش پر صبر نہ کر سکے' انہوں نے مشہور و معروف حیلہ سے کام لیا کہ جمعہ کے دن اپنے جال پانی میں ڈال دیتے تھے تاکہ ان میں مچھلیاں پھنس جائیں اور پھر ان مچھلیوں کو وہ اتوار کے دن پکڑ لیتے تھے۔ اس حیلہ سازی پر اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا ہی میں سخت سزا دی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی آزمائش کی اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَيَبْلُوَنَّكُمُ ٱللَّهُ بِشَىْءٍ مِّنَ ٱلصَّيْدِ تَنَالُهُۥٓ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ ٱللَّهُ مَن يَخَافُهُۥ بِٱلْغَيْبِ ﴾

(المائدۃ ۵/ ۹۴)

"اے مومنو! کسی قدر شکار سے جن کو تم ہاتھوں اور نیزوں سے پکڑ سکو اللہ تمہاری آزمائش کرے گا (یعنی حالت احرام میں شکار کی ممانعت سے) تاکہ معلوم کرے کہ اس سے غائبانہ کون ڈرتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے شکار تک ان کے ہاتھوں کے سہولت سے پہنچنے سے انہیں حالت احرام میں آزمایا' تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صبر کا مظاہرہ کیا اور کسی بھی ایسے کام کا ارتکاب نہ کیا' جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حرام قرار دیا تھا' اسی طرح شرعی آیات میں بھی کچھ متشابہ اشیاء ہوتی ہیں' جن میں بظاہر تعارض اور تضاد ہوتا ہے لیکن راسخ فی العلم لوگ جانتے ہیں کہ ان میں کس طرح تطبیق دیں جب کہ اہل فتنہ و شر ان آیات سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں تعارض و تناقض ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَٰبَهَ مِنْهُ ٱبْتِغَآءَ ٱلْفِتْنَةِ وَٱبْتِغَآءَ تَأْوِيلِهِۦ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُ ۗ﴾ (آل عمران۳/ ۷)

"جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے' وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ مراد اصلی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

قرآن مجید کو تکیہ بنانے کا حکم

سوال قرآن مجید کو تکیہ بنانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب بلاشبہ قرآن مجید کو تکیہ کے طور پر استعمال کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے لہٰذا مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ قرآن مجید کو بے حرمتی سے بچائیں اور اس کی حفاظت کا پورا پورا اہتمام کریں' بے حرمتی کرنے والوں سے اسے محفوظ رکھیں' اس طرح یہ بھی لازم ہے کہ اس طرح کے مفسد لوگوں سے مسجدوں کی بھی حفاظت کریں' مسجدوں کو ان سے بند رکھیں یا ان کی حفاظت کا انتظام کریں یا پھر قرآن مجید کی حفاظت کریں اور قرآن مجید کے نسخوں کو ان جاہل اور نافرمان لوگوں سے دور کسی اونچی جگہ پر رکھیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اجرت دے کر قرآن پڑھانا

سوال اجرت دے کر قرآن پڑھانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جو شخص اجرت لے کر قرآن پڑھتا اور اس کا ثواب میت کی روح کو بخشتا ہو تو یہ جائز نہیں کیونکہ جو اجرت پر پڑھے تو اس نے گویا اس کے ثواب کے حاصل کرنے میں عجلت سے کام لیا ہے' جس کی وجہ سے اس کا اجر باطل ہو جاتا ہے لہٰذا اس کے پاس تو کوئی چیز باقی ہی نہ رہی' جو وہ میت کو بخش سکے' پھر یہ عمل غیر مشروع بھی ہے' موت کے بعد جمع ہونا' قرآن پڑھنا اور میت کو ایصال ثواب کرنا اگر نیکی کا کام ہوتا تو سلف بھی اس طرح ضرور کرتے۔ آپ اگر حافظ نہیں ہیں اور قراءت کرتے ہوئے غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں' تو آپ کو چاہیے کہ اپنی قراءت کو درست کریں تاکہ صحیح طور پر قرآن مجید کی تلاوت کر سکیں اور جو غلطی قصد و ارادہ کے بغیر ہو جائے تو وہ معاف ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اس کے لیے دو اجر ہیں

سوال میرا ایک قریبی عزیز ہے جو قرآن کریم کی تلاوت سے بہت محبت رکھتا ہے لیکن وہ عربی زبان اور قراءت کے اصولوں کو نہیں جانتا تو اسے کیا کرنا چاہیے؟

جواب اسے چاہیے کہ قرآن مجید کی قراءت سیکھنے میں کوشش کرے' تدبر سے کام لے' جلد بازی نہ کرے اور اپنے سے زیادہ علم والے کو قرآن سنائے تاکہ اسے اس بات کا علم حاصل ہو جائے جس سے وہ جاہل ہے اور ناامید نہ ہو نبی ﷺ کے اس ارشاد کی وجہ سے اسے اجر عظیم ملے گا:

«خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ» (صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب خيركم من تعلم القرآن وعلمه، ح:٥٠٢٧)

"تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے' جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔"

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں بیان فرمایا ہے' نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ، وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ» (صحيح البخاري، التفسير، باب سورة عبس، ح:٤٩٣٧ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل الماهر بالقرآن والذي يتتعتع فيه، ح:٧٩٨ واللفظ له)

"قرآن مجید کے ماہر کو معزز و نیکو کار فرشتوں کا ساتھ نصیب ہوگا اور جو شخص قرآن پڑھے' وہ اس پر گراں گزرتا ہو اور وہ پڑھتے ہوئے واضح طریقے سے تلاوت نہ کر سکتا ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔"

—— شیخ ابن باز ——

قرآن مجید کے معانی کا ترجمہ

ادارات بحوث علمیہ و افتاء و دعوت و ارشاد کی ریاست عامہ کو درج ذیل سوال موصول ہوا۔

سوال میں نے مجلۃ العربی عدد ۲۳۷ بابت ماہ شعبان ۱۳۹۸ھ میں ڈاکٹر محمد احمد خلف اللہ کا ایک مقالہ پڑھا ہے جس کا موضوع تھا: "مطالعہ قرآن --- اعتراضات کا جواب' نئے زاویوں سے"

امید ہے کہ آپ اس مقالہ کو ملاحظہ فرمائیں گے' خاص طور پر اس کے اس حصہ کو جو ترجمہ قرآن سے متعلق ہے اور ان کے کلام سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مراد حرفی ترجمہ سے ہے۔ ترجمہ قرآن کے جواز کے بارے میں انہوں نے جو اسباب بیان کیے ہیں' ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ راہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے اور اپنی شریعت اور اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کی سنت کا دفاع کرنے والوں میں سے بنائے؟

جواب ڈاکٹر صاحب کے مذکورہ مقالہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کی مراد قرآن مجید کے معانی عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں ترجمہ و تعبیر سے ہے۔ قرآن مجید کے معانی کا ترجمہ جائز ہے' جب کہ یہ ترجمہ کوئی ایسا عالم کرے' جو قرآن مجید کے معانی کو صحیح طور پر سمجھتا ہو اور انہیں دوسری زبان میں صحیح طور پر بیان کر سکتا ہو اور یہ تعبیر ایسے دقیق انداز میں ہو جس سے نصوص قرآن کے معنی صحیح صحیح سمجھ میں آ جاتے ہوں تاکہ قرآن مجید کے معانی و مطالب کو ان لوگوں تک پہنچانے کا

فریضہ بھی ادا کیا جا سکے' جو عربی زبان نہیں جانتے۔ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل اصطلاح سے ان کی اصطلاح اور ان کی لغت کے مطابق مخاطب ہونا مکروہ نہیں ہے' جب کہ اس کی ضرورت ہو اور معانی کو صحیح طور پر بیان کیا جائے' جیسا کہ عجم مثلاً رومیوں' ایرانیوں اور ترکوں سے ان کی لغت و عرف کے مطابق مخاطب ہونا بوقت ضرورت جائز اور ایک اچھی بات ہے۔ اس کی ضرورت نہ ہو تو پھر ائمہ نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ام خالد بنت خالد بن سعید بن عاص سے فرمایا تھا جب کہ وہ چھوٹی بچی تھیں اور وہ سرزمین حبشہ میں پیدا ہوئی تھیں کیونکہ ان کے والد ہجرت کر کے وہاں تشریف لے گئے تھے تو آپ نے ان سے فرمایا' اے ام خالد! "هَذَا سَنَا" اور زبان حبشہ میں "سَنَا" کے معنی حسن کے ہیں [1] آپ نے یہ لفظ اس لیے استعمال کیا کہ ام خالد کی یہ زبان تھی لہٰذا جو شخص قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے ترجمہ کا محتاج ہو تو اس کے لیے ترجمہ کیا جانا چاہیے۔ اسی طرح معلم کو بھی چاہیے کہ وہ دوسری قوموں کی کتابوں کو ان کی زبان میں پڑھے اور عربی میں ترجمہ کرے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا تھا کہ یہودیوں کی کتاب کو سیکھیں تاکہ وہ آپ کے لیے ان کی زبان میں لکھنے پڑھنے کی خدمت کو سرانجام دے سکیں کیونکہ یہودیوں پر آپ کو اعتماد نہیں تھا۔ [2]

صوتی ترجمہ جائز نہیں ہے' اس سے قبل مجلس کبار علماء سعودی عرب نے بھی اس سلسلہ میں ایک قرار داد منظور کی ہے' مزید تفصیل کے لیے اسے ملاحظہ فرمائیں۔ وباللہ التوفیق۔ و صلی اللہ علی عبدہ و رسولہ محمد و آلہ و صحبہ ۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

کیا قرآن مجید میں مجاز ہے؟

سوال میں کتب تفسیر وغیرہ میں اکثر یہ پڑھتا رہتا ہوں کہ یہ حرف زائد ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ ﴿ كَمِثْلِهِ ﴾ میں کاف زائد ہے۔ ایک مدرس نے مجھ سے کہا ہے کہ قرآن مجید میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا نام زائد یا ناقص یا مجاز ہو۔ اگر معاملہ اسی طرح ہے تو پھر ارشاد باری تعالیٰ:
﴿ وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ ﴾ اور ﴿ وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ ﴾ کے معنی کیا ہیں؟

جواب محققین کے مطابق صحیح بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں فن بلاغت کی تعریف کے مطابق کوئی مجاز نہیں ہے قرآن مجید میں جو کچھ بھی ہے وہ اپنے مقام پر حقیقت ہی ہے۔ بعض مفسرین جو یہ کہتے ہیں کہ یہ حرف زائد ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ قواعد اعراب کے اعتبار سے زائد ہے۔ یہ معنی نہیں کہ یہ معنی کے اعتبار سے زائد ہے بلکہ عربی لغت کے مخاطب لوگوں کے ہاں اس کے معنی معروف ہوتے ہیں کیونکہ قرآن مجید عربوں کی زبان میں نازل ہوا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ﴾ میں حرف کاف نفی مثل میں مبالغہ کا فائدہ دیتا ہے اور یہ ﴿ لَيْسَ مِثْلَهُ شَيْءٌ ﴾ سے زیادہ بلیغ ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] صحیح البخاری' اللباس الخمیصة السوداء' حدیث : 5823

[2] صحیح البخاری' الاحکام' باب ترجمة الحکام' وهل یجوز ترجمان واحد؟ حدیث : 7195 معلقًا' و سنن ابی داود العلم' باب روایة حدیث اهل الکتاب' حدیث : 3645' و جامع الترمذی' الاستئذان' حدیث : 2715

﴿ وَسْـَٔلِ ٱلْقَرْيَةَ ٱلَّتِى كُنَّا فِيهَا وَٱلْعِيرَ ٱلَّتِىٓ أَقْبَلْنَا فِيهَا ۖ وَإِنَّا لَصَـٰدِقُونَ ﴿٨٢﴾ ﴾ (یوسف۱۲/ ۸۲)

''اور جس بستی میں ہم (ٹھہرے) تھے وہاں سے (یعنی اہل مصر سے) اور جس قافلے میں آئے ہیں اس سے دریافت کر لیجئے اور ہم (اس بیان میں) بالکل سچے ہیں۔''

تو اس سے مراد بستی کے ساکنین اور اصحاب قافلہ ہیں۔ عربوں کی عادت ہے کہ وہ (قریہ) کا لفظ اہل قریہ اور (عِیر) کا لفظ اصحاب قافلہ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ عربی زبان کی وسعت اور کلام کے لیے صیغوں کی کثرت کے قبیل سے ہے۔ یہ اس مجاز کے باب میں سے نہیں ہے' جو اہل بلاغت کی اصطلاح میں معروف ہے' لیکن یہ ان معنوں میں ضرور مجاز ہے کہ ایسا جائز ہے اور ممنوع نہیں ہے' اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَأُشْرِبُوا۟ فِى قُلُوبِهِمُ ٱلْعِجْلَ ﴾ (البقرۃ۲/ ۹۳)

میں مراد (حب عجل) ''بچھڑے کی محبت'' ہے لیکن اسے مطلق اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگ جو اس لغت کے مخاطب ہیں وہ اس معنی کو سمجھتے ہیں۔ معنی کے بالکل واضح ہونے کی وجہ سے یہ ایجاز و اختصار اختیار کیا گیا ہے۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

قرآن مجید میں مجاز نہیں ہے

سوال کتب بلاغت میں لکھا ہوا ہے کہ قرآن مجید میں مجاز ہے۔ یہ لوگ بعض شبہات بھی پیش کرتے ہیں مثلاً ارشاد باری تعالیٰ:﴿ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ﴾ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس میں مجاز ہے کیونکہ آزاد تو غلام کو کیا جاتا ہے لیکن اس آیت میں گردن کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے تاکہ وہ غلام پر دلالت کرے (کیونکہ جز کل پر دلالت کرتا ہے) تو کیا اس کا نام مجاز رکھنا صحیح ہے؟ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ حالانکہ بات تو زبان سے کی جاتی ہے مگر منہ کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے تاکہ وہ زبان پر دلالت کرے (کیونکہ کل جز پر دلالت کرتا ہے) اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴾ حالانکہ انشراح تو دل کا ہوتا ہے۔ مگر یہاں سینہ کو مجازاً ذکر کیا گیا ہے تاکہ یہ دل پر دلالت کرے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْ آذَانِهِمْ ﴾ حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ وہ انگلی کا کنارہ کان میں رکھتا ہے نہ کہ ساری انگلی' لیکن یہاں انگلیوں کا ذکر مجازاً ہوا ہے۔ الغرض اس انداز کی بہت سی آیات ہیں' تو کیا ان کی یہ بات صحیح ہے کہ قرآن مجید میں مجاز ہے اور اگر نہیں ہے تو اس کی کیا دلیل ہے؟ کیا حدیث میں بھی مجاز ہے؟

جواب اپنی اصطلاح کے مطابق علماء بلاغت جس کو مجاز کہتے ہیں' اس کا کتاب و سنت اور عربی زبان میں کوئی وجود نہیں ہے۔ بلکہ کتاب عزیز' سنت مطہرہ اور عربی زبان کی ہر بات اپنے مقام پر حقیقت ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الایمان'' میں اس موضوع پر خوب تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے' [1] جسے شیخ عبدالرحمٰن بن قاسم نے ''مجموعۃ الفتاویٰ'' مین نقل کیا ہے' نیز علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اس موضوع پر اپنی کتاب ''الصواعق المرسلہ'' میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی زیر نگرانی شیخ ابن باز ——

[1] الایمان' لشیخ الاسلام ابن تیمیہ' ص: 73

قرآن مجید کو نمازی کے پیچھے رکھنا

سوال قرآن مجید کے نسخوں کو رحلوں پر رکھ کر صفوں کے درمیان اور نمازیوں کے پیچھے رکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب بوقت ضرورت ایسا کرنے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا "اللہ اکبر" بسم اللہ سے کفایت کر سکتا ہے؟

سوال قرآن کریم کے بعض قاری دو سورتوں کے درمیان فرق کے لیے بسم اللہ پڑھنے کی بجائے اللہ اکبر پڑھتے ہیں' کیا یہ جائز ہے اور اس مقام پر اللہ اکبر پڑھنے کی کیا دلیل ہے؟

جواب یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کے خلاف ہے کہ وہ تو دو سورتوں میں فرق کے لیے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی پڑھا کرتے تھے۔ یہ اہل علم کے عمل کے برخلاف ہے لہٰذا قرآن مجید کی تمام سورتوں میں فرق کے لیے اللہ اکبر نہ پڑھا جائے۔ اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ بعض قراء نے اس بات کو مستحب قرار دیا ہے کہ انسان سورۃ الضحیٰ سے قرآن مجید کے آخر تک ہر سورت کے بعد اللہ اکبر پڑھے مگر دو سورتوں میں فصل کے لیے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بھی ضرور پڑھا جائے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ سنت نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں ہے لہٰذا مشروع یہی ہے کہ ہم دو سورتوں میں فرق کے لیے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھیں۔ البتہ سورۂ براءۃ کے شروع میں نہ پڑھیں کیونکہ سورۂ الانفال اور سورۃ براءۃ کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

قرآن مجید کی قراءتوں کی تعداد

سوال کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں قراءتوں کے تعدد کے معنی یہ ہیں کہ قرآن مجید میں اختلاف ہے کیونکہ قراءت کے اختلاف سے معنی میں فرق آ جاتا ہے مثلاً سورۃ الاسراء کی آیت ﴿ وَ نُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَّلْقَاهُ مَنْشُوْرًا ﴾ میں اگر "يُلَقَّاهُ مَنشُورًا" پڑھا جائے تو اس سے معنی میں تبدیلی آ جائے گی؟

جواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ قرآن مجید عربوں کے لغات و لہجات میں سے سات کے مطابق نازل ہوا ہے [1] تاکہ ان پر تلاوت کرنے میں آسانی ہو اور اس طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عربوں پر رحمت ہے۔ یہ نقل متواتر سے ثابت ہے اور قرآن مجید کی قراءتیں ہی اس بات پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں' جو حکیم و دانا ہے۔
قرآن مجید کی قراءتوں کے مختلف ہونے کے معنی تحریف و تبدیلی' یا معانی میں التباس یا مقاصد میں تناقض و اضطراب کے نہیں ہیں بلکہ بعض قراءتیں بعض کی تصدیق کرتی ہیں اور ان کے معنی و مفہوم کو واضح کرتی ہیں' بعض قراءتوں کے

---

[1] صحیح البخاری' فضائل القرآن' باب انزل القرآن علی سبعۃ احرف' حدیث: 4992- و صحیح مسلم' صلاۃ المسافرین' باب بیان أن القرآن انزل علی سبعۃ احرف و بیان معناھا' حدیث: 818

معانی میں تنوع بھی ہے‘ جن میں سے ہر قراءت ایک ایسے حکم کا فائدہ بخشتی ہے جو مقاصد شرع میں سے کسی مقصد اور مصالح عباد میں سے کسی مصلحت کی وضاحت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف قراءتیں اس لیے بھی لائی جاتی ہیں کہ ان کے معانی کی حقیقت ایک ہی ہے۔ تشریعی صورت میں ان سب قراءتوں کا حکم یکساں ہے‘ ان کے درمیان کوئی تعارض اور اختلاف نہیں۔ جن آیات میں مختلف قراءتیں وارد ہیں‘ ان میں سے ایک یہ آیت بھی ہے جسے خود سائل نے ذکر کیا ہے اور یہ ہے ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَكُلَّ إِنسَٰنٍ أَلْزَمْنَٰهُ طَٰٓئِرَهُۥ فِى عُنُقِهِۦ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُۥ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ كِتَٰبًا يَلْقَىٰهُ مَنشُورًا ﴿١٣﴾ ﴾

(الإسراء١٧/ ١٣)

”اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کو (بہ صورت کتاب) اس کے گلے میں لگا دیا ہے اور قیامت کے روز (وہ) کتاب اسے نکال کر دکھائیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔“

اس آیت میں ﴿ نُخرِجُ ﴾ کو نون کے ضمہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ اور ﴿ يَلْقَاهُ ﴾ کو یاء کے فتحہ اور قاف مخففہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم قیامت کے دن ہر انسان کے لیے ایک کتاب --یعنی اس کا صحیفۂ عمل-- نکالیں گے اور انسان کو یہ کتاب کھلی ہوئی ملے گی‘ اگر وہ سعید ہو گا تو اس کتاب کو اپنے دائیں ہاتھ میں اور اگر وہ بدبخت ہو گا تو اس کتاب کو اپنے بائیں ہاتھ میں لے لے گا۔ ایک قراءت کے مطابق اسے ”يُلَقَّاهُ مَنْشُوْرًا“ یعنی یاء کے ضمہ اور قاف کی تشدید کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم ہر انسان کے لیے قیامت کے دن ایک کتاب یعنی اس کا صحیفۂ اعمال نکالیں گے اور انسان کو یہ کتاب اس طرح دی جائے گی کہ یہ کتاب کھلی ہوئی ہو گی یعنی آخرکار ان دونوں قراءتوں کے معنی ایک ہی ہیں کہ جس کو کتاب دے دی جائے تو وہ اسے مل جاتی ہے اور جس کو کتاب مل گئی وہ اسے گویا دے دی گئی۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ ٱللَّهُ مَرَضًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌۢ بِمَا كَانُوا۟ يَكْذِبُونَ ﴿١٠﴾ ﴾ (البقرة٢/ ١٠)

”ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا۔ اللہ نے ان کا مرض اور زیادہ کر دیا اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب ان کو دکھ دینے والا عذاب ہو گا۔“
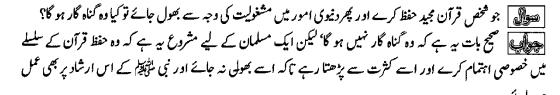
اس آیت میں ”يَكْذِبُوْنَ“ کو یاء کے فتحہ‘ کاف کے سکون اور ذال کے کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور اس کے معنی یہ ہوں گے یہ جھوٹ بولتے ہیں اور اللہ اور مومنوں کے بارے میں جھوٹی خبریں دیتے ہیں۔ اسے ”يُكَذِّبُوْنَ“ یعنی یاء کے ضمہ‘ کاف کے فتحہ اور ذال مکسورہ کی تشدید کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے پاس سے جو وحی لے کر آئے یہ اس کی تکذیب کرتے تھے تو ان میں سے ایک قراءت کے معنی دوسری قراءت کے مخالف یا معارض نہیں ہیں بلکہ ان میں سے ہر قراءت نے منافقوں کے اوصاف میں سے ایک وصف کا ذکر کیا ہے۔ پہلی قراءت کے مطابق معنی یہ ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ‘ اس کے رسولوں اور لوگوں کے بارے میں جھوٹ بولتے ہیں اور دوسری قراءت کے مطابق معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی طرف جن احکام کو نازل کیا ہے‘ یہ منافق ان کی تکذیب کرتے ہیں‘ یہ دونوں معنی ہی مبنی برحق ہیں کہ یہ منافق جھوٹ بھی بولتے ہیں اور تکذیب بھی کرتے ہیں۔

اس سے واضح ہوا کہ تعدد قراءت بھی وحی الٰہی کی روشنی میں ہے اور یہ حکمت پر مبنی ہے۔ اس میں نہ تو تحریف و تبدیل کا کوئی پہلو ہے' نہ اس پر کوئی ناشائستہ امور مرتب ہوتے ہیں اور نہ اس میں کوئی تناقض یا اضطراب ہے بلکہ یہ معانی و مقاصد پر متفق ہیں۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن باز ———

جو شخص قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد بھول جائے

سوال جو شخص قرآن مجید حفظ کرے اور پھر دنیوی امور میں مشغولیت کی وجہ سے بھول جائے تو کیا وہ گناہ گار ہو گا؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ وہ گناہ گار نہیں ہو گا' لیکن ایک مسلمان کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ حفظ قرآن کے سلسلے میں خصوصی اہتمام کرے اور اسے کثرت سے پڑھتا رہے تاکہ اسے بھولی نہ جائے اور نبی ﷺ کے اس ارشاد پر بھی عمل ہو جائے:

«تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَهُوَ أَشَدُّ تَفَلُّتًا مِنَ الإِبِلِ فِي عُقُلِهَا»(صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب استذكار القرآن وتعاهده، ح:٥٠٣٣ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الامر بتعهد القرآن وكراهة قول ... الخ، ح:٧٩١ واللفظ له)

”قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرتے رہو' اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اونٹ رسی کھل جانے کے بعد اس قدر تیزی سے نہیں بھاگتے جس قدر قرآن تیزی کے ساتھ (حافظہ سے) محو ہو جاتا ہے۔“

زیادہ اہم اور اعظم بات یہ ہے کہ قرآن کے معانی پر تدبر کیا جائے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ جس نے قرآن مجید کے مطابق عمل کیا تو قرآن اس کے لیے حجت ہو گا اور جس نے اسے ضائع کیا تو قرآن اس کے خلاف حجت ہو گا جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ أَوْ عَلَيْكَ»(صحيح مسلم، الطهارة، باب فضل الوضوء، ح:٢٢٣)

”قرآن تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف حجت ہے۔“

——— شیخ ابن باز ———

اجرت لے کر میت کے لیے قرآن پڑھنا

سوال ایک حافظ قرآن جو اجرت لے کر لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے یا میت کے لیے قرآن پڑھتا ہے اور قراءت سے پہلے ہی اپنی اجرت وصول کر لیتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب قرآن مجید کی تلاوت افضل عبادت ہے اور عبادات کے بارے میں اصول یہ ہے کہ وہ خالص لوجہ اللہ ہوں' ان سے مقصد اللہ کے سوا اور کچھ نہ ہو' نہ دنیا کا حصول اور نہ حب جاہ وغیرہ۔ بلکہ ان سے اللہ کی رحمت کی امید اور اس کے عذاب کا ڈر ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَٱعْبُدِ ٱللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ ٱلدِّينَ ۝٢ أَلَا لِلَّهِ ٱلدِّينُ ٱلْخَالِصُ ﴾ (الزمر۳۹/ ۲-۳)

"اللہ کی عبادت کرو (یعنی) اس کی عبادت کو (شرک سے) خالص کر کے دیکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لیے (زیبا ہے۔") نیز فرمایا:

﴿ وَمَآ أُمِرُوٓاْ إِلَّا لِيَعْبُدُواْ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ ﴾ (البینۃ۹۸/ ۵)

"اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں یک سو ہو کر۔"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِىءٍ مَا نَوٰى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ» (صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١، ٥٤ وصحيح مسلم، الامارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

"تمام اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کے لیے صرف وہی کچھ ہے جس کی وہ نیت کرے' تو جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف ہے اور جس شخص کی ہجرت دنیا کے حصول کے لیے یا کسی خاتون سے شادی کرنے کے لیے ہو' تو اس کی ہجرت اس کے لیے ہے' جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔"

لہٰذا قرآن کے کسی قاری کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی قراءت پر اجرت لے' خواہ یہ اجرت قراءت سے پہلے لے یا بعد میں اور خواہ یہ قراءت نماز میں ہو یا میت پر۔ یہی وجہ ہے کہ علماء میں سے کسی نے بھی تلاوت قرآن پر اجرت لینے کی رخصت نہیں دی۔ یاد رہے کہ ائمہ مساجد یا مؤذن حضرات جو بیت المال سے تنخواہ لیتے ہیں تو وہ تلاوت یا نماز کی اجرت نہیں ہے' بلکہ وہ تو اس بات کی اجرت ہے کہ انہوں نے اپنے تمام خاص مشاغل ترک کر کے اپنے آپ کو اس فرض کفایہ کے ادا کرنے کے لیے وقف کر دیا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے خلیفۃ المسلمین اپنے ذاتی روزگار کو ترک کر کے جب اسلامی خلافت کے اعمال و واجبات میں مشغول ہو جاتا ہے تو وہ بیت المال سے وظیفہ لیتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجاہدین کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے اسلام میں کارہائے نمایاں سر انجام دیئے ہوتے تھے' ان کی ایمانی سبقت اور اسلامی خدمات کے اعتبار سے بیت المال سے وظائف دیا کرتے تھے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے عاملین زکوٰۃ کے لیے اس اسلامی فریضہ کو ادا کرنے کی وجہ سے زکوٰۃ میں حصہ مقرر کیا ہے خواہ وہ دولت مند ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ جب تک وہ اس فرض کو ادا کرتے ہیں' خود اپنا کوئی کام نہیں کرتے۔ واللہ الموفق

—————— فتویٰ کمیٹی ——————

میت کے لیے قرآن مجید کا ایک ایک پارہ پڑھنا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ قرآن مجید کو تیس اجزاء (پاروں) میں تقسیم کر کے ہر پارے کی مستقل طور پر اس طرح الگ الگ جلد بنا دی جائے کہ ایک آیت کریمہ کا کچھ حصہ ایک پارے میں جب کہ اسی آیت کا دوسرا حصہ اور پارے میں ہو اور یہ پارے مختلف آدمیوں کو (پڑھنے کے لیے) دیئے جائیں اور تمام مسلمان حاضرین مجلس تقریباً نصف گھنٹے میں پورا قرآن مجید

ختم کرلیں' پھر کہا جائے کہ یہ مکمل قرآن مجید فلاں میت کی روح کے ایصال ثواب کے لیے ختم کیا گیا ہے؟

جواب اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن مجید کی تقسیم سورتوں کے حساب سے کرتے تھے' وہ آیات اور عدد حروف کے حساب سے تقسیم نہیں کرتے تھے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن مجید کو سات منزلوں میں تقسیم کر لیتے اور اس طرح ان میں سے اکثر و بیشتر حضرات سات دنوں میں قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔

مسند احمد اور سنن ابی داود میں اوس بن ابی اوس سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ تم قرآن کی تقسیم کس طرح کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا' ہم اسے تین' پانچ' سات' نو' گیارہ اور تیرہ حصوں میں تقسیم کر لیا کرتے تھے اور حزب مفصل کو الگ پڑھ لیتے تھے۔ [1]

حروف کی تعداد کے اعتبار سے قرآن مجید کو تیس پاروں اور ساٹھ احزاب میں تقسیم کرنے کی ابتداء عراق میں حجاج کے زمانہ میں اس کے حکم سے ہوئی تھی' پھر عراق سے یہ تقسیم سارے عالم اسلام میں پھیل گئی حالانکہ پہلی تقسیم زیادہ بہتر ہے کیونکہ صحابہ کرام اور تابعین کے ہاں یہی تقسیم معروف تھی اور پھر اس میں معنی کی تکمیل اور قصہ کے اختتام کے پہلو کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے' جب کہ حجاج کی اس تقسیم کے مطابق بسااوقات معنی کی تکمیل اور قصہ کا اختتام نہیں ہوتا۔

آپ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ ایک آیت کا کچھ حصہ ایک مجلد پارہ میں جب کہ اسی آیت کا بقیہ حصہ دوسرے مجلد پارہ میں ہوتا ہے جو کہ کسی اور شخص کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور وہ اسے پڑھتا ہے تو قرآن مجید کے پاروں کی اس انداز میں جلد بندی ابھی تک ہمیں معلوم نہیں ہوسکی اور نہ کسی مسلمان کے لیے اس طرح کرنا جائز ہے۔

ثانیاً: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عمل نہیں تھا کہ وہ اس طرح مختلف لوگوں میں قرآن مجید تقسیم کر کے پڑھتے ہوں اور پھر مجموعی قراءت کو ایک مکمل قرآن قرار دیتے اور کسی میت کی روح کے لیے ایصال ثواب کرتے ہوں بلکہ ان کا معمول یہ تھا کہ ہر شخص اپنے طور پر جس قدر ممکن ہوتا قرآن مجید پڑھتا تھا۔ یا وہ اسے متعدد راتوں یا دنوں میں ختم کرتا تھا تاکہ وہ سارے قرآن سے استفادہ کر سکے اور اس سے وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے ثواب کی امید رکھتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہے کہ آپ نے کبھی بھی مردوں کے ایصال ثواب کے لیے قرآن مجید پڑھا ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی مردوں کو اپنی تلاوت کا ثواب بخشا ہو اور یاد رہے کہ ہر طرح کی خیر و بھلائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع' آپ کی اور آپ کے خلفاء راشدین کی سنت و سیرت کے مطابق عمل کرنے میں ہے۔ وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

سجود تلاوت کی بجائے لا الٰہ الا اللہ پڑھنا

سوال جب ہم کتاب اللہ کی تلاوت کر رہے ہوں' کوئی آیت سجدہ آئے اور ہم مسجد میں یا نماز ادا کرنے کی جگہ میں نہ ہوں بلکہ مدرسہ وغیرہ میں ہوں تو کیا اگر سجدہ کرنے کی بجائے چار دفعہ یہ پڑھ لیا جائے "لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ' لا شریک لہ' لہ الملک ولہ الحمد و ھوعلی کل شیء قدیر" تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز نہیں تو پھر ہم کیا کریں؟ فتویٰ عطا فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی رحمت سے نوازے۔

---

[1] سنن ابی داود' شهر رمضان' باب تحزیب القرآن' حدیث: 1393 و مسند احمد' 4/9' 343

جواب جب قرآن مجید پڑھنے والا آیت سجدہ کی تلاوت کرے اور وہ ایسی جگہ میں ہو کہ وہاں سجدہ کرنا بھی ممکن ہو تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ سجدہ کرے۔ راجح قول کے مطابق سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے کیونکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ آپ نے جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے سورۃ النحل کی آیت سجدہ کو تلاوت کیا تو منبر سے نیچے اتر آئے اور آپ نے سجدہ کیا' پھر دوسرے جمعہ کے خطبہ میں بھی اس آیت کو پڑھا تو سجدہ نہ کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سجدہ کو ہم پر فرض قرار نہیں دیا۔ الا یہ کہ ہم خود چاہیں تو سجدہ کر لیں۔ [1] حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب سجدہ نہیں کیا تو اس کی بجائے کچھ اور بھی نہیں پڑھا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت کی بجائے کچھ اور پڑھنا بدعت ہے۔ اس کی دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ ایک بار حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سورۃ النجم کی تلاوت کی تو سجدہ نہ کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں سجدۂ تلاوت کی بجائے کچھ اور پڑھنا نہیں سکھایا تھا۔ [2]

شیخ ابن عثیمین

حمام میں قرآن مجید لے کر جانا

سوال حمام میں قرآن مجید لے کر جانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اہل علم کہتے ہیں کہ کسی بھی انسان کے لیے حمام میں قرآن مجید لے کر جانا جائز نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ قرآن مجید کی تعظیم و تکریم کا یہ تقاضا ہے کہ اسے ایسی جگہ پر نہ لے جایا جائے۔

سوال حمام میں ایسے کاغذات لے کر جانے کے بارے میں کیا حکم ہے جن پر اللہ کا نام لکھا ہو؟

جواب حمام میں ایسے کاغذات لے کر جانا جائز ہے جن پر اللہ کا نام لکھا ہو بشرطیکہ یہ کاغذات جیب میں ہوں اور نظر نہ آتے ہوں بلکہ پوشیدہ اور مخفی ہوں اور پھر اکثر مسلمانوں کے نام تو اللہ تعالیٰ کے نام کے ذکر سے خالی نہیں ہوتے مثلاً ان کے نام عبداللہ اور عبدالعزیز وغیرہ ہوتے ہیں۔

شیخ ابن عثیمین

---

[1] صحیح البخاری' سجود القرآن' باب من رأی أن اللہ عزوجل لم یوجب السجود' حدیث: 1077

[2] صحیح البخاری' سجود القرآن' باب من قرأ السجدۃ ولم یسجد' حدیث: 1072- و صحیح مسلم' المساجد' باب سجود التلاوۃ' حدیث: 577

٢٥
التّفسِيرُ
تفسیر کا بیان

تفسیر کا بیان
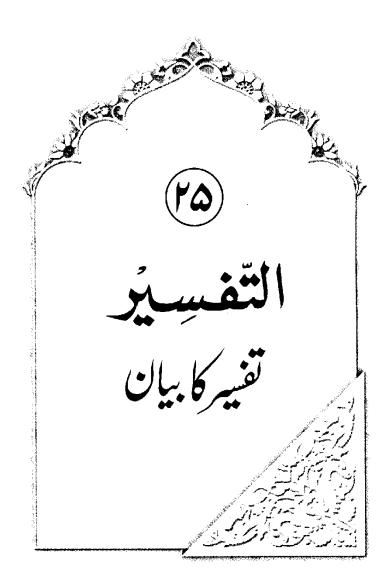
کچھ سورۃ الاخلاص کی غلط تفسیر کے بارے میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ، وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلَى مَنْ لاَّ نَبِيَّ بَعْدَهُ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا، أَمَّا بَعْد:

اسلامی فقہی کونسل نے اپنے اجلاس دوم میں جو بروز سوموار مؤرخہ ۱۰/۴/۱۴۰۳ھ کو منعقد ہوا' اس عجیب و غریب قبیح مضمون کو ملاحظہ کیا' جو کویت کے ایک مجلّہ "السیاسۃ" شمارہ نمبر۴۶۷۷ شائع شدہ بروز جمعرات مورخہ ۱۷ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ (۱۹۸۱/۱۰/۱۵ء) کو محمد احمد شمالی کے قلم سے زیر عنوان (توحید کے معنی: سورۃ الاخلاص کے منطوق کی تفسیر اور اس کا انگریزی ترجمہ) طبع ہوا ہے۔ دھوکا و فریب پر مبنی اس مضمون میں مضمون نگار نے قرآن عظیم کے معانی کے ساتھ تلاعب کی جرأت کی ہے اور خلط ملط' اوہام' جہالت' خیالی اور مبنی بر تشکیک تصورات کو عجیب رنگ میں پیش کیا ہے اور اسے مسلمانوں کے لیے سورۃ الاخلاص کی تفسیر کے طور پر پیش کیا ہے حالانکہ یہ صرف مضمون نگار کے عقلی اختلاط پر دلالت کرتا ہے۔

اس جدید مفسر نے سورۂ اخلاص کی اپنی اس تفسیر کا آغاز اس طرح کیا ہے کہ ﴿ قُلْ ﴾ خبر مقدم بمعنی ایسے فرد کے ہے کہ جس کا کوئی "احد" نہیں' کہا جاتا ہے کہ "رجل قل" (ایک مرد قل ہے) "هُوَ مبتدأ مؤخر" کی ضمیر ہے اور اس کی خبر "قل" ہے۔ اور یہ اس کے ساتھ ملنے والے جملہ فعلیہ کے لیے مفعول بہ کے قائم مقام بھی ہے اور وہ جملہ "اللّٰہ احد" یعنی أن اللّٰہ أحدہ بمعنی "جعلہ واحدا" ہے یا یہ بمعنی "جعلہ حدا" یا بمعنی "جعلہ حادا" ہے۔

اس مخبوط الحواس شخص نے سورۃ الاخلاص کی باقی آیات میں بھی اسی انداز کو اختیار کیا اور پھر لکھا ہے کہ ﴿ ولم یکن لہ کفواً احد ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ "ماضی میں اس شخص کے ہمسر نہ تھے لیکن یہ اس بات سے مانع نہیں ہے کہ بعد میں بھی اس کے ہمسر نہ ہوں' ورنہ پہلی مرتبہ کے بعد دوبارہ اس کی ذات کے لیے زمین پر ظہور مشکل ہو جائے گا جب کہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔"

فقہی کونسل کی رائے میں یہ بات کوئی تعجب انگیز نہیں ہے کہ مخبوط الحواس لوگوں میں سے بھی کوئی شخص اپنے آپ کو بہت بڑا محقق عالم یا بہت زبردست فلسفی تصور کرتا ہو کیونکہ مخبوط الحواس ہونا تو ایک مرض ہے' البتہ یہ بات ضرور تعجب انگیز ہے کہ ایک عربی اسلامی ملک کا ایک مشہور و معروف اخبار اس طرح کی جنون پر مبنی باتوں کو شائع کرے کہ جسے بڑے بڑے پاگلوں کا جنون بھی نہ پہنچ سکتا ہو اور پھر اس جلی عنوان سے شائع کرے کہ یہ ہیں توحید کے وہ معنی جو سورۃ الاخلاص سے مستفاد ہیں۔ ہاں سورۃ الاخلاص تو وہ مختصر مگر عظیم سورت ہے جس نے توحید کی حقیقت کو چند کلمات میں بیان کر دیا ہے مگر یہ چند کلمات بلاغت و فصاحت کے اعتبار سے بلند و بالا پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط و مستحکم ہیں۔ اس مبارک سورت نے باطل افکار و نظریات اور شرک والحاد کو جو مختلف عوامل کی وجہ سے بعض بشری عقلوں کے لیے ضلال و انحطاط کا سبب

بنتے ہیں‘ اس طرح چیلنج کیا ہے کہ اس کی مثال نہیں ملے گی۔

اگر جنون پر مبنی مذکورہ باتیں‘ اس عظیم الشان سورت کے منطوق کی تفسیر ہیں‘ تو سوال یہ ہے کہ اس مفسر نے پھر ان باطنی فرقوں کے لیے کیا باقی چھوڑا ہے‘ جو اس کتاب عربی مبین کی آیات کے ساتھ اس طرح مذاق کرتے رہتے ہیں‘ جس طرح ان کی خبیث اغراض چاہیں تاکہ وہ خود بھی گمراہ ہوں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر سکیں؟

اسی طرح کا عمل جرم‘ اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اور اسلام سے ارتداد ہے۔ تعجب ہے کہ ایک عربی اخبار کو جس کا ایڈیٹر بھی مسلمان ہے اور جو ایک اسلامی ملک سے طبع ہوتا ہے‘ یہ بات کیسے زیب دیتی ہے کہ وہ اپنے صفحات اس طرح کی خرافات کے شائع کرنے کے لیے استعمال کرے؟ یہ اخبار اور قرآن عظیم کی آیات کے ساتھ مذاق کرنے والا یہ مضمون نگار اس ذمہ داری سے کس طرح بچ سکتا ہے‘ جس کا تقاضا کویت اور دیگر اسلامی عربی ملکوں کے دساتیر اور قوانین عقوبات و مطبوعات سے متعلق نصوص کرتی ہیں؟

صحافت اور نشر و اشاعت میں اس غیر ذمہ دارانہ طرز عمل کی وجہ سے‘ جس کی زد اسلامی عقائد و مقدسات پر پڑتی ہے‘ اسلامی فقہی کونسل نے ان تمام ذمہ دار حضرات کی توجہ اس جانب مبذول کرانا ضروری سمجھا ہے‘ جن کے کندھوں پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی مقدسات کو اس طرح کی خرافات سے بچائیں۔ ہم اس قرار داد کو رابطہ عالم اسلامی کے سپرد بھی کر رہے ہیں تاکہ وہ اسے کویت اور دیگر اسلامی ملکوں کے ذمہ دار حضرات کو ارسال کرنے کا اہتمام کرے تاکہ وہ اپنے اس فرض کو ادا کر سکیں جو ان پر کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے بارے میں اپنے دین اور مسلمان عوام کے حقوق کے حوالے سے عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی مقدسات کی حفاظت کریں اور اسے کسی بھی ایسے شخص کے ہاتھ میں کھلونا نہ بننے دیں جو شخصی آزادی کے بدترین استعمال کے ذریعے سے اپنے باطل افکار و نظریات سے نسل نو کو گمراہ کرنے کی ناپاک جسارت کرتا ہو۔ واللہ ولی التوفیق وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ وسلم۔

دستخط	دستخط
محمد علی الحرکان	عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز
نائب الرئیس	نائب الرئیس

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا --- ﴾ کے معنی

سوال الحمد للہ و بعد: بحوث علمیہ و افتا کی فتویٰ کمیٹی کو سلمان بن عثمان جو یوبو کی طرف سے یہ سوال موصول ہوا ہے کہ اس آیت کریمہ ﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ --- ﴾ (المجادلہ : ۲۲) کی تفسیر بیان فرما دیں کیونکہ بعض لوگ بعض دوسروں حتیٰ کہ اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں پر بھی کفر کے فتوے لگا دیتے ہیں خواہ وہ نماز پڑھتے‘ روزے رکھتے اور غیروں کو کافر سمجھتے ہوں‘ لہٰذا اس آیت کے معنی بیان فرما دیں؟ کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا:

جواب اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو یہ خبر دی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت

کے دن پر ایمان لائے' اپنے دلوں کو اللہ کے لیے خالص کر لیا' اپنے چہروں کو اپنے رب کے سامنے جھکا دیا' اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا' اس کے سامنے انہوں نے سر اطاعت خم کر دیا اور جس چیز سے انہیں روکا اس سے وہ فوراً رک گئے نیز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت بھی کی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے اور نبی ﷺ کے لائے ہوئے دین و شریعت سے اعراض کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں' مگر مخلص مومن اور سچے لوگ خواہ زمانہ کتنی ہی کروٹیں کیوں نہ لے لے اور بصرو نظر کے زاویے کیسے ہی تبدیل کیوں نہ ہو جائیں' وہ ان کافروں سے محبت نہیں کر سکتے خواہ وہ نسب کے اعتبار سے ان سے کتنے ہی قریب کیوں نہ ہوں' خواہ وہ ان کے باپ' بیٹے' بھائی اور قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان پاکباز بندوں کا بڑے خوبصورت انداز میں تذکرہ فرمایا ہے' جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کی اور نبیٔ اکرم ﷺ جس ہدایت و نور پر مبنی شریعت کو لے کر آئے اس کی پابندی کی۔ انہیں ترغیب بھی دی گئی ہے کہ وہ اپنے اس موقف پر ثابت قدم رہیں اور اس میں مزید پختگی پیدا کریں' لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی انہی کی سیرت کو مشعل راہ بنائیں' اخلاص اور صدق ایمان کی اس روش کو اختیار کریں' جو ان کا طرۂ امتیاز تھی اور ان منافقوں کے طرز عمل سے پرہیز کریں' جنہوں نے ایسے یہودیوں کو اپنا دوست بنا لیا تھا' جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا تھا اور وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو خوش کرنے کے لیے آپ کے سامنے آکر جھوٹی قسمیں کھانے لگ جاتے تھے اور کہتے تھے:

﴿ نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ ٱللَّهِ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُۥ وَٱللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ ٱلْمُنَٰفِقِينَ لَكَٰذِبُونَ ﴿١﴾ ﴾

(المنافقون ٦٣/ ١)

''ہم گواہی دیتے (اقرار کرتے) ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ در حقیقت آپ اس کے پیغمبر ہیں لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق (دل سے اعتقاد نہ رکھنے کے لحاظ سے) جھوٹے ہیں۔''

یہ جملہ سچے مومنوں کی ثناء پر مشتمل ہے کہ وہ کافروں سے بری ہیں' نیز ان کی مَوَدَّت و محبت سے انہیں منع بھی کر دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّا يَتَّخِذِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ٱلْكَٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ ٱللَّهِ فِى شَىْءٍ إِلَّآ أَن تَتَّقُوا۟ مِنْهُمْ تُقَىٰةً ۗ ﴾ (آل عمران ٣/ ٢٨)

''مومنوں کو چاہیے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس سے اللہ کا کچھ (عہد) نہیں' ہاں اگر اس طریق سے تم ان (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو (تو مضائقہ نہیں۔)''

اور فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوٓا۟ ءَابَآءَكُمْ وَإِخْوَٰنَكُمْ أَوْلِيَآءَ إِنِ ٱسْتَحَبُّوا۟ ٱلْكُفْرَ عَلَى ٱلْإِيمَٰنِ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٢٣﴾ قُلْ إِن كَانَ ءَابَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَٰنُكُمْ وَأَزْوَٰجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَٰلٌ ٱقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَٰرَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَجِهَادٍ فِى سَبِيلِهِۦ فَتَرَبَّصُوا۟ حَتَّىٰ يَأْتِىَ ٱللَّهُ بِأَمْرِهِۦ ۗ وَٱللَّهُ لَا

يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٢٤﴾ (التوبة٩/ ٢٣-٢٤)

"اے اہل ایمان! اگر تمہارے (ماں) باپ اور (بہن) بھائی ایمان کے مقابل کفر کو پسند کریں تو ان سے دوستی نہ رکھو اور جو ان سے دوستی رکھیں گے' وہ ظالم ہیں۔ کہہ دیجئے! کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ قبیلہ اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو' اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (یعنی عذاب) بھیجے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔"

اور فرمایا:

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ رَّبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿٤﴾ ﴾

(الممتحنة٦٠/ ٤)

"تمہیں ابراہیم اور ان کے رفقاء کی نیک چال چلنی (ضروری) ہے جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو' بے تعلق ہیں (اور) تمہارے (معبودوں کے کبھی) قائل نہیں (ہو سکتے) اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ' ہم میں اور تم میں ہمیشہ کھلم کھلی عداوت اور دشمنی رہے گی۔ ہاں ابراہیم نے اپنے باپ سے یہ (ضرور) کہا کہ میں آپ کے لیے مغفرت مانگوں گا اور میں اللہ کے سامنے آپ کے بارے میں کسی چیز کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ اے ہمارے پروردگار! تجھی پر ہمارا بھروسا ہے اور تیری ہی طرف ہم رجوع کرتے ہیں اور تیرے ہی حضور میں (ہمیں) لوٹ کر آنا ہے۔"

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات اور نصوص کتاب و سنت ہیں' جن میں مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار کو دوست بنانے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور ان اہل کتاب اور دیگر تمام کفار نے اللہ تعالیٰ کے دین کو مذاق بنالیا تھا۔

یہ اللہ تعالیٰ نے دل کے اعمال یعنی محبت و مودت' کافروں سے براءت اور ان سے بغض اور انہوں نے جن گمراہیوں اور ضلالتوں کا ارتکاب کیا ان سے بغض کا حکم بیان فرمایا ہے۔ جہاں تک دنیوی معاملات مثلاً خرید و فروخت اور دیگر منافع کے تبادلہ کا تعلق ہے تو یہ سیاست شرعیہ اور اقتصادی پہلوؤں کے تابع ہیں کہ ہمارے اور جن کافروں کے مابین صلح ہو تو ان کے ساتھ منافع مثلاً بیع' اجارہ' کرائے کے معاملات' تحائف کا قبول کرنا کوئی چیز ہبہ کرنا اور دستور اور معروف کے مطابق انہیں تحائف دینا جائز ہے تاکہ عدل و انصاف اور مکارم اخلاق کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکے بشرطیکہ اس سے کسی شرعی اصول کی مخالفت لازم نہ آتی ہو اور انسان ان معاملات کے طریقوں سے باہر نہ ہو' جنہیں اسلام نے حلال قرار دیا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٨﴾ ﴾ (الممتحنة٦٠/ ٨)

"جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا' ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔ بلاشبہ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

اور جن کافروں سے ہماری جنگ ہو یا جو ہم سے زیادتی کریں' تو ان سے دنیوی معاملات میں بھی دوستی کرنا جائز نہیں ہے بلکہ یہ بھی اسی طرح حرام ہے' جس طرح ان سے محبت و اخوت کا معاملہ کرنا حرام ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ قَٰتَلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ وَظَٰهَرُوا۟ عَلَىٰٓ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ۝٩ ﴾ (الممتحنة ٦٠/ ٩)

"اللہ انہی لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی کرنے سے منع کرتا ہے' جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی تو جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں گے' وہی ظالم ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے صلح اور جنگ کی حالتوں میں مدینہ اور خیبر کے یہودیوں اور عیسائیوں اور دیگر کفار کے ساتھ معاملات میں اس کی اپنے عمل سے بھی وضاحت فرما دی تھی' پھر اللہ تعالیٰ نے اس سبب کو بھی بیان فرما دیا ہے' جس کی وجہ سے مسلمانوں کو کافروں سے بغض ہوتا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أُو۟لَٰٓئِكَ كَتَبَ فِى قُلُوبِهِمُ ٱلْإِيمَٰنَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ ﴾ (المجادلة٥٨/ ٢٢)

"یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے۔"

یہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کی' یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کے نور سے کرن کرن اجالا کر دیا اور برہان' نور اور ہدایت کے ساتھ ان کے جسموں اور جانوں میں ایمان کو پختہ کر دیا' جس کی وجہ سے ان کی اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس شریعت کو اپنے لیے اختیار کر لیا ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دین کے طور پر پسند فرمایا ہے اور پھر وہ اس کی ان کو جو جزا عطا فرمائے گا' اسے اس نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ ۚ ﴾

(المجادلة٥٨/ ٢٢)

"اور وہ ان کو ایسے باغات میں' جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' داخل کرے گا۔ وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش۔"

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان پر یہ احسان فرمائے گا کہ انہیں ایسے باغات میں داخل فرمائے گا' جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہوں گی اور ان جنتوں میں ایسی ایسی عظیم الشان ابدی اور سرمدی نعمتیں ہوں گی' جنہیں کبھی کسی آنکھ نے دیکھا نہیں ہو گا' کبھی کسی کان نے سنا نہیں ہو گا اور نہ کبھی کسی بشر کے دل میں ان کا خیال تک آیا ہو گا۔ ان نعمتوں سے اللہ تعالیٰ کے یہ مخلص اور پاکباز بندے فیض یاب ہوں گے اور ابد الآباد تک ان نعمتوں بھری جنتوں میں رہیں گے' نہ

کبھی جس کی نعمتیں ختم ہوں گی اور نہ کبھی ان کو ان سے نکالا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو چکا ہو گا' اس لیے کہ ان کا ایمان سچا اور ان کا عمل صالح تھا۔ اور یہ بندگان الٰہی بھی اپنے رب کے فیصلوں' احکام اور اس کی طرف سے ملنے والی جزا سے راضی ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی وہ حمد و ثنا بیان کریں گے جس کا وہ اہل ہو گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ مبارکہ کا اختتام ان الفاظ پر فرمایا ہے:

﴿ أُوْلَٰٓئِكَ حِزۡبُ ٱللَّهِۚ أَلَآ إِنَّ حِزۡبَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ ﴿٢٢﴾ ﴾ (المجادلة٥٨/ ٢٢)

''یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں (اور) سن رکھو کہ اللہ ہی کا گروہ مراد حاصل کرنے والا ہے۔''

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ اس کا لشکر وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اس کی اطاعت بجا لا کر اس کی دوستی کا ثبوت دیا اور اس نے دنیا و آخرت میں انہیں فتح و نصرت اور اپنے فضل و کرم سے نواز کر ان کی دوستی کا دوستی سے جواب دیا لہٰذا یہ لوگ کامیاب و کامران ہیں اور ان کے مقابلے میں وہ لوگ ناکام و نامراد ہیں' جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دھوکا دینا چاہا اور جو کافروں کی دوستی کا دم بھرتے رہے۔ اس تفصیل سے درج ذیل امور واضح ہوتے ہیں:

① جو شخص کافروں سے دوستی اور محبت رکھے وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

② جو دل میں کافروں سے بغض رکھے مگر شریعت کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے ان سے خرید و فروخت' اجارہ اور کرایہ وغیرہ کے معاملات کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

③ جو شخص اللہ کے لیے کافروں سے بغض تو رکھے مگر کسی دنیوی مصلحت کی وجہ سے ان کے درمیان زندگی بسر کرے اور مسلمانوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی بجائے ان کے ساتھ مل کر رہنے کو ترجیح دے تو وہ گناہ گار ہے کیونکہ اس طرح یہ ان کی آبادی میں اضافہ اور ان کے ساتھ تعاون کا موجب ہے اور پھر اس نے اپنے آپ کو فتنوں کے لیے پیش کر دیا اور مسلمانوں کے ساتھ شعائر اسلام کے ادا کرنے' ان میں حاضر ہونے' ان کی مشاورت اور ہمدردی و خیر خواہی کرنے سے اپنے آپ کو محروم کر لیا ہے حالانکہ یہ امرامت اسلامیہ کے لیے قوت اور دنیا و آخرت میں سعادت کے حصول کا موجب تھا الا یہ کہ ایسے شخص کو علم ہو کہ وہ کفار میں رہنے کے باوجود اپنے آپ کو فتنوں میں مبتلا ہونے سے بچائے رکھے گا اور کفار کے ہاں اس کی موجودگی' ان میں دعوت اسلام کی نشر و اشاعت کا موجب ہو گی۔ و باللہ التوفیق' و صلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہٖ و صحبہٖ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

مسجد ضرار

سوال ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لَا يَزَالُ بُنۡيَٰنُهُمُ ٱلَّذِي بَنَوۡاْ رِيبَةٗ فِي قُلُوبِهِمۡ --- ﴾ (التوبة: ٩/١١٠) کے کیا معنی ہیں اور عمارت سے کیا مقصود ہے؟

جواب اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس مسجد ضرار کا ذکر کیا ہے' جسے منافقوں نے مسجد قباء کے قریب تعمیر کیا تھا اور جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بھی ذکر کیا ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُواْ مَسۡجِدٗا ضِرَارٗا وَكُفۡرٗا وَتَفۡرِيقَۢا بَيۡنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ وَإِرۡصَادٗا لِّمَنۡ حَارَبَ ٱللَّهَ

وَرَسُولَهُۥ مِن قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّا ٱلْحُسْنَىٰ ۖ وَٱللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَٰذِبُونَ ﴿١٠٧﴾ (التوبۃ۹/ ۱۰۷)

''اور (ان میں ایسے بھی ہیں) جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کریں اور مومنوں میں تفرقہ ڈالیں اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے پہلے جنگ کر چکے ہیں' ان کے لیے گھات کی جگہ بنائیں۔ اور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا مقصود تو صرف بھلائی تھی مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

﴿ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى ٱلتَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا۟ ۚ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلْمُطَّهِّرِينَ ﴿١٠٨﴾ أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَٰنَهُۥ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ ٱللَّهِ وَرِضْوَٰنٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَٰنَهُۥ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَٱنْهَارَ بِهِۦ فِى نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٠٩﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَٰنُهُمُ ٱلَّذِى بَنَوْا۟ رِيبَةً فِى قُلُوبِهِمْ إِلَّآ أَن تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١١٠﴾ ﴾ (التوبۃ۹/ ۱۰۸-۱۱۰)

''تم اس (مسجد) میں کبھی (جا کر) کھڑے بھی نہ ہونا' البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے' اس قابل ہے کہ اس میں جایا (اور نماز پڑھایا) کرو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں' جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے۔ بھلا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی رضامندی پر رکھی' وہ اچھا ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گر جانے والی کھائی کے کنارے پر رکھی کہ وہ اس کو دوزخ کی آگ میں لے گری اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے' ہمیشہ ان کے دلوں میں (موجب) خلجان رہے گی (اور ان کو متردد رکھے گی) مگر یہ کہ ان کے دل پاش پاش ہو جائیں اور اللہ خوب جاننے والا' حکمت والا ہے۔''

تو عمارت سے مراد یہ مسجد ہے' جسے ان منافقوں نے اپنی ان اغراض کے لیے بنایا تھا' جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے' یعنی نقصان پہنچانے کے لئے' کفر کا اظہار کرنے کے لئے' مومنوں میں تفرقہ پیدا کرنے کے لیے اور اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے والوں کے لیے ایک گھات مہیا کرنے کے لئے! اور ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ لَا يَزَالُ بُنْيَٰنُهُمُ ٱلَّذِى بَنَوْا۟ رِيبَةً فِى قُلُوبِهِمْ ﴾ (التوبۃ۹/ ۱۱۰)

''یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے' ہمیشہ ان کے دلوں میں (موجب) خلجان رہے گی۔''

کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ ہمیشہ شک اور قلق و اضطراب میں رہیں گے کیونکہ یہ ایک ایسی عمارت تھی' جسے معصیت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا' جس کی وجہ سے ان کے دلوں پر اس کی یہ تاثیر برقرار رہے گی۔ ان کے دل ہمیشہ قلق و اضطراب' ریب و حزن اور غم و فکر میں مبتلا رہیں گے الا یہ کہ ان کے دل پاش پاش ہو جائیں۔ یعنی ان کا یہ قلق و اضطراب اور حزن و ملال موت سے پہلے ختم نہیں ہو گا اور موت سے اگر یہ قلق و اضطراب اور غم و فکر دور ہو جائے گا تو اس کے بعد عذاب شدید سے انہیں دوچار ہونا پڑے گا' والعیاذ باللہ! اور اس آیت کریمہ کے آخر میں فرمایا کہ ﴿ واللہ علیم حکیم ﴾ یعنی اللہ اس علم و حکمت کے ساتھ موصوف ہے جس کو یہ دونوں مبارک نام متضمن ہیں کیونکہ اللہ عزوجل کے اسمائے حسنیٰ اللہ تعالیٰ

کی ذات پر دلالت کو متضمن ہیں' نیز یہ اسماء ان صفات کو بھی شامل ہیں جو مطابقت (قیاس) یا تضمنی اور التزامی دلالت کے ذریعے سے حاصل ہوں۔ پس علیم وہ ذات ہے' جس سے زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی مخفی نہیں' جو اپنے سابق ولاحق اور ازلی وابدی علم کے ساتھ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے کہ نہ اسے جہالت سے سابقہ پڑتا ہے اور نہ اسے نسیان ہی لاحق ہوتا ہے۔ اور حکیم وہ ہے کہ حکمت بالغہ کے ساتھ اس نے یہ کارخانہ قدرت ترتیب دیا ہے۔ حکمت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ تمام امور کو ان کی اپنی جگہ پر رکھا جائے۔ حکیم کا لفظ حکم سے بھی مشتق ہوسکتا ہے تو اس صورت میں حکیم کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ ذات گرامی جس کا دنیا و آخرت میں حکم چلتا ہے۔ اور حکم سے حکم کونی وشرعی دونوں مراد ہیں اور اس کے یہ دونوں حکم ہی ہر حال میں حکمت پر مبنی ہیں۔ واللہ علیم حکیم۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دیہاتی لوگ سخت کافر ہیں

سوال ہمارا اور بعض دوستوں کا آیت کریمہ ﴿ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا ﴾ "دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق ہیں" کے معنی میں اختلاف ہو گیا ہے' تو سوال یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کے حقیقی معنی کیا ہیں؟ قرآن کریم نے دیہاتی لوگوں کو ایسا کیوں کہا ہے؟ یہ آیت کریمہ کس موقع پر نازل ہوئی تھی؟

جواب اعراب (بدو) ان لوگوں کو کہتے ہیں جو بادیہ نشین ہوتے ہیں اور پانی اور اپنے مویشیوں کے لیے چارہ کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کرتے رہتے ہیں۔ یہ مال مویشی ہی ان کے لیے ذریعہ معیشت ہوتے ہیں۔ یہ لوگ شہروں اور بستیوں میں بہت کم آتے ہیں۔ ان پر چونکہ جہالت کا غلبہ ہوتا ہے اس لیے ان کے دلوں میں ایمان بہت کمزور ہوتا ہے' لہٰذا یہ شہر والوں کی نسبت کفر اور نفاق کے اعتبار سے بہت سخت ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ قَالَتِ ٱلْأَعْرَابُ ءَامَنَّا ۖ قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا۟ وَلَـٰكِن قُولُوٓا۟ أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ ٱلْإِيمَـٰنُ فِى قُلُوبِكُمْ ﴾

(الحجرات ٤٩/ ١٤)

"دیہاتی کہتے ہیں' ہم ایمان لے آئے۔ کہہ دیجئے تم ایمان نہیں لائے۔ (بلکہ یوں) کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان تو تمہارے دلوں میں ابھی تک داخل ہی نہیں ہوا۔"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلْأَعْرَابِ مَن يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ قُرُبَـٰتٍ عِندَ ٱللَّهِ وَصَلَوَٰتِ ٱلرَّسُولِ ۚ ﴾ (التوبة ٩/ ٩٩)

"بعض دیہاتی ایسے بھی ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو اللہ تعالیٰ کی قربت اور پیغمبر کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔"

یہ لوگ ان فانی شبہات اور شہوات سے بھی دور ہوتے ہیں' جن میں شہروں اور قصبوں کے اکثر باشندے مبتلا ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

حیات طیبہ کے معنی

سوال درج ذیل آیت کریمہ:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَٰلِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُۥ حَيَوٰةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٩٧﴾ ﴾ (النحل١٦/ ٩٧)

”جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہو گا تو ہم اس کو (دنیا میں) پاک (اور آرام کی) زندگی سے زندہ رکھیں گے اور (آخرت میں) ان کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔“

اور رسول اللہ ﷺ کے حسب ذیل ارشاد گرامی میں کس طرح تطبیق ہو گی؟

«أَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً، فَقَالَ :الأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الأَمْثَلُ فَالأَمْثَلُ»(مسند أحمد: ١/ ١٧٤، ١٨٥)

”(نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ) لوگوں میں سے سب سے سخت آزمائش کس کی ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی اور پھر ان کی جو حضرات انبیاء کرام کے زیادہ قریب ہوں۔“

نیز آپ کا فرمان ہے:

«فَيُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلَى حَسْبِ دِينِهِ»(مسند أحمد: ١/ ١٧٤، ١٨٥)

”ہر شخص کی اس کے دین کے مطابق آزمائش ہوتی ہے“یعنی ایک طرف تو حیات طیبہ کی بات کی گئی ہے اور دوسری طرف مومن کو زندگی میں ابتلاء و آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے‘ تو ان دونوں باتوں میں تطبیق کس طرح ہو گی؟

جواب جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں حیات طیبہ کے یہ معنی نہیں کہ زندگی‘ فقر‘ مرض‘ اور پریشانی وغیرہ سے محفوظ ہو بلکہ حیات طیبہ کے معنی یہ ہیں کہ انسان انبساط اور انشراح قلب و صدر کے ساتھ زندگی بسر کرے اور اللہ تعالیٰ کے قضاء و قدر کے فیصلوں سے وہ راضی ہو۔ اگر دنیا میں اسے راحت میسر آئے تو اپنے رب کا شکر ادا کرے اور یہ شکر ادا کرنا اس کے لیے بہتر ہو گا اور اگر دنیا کی زندگی میں کوئی آزمائش آئے تو صبر کرے‘ اور یہ صبر کرنا بھی اس کے لیے بہتر ہو گا۔ یہ ہے حیات طیبہ یعنی یہ راحت قلب سے تعبیر ہے۔ جہاں تک کثرت اموال اور صحت ابدان کا تعلق ہے تو یہ چیزیں تو بسا اوقات انسان کے لیے شقاوت اور مشکلات کا سبب بن جاتی ہیں‘ تو اس صورت میں سائل نے جس آیت کریمہ اور دو حدیثوں کا حوالہ دیا ہے‘ ان میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ بسا اوقات انسان کو ابتلاء و آزمائش کی سخت سے سخت منزلوں سے بھی گزرنا پڑتا ہے لیکن اس کا دل مطمئن ہوتا ہے‘ وہ شرح صدر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے قضاء و قدر کے فیصلوں پر راضی ہوتا ہے کہ آزمائش اور امتحانات اس پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

حضرت یوسف علیہ السلام کی شادی

سوال سیدنا یوسف علیہ السلام کی بیوی کا کیا نام ہے؟ کیا انہوں نے عزیز مصر کی اس بیوی سے شادی کر لی تھی جس کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے؟ بعض علماء خطبۂ نکاح کے وقت جو یہ دعا پڑھتے ہیں کیا یہ صحیح ہے کہ «اللَّهُمَّ

اَلِّفْ بَيْنَهُمَا كَمَا اَلَّفْتَ بَيْنَ يُوْسُفَ وَ زَلِيْخَا)) "اے اللہ! ان دونوں میں اس طرح الفت و محبت پیدا فرما دے' جس طرح تو نے حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا میں محبت پیدا فرما دی تھی؟"

جواب کتب قصص و تفاسیر میں' کتب بنی اسرائیل کے حوالہ سے مذکور ہے کہ عزیز کی بیوی کا نام زلیخا تھا' بعض نے کچھ اور نام بھی ذکر کیے ہیں۔ نیز انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جیل سے باہر آنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے اس عورت سے شادی کر لی تھی کیونکہ عزیز مصر فوت ہو گیا تھا یا اس نے اسے طلاق دے دی تھی لیکن یہ سب کچھ اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے۔ جہاں تک مذکورہ دعا کا تعلق ہے تو مجھے اس کے ماثور ہونے کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے' ممکن ہے بعض مفسرین سے منقول اقوال ہی کی وجہ سے اس دعا کو ایجاد کر لیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اگلے اور پچھلے لوگ

سوال آیت کریمہ ﴿ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴾ "یہ بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہیں اور بہت سے پچھلوں میں سے" میں اگلے اور پچھلے لوگوں سے کون مراد ہیں؟

جواب بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ اگلے اور پچھلے لوگوں سے مراد اس امت کے لوگ ہیں' لیکن صحیح یہ ہے کہ اگلے لوگوں سے مراد سابقہ امتوں کے لوگ ہیں اور پچھلے لوگوں سے مراد امت محمدیہ کے لوگ ہیں۔ بہرحال سابقہ امتوں کی تعداد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ حدیث میں ہے:

«مَا أَنْتُمْ فِي سِوَاكُمْ مِنَ الأُمَمِ إِلاَّ كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي الثَّوْرِ الأَبْيَضِ» (صحيح البخاري، الرقاق، باب الحشر، ح:٦٥٢٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون هذه الأمة نصف أهل الجنة، ح:٢٢١ واللفظ له)

"سابقہ امتوں کے مقابلہ میں تمہاری مثال ایسی ہے جیسے سفید رنگ کے بیل کی کھال میں سیاہ بال ہوں"

اس سب کچھ کے باوجود حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امت تمام اہل جنت کی تعداد کے نصف یا دو ثلث کے برابر ہو گی اور یہ خیر کثیر ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اَلْخُنَّس اور اَلْكُنَّس کے معنی

سوال سورۃ التکویر کی آیت ۱۵ اور ۱۶ کی کیا تفسیر ہے' یعنی ان آیتوں کی:

﴿ فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿١٥﴾ اَلْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿١٦﴾ ﴾ (التكوير ٨١/ ١٥-١٦)

"ہم کو ان ستاروں کی قسم جو پیچھے ہٹ جاتے ہیں' جو چلتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں۔"

جواب یہ اللہ تعالیٰ نے ایک قسم کھائی ہے اور وہ عبرتوں اور نشانیوں کی وجہ سے اپنی مخلوقات میں سے جس کی بھی چاہے قسم کھا سکتا ہے۔ الخنس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ تمام ستارے ہیں جو دن کو غائب اور رات کو ظاہر ہو جاتے ہیں۔

یعنی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کی قسم کھائی ہے جو دن کو چھپ جاتے ہیں اور رات کو چلتے اور لوگوں کو نظر آتے ہیں۔ ان کے چلنے سے مراد ان کا طلوع ہونا اور چلنا جب کہ چھپنے سے مراد ان کا غائب ہونا ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مال کو اولاد سے مقدم کیوں ذکر کیا جاتا ہے؟

سوال ایک بھائی نے یہ سوال پوچھا ہے کہ قرآن کریم میں ہمیشہ مال کو اولاد سے پہلے کیوں ذکر کیا جاتا ہے حالانکہ ایک باپ کے نزدیک مال کی نسبت اس کی اولاد زیادہ عزیز ہوتی ہے تو اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب اس لئے کہ مال کی وجہ سے فتنہ زیادہ ہوتا ہے کیونکہ مال حرام شہوات کے حصول میں ممد و معاون بنتا ہے۔ بخلاف اولاد کے کہ انسان ان کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہوتا اور ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ لیکن مال کا فتنہ زیادہ بھی ہے اور شدید بھی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے.

﴿ وَمَآ أَمْوَٰلُكُمْ وَلَآ أَوْلَٰدُكُم بِٱلَّتِى تُقَرِّبُكُمْ عِندَنَا زُلْفَىٰٓ ﴾ (سبا۳۴/ ۳۷)

"اور تمہارا مال اور تمہاری اولاد ایسی چیز نہیں کہ تم کو ہمارا مقرب بنا دیں۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَنَّمَآ أَمْوَٰلُكُمْ وَأَوْلَٰدُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ (الأنفال۸/ ۲۸)

"تمہارا مال اور تمہاری اولاد تو آزمائش ہے۔"

نیز ارشاد ربانی ہے:

﴿ لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَٰلُكُمْ وَلَآ أَوْلَٰدُكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ ﴾ (المنافقون۶۳/ ۹)

"تمہارا مال اور اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے۔"

پس فتنہ مال زیادہ بھی ہے اور شدید بھی۔

——— شیخ ابن باز ———

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال ---

سوال قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے سوال و جواب کے ضمن میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کریں گے:

﴿ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ ٱتَّخِذُونِى وَأُمِّىَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ ٱللَّهِ ﴾ (المائدة۵/ ۱۱۶)

"کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو؟"

کیا یہ سوال و جواب اللہ تعالیٰ کے 'عیسیٰ ابن مریم کو آسمان پر اٹھانے سے قبل' دنیا ہی میں ہو چکا ہے یا یہ آخرت میں ہو گا؟

جواب آیات کے سیاق سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ قیامت کے دن ہو گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ ٱللَّهُ يَٰعِيسَى ٱبْنَ مَرْيَمَ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ ٱتَّخِذُونِى وَأُمِّىَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ ٱللَّهِ قَالَ سُبْحَٰنَكَ

مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّۚ إِن كُنتُ قُلْتُهُۥ فَقَدْ عَلِمْتَهُۥۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَآ أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَۚ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّٰمُ ٱلْغُيُوبِ ﴿١١٦﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَآ أَمَرْتَنِي بِهِۦٓ أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْۚ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ ٱلرَّقِيبَ عَلَيْهِمْۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١١٧﴾ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿١١٨﴾ قَالَ ٱللَّهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنفَعُ ٱلصَّٰدِقِينَ صِدْقُهُمْ﴾ (المائدۃ٥/ ١١٦-١١٩)

"اور (اس وقت کو بھی یاد رکھو!) جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو معبود مقرر کرو؟ وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے' مجھے کب شایان تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھ کو معلوم ہوگا (کیونکہ) جو بات میرے نفس میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے نفس میں ہے اسے میں نہیں جانتا۔ بے شک تو علام الغیوب ہے' میں نے ان سے کچھ نہیں کہا بجز اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا وہ یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا تو تو ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو (تیری مہربانی ہے) بے شک تو غالب (اور) حکمت والا ہے اللہ فرمائے گا کہ آج وہ دن ہے کہ راست بازوں کو ان کی سچائی ہی فائدہ دے گی۔"

جیسا کہ میں نے کہا' یہ سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے درمیان یہ سوال و جواب آخرت میں ہو گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

سابقہ لوگوں کے اقوال بالمعنی ہیں

سوال قرآن کریم میں مکالمہ کے انداز میں جو گفتگو ہوئی ہے' تو کیا اس میں انسان کا کلام لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے وارد ہے یا معنی انسان کے کلام کے اور الفاظ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ہوتے ہیں؟

جواب مجھے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں کے حالات بیان کرتے ہوئے جو مکالمات ذکر کیے ہیں' ان میں الفاظ اللہ تعالیٰ کے ہیں کیونکہ یہ قرآن واضح عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے اقوال بیان فرمائے ہیں' ان کی زبان عربی نہیں تھی بلکہ وہ لوگ دوسری زبانیں بولتے تھے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے اقوال کو عربی زبان میں بیان فرمایا ہے' تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اقوال کو بالمعنی بیان کیا ہے' ان کے اقوال کو انہی کے اپنے لفظوں میں بیان نہیں فرمایا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

صلاۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے

سوال صلاۃ وسطیٰ سے کیا مراد ہے؟

جواب صلاۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے اور یہ صحیح حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے غزوۂ خندق کے دن فرمایا تھا:

«شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰى»(صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الخندق وهي الأحزاب، ح:٤١١١ وصحيح مسلم، المساجد، باب الدليل لمن قال الصلاة الوسطى هي صلاة العصر، ح:٦٢٧)

"انہوں نے ہمیں صلاۃ وسطیٰ سے مشغول رکھا۔"

اور بلا ریب اس سے مراد نماز عصر ہے اور وسطیٰ کے معنی یہ ہیں کہ جو عدد کے اعتبار سے درمیان میں ہو اور اس سے مراد اس کی فضیلت ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مخلوق غیبی امور سے ناواقف ہے

سوال امید ہے اس آیت کی مکمل شرح بیان فرمائیں گے' یہ آیت سورۂ نمل کی آیت ہے یعنی

﴿ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا ۚ بَلْ هُم مِّنْهَا عَمُونَ ﴾ (النمل ٢٧/٦٦)

"بلکہ آخرت (کے بارے) میں ان کا علم منتہی ہو چکا ہے بلکہ وہ اس سے شک میں ہیں بلکہ اس سے اندھے ہو رہے ہیں۔"

جواب یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مخلوق امور غیبیہ سے ناواقف اور ان علوم آخرت کے جاننے سے عاجز ہے' جن کو ان سے مخفی رکھا گیا ہے' سوائے ان علوم کے جن پر اللہ تعالیٰ نے مطلع فرما دیا ہے اور ﴿ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ان کا علم آخرت کے وقت' صفت اور اس میں پیش آمدہ واقعات کے بارے میں مضمحل' منتہی' کوتاہ اور کمزور ہے کہ ان باتوں میں سے انہیں کسی چیز کا علم نہیں ہے' صرف وہی علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے رسولوں کی زبانی بتایا ہے۔ ﴿ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا ﴾ یعنی شک ہمیشہ ان کی عقلوں کو ڈھانپے رکھے گا اور یہ لوگ ہمیشہ شک و ریب میں مبتلا رہیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے دلائل و براہین قائم فرمائے اور ان کی طرف علم یقین بھیجا لیکن اس کے باوجود بعثت' نشور اور آخرت کی جزا کے بارے میں انہیں شک ہے۔ ﴿ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴾ یعنی اندھوں کی طرح وہ روکنے والے اور اعراض کرنے والے ہیں جو نہیں جانتے کہ ان کے آگے کیا ہے؟ یا علم سے اندھے اور اعراض کرنے والے ہیں' یعنی اس علم سے جو آخرت سے متعلق ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ --- ﴾ کی تفسیر

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا ﴾ (هود ١١/٦)

"اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔"

کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم قرار دے رکھا ہے کہ وہ زمین پر چلنے والے ہر انسان' حیوان اور تمام حشرات الارض کو رزق عطا فرمائے گا' تو اس آیت کریمہ کی موجودگی میں ہم افریقی ممالک میں آنے والے قحط اور بھوک کی کیا تاویل کریں گے؟

جواب آیت کا مفہوم بالکل ظاہر ہے' باقی رہے وہ قحط اور بھوک کے واقعات' جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دنیا میں رونما ہوتے رہتے ہیں' تو وہ صرف اسی شخص کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں' جس کی مدت پوری اور جس کا رزق ختم ہو گیا ہو اور جس کی زندگی اور جس کا رزق ابھی باقی ہو تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ بہت سے ذرائع سے رزق پہنچا دیتا ہے' خواہ وہ شخص ان ذرائع کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجۡعَل لَّهُۥ مَخۡرَجٗا ۝٢ وَيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُۚ ﴾ (الطلاق۶۵/ ۲۔۳)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا' تو وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو اس جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔" اور فرمایا:

﴿ وَكَأَيِّن مِّن دَآبَّةٖ لَّا تَحۡمِلُ رِزۡقَهَا ٱللَّهُ يَرۡزُقُهَا وَإِيَّاكُمۡۚ ﴾ (العنکبوت۲۹/ ۶۰)

"اور بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔ اللہ ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَمُوتُ نَفْسٌ حَتَّى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا»(مسند البزار، من حديث حذيفة، ح: ۲۹۱۴ واصله في سنن ابن ماجه من رواية جابر: ۲۱۴۴)

"اس وقت تک کوئی جان دار فوت نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے رزق اور عمر کو مکمل نہ کر لے۔"

شیخ ابن باز

دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہے

سوال ان دو آیتوں کا شان نزول کیا ہے؟

﴿ إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلۡإِسۡلَٰمُۗ وَمَا ٱخۡتَلَفَ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡكِتَٰبَ إِلَّا مِنۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ ٱلۡعِلۡمُ بَغۡيَۢا بَيۡنَهُمۡۗ وَمَن يَكۡفُرۡ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ فَإِنَّ ٱللَّهَ سَرِيعُ ٱلۡحِسَابِ ۝١٩ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۹)

﴿ فَلَا تُطِعِ ٱلۡمُكَذِّبِينَ ۝٨ وَدُّواْ لَوۡ تُدۡهِنُ فَيُدۡهِنُونَ ۝٩ وَلَا تُطِعۡ كُلَّ حَلَّافٖ مَّهِينٍ ۝١٠ هَمَّازٖ مَّشَّآءِۢ بِنَمِيمٖ ۝١١ مَّنَّاعٖ لِّلۡخَيۡرِ مُعۡتَدٍ أَثِيمٍ ۝١٢ عُتُلِّۢ بَعۡدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝١٣ أَن كَانَ ذَا مَالٖ وَبَنِينَ ۝١٤ ﴾

(القلم۶۸/ ۸۔۱۴)

نیز یہ بھی فرمائیں کہ ان دونوں آیتوں کا مفہوم کیا ہے؟

جواب پہلی آیت یعنی ﴿ إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ دین اسلام ہے۔ یاد رہے کہ دین سے مراد کبھی تو عمل ہوتا ہے اور کبھی عمل کی جزا۔ دین سے مراد عمل کی مثال یہ آیت کریمہ ہے:

﴿ وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلۡإِسۡلَٰمَ دِينٗاۚ ﴾ (المائدۃ۵/ ۳)

"اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلْإِسْلَـٰمُ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۹)

"دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔"

اور دین سے مراد عمل کی جزا کی مثالیں حسب ذیل آیات ہیں:

﴿ مَـٰلِكِ يَوْمِ ٱلدِّينِ ﴿٤﴾ ﴾ (الفاتحۃ۱/ ٤)

"حاکم ہے انصاف کے دن کا۔"

نیز فرمایا:

﴿ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِٱلدِّينِ ﴿٩﴾ ﴾ (الانفطار۸۲/ ۹)

"ہرگز نہیں بلکہ (بات دراصل یہ ہے کہ) تم لوگ (روزِ) جزاء کو جھٹلاتے ہو۔"

نیز ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٠﴾ ٱلَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ ٱلدِّينِ ﴿١١﴾ ﴾ (المطففین۸۳/ ۱۰۔۱۱)

"اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے (یعنی) جو انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔"

پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک عمل مقبول' اسلام ہے اور اسلام کے معنی ظاہری اور باطنی طور پر اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت و فرماں برداری اور یہ اس اسلام خاص کو بھی مشتمل ہے' جو حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت کا دین ہے اور اسلام عام کو بھی جو تمام انبیاء کرام کا دین ہے کیونکہ ہر وہ دین جو پہلے سے قائم ہو' وہ اللہ ہی کا دین یعنی دین اسلام ہی ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ نئی شریعت آ جائے جو اسے منسوخ کر دے۔ یہ آنے والی نئی اور ناسخ شریعت دین اسلام بن جاتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی مقبول ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَا للّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ جس طرح عمومی طور پر دین کے اصول و فروع پر مشتمل ہے' اسی طرح یہ دین کی جزئیات پر بھی محیط ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ عمل مقبول ہو گا جو اسلام کے مطابق ہو گا جیسا کہ اس صحیح حدیث سے ثابت ہے' جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، ح:۱۷۱۸)

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ (عمل) مردود ہے۔"

یہ مذکورہ بالا آیت کریمہ گویا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلام کے سوا دیگر دین اللہ تعالیٰ کے ہاں غیر مقبول ہیں' خواہ ان کے مطابق عمل کرنے والے کیسے عمل ہی کیوں نہ کریں' خواہ ان کا تعلق دین یہود سے ہو یا دین نصاریٰ سے یا کسی بھی دوسرے دین سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں ہیں کیونکہ یہ وہ اسلام نہیں ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ جو شخص دین اسلام اور دیگر ادیان کو یکساں قرار دے اور کہے کہ یہ سب ادیان اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہیں تو وہ کافر ہے۔ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر توبہ کر لے تو بہتر ورنہ اس کی سزا

قل ہے کیونکہ اس دین نے' جسے عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا' سابقہ تمام ادیان کو منسوخ کر دیا ہے اور اب اللہ تعالیٰ اس دین کے سوا اور کسی دین کو ہرگز پسند نہیں فرمائے گا کیونکہ اس نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ ٱلْإِسْلَٰمِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي ٱلْءَاخِرَةِ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٨٥﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ۸۵)

"اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا تو وہ (دین) اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔"

دوسری آیت کریمہ جس کے بارے میں سائل نے پوچھا ہے' وہ یہ ہے:

﴿ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴿١٠﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ﴿١١﴾ ﴾ (القلم۶۸/ ۱۰-۱۱)

"اور کسی ایسے شخص کے کہے میں نہ آ جانا جو بہت قسمیں کھانے والا' ذلیل اوقات ہے' طعن آمیز اشارتیں کرنے والا' چغلیاں لیے پھرنے والا۔"

سائل نے ان آیات کے شان نزول کے بارے میں پوچھا ہے تو مجھے نہیں معلوم کہ یہ آیات کسی خاص سبب کی وجہ سے نازل ہوئی ہیں۔ البتہ ان آیات میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو منع فرما دیا ہے کہ وہ ایسے شخص کے کہے میں نہ آئیں' جس میں یہ صفات موجود ہوں' جو ان آیات میں مذکور ہیں یعنی ﴿ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴾ "جو بہت قسمیں کھانے والا' ذلیل اوقات ہو" کیونکہ ایسا شخص فی نفسہٖ ذلیل و مہین ہوتا ہے اور اس کی بات کو اس وقت تک سچا نہیں مانا جاتا جب تک وہ قسم نہ کھا لے۔ ﴿ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ﴾ "طعن آمیز اشارتیں کرنے والا' چغلیاں لیے پھرنے والا" هَمَّاز اس شخص کو کہتے ہیں جو کثیر الغیبت ہو اور لوگوں کی چغلیاں کھاتا ہو۔ ﴿ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ لوگوں میں کثرت سے چغلیاں پھیلانے والا ہو۔ غیبت اور نمیمت میں فرق یہ ہے کہ غیبت تو یہ ہے کہ کسی انسان کا اس کی عدم موجودگی میں اس طرح ذکر کیا جائے جو اسے ناپسند ہو اور نمیمت کے معنی ہیں لوگوں کے باہمی تعلقات کو خراب کرنا اور ان میں فتنہ و فساد برپا کرنے کے لیے کوشش کرنا' مثلاً ایک شخص دوسرے سے یہ کہے کہ فلاں شخص آپ کے بارے میں یہ یہ باتیں کرتا تھا۔ آپ کو گالی دیتا تھا' برا بھلا کہتا تھا' آپ کی یہ عیب جوئی کرتا تھا اور وہ یہ باتیں اس لیے کرے تاکہ دونوں میں دشمنی اور عداوت ڈال دے۔ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ»(صحيح البخاري، الأدب، باب ما يكره من النميمة، ح:٦٠٥٦ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم النميمة، ح:١٠٥ واللفظ له)

"چغل خور جنت میں داخل نہیں ہو گا۔" نَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ۔

﴿ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴾ "مال میں بخل کرنے والا' حد سے بڑھا ہوا بدکار" یعنی اس میں نہ صرف یہ کہ خود کوئی خیر نہیں ہے بلکہ وہ خیر کو دوسرے سے بھی روکتا ہے۔ ﴿ مُعْتَدٍ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ مخلوق پر زیادتی کرتا ہے۔ یعنی اس میں یہ دونوں خرابیاں ہیں کہ وہ مخلوق سے خیر کو روکتا بھی ہے اور مخلوق پر زیادتی بھی کرتا ہے اور یہ ظلم کی انتہاء ہوتی ہے۔ اسی لیے تو فرمایا کہ ﴿ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴾ کہ وہ عداوت و دشمنی پیدا کرنے والی اپنی ان معصیتوں اور خیر سے لوگوں کو منع کرنے کی وجہ سے بہت بڑا گناہ گار ہے۔ ﴿ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ﴾ "عُتُل" کے معنی انتہائی سنگ دل اور متکبر شخص کے ہوتے ہیں اور ﴿ زَنِيمٌ ﴾ اسے کہتے ہیں' جو اپنے شر کی وجہ سے لوگوں میں معروف ہو۔ "زَنِيم اس علامت کو کہتے ہیں جو جانور کی گردن میں ہو۔

﴿أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ﴿١٤﴾ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ءَايَٰتُنَا قَالَ أَسَٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿١٥﴾﴾ (القلم٦٨/ ١٤۔١٥)

"اس سبب سے کہ مال اور بیٹے رکھتا ہے' جب اس کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کے افسانے ہیں۔"

یعنی اس شخص کے پاس چونکہ مال اور بیٹے تھے' اس لیے یہ مال وغیرہ کی وجہ سے فریب خوردہ ہو گیا' اس نے سرکشی اور بغاوت کی روش اختیار کر لی ہے اور جب اسے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں' تو یہ کہتا ہے کہ یہ تو اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں' اس لیے قرآن کریم جس حسن و جمال اور جن عظیم معانی' جن آداب عالیہ' اخلاق فاضلہ' قصص نافعہ اور اخبار صادقہ پر مشتمل ہے' انہیں اس کے دل نے قبول نہیں کیا جس کی وجہ سے اس نے یہ کہہ دیا کہ یہ تو محض اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ اس بات کو خوب ذہن نشین کر لیجئے کہ گناہ جس شخص کے دل کو زنگ آلود کر دیں' اس کا دل نور حق اور نور ہدایت سے نیز قرآن عظیم کے شفاء اور نور سے محروم ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَلَّآ إِنَّ كِتَٰبَ ٱلْفُجَّارِ لَفِى سِجِّينٍ ﴿٧﴾ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا سِجِّينٌ ﴿٨﴾ كِتَٰبٌ مَّرْقُومٌ ﴿٩﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٠﴾ ٱلَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ ٱلدِّينِ ﴿١١﴾ وَمَا يُكَذِّبُ بِهِۦٓ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿١٢﴾ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ءَايَٰتُنَا قَالَ أَسَٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ كَلَّا ۖ بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا۟ يَكْسِبُونَ ﴿١٤﴾﴾ (المطففین٨٣/ ٧۔١٤)

"سن رکھو! بدکاروں کے اعمال سجین میں ہیں۔ اور تم کیا جانتے ہو کہ سجین کیا چیز ہے؟ ایک دفتر ہے لکھا ہوا۔ اس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے (یعنی) جو انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔ اور اس کو جھٹلاتا وہی ہے جو حد سے نکل جانے والا گناہ گار ہے۔ جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو اگلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ دیکھو یہ جو (اعمال بد) کرتے ہیں ان کا ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔"

اس نے آیات کو اگلے لوگوں کے افسانے اس لیے قرار دیا کہ ان میں جو نور' شفاء اور ہدایت ہے' وہ اس کے دل تک نہیں پہنچی کیونکہ گناہوں اور معصیتوں کی وجہ سے اس کے دل پر زنگ لگ چکا ہے اور جب انسان اللہ تعالیٰ کی آیات سے ہدایت حاصل کرے تو اس کے ہدایت اور نور میں اضافہ ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَٱلَّذِينَ ٱهْتَدَوْا۟ زَادَهُمْ هُدًى وَءَاتَىٰهُمْ تَقْوَىٰهُمْ ﴿١٧﴾﴾ (محمد٤٧/ ١٧)

"اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں' ان کو وہ مزید ہدایت بخشتا ہے اور پرہیزگاری عنایت کرتا ہے۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَزِيدُ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ٱهْتَدَوْا۟ هُدًى﴾ (مریم١٩/ ٧٦)

"اور جو لوگ ہدایت یاب ہیں اللہ ان کو زیادہ ہدایت دیتا ہے۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

دل میں آنے والا برائیوں کا خیال قابل معافی ہے

بعض اوقات میرے دل میں کسی منکر فعل یا قول کا خیال آتا ہے لیکن اکثر و بیشتر میں اس قول یا فعل کا اظہار

نہیں کرتا' تو کیا اس صورت میں بھی مجھے گناہ ہو گا؟ نیز حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے کیا مقصود ہے:

﴿ لِّلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ۗ وَإِن تُبْدُوا۟ مَا فِىٓ أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ ٱللَّهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ ۗ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٨٤﴾ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۲۸۴)

"جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے' سب اللہ ہی کا ہے۔ تم اپنے دلوں کی بات کو ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ پھر وہ جس کی چاہے مغفرت کرے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

جواب اس آیت کریمہ کو حسب ذیل آیت نے منسوخ کر دیا ہے:

﴿ لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا ٱكْتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۲۸۶)

"اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اچھے کام کرے گا تو اس کو ان کا فائدہ ملے گا' برے کام کرے گا تو اسے ان کا نقصان پہنچے گا۔ اے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا۔"

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "میں نے ایسا ہی کیا۔" [1]

اور نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا مَالَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ» (صحيح البخاري، الطلاق، باب الطلاق في الإغلاق والكره ... الخ، ح: ۵۲۶۹ وصحيح مسلم، الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس ... الخ، ح: ۱۲۷)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کی ان باتوں سے درگزر فرمایا ہے' جو دل میں پیدا ہوں جب تک ان کے مطابق عمل نہ کر لیا جائے یا بات نہ کر لی جائے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ دل میں پیدا ہونے والے وسوسے اور بعض برائیوں کے ارادے قابل معافی ہیں' جب تک کہ ان کو قول یا فعل کی صورت میں عملی جامہ نہ پہنا دیا جائے اور اگر اس ارادے کے مطابق عمل کو اللہ تعالیٰ کے خوف کے پیش نظر ترک کر دیا جائے تو اس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھ دیتا ہے' جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ [2] واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

[1] صحیح مسلم' الایمان' باب بیان تجاوز اللہ تعالیٰ عن حدیث النفس --- الخ' حدیث: 126

[2] صحیح البخاری' الرقاق' باب من ھم بحسنة اوبسیئة' حدیث: 6491 و صحیح مسلم' الایمان' باب اذاھم العبد بحسنة کتبت واذاھم بسیئة لم یکتب' حدیث: 131-

حائضہ عورت کے لیے کتب تفسیر کا مطالعہ

کیا حالت جنابت یا حالت حیض میں دینی کتب مثلاً کتب تفسیر وغیرہ کا مطالعہ کرنا جائز ہے؟

جواب جنبی اور حائضہ کے لیے کتب تفسیر اور فقہ' دینی ادب' حدیث اور توحید وغیرہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا جائز ہے۔ ان حالتوں میں قرآن مجید کو بطور تلاوت پڑھنا منع ہے۔ دعا یا استدلال وغیرہ کے لیے پڑھنے کی ممانعت نہیں ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

مسجدوں کی آبادی نماز کے ساتھ ہے

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ﴾ (التوبة۹/ ۱۸)

''اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں' جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لاتے ہیں۔''

اس میں آباد کرنے سے کیا مراد ہے؟ کیا کافروں کے لیے مسجد کی تعمیر میں حصہ لینا جائز ہے؟ کیا عیسائی کارکنوں سے مسجد کے بنانے میں کام لیا جا سکتا ہے؟

جواب مسجدیں در حقیقت نماز' اطاعت' اعتکاف اور ان تمام بدنی اور قولی عبادات سے آباد ہوتی ہیں' جو ان میں سرانجام دی جائیں۔ گویا اس آیت میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے' جو مسجدوں میں مختلف قسم کی عبادات سرانجام دیتے ہیں' نیز ان لوگوں کے لیے قرآن نے یہ شہادت دی ہے کہ وہ ایمان دار ہیں جیسا کہ اس مرفوع حدیث میں بھی ہے' جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے:

«إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسَاجِدَ، فَاشْهَدُوا لَهُ بِالإِيمَانِ»(جامع الترمذي، التفسير، باب ومن سورة التوبة، ح:۳۰۹۳ وسنن ابن ماجه، المساجد والجماعات، باب لزوم المساجد وانتظار الصلاة، ح:۸۰۲ واللفظ له)

''تم جب کسی آدمی کو مسجدوں میں آتے جاتے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔''

اس حدیث میں بھی گویا اسی آیت سے استدلال ہے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے مسجدوں کو آباد کرنے کی نفی فرمائی ہے:

﴿ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَن يَعْمُرُوا مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ ﴾ (التوبة۹/ ۱۷)

''مشرکوں کو زیبا نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں۔''

مسجدوں کی آبادی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ حصول ثواب کی نیت سے انہیں پاک مال سے تعمیر کیا جائے' اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسجد تعمیر کرنے کی فضیلت کے بارے میں احادیث موجود ہیں۔ مسجدوں کی تعمیر میں مال خرچ کرنا کفار کے لیے مفید اور منفعت بخش نہیں ہو سکتا کیونکہ شرک کی وجہ سے ان کے اعمال رائیگاں ہو جاتے ہیں' البتہ انہوں نے اپنے مال سے کسی مسجد کو بنایا یا اس کی تعمیر میں حصہ لیا ہو تو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَ لَكُم فِيهَا جَمَالٌ --- ﴾ کی تفسیر

سوال کیا ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝ ﴾ (النحل ١٦/ ٦)

"اور تمہارے لیے ان (چوپایوں) میں حسن و جمال ہے' جب شام کو انہیں (جنگل سے) چرا لاتے ہو اور جب صبح کو چرانے لے جاتے ہو۔" سے مقصود دنیا ہے؟

جواب یہ آیت سورۂ نحل کے ابتدا میں ہے اور اس سے مراد اونٹ ہیں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مسخر کر دیا ہے اور انہیں ہمارے لیے باعث جمال و زینت بنا دیا ہے کہ ان کے مالکان ان پر فخر کرتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مال اور ذخیرہ بنا دیا ہے کہ ہم ان کے حصول میں رغبت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ جب وہ انہیں شام کو جنگل سے چرا کر لاتے ہیں اور جب صبح انہیں جنگل میں چرانے کے لیے لے جاتے ہیں' تو اس میں حسن و جمال (اور عزت و شان) کا پہلو بھی ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بستیوں کی ہلاکت

سوال سورۃ الاسراء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن مِّن قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ۝ ﴾ (الإسراء ١٧/ ٥٨)

"اور (کفر کرنے والوں کی) کوئی بستی نہیں مگر قیامت کے دن سے پہلے ہم اسے ہلاک کر دیں گے یا سخت عذاب سے دوچار کریں گے۔ یہ کتاب (یعنی تقدیر) میں لکھا جا چکا ہے۔"

کیا یہ عذاب ان بستیوں پر بھی نازل ہوتا ہے' جن کے باشندے مومن ہوں یا ان پر نازل ہوتا ہے جن کے باشندے فاسق و فاجر اور اپنے رب کے نافرمان ہوں یا اس سے کیا مقصود ہے؟

جواب یہ آیت صریحاً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بستی کے لیے عذاب کا فیصلہ فرمایا ہے اور یہ ایک یقینی خبر ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر بستی کے باشندوں سے ایسے کفر و معاصی کا ارتکاب ہو گا جو مستوجب عذاب ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں فرماتا اور یہ ہر شہر و بستی کے لیے عام ہے۔ اس طرح کے کئی واقعات رونما ہو چکے ہیں اور کئی رونما ہونے والے ہیں۔ عذاب کی کئی صورتیں ہیں مثلاً بیماریاں' فقر' بھوک' دولت کی کثرت اور دشمنوں کا غلبہ وغیرہ۔

——— شیخ ابن جبرین ———

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ﴾ کے معنی

سوال ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ﴾ کے کیا معنی ہیں؟

جواب یہ آیت کریمہ قیامت کے مناظر میں سے ایک منظر کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور وہ یہ کہ اس دن تمام اطراف

سے آسمان کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ملائکہ کرام علیہم السلام کے نزول کے لئے بہت سے دروازے ہوں گے' ملائکہ کے اس نزول کی طرف حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں بھی اشارہ کیا گیا ہے:

﴿ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَٰمِ وَنُزِّلَ الْمَلَٰٓئِكَةُ تَنزِيلًا ﴿٢٥﴾ الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَٰنِ ۚ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَٰفِرِينَ عَسِيرًا ﴿٢٦﴾ ﴾ (الفرقان ٢٥/ ٢٥ـ٢٦)

"اور جس دن آسمان ابر کے ساتھ پھٹ جائے گا اور فرشتے نازل کیے جائیں گے' اس دن سچی بادشاہی اللہ ہی کی ہو گی اور وہ دن کافروں پر (سخت) مشکل ہو گا۔"

اس آیت میں اس پھٹ جانے کی طرف اشارہ ہے۔ قراءت سبعہ میں اسے دو طرح پڑھا گیا ہے (۱) ﴿ وَ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴾ یعنی پہلی تاء کے کسرہ کے ساتھ اور (۲) ﴿ وَفُتِّحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴾ پہلی تاء کے کسرہ اور تشدید کے ساتھ۔ یہ دوسری قراءت زیادہ بلیغ ہے کیونکہ یہ مشدد ہے اور مبالغہ و کثرت پر دلالت کرتی ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً --- ﴾ کے معنی

سوال ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَإِذَا رَأَوْا تِجَٰرَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوٓا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَآئِمًا ۚ قُلْ مَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَٰرَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّٰزِقِينَ ﴿١١﴾ ﴾ (الجمعة ٦٢/ ١١)

"اور جب یہ لوگ سودا بکتا یا تماشا ہوتا دیکھتے ہیں تو اس (تجارت) کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور تمہیں (کھڑے کا) کھڑا چھوڑ جاتے ہیں' کہہ دیجئے! جو چیز اللہ کے ہاں ہے' وہ تماشے اور سودے سے کہیں بہتر ہے' اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔" کے کیا معنی ہیں؟

جواب یہ آیت کریمہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس خاص حالت سے متعلق نازل ہوئی ہے' جب ان کی معاشی حالت میں بہت تنگی تھی' زندگی بہت مشکل سے گزر رہی تھی کیونکہ کھانے پینے کی چیزوں کی فراوانی نہ تھی اور مال و دولت کی بے حد کمی تھی۔ ان حالات میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ شام سے ایک تجارتی قافلہ آ گیا۔ اس قافلہ کے سربراہ کی یہ عادت تھی کہ جب وہ آتا تو دف بجانے کا اہتمام کرتا تاکہ لوگوں کو علم ہو جائے اور وہ اس سے آکر غلہ خرید لیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب دف کی آواز کو سنا تو وہ مسجد سے باہر نکل گئے کیونکہ وہ تنگی کی حالت میں تھے اور کھانے کی اشیاء کی انہیں شدید ضرورت تھی۔ وہ مسجد سے باہر نکل گئے تاکہ کھانے کے لیے اور خرید و فروخت کے لیے غلہ خرید سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ بارہ اشخاص کے سوا' جن میں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے' باقی سب لوگ مسجد سے باہر نکل گئے تو ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿ وَإِذَا رَأَوْا تِجَٰرَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوٓا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَآئِمًا ۚ قُلْ مَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَٰرَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّٰزِقِينَ ﴿١١﴾ ﴾ (الجمعة ٦٢/ ١١)

"اور جب یہ لوگ سودا بکتا یا تماشا ہوتا دیکھتے ہیں تو اس (تجارت) کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور تمہیں (کھڑے کا) کھڑا چھوڑ جاتے ہیں' کہہ دیجئے! جو چیز اللہ کے ہاں ہے' وہ تماشے اور سودے سے کہیں بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس جو رزق اور آخرت میں جو ثواب ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر ہے۔ کھیل تماشے سے یہاں مراد تجارت کے لئے آنے والوں کے سامنے دف بجانا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ﴿ اِنفَضُّوا اِلَیهَا ﴾ "اس کی طرف بھاگ گئے۔" اس سے مراد صرف تجارت ہے' یہ نہیں فرمایا کہ ﴿ اِنْفَضُّوْا اِلَیْهِمَا ﴾ "وہ ان دونوں کی طرف بھاگ گئے۔" یعنی کھیل تماشے اور تجارت کی طرف۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دف کے ساتھ کھیل تماشے کے لیے مسجد سے نہیں نکلے تھے بلکہ وہ ایک جائز مقصد یعنی تجارت کے لیے نکلے تھے۔ ﴿ وَاللّٰهُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴾ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ کثرت سے رزق دیتا ہے اور اپنی کثیر تعداد مخلوق کو رزق دیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلرَّزَّاقُ ذُو ٱلْقُوَّةِ ٱلْمَتِينُ ﴿٥٨﴾ ﴾ (الذاریات ۵۱/ ۵۸)

"اللہ ہی تو رزق دینے والا زور آور (اور) مضبوط ہے۔" اور فرمایا:

﴿ ۞ وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي ٱلْأَرْضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتَٰبٍ مُّبِينٍ ﴿٦﴾ ﴾ (ھود ۱۱/ ۶)

"اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔ وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی۔ یہ سب کچھ کتاب روشن میں (لکھا ہوا) ہے۔"

مگر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت ہی سے دیتا ہے اور حکمت سے ہی روکتا ہے۔ وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو تنگ کر دیتا ہے' کچھ لوگوں کو وہ رزق کی فراوانی اور وسعت سے نوازتا ہے تاکہ وہ آزمائے کہ کون شکر ادا کرتا ہے اور کون کفران نعمت کی روش اختیار کرتا ہے؟ یعنی دینے یا نہ دینے میں صرف اسی کی حکمت کارفرما ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک قول یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت خطبۂ جمعہ نماز کے بعد ہوتا تھا' نماز سے پہلے نہیں ہوتا تھا۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

امانت کے معنی

سوال درج ذیل آیت کریمہ کے کیا معنی ہیں:

﴿ إِنَّا عَرَضْنَا ٱلْأَمَانَةَ عَلَى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱلْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا ٱلْإِنسَٰنُ ۖ إِنَّهُۥ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٧٢﴾ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۷۲)

"ہم نے (بار) امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل تھا۔"

جواب امانت سے مراد شرعی ذمہ داریاں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ذمہ داریوں' اوامر و نواہی اور ثواب و عذاب کو ان مخلوقات کے سامنے پیش کیا تو یہ ڈر گئیں اور خوف کھانے لگیں کہ یہ عاجز ہوں گی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو برداشت کرنے کی ان میں استطاعت نہ ہو گی' لہٰذا یہ اپنے جمادات بننے پر ہی راضی ہو گئیں اور اگر یہ ان ذمہ داریوں کو قبول کر لیتیں تو یہ بھی ان تمام افعال کی مکلّف ہوتیں' جن کا انسان کو مکلّف قرار دیا گیا ہے۔ [1]

——— شیخ ابن جبرین ———

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴾ کے معنی

سوال اس آیت کریمہ کے کیا معنی ہیں:

﴿ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۱۸)

"(یہ) بہرے ہیں' گونگے ہیں' اندھے ہیں کہ (کسی طرح سیدھے راستے کی طرف) لوٹ ہی نہیں سکتے۔"

جواب یہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی تین صفتیں بیان کی ہیں کہ وہ بہرے ہیں نہ تو حق کو سنتے ہیں اور نہ اس کی طرف کان لگاتے ہیں۔ گونگے ہیں کہ حق بات کہتے نہیں اور اندھے ہیں کہ حق کو دیکھتے ہی نہیں۔ سماعت نافع' نطق حق اور رؤیت حق کے فقدان کے باعث ان پر چونکہ علم کے دروازے بند ہو چکے ہیں لہٰذا یہ اپنی سرکشی اور اپنے نفاق سے باز نہیں آئیں گے کیونکہ یہ غلطی یا ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنے بارے میں فریب خوردہ ہیں۔ پس یہ بہرے' گونگے اور اندھے ہیں کہ کسی طرح بھی سیدھے راستے کی طرف نہیں آئیں گے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

القرء کے معنی

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ﴾ (البقرۃ: ۲/۲۲۸) تو اس میں قُرُوْء سے کیا مراد ہے؟

جواب لغت میں قروء کا لفظ حالت طہارت اور حالت حیض دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس آیت میں یہ لفظ حالت حیض کے لیے استعمال ہوا ہے۔ شارع کے اکثر استعمال اور جمہور صحابہ کے قول کے مطابق یہ لفظ حالت حیض ہی کے لیے استعمال ہوا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

---

[1] آسان الفاظ میں اس مفہوم کو یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ امانت سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام اور فرائض ہیں' جن کے اٹھانے سے آسمان نے بھی اپنا عجز ظاہر کیا اور زمین اور پہاڑوں نے بھی۔ مگر انسان نے اپنی بساط کو تو دیکھا نہیں اور کہا کہ میں اس بار کو اٹھاؤں گا۔ نادانی سے اس کو اٹھا تو لیا لیکن اٹھاتے ہی اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے لگا' جس کی وجہ سے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مورد عتاب قرار پایا۔ تب اسے سمجھ آئی کہ میں نے بڑی نادانی سے کام لیا ہے اور اپنے حق میں بڑا ظلم کیا ہے اور لگا اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے۔ اس مشت خاک کو دیکھو اور اس کی بساط کو دیکھو اور اس کی جرأت کو دیکھو۔ اللہ تعالیٰ کی امانت کو قبول کیا تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ کمزور بھی تھا اور اس امانت کی عظمت سے ناواقف بھی تھا۔ (مترجم)

ولایت کے معنی

سوال ارشاد باری تعالیٰ ﴿ لَا تَتَوَلَّوا قومًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيهِم ﴾ میں ولایت سے کیا مراد ہے؟ کیا ان کے پاس جانا' باتیں کرنا اور ہنسنا وغیرہ بھی ولایت میں داخل ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو منع فرمایا ہے کہ وہ یہودیوں اور ان جیسے دیگر کفار سے محبت و مودت اور اخوت و نصرت کے تعلقات رکھیں اور انہیں دوست بنائیں خواہ وہ مسلمانوں سے جنگ نہ بھی کر رہے ہوں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ يُوَآدُّونَ مَنْ حَآدَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَوْ كَانُوٓا۟ ءَابَآءَهُمْ أَوْ أَبْنَآءَهُمْ أَوْ إِخْوَٰنَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ كَتَبَ فِى قُلُوبِهِمُ ٱلْإِيمَٰنَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ حِزْبُ ٱللَّهِ ۚ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾ ﴾ (المجادلة۵۸/ ۲۲)

"جو لوگ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش یہی گروہ اللہ کا لشکر ہے (اور) سن رکھو کہ اللہ ہی کا لشکر مراد حاصل کرنے والا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا۟ مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ ٱلْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَٰهِهِمْ وَمَا تُخْفِى صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ ٱلْءَايَٰتِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾ هَٰٓأَنتُمْ أُو۟لَآءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِٱلْكِتَٰبِ كُلِّهِۦ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا وَإِذَا خَلَوْا۟ عَضُّوا۟ عَلَيْكُمُ ٱلْأَنَامِلَ مِنَ ٱلْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوتُوا۟ بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ ﴿١١٩﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۱۸۔۱۱۹)

"اے مومنو! کسی غیر (مذہب کے آدمی) کو اپنا رازداں نہ بنانا' یہ لوگ تمہاری خرابی (اور فتنہ انگیزی کرنے) میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہو) تمہیں تکلیف پہنچے۔ ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کینے) ان کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں۔ اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سنا دی ہیں۔ دیکھو! تم ایسے (صاف دل) لوگ ہو کہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہو حالانکہ وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے اور تم سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو (مگر وہ تمہاری کتاب کو نہیں مانتے) اور جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر غصے کے سبب انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں (ان سے) کہہ دو کہ (بدبختو!) غصے میں مر جاؤ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے۔"

اس کے علاوہ کتاب و سنت کے دیگر بہت سے نصوص میں بھی یہ بات بیان کی گئی ہے' مگر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو غیر حربی کافروں سے حسن سلوک کرنے' بیع و شراء کرنے یا ان کے تحائف قبول کرنے سے منع نہیں فرمایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمْ يُقَٰتِلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوٓا۟ إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ﴿٨﴾ إِنَّمَا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ قَٰتَلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ وَظَٰهَرُوا۟ عَلَىٰٓ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٩﴾ ﴾ (الممتحنة ٦٠/ ٨-٩)

”جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا' ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ انہی لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی کرنے سے منع کرتا ہے' جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی اور جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں گے تو وہی ظالم ہیں۔“

—— فتویٰ کمیٹی ——

﴿ صُحُفِ إِبْرَٰهِيمَ وَمُوسَىٰ ﴾ سے مقصود

سوال ہم ایک مجلس میں سورۃ الاعلیٰ کی دو آیات کریمہ نمبر۱۸' نمبر۱۹ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے' جو یہ ہیں:

﴿ إِنَّ هَٰذَا لَفِى ٱلصُّحُفِ ٱلْأُولَىٰ ﴿١٨﴾ صُحُفِ إِبْرَٰهِيمَ وَمُوسَىٰ ﴿١٩﴾ ﴾ (الأعلی ۲/ ۱۸-۱۹)

”یہی بات پہلے صحیفوں میں (مرقوم) ہے' (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔“

سوال یہ ہے کہ سورۃ الاعلیٰ کا سبب نزول کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی کتابوں کی بجائے ان کے صحیفوں کا ذکر کیوں کیا ہے؟

جواب بعض مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صحف نازل فرمائے تھے۔ صحف' صحیفہ کی جمع ہے اور صحیفہ اسے کہتے ہیں جس میں حکمتیں' مواعظ اور احکام لکھے ہوں۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام پر بھی تورات سے پہلے صحیفے نازل کیے گئے تھے۔ اگرچہ ان صحائف کی تعداد میں اختلاف ہے' تاہم اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم میں بھی ان کا ذکر فرمایا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِى صُحُفِ مُوسَىٰ ﴿٣٦﴾ وَإِبْرَٰهِيمَ ٱلَّذِى وَفَّىٰٓ ﴿٣٧﴾ ﴾ (النجم ۵۳/ ۳۶-۳۷)

”کیا جو باتیں موسیٰ کے صحیفوں میں ہیں' ان کی اس کو خبر نہیں پہنچی اور ابراہیم کی جنہوں نے (حق طاعت و رسالت) پورا کیا۔“

صحف کا واحد صحیفہ ہے اور صحیفہ کاغذ وغیرہ کے اس صفحہ کو بھی کہتے ہیں' جس میں کلام اللہ لکھا جائے اور اس سے مراد وہ سب کچھ بھی ہو سکتا ہے' جو حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوا۔ قرآن مجید کی تعریف میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فِى صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿١٣﴾ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ﴿١٤﴾ ﴾ (عبس ۸۰/ ۱۳-۱۴)

”قابل ادب ورقوں میں (لکھا ہوا)' جو بلند مقام پر رکھے ہوئے (اور) پاک ہیں۔“

یہ اس وقت کی کیفیت کی طرف اشارہ ہے' جب قرآن مجید ابھی مکمل لکھا ہوا نہیں تھا یا ابھی مکمل نازل ہی نہیں ہوا

تھا' شاید یہ مستقبل کے حوالے سے خبر ہو۔ بہرحال صحف کا لفظ کتب کی نسبت خاص ہے لیکن کبھی کبھی یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے مترادف بھی استعمال ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کیا خفیہ اعضاء کو دیکھنا وسوسہ تھا؟

سوال اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ فَوَسْوَسَ لَهُمَا ٱلشَّيْطَٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُۥرِيَ عَنْهُمَا مِن سَوْءَٰتِهِمَا﴾ (الأعراف۷/ ۲۰)

"پھر شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کے ستر کی چیزیں جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول دے۔"

اس وسوسے کی حقیقت کیا ہے؟ کیا یہ وسوسہ حضرت آدم اور حواء علیہما السلام سے شیطان کے براہ راست کلام کی صورت میں تھا؟ کیا وہ انسان جو مرض وسوسہ میں مبتلا ہو گیا مرفوع القلم ہے کیونکہ وسوسہ تو جنون کی ایک قسم ہے؟"

جواب ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ فَوَسْوَسَ لَهُمَا ٱلشَّيْطَٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُۥرِيَ عَنْهُمَا مِن سَوْءَٰتِهِمَا﴾ (الأعراف۷/ ۲۰)

"پھر شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کے ستر کی چیزیں جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول دے۔"

یعنی شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اور ان سے زبانی یہ کہا:

﴿ مَا نَهَىٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ ٱلشَّجَرَةِ إِلَّآ أَن تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ ٱلْخَٰلِدِينَ ﴿٢٠﴾ وَقَاسَمَهُمَآ إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ ٱلنَّٰصِحِينَ ﴿٢١﴾﴾ (الأعراف۷/ ۲۰۔۲۱)

"تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو اور ان سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔"

یہ کلام' حقیقت اور وسوسہ دونوں پر مبنی ہے' جسے شیطان نے ان دونوں کے دل میں ڈال دیا تھا۔ انسانوں کو جو وسوسے پیش آتے ہیں' یہ اس وقت تک مؤثر نہیں ہوتے' جب تک انسان انہیں شدت سے دور کرتا رہے اور اگر ان کے بارے میں اس سے سوال کیا جائے کہ کیا تو یہ عقیدہ رکھتا ہے؟ تو یہ شدت سے انکار کر دے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس قسم کے وسوسے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تھی تو آپ نے حکم دیا تھا کہ اس حالت میں اَعُوْذُ بِاللّٰہ پڑھ لیا کرو اور وسوسے سے رک جایا کرو۔ اگر انسان ایسا کرے تو اس کے میلان و رجحان کے بغیر اس کے دل پر طاری ہونے والے وسوسے اس کے لیے نقصان دہ ثابت نہیں ہوتے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

تفسیر کی کتاب قرآن مجید کے برابر نہیں

سوال کتب تفسیر پر یہ آیت کریمہ کیوں نہیں لکھی جاتی:

﴿ لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾﴾ (الواقعة۵۶/ ۷۹)

"اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک لوگ ہیں۔"

جواب کتب تفسیر چونکہ مفسرین کے کلام اور اقوال پر بھی مشتمل ہوتی ہیں لہٰذا یہ بھی دیگر دینی کتب کی مانند ہیں، یعنی بے وضو انہیں ہاتھ لگانا جائز ہے خواہ ان میں قرآن مجید کا اکثر حصہ موجود ہو۔ البتہ اس مصحف کو بے وضو ہاتھ لگانا منع ہے جس میں مکمل قرآن مجید ہو یا اس کا اکثر حصہ موجود ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کوتاہ ہندی تفسیر

سوال جماعت اسلامی ہند آیت کریمہ ﴿ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ﴾ (الشوری: ۴۲/۱۳) "دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔" کی تفسیر یہ کرتی ہے کہ عبادت تو اللہ تعالیٰ کی کرو لیکن ان امور و معاملات میں جو حکام و محکومین سے متعلق ہیں، معاشرہ کو اس طرح استوار کرنے میں کسی کا دخل نہیں، جن کی اسلام دعوت دیتا ہے۔ البتہ مولانا مودودی نے عبادت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ لفظ کئی معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے، جب کہ دین اور اطاعت کا لفظ ان سب اشیاء پر مشتمل ہے لیکن یہ جماعت اس پر یہ اعتراض بھی کرتی ہے کہ اگر ہم اطاعت کے معنی عبادت کے کریں تو ﴿ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ﴾ کے معنی یہ ہوں گے کہ رسول کی عبادت کرو حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے، تو اس سلسلہ میں صحیح رائے کیا ہے؟

جواب اس جماعت کی یہ تفسیر بلاشک ایک غلط تفسیر ہے کیونکہ عبادت کے معنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے حکم کو مانتے ہوئے اس کے سامنے عجز و نیاز مندی کے اظہار کے ہیں، خواہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا تعلق اللہ تعالیٰ کے معاملہ سے ہو یا اس کی مخلوق کے معاملہ سے۔ اس بات کی دلیل کہ مخلوق سے معاملہ بھی اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہے، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے معاملہ کے مسئلے کو قرآن مجید کی سب سے طویل آیت یعنی آیت دَین میں ذکر کیا ہے، جو حسب ذیل ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَٱكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِٱلْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ ٱللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ ٱلَّذِى عَلَيْهِ ٱلْحَقُّ وَلْيَتَّقِ ٱللَّهَ رَبَّهُۥ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ۚ فَإِن كَانَ ٱلَّذِى عَلَيْهِ ٱلْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُۥ بِٱلْعَدْلِ ۚ وَٱسْتَشْهِدُواْ شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَٱمْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ ٱلشُّهَدَآءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَىٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَىٰهُمَا ٱلْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ ٱلشُّهَدَآءُ إِذَا مَا دُعُواْ ۚ وَلَا تَسْـَٔمُوٓاْ أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰٓ أَجَلِهِۦ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ ٱللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَٰدَةِ وَأَدْنَىٰٓ أَلَّا تَرْتَابُوٓاْ ۖ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوٓاْ إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُواْ فَإِنَّهُۥ فُسُوقٌۢ بِكُمْ ۗ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ ٱللَّهُ ۗ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾ ۞ وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُواْ كَاتِبًا فَرِهَٰنٌ مَّقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ ٱلَّذِى ٱؤْتُمِنَ أَمَٰنَتَهُۥ وَلْيَتَّقِ ٱللَّهَ رَبَّهُۥ ۗ وَلَا تَكْتُمُواْ ٱلشَّهَٰدَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُۥٓ ءَاثِمٌ قَلْبُهُۥ ۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨٣﴾ ﴾

(البقرة۲/ ۲۸۲-۲۸۳)

"اے مومنو! جب تم آپس میں کسی میعاد معین کے لیے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو اور لکھنے والا تم میں (کسی کا نقصان نہ کرے بلکہ) انصاف سے لکھے۔ نیز لکھنے والا جیسا اسے اللہ نے سکھایا ہے لکھنے سے انکار بھی نہ کرے اور دستاویز لکھ دے اور جو شخص قرض لے وہی (دستاویز کا) مضمون بول کر لکھوائے اور اللہ سے جو کہ اس کا مالک ہے خوف کرے اور زر قرض میں سے کچھ کم نہ لکھوائے اور قرض لینے والا بے عقل یا ضعیف ہو یا مضمون لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو جو اس کا ولی ہو وہ انصاف کے ساتھ مضمون لکھوائے..... تو اگر تم میں کوئی ایک دوسرے کو امین سمجھے تو چاہیے کہ جس کو امین سمجھا گیا ہے' وہ اس (امین سمجھنے والے) کو اس کی امانت ادا (واپس) کر دے اور چاہیے کہ اپنے رب' اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور (دیکھنا) شہادت کو مت چھپانا' جو اس کو چھپائے گا وہ دل کا گناہ گار ہو گا اور اللہ سب کاموں سے واقف ہے۔"

وہ انسان جو عبادات میں تو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے حکم کو مانتا ہے مگر معاملات میں اسے تسلیم نہیں کرتا تو وہ درحقیقت ساری شریعت ہی کا منکر ہے' کیونکہ مکمل شریعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ اگر وہ شریعت کے کچھ حصے کو مانتا اور کچھ کا انکار کرتا ہے' تو وہ ساری شریعت کا منکر و کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اسی طرز عمل کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ ٱلْكِتَٰبِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ﴾ (البقرۃ۲/ ۸۵)

"(یہ) کیا (بات ہے کہ) تم کتاب کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کیے دیتے ہو۔"

جو شخص بعض رسولوں پر تو ایمان لائے اور بعض پر نہ لائے یا رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی کچھ شریعت کو تو مانے اور کچھ کو نہ مانے تو ایسا شخص حقیقت میں کافر اور اپنی خواہش نفس کا پجاری ہے۔ ان لوگوں کا ان کی تردید کرنا درست نہیں ہے' جو یہ کہتے ہیں کہ دین ان تمام اشیاء کو شامل ہے کیونکہ طاعت رسول درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی طاعت ہے اور اطاعت رسول کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے ہمیں جو حکم دیا ہے' اسے تسلیم کریں اور جس بات سے منع فرمایا ہے' اس سے اجتناب کریں۔ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے بھی اطاعت کے یہی معنی ہیں اور اسی کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اللہ وحدہ کے لیے عبادت کو خالص کریں اور کسی کو بھی اس کا شریک نہ بنائیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

ایمان باللہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو روکا

سوال سورۂ یوسف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَوْلَاۤ أَنْ رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ﴾ تو اس برہان کے معنی کیا ہیں اور اس سے کیا مقصود ہے؟

جواب ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِۦ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ أَن رَّءَا بُرْهَٰنَ رَبِّهِۦ ﴾ (یوسف۱۲/ ۲۴)

"اور اس عورت نے ان کا قصد کیا اور انہوں نے اس کا قصد کیا اور اگر وہ اپنے پروردگار کی نشانی نہ دیکھتے (تو ہوتا جو ہوتا۔")

وہ نشانی جو حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے ارادے کے مابین حائل ہو گئی' وہ ایمان' خشیت اور اللہ کا خوف تھا کیونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا ایمان ہی اس بات سے بچاتا ہے کہ وہ کسی ایسے امر کا ارتکاب کرے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے بارے میں جس قدر زیادہ علم رکھتا ہو گا' اس کے دل میں اسی قدر زیادہ خشیت اور خوف ہو گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا يَخْشَى ٱللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ ٱلْعُلَمَٰٓؤُاْ ﴾ (فاطر۳۵/ ۲۸)

"اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں' جو صاحب علم ہیں۔"

حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جس نشانی کو دیکھا' وہ نور تھا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ڈال دیا تھا۔ یہ نور ایمان اور خشیت الٰہی کے چشموں سے پھوٹا تھا اور اس نور نے انہیں قصد کے حصول سے روکا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ إِلَّا ٱللَّمَمَ ﴾ کے معنی

سوال ارشاد باری تعالیٰ ﴿ إِلَّا ٱللَّمَمَ ﴾ کی کیا تفسیر ہے؟

جواب سورۃ النجم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلِلَّهِ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلْأَرْضِ لِيَجْزِيَ ٱلَّذِينَ أَسَٰٓـُٔواْ بِمَا عَمِلُواْ وَيَجْزِيَ ٱلَّذِينَ أَحْسَنُواْ بِٱلْحُسْنَى ﴿٣١﴾ ٱلَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَٰٓئِرَ ٱلْإِثْمِ وَٱلْفَوَٰحِشَ إِلَّا ٱللَّمَمَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ وَٰسِعُ ٱلْمَغْفِرَةِ ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنشَأَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ وَإِذْ أَنتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَٰتِكُمْ ۖ فَلَا تُزَكُّوٓاْ أَنفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ ٱتَّقَىٰٓ ﴿٣٢﴾ ﴾

(النجم۵۳/ ۳۱-۳۲)

"اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' سب اللہ ہی کا ہے۔ (اور اس نے مخلوق کو) اس لیے (پیدا کیا ہے) کہ جن لوگوں نے برے کام کیے ان کو ان کے اعمال کا (برا) بدلہ دے اور جنہوں نے نیکیاں کیں ان کو نیک بدلہ دے۔ جو لوگ صغیرہ گناہوں کے سوا بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں تو بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑی بخشش والا ہے وہ تم کو خوب جانتا ہے جب اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے تو اپنے آپ کو پاک صاف نہ جتاؤ۔ جو پرہیزگار ہے وہ اس سے خوب واقف ہے۔"

تو اس آیت میں ﴿ إِلَّا ٱللَّمَمَ ﴾ کے متعلق سوال کیا گیا ہے' تو اس کے بارے میں علمائے تفسیر میں اختلاف ہے۔ انہوں نے اس کے معنی و مفہوم کے بارے میں کئی اقوال ذکر کیے ہیں' جن میں سے سب سے اچھے یہ دو قول ہیں:

1 اس سے وہ صغیرہ گناہ مراد ہیں' جن کا انسان ارتکاب کر بیٹھتا ہے' مثلاً ایسی چیزوں کی طرف دیکھنا اور سننا وغیرہ جو صغیرہ گناہوں کے قبیل سے ہوں۔ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سلف کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ ان کا استدلال سورۃ النساء کی اس آیت سے ہے:

﴿ إِن تَجْتَنِبُواْ كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُم مُّدْخَلًا

كَرِيمًا ﴿٣١﴾ (النساء٤/ ٣١)

''اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے' اجتناب رکھو گے تو ہم تمہارے (چھوٹے چھوٹے) گناہ معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت کے مکانوں میں داخل کریں گے۔'' [1]

تو ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اس آیت میں مذکورہ گناہوں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں' جنہیں لَمَم سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ ان سے اجتناب ہر انسان کے لیے مشکل ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے اپنے مومن بندوں سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اگر وہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کریں گے' تو وہ ان کے صغیرہ گناہوں کو معاف فرما دے گا بشرطیکہ وہ صغیرہ گناہوں پر بھی اصرار نہ کریں۔ کبیرہ گناہوں سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں سب سے اچھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ گناہ ہیں' جن کے ارتکاب پر دنیا میں حد نافذ کی جاتی ہے مثلاً چوری' بدکاری' تہمت اور نشہ آور چیزوں کا استعمال یا اس سے مراد وہ گناہ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعید سنائی ہے کہ ان کے ارتکاب کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کے غضب' لعنت یا جہنم کی آگ کا مستحق ہو گیا مثلاً سود' غیبت' چغلی' اور سب و شتم وغیرہ۔ اس بات کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ انسان جب کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے اور صغیرہ گناہوں پر بھی اصرار نہ کرے تو صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں:

«كُتِبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ نَصِيبُهُ مِنَ الزِّنَا مُدْرِكٌ ذٰلِكَ لَا مَحَالَةَ فَالْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ، وَالْأُذُنَانِ زِنَاهُمَا الِاسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ وَالْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطَا وَالْقَلْبُ يَهْوٰى وَيَتَمَنّٰى، وَيُصَدِّقُ ذٰلِكَ الْفَرْجُ وَيُكَذِّبُهُ»(صحيح البخاري، الاستئذان، باب زنا الجوارح دون الفرج، ح:٦٢٤٣ وصحيح مسلم، القدر، باب قدر على ابن آدم حظه من الزنا وغيره، ح:٢٦٥٧ واللفظ له)

ہر ابن آدم کے لیے زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے' جسے وہ ضرور پائے گا' دونوں آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے' دونوں کانوں کا زنا سننا ہے' زبان کا زنا کلام کرنا ہے' ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے' پاؤں کا زنا چلنا ہے' دل خواہش اور تمنا کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق اور تکذیب کرتی ہے۔''

اس بات کی دلیل کہ تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرنا اور ان پر اصرار نہ کرنا واجب ہے' حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٣٥﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿١٣٦﴾ ﴾(آل عمران٣/ ١٣٥-١٣٦)

''اور وہ لوگ کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں' تو اللہ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟ اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے' ایسے ہی لوگوں کا صلہ ان کے رب کی طرف سے بخشش اور ایسے باغات ہیں' جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ ان میں ہمیشہ بستے رہیں گے اور (اچھے) کام کرنے والوں کا بدلہ بہت اچھا ہے۔''

---

[1] تفسیر ابن کثیر: 274/4' 275

2 لَمَم سے مراد وہ گناہ ہیں' جن کا انسان ارتکاب کر بیٹھتا ہے مگر پھر وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لیتا ہے جیسا کہ سابقہ آیت میں ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا۟ فَـٰحِشَةً ﴾ (آل عمران٣/ ١٣٥)

"اور وہ لوگ کہ جب کوئی کھلا گناہ کر بیٹھتے ہیں۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اے مومنو! سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں' اسی طرح نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

«كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ»(جامع الترمذي، صفة القيامة، باب في استعظام المؤمن ذنوبه . . . الخ، ح:٢٤٩٩ وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر التوبة، ح:٤٢٥١)

"تمام بنی آدم خطاکار ہیں اور بہترین خطاکار وہ ہیں جو توبہ کر لیں۔"

ہر انسان سے غلطی ہو سکتی ہے' اس لیے سچی پکی توبہ سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ سچی توبہ وہ ہے جس میں سابقہ گناہوں پر ندامت کا اظہار کیا جائے' انہیں ترک کر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے خوف' اس کی تعظیم اور اس کی مغفرت کی امید کی وجہ سے یہ سچا عزم کیا جائے کہ آئندہ ان کا ارتکاب نہیں کیا جائے گا۔

اگر گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہو مثلاً کسی کی چوری کی ہو' کسی کا مال چھینا ہو' کسی پر تہمت لگائی ہو' کسی کو مارا ہو' کسی کو گالی دی ہو یا کسی کی غیبت وغیرہ کی ہو تو پھر توبہ کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ ان بندوں کے حقوق کو ادا کرے یا ان سے معاف کروا لے الا یہ کہ گناہ کا تعلق غیبت سے ہو یعنی کسی کی عزت و آبرو کے بارے میں اس کی عدم موجودگی میں بات کی گئی ہو اور اسے معاف کروانا ممکن نہ ہو کہ اسے بتانے کی صورت میں زیادہ خرابی کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں یہی کافی ہے کہ غائبانہ طور پر اس کے لیے دعا کی جائے اور ان جگہوں میں اپنے علم کے مطابق اس کی اچھی صفات اور اس کے اچھے اعمال کا تذکرہ کرے' جہاں اس نے اس کی غیبت کی تھی اور اگر زیادہ خرابی کے رونما ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر اسے یہ بتانے کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ اس نے اس کی غیبت کی تھی۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اپنی رضا کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے' ہمیں اور آپ کو ہر برائی سے بچائے' ہم سب پر احسان کرتے ہوئے ہمیں دین پر استقامت عطا فرمائے' اپنی ناراضی کے اسباب سے بچائے اور اپنی شرع کے مخالف تمام امور سے ہمیں توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ انه جواد كريم

الرئيس العام

لادارات البحوث العلمية والافتا والدعوة والارشاد

شیخ عبدالعزیز بن باز

مذاق کرنے والے

اس آیت کا کیا مفہوم ہے اور یہ کن کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟

﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ﴿٦٥﴾ ﴾ (التوبۃ۹/ ٦٥)

"اور اگر تم ان سے (اس بارے میں) دریافت کرو تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی بات چیت اور دل لگی کرتے تھے۔ کہو! کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے؟"

جواب یہ آیت یا آیات ان منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں' جو آپس میں قافلہ والوں کی باتیں کر رہے تھے تاکہ راستہ کو طے کرلیں اور راستہ کی مشقت کو بھول جائیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ لوگ یہ کہتے تھے۔ -والعیاذ باللہ- کہ "ہم نے ایسے لوگ نہیں دیکھے جو ہمارے ان قراء سے بڑھ کر پیٹ کے بارے میں رغبت کرتے ہوں' زبان کے زیادہ جھوٹے ہوں اور میدان جنگ میں زیادہ بزدل ثابت ہوں" حالانکہ منافقوں کی یہ ساری باتیں جھوٹ پر مبنی تھیں کیونکہ تمام لوگوں سے زیادہ پیٹو اور کھانے پینے کے زیادہ حریص وہ خود تھے۔ تمام لوگوں سے زیادہ جھوٹے تھے اور میدان جنگ میں سب سے زیادہ بزدلی دکھانے والے وہ خود تھے' غزوۂ احد کے موقع پر گھروں سے جہاد کے لیے نکلنے کے بعد واپس لوٹ گئے تھے' جو کہ ان کی بزدلی اور دُوں ہمتی کی دلیل تھی کیونکہ یہ ایمان و عقیدے کی دولت سے محروم تھے۔ جب یہ لوگ مذکورہ باتیں کر رہے تھے' تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ دو آیتیں نازل فرما دیں۔ یہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے ان سے دریافت کیا تو کہنے لگے کہ ہم تو ہنسی مذاق کی باتیں کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ﴾

(التوبۃ۹/ ٦٥-٦٦)

"کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے؟ بہانے مت بناؤ' تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔"

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ' اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے مذاق کرنا کفر ہے' جس سے انسان دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔

سوال کیا اس آیت کو ان لوگوں پر بھی منطبق کیا جا سکتا ہے' جو ان لوگوں کا ہنسی مذاق اڑاتے ہیں جو داڑھیاں رکھتے' کپڑے ٹخنوں سے اونچے رکھتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہیں؟

جواب یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے دین پر عمل کرنے والوں اور اس کے احکام کو نافذ کرنے والوں سے شریعت کی وجہ سے مذاق کرتے ہیں' تو ان کا یہ مذاق درحقیقت شریعت سے ہے اور شریعت کا مذاق اڑانا کفر ہے اور اگر ان کا مذاق ان اشخاص سے ہے اور یہ مذاق داڑھی اور کپڑوں کے بارے میں سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے نہیں ہے تو اس سے وہ کافر نہیں ہوں گے کیونکہ لوگ بسا اوقات کسی انسان سے مذاق تو کرتے ہیں لیکن اس کے عمل اور فعل سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا' لیکن اگر وہ اس فعل کی وجہ سے مذاق اڑائیں تو یہ کفر ہے کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی شریعت کا مذاق ہے چنانچہ ہر انسان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اہل علم یا ان اہل دین کے ساتھ مذاق سے اجتناب کرے' جو کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتے ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

﴿ وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعٰى ﴾ اور ﴿ وَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعٰى ﴾ کی تفسیر

سوال سورۂ یٰسٓ کی آیت ۲۰ میں ہے:

﴿ وَجَآءَ مِنْ أَقْصَا ٱلْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَىٰ قَالَ يَـٰقَوْمِ ٱتَّبِعُوا۟ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿٢٠﴾ ﴾ (یس۳۶/ ۲۰)

''اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا' کہنے لگا کہ اے میری قوم! پیغمبروں کے پیچھے چلو۔''

اسی طرح سورۃ القصص کی آیت ۲۰ میں ہے:

﴿ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا ٱلْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَـٰمُوسَىٰٓ إِنَّ ٱلْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَٱخْرُجْ إِنِّى لَكَ مِنَ ٱلنَّـٰصِحِينَ ﴿٢٠﴾ ﴾ (القصص۲۸/ ۲۰)

''اور ایک آدمی شہر کی پرلی طرف سے دوڑتا ہوا آیا (اور) کہا' اے موسیٰ! (شہر کے رئیس) تمہارے بارے میں مشورہ کرتے ہیں کہ تم کو مار ڈالیں' سو تم یہاں سے نکل جاؤ' میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔''

سوال یہ ہے کہ یہ دو آدمی کون ہیں اور ان دو آیتوں کی تفسیر کیا ہے؟

جواب سوال کے جواب سے قبل یہ بتانا ضروری ہے کہ جب قرآن و سنت میں کسی شخص کا تذکرہ مبہم آیا ہو تو واجب ہے کہ اسے مبہم ہی رکھا جائے اور اس کی تعیین کے لیے تکلف نہ کیا جائے کیونکہ اصل اہمیت تو اس قصہ کی ہے' جسے بیان کیا جا رہا ہوتا ہے اور فلاں یا فلاں شخص کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی بلکہ اہمیت امر واقع کی ہوتی ہے۔ ان دو آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ کون تھا۔ سورۃ القصص میں ارشاد ہے:

﴿ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا ٱلْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ ﴾ (القصص۲۸/ ۲۰)

''اور ایک آدمی شہر کی پرلی طرف سے دوڑتا ہوا آیا۔''

اور سورۂ یٰسٓ میں فرمایا:

﴿ وَجَآءَ مِنْ أَقْصَا ٱلْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَىٰ ﴾ (یس۳۶/ ۲۰)

''اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا۔''

یعنی سورۃ القصص میں شخص کا ذکر مقدم ہے اور سورۂ یٰسٓ میں مؤخر' مگر یہ نہیں بتایا کہ وہ ہے کون' لہٰذا اس کی تعیین میں کوئی فائدہ نہیں لہٰذا اس طرح کے اشخاص کی تعیین میں مشغول نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس طرح کی آیات و احادیث کو مبہم ہی رہنے دینا چاہیے اور مخاطب کو توجہ ان احکام و مواعظ کی جانب مبذول کرنا چاہیے جو اس قصے سے مقصود ہوں۔

ان دونوں آیتوں کی تفسیر یہ ہے کہ سورۃ القصص میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ایک ہمدرد و خیر خواہ شخص کو بھیج دیا جس نے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ شہر کے اشراف و اکابر یعنی رئیس یہ مشورہ کر رہے ہیں کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا سلوک کریں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو قتل کر دیا تھا اس طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے آسانی پیدا کر دی کہ انہیں حقیقت حال کا علم ہو گیا اور اس شخص نے راہنمائی کرتے ہوئے کہا:

﴿ فَٱخْرُجْ إِنِّى لَكَ مِنَ ٱلنَّـٰصِحِينَ ﴿٢٠﴾ ﴾ (القصص۲۸/ ۲۰)

''سو تم یہاں سے نکل جاؤ' میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔''

موسیٰ علیہ السلام وہاں سے ڈرتے ڈرتے نکل کھڑے ہوئے اور پھر اللہ تعالیٰ نے آگے سارا قصہ بیان فرمایا ہے۔ اور سورۂ

یٰسٓ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس نے ایک بستی والوں کی طرف دو رسول بھیجے' مگر انہوں نے ان کی تکذیب کی اور ان کی رسالت کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید و حمایت کے لیے ایک تیسرے رسول کو بھیج دیا' مگر بستی والے بدستور رسولوں کا انکار کرتے رہے اور اس طرح رسولوں اور اس بستی والوں کے مابین ہوا جو ہوا' تو اس اثنا میں ایک شخص شہر کی پرلی طرف سے دوڑتا ہوا آیا۔ اس معاملے کی اہمیت کے پیش نظر' یہاں پرلی جانب کا پہلے ذکر کیا ہے اور اس نے آکر اپنی قوم سے کہا:

﴿ يَٰقَوْمِ ٱتَّبِعُواْ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿٢٠﴾ ٱتَّبِعُواْ مَن لَّا يَسْـَٔلُكُمْ أَجْرًا وَهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٢١﴾ وَمَا لِىَ لَآ أَعْبُدُ ٱلَّذِى فَطَرَنِى وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٢﴾ ﴾ (یس ۳۶/ ۲۰-۲۲)

''اے میری قوم! پیغمبروں کے پیچھے چلو' ان کی اتباع کرو جو تم سے صلہ نہیں مانگتے اور سیدھے راستے پر ہیں اور مجھے کیا ہوگیا ہے کہ میں اس (مالک) کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا' جب کہ تم بھی اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

اور پھر اللہ تعالیٰ نے آگے سارا قصہ بیان فرمایا ہے۔ یہ شخص اپنی قوم کا ہمدرد اور خیرخواہ تھا اور اسے اس کا صلہ یہ ملا کہ اس سے کہا گیا:

﴿ قِيلَ ٱدْخُلِ ٱلْجَنَّةَ ۖ قَالَ يَٰلَيْتَ قَوْمِى يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ بِمَا غَفَرَ لِى رَبِّى وَجَعَلَنِى مِنَ ٱلْمُكْرَمِينَ ﴿٢٧﴾ ﴾ (یس ۳۶/ ۲۶-۲۷)

''حکم ہوا کہ بہشت میں داخل ہو جا۔ بولا کاش! میری قوم کو خبر ہو کہ اللہ نے مجھے بخش دیا اور عزت والوں میں کیا۔''

شیخ ابن عثیمین

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَعَلَى ٱلَّذِينَ هَادُواْ حَرَّمْنَا --- ﴾ کی تفسیر

سوال حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے کیا معنی ہیں؟

﴿ وَعَلَى ٱلَّذِينَ هَادُواْ حَرَّمْنَا كُلَّ ذِى ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ ٱلْبَقَرِ وَٱلْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَآ إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَآ أَوِ ٱلْحَوَايَآ أَوْ مَا ٱخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَٰهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَٰدِقُونَ ﴿١٤٦﴾ ﴾ (الأنعام ٦/ ١٤٦)

''اور یہودیوں پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کر دیے تھے اور گایوں اور بکریوں سے ان کی چربی حرام کر دی تھی سوا اس کے جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو یا اوجھڑی میں ہو یا ہڈی میں ملی ہو۔ یہ سزا ہم نے ان کو ان کی شرارت کے سبب دی تھی اور ہم تو سچ کہنے والے ہیں۔''

جواب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اس نے یہودیوں پر ناخن والے تمام چوپائے جانور حرام کر دیے تھے۔ اہل علم کا کہنا ہے کہ ناخن والے جانور سے مراد وہ جانور ہے جس کے ہاتھ اور پاؤں میں کٹ نہ ہو بلکہ وہ آپس میں یکجا ہو کر ملے ہوئے ہوں' مثلاً جس طرح اونٹ کا پاؤں ہوتا ہے جب کہ کچھ جانوروں کے پاؤں کٹے بھی ہوتے ہیں' مثلاً جس طرح بکریوں اور گایوں کے پاؤں تو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا' نیز ان کے لیے گایوں

اور بکریوں کی چربی کو بھی حرام قرار دیا تھا۔ سوائے اس کے جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو یا اوجھڑی میں ہو یا ہڈی میں ملی ہو' تو یہ ان کے لیے حلال تھی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ یہ حرمت ان کی سرکشی اور عداوت کی وجہ سے تھی' یعنی انہوں نے جب بغاوت و عداوت کی روش کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بعض پاک (اور حلال) چیزوں کو بھی حرام قرار دے دیا جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ﴿١٦٠﴾ ﴾
(الأنعام٦/ ١٦٠)

"تو ہم نے یہودیوں کے ظلم کے سبب (بہت سی) پاکیزہ چیزیں جو ان کو حلال تھیں حرام کردیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے راستے سے (لوگوں کو) روکتے تھے۔"

یہ گویا دنیا میں سزا کی ایک صورت تھی اسی لیے تو فرمایا:

﴿ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿١٤٦﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٦)

"یہ سزا ہم نے ان کو ان کی شرارت کے سبب دی تھی اور ہم تو سچ کہنے والے ہیں۔"

اس آیت میں ضمیر "ہم" یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے اور اس نے یہاں جمع کے صیغے تعظیم کے لئے استعمال کیے ہیں کیونکہ وہ سب سے زیادہ سچا قائل اور سب سے بڑا عادل حاکم ہے۔ اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان جب اپنے رب کی معصیت اور نافرمانی کرتا ہے تو اس پر بعض پاک (اور حلال) چیزوں کو بھی حرام قرار دیا جاتا ہے۔ یا تو شرعاً جیسا کہ یہودیوں کے لیے مذکورہ بالا اشیاء کو حرام قرار دیا گیا تھا یا پھر انہیں قدراً حرام قرار دیا جاتا ہے کہ انسان کئی ایسی آفتوں سے دوچار ہو جاتا ہے جو اسے بعض پاک (اور حلال) چیزیں کھانے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ اسی طرح گناہوں اور معصیتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قحط سالی اور پھلوں کی کمی میں بھی مبتلا کر دیتا ہے اور اگر لوگ تقویٰ کی زندگی بسر کریں' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی پابندی کریں اور اپنے رب کی اطاعت بجالائیں تو پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ﴾ (الأعراف٧/ ٩٦)

"اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے۔"

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو ایمان و تقویٰ کی دولت سے سرفراز فرمائے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ﴾ کی تفسیر

سوال حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی کیا تفسیر ہے؟

﴿ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ﴾ (البقرة٢/ ٤١)

"اور میری آیتوں میں (تحریف کرکے) ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) نہ حاصل کرو۔"

جواب اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ بعض لوگ' جن کو اللہ تعالیٰ نے آیات کا علم دیا ہوتا ہے' وہ ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیتے ہیں۔ یعنی دنیا کی خاطر اللہ کے دین کو چھوڑ دیتے ہیں یا دنیا کی خاطر اپنے جاہ و منصب کو تو باقی رکھنا چاہتے ہیں مگر اللہ کے دین کو ترک کر دیتے ہیں مثلاً ایک عالم کو یہ تو علم ہوتا ہے کہ یہ چیز حرام ہے مگر وہ اسے حرام نہیں کہتا کیونکہ وہ ڈرتا ہے کہ لوگ اس سے دور ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ یہ تشدد سے کام لیتا ہے۔ یا وہ ڈرتا ہے کہ حرام کا فتویٰ دینے سے بادشاہ اس کی تنخواہ کم کر دے گا' یا اسے اس کے منصب سے معزول کر دے گا' لہٰذا اس خطرہ کی وجہ سے وہ حرام کو بھی حلال قرار دینے لگ جاتا ہے۔ تاکہ عوام میں اپنی مقبولیت کو برقرار رکھ سکے یا بادشاہ کے عطا کردہ منصب پر فائز رہ سکے۔ بہرحال اس آیت کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ کچھ لوگ امور دنیا کی خاطر اللہ کے دین کو چھوڑ دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ ... ﴾ میں امانت سے کیا مراد ہے

سوال اللہ تعالیٰ سورۃ الاحزاب کے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ إِنَّا عَرَضْنَا ٱلْأَمَانَةَ عَلَى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱلْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا ٱلْإِنسَٰنُ ۖ إِنَّهُۥ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٧٢﴾ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۷۲)

"ہم نے (بار) امانت کو آسمانوں اور زمین پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا' بے شک وہ بڑا ظالم اور بڑا نادان تھا۔"

یہاں امانت سے کیا مقصود ہے؟ کیا اس سے مقصود امانت عقل ہے یا وہ چیز جس کا انسان کو امین بنایا گیا ہے؟

جواب امانت سے مراد یہاں وہ تمام عبادات و معاملات ہیں' جن کا انسان کو مکلف بنایا گیا ہے۔ یہ سب امانت ہیں۔ انسان کو ان کا امین بنایا گیا ہے کیونکہ ان کا ادا کرنا انسان کے لیے واجب ہے' مثلاً نماز' زکوٰۃ' روزہ' حج' جہاد' والدین سے حسن سلوک اور اقراروں کو پورا کرنا وغیرہ۔ یہ سب امور امانت ہیں اور وہ تمام امور جن کا انسان کو مکلف کیا گیا ہے' وہ امانت میں داخل ہیں مگر ان امور کی پابندی چونکہ عقل ہی سے ہو سکتی ہے اس لیے عقل ہی کی وجہ سے انسان حامل امانت ہے۔ جانور وغیرہ حامل امانت نہیں ہیں کیونکہ وہ عقل نہ ہونے کی وجہ سے غیر مکلف ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امانت کو آسمانوں' زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے۔ ان بڑی بڑی مخلوقات نے بار امانت اٹھانے سے انکار کر دیا اور وہ ڈر گئیں لہٰذا انسان کا اس کو اٹھا لینا اس کے ظلم اور نادانی کی دلیل ہے' لیکن وہ قابل ستائش ہے جس نے اس بار امانت کو اٹھایا' اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اسے بجا لایا' جس سے منع کیا ہے اس سے اجتناب کیا اور اس طرح وہ آسمانوں اور زمین سے افضل قرار پایا کیونکہ اس نے اس بار امانت کو اٹھایا اور پھر اس طرح اس کے حق کو ادا کیا جس طرح اس سے تقاضا کیا گیا تھا' لہٰذا اسے ایک تو بارِ امانت کے اٹھانے کا شرف حاصل ہوا اور دوسرا اسے ادا کرنے کا اور اگر وہ اس بار امانت کو نہ اٹھائے اور اس کے تقاضوں کو پورا نہ کرے تو ایسے شخص کے بارے میں فرمان الٰہی ہے:

﴿ مَثَلُ ٱلَّذِينَ حُمِّلُوا۟ ٱلتَّوْرَىٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ ٱلْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًۢا ۚ ﴾ (الجمعة ۶۲/ ۵)

"جن لوگوں (کے سر) پر تورات لدوائی گئی پھر انہوں نے اس (کے بارے تعمیل) کو نہ اٹھایا' ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں۔" نیز فرمایا:

﴿ إِنَّ شَرَّ ٱلدَّوَآبِّ عِندَ ٱللَّهِ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ ﴾ (الأنفال۸/ ۵۵)

"بلاشبہ جانداروں میں سب سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں' سو وہ ایمان نہیں لاتے۔"

تو وہ انسان جو امانت کے تقاضے کو پورا نہ کرے' وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانور ہے۔ وہ اس گدھے کی طرح ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں۔ حماقت اور معاملہ نافہمی کی وجہ سے ایسے انسان کو گدھے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اللہ کا ڈر

سوال ارشاد باری تعالیٰ ﴿ إِنَّمَا يَخْشَى ٱللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ ٱلْعُلَمَٰٓؤُاْ ﴾ کے کیا معنی ہیں؟

جواب اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے صحیح طور پر ڈرنے والے علماء ہیں' لیکن کون سے علماء؟ وہ جنہیں اللہ عزوجل کی معرفت' اس کی شریعت اور اس کی آیات کا علم ہے۔ اس سے مراد وہ علماء نہیں جنہیں صنعت وغیرہ کا علم ہے جس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بارے میں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا جب کہ وہ علماء جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کی کونی و شرعی آیات کا علم ہوتا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح قدر شناسی کرتے ہیں جیسی کرنی چاہیے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کو پہچانتے ہیں۔ اس لیے وہ علم و بصیرت کی بنیاد پر اللہ سے ڈرتے ہیں' بخلاف ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم نہیں رکھتے' وہ اس سے ڈرتے بھی نہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں جتنا زیادہ علم ہو گا' وہ اسی قدر اس سے زیادہ ڈرے گا اور اس کے دین کے مطابق زیادہ عمل کرے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

بسم اللہ کے اسرار اور آیت کریمہ میں لفظ ﴿ حِطَّةٌ ﴾ کے کیا معنی ہیں

سوال میرا پہلا استفسار تو کتاب اللہ میں وارد بسم اللہ کے اسرار و آثار کے بارے میں ہے اور دوسرا استفسار یہ ہے کہ آیت کریمہ ﴿ وَ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ﴾ میں لفظ حِطَّةٌ کے کیا معنی ہیں؟

جواب اللہ تعالیٰ نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہر اہم کام کے وقت اس کا ذکر کیا جائے تاکہ اس کے نام سے برکت حاصل کی جائے' خیر کو حاصل کیا جائے اور شر کو دور کیا جائے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱقْرَأْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ﴾ (العلق۹۶/ ۱)

"اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو۔" اور فرمایا:

﴿ وَٱذْكُرِ ٱسْمَ رَبِّكَ ﴾ (المزمل۷۳/ ۸)

"اپنے رب کے نام کا ذکر کرو۔"

حکم شریعت ہے کہ کھاتے' پیتے' مباشرت کرتے' گھر میں داخل ہوتے' سوتے' سواری پر سوار ہوتے اور اترتے' لکھتے

پڑھتے' اور اس طرح کے ہر اہم کام کے آغاز میں اللہ کا نام لیا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام سے خیر و بھلائی حاصل ہوتی ہے 'کراہت و ہلاکت دور ہوتی ہے' رزق' فتح و نصرت اور مطلوب کے حاصل کرنے میں کامیابی ہوتی ہے۔ تھوڑی چیز پر اللہ کا نام لیا جائے تو وہ زیادہ ہو جاتی ہے۔ ڈر اور خوف کے وقت اللہ کا نام لیا جائے تو وہ دور ہو جاتا ہے لیکن ضروری ہے کہ اللہ کا نام لینے والا اخلاص اور یقین کے ساتھ یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے نام سے مدد حاصل کرتا' رحم طلب کرتا اور اپنے کاموں کو شروع کرتا ہوں..... الخ

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو حکم دیا تھا کہ بیت المقدس میں داخل ہوتے وقت حِطَّةٌ پڑھنا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! ہماری خطاؤں سے درگزر کرنا اور ہمارے گناہوں کو معاف فرما دینا۔ مگر انہوں نے اس کلمہ کو بدل کر حِنْطَةٌ کہنا شروع کر دیا' جس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں گندم عطا فرما۔

—— شیخ ابن جبرین ——

﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾ اور ﴿ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ کی تفسیر

سوال ﴿ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴾ اور آیت کریمہ ﴿ ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴾ کی کیا تفسیر ہے؟

جواب پہلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات گرامی کے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ وہ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا رب ہے۔ اور ان سے موسم گرما اور سرما کے مشرق مراد ہیں' موسم گرما کے مشرق میں سورج شمال کی طرف اپنے مدار کے انتہائی آخری کنارے میں ہوتا ہے اور موسم سرما میں سورج جنوب کی طرف اپنے مدار کے انتہائی آخری کنارے میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو بیان فرمایا ہے اور ان دونوں کے اختلاف میں مخلوق کے لیے عظیم مصلحتیں ہیں۔ ان دونوں کے اختلاف میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے تمام قدرت اور کمال رحمت و حکمت کی بھی ایک واضح دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی اس بات کی قدرت نہیں رکھتا کہ وہ سورج کو ایک مشرق سے دوسرے مشرق اور ایک مغرب سے دوسرے مغرب کی طرف پھیر سکے' اسی لیے تو اس نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿١٨﴾ ﴾ (الرحمن ۵۵/ ۱۷-۱۸)

"وہی دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا مالک (ہے) تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔"

﴿ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴾ کے بعد ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴾ کی آیت کو ذکر کر کے اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر عظیم الشان نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے۔ تو معلوم ہوا کہ دو مشرقوں اور دو مغربوں سے موسم سرما و گرما کے سورج کے دو مشرق اور دو مغرب مراد ہیں۔ ایک دوسری آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ ﴾ (المعارج ۷۰/ ۴۰)

"ہمیں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی قسم۔"

اس میں مشرق و مغرب کے جمع کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں' جب کہ ایک تیسری آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ﴿٩﴾ ﴾ (المزمل ۷۳/ ۹)

"(وہی) مشرق اور مغرب کا مالک (ہے اور) اس کے سوا کوئی معبود نہیں سو اسی کو اپنا کارساز بناؤ۔"

ان آیات کریمہ میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ جس آیت میں تثنیہ کے صیغے استعمال ہوئے ہیں' اس سے جو مراد ہے وہ ہم قبل ازیں بیان کر آئے ہیں اور جس آیت میں مشرق و مغرب کی جمع مشارق و مغارب کے صیغے استعمال ہوئے ہیں تو اس سے یا تو ہر روز کا مشرق و مغرب مراد ہے کیونکہ آج کا مشرق و مغرب کل کے مشرق و مغرب سے مختلف ہوتا ہے یا اس سے نجوم و کواکب اور شمس و قمر کے مشارق و مغارب مراد ہیں۔

جس آیت میں واحد کا صیغہ مشرق و مغرب استعمال ہوا ہے' اس سے مراد جہت ہے۔ یعنی وہی ہر چیز کا مالک اور ہر چیز کا رب ہے خواہ وہ چیز مشرق میں ہو یا مغرب میں۔ یاد رہے کہ کتاب اللہ اور صحیح سنت رسول اللہ ﷺ میں کوئی تضاد نہیں ہوتا' نہ نصوص میں اور نہ امر واقع کے اعتبار سے۔ اگر کسی کو یہ وہم ہو کہ کتاب و سنت میں تناقض و تعارض ہے تو یہ یا تو اس کے اپنے علم کی کمی ہو گی یا فہم میں نقص اور غور و فکر میں کوتاہی کی وجہ سے ہو گا' ورنہ حقیقت یہ ہے کہ نصوص کتاب و سنت میں اور امر واقع میں کوئی تضاد یا اختلاف نہیں ہے۔ سوال کا دوسرا حصہ آیت کریمہ:

﴿ وَٱلشَّمۡسُ تَجۡرِي لِمُسۡتَقَرّٖ لَّهَاۚ ﴾ (یس ۳۶/ ۳۸)

"اور سورج اپنے مقرر راستے پر چلتا رہتا ہے۔"

کے بارے میں ہے' تو اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ یہ عظیم سورج جسے اللہ تعالیٰ نے روشن چراغ بنایا ہے' جو حرارت اور روشنی کے اعتبار سے ایک بہت بڑا منبع ہے' یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے اپنے مقرر راستے پر چلتا رہتا ہے' جس کے حدود کا اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے تعین کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا:

﴿ ذَٰلِكَ تَقۡدِيرُ ٱلۡعَزِيزِ ٱلۡعَلِيمِ ﴿٣٨﴾ ﴾ (یس ۳۶/ ۳۸)

"یہ (اللہ) غالب (اور) دانا کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہی نے اس عظیم الشان سورج کو پیدا فرمایا اور اس نے اسے مسخر کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے امر اور اس کے علم و حکمت کے تقاضے کے مطابق چلتا ہے اور اس طرح چلتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے۔ مُسْتَقَر سے مراد عرش الٰہی کے سایہ تلے اس کا ٹھکانا ہے' جہاں یہ ہر روز غروب ہونے کے بعد جاتا اور اللہ ذوالجلال کے عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرتا ہے۔ اجازت نہ ملے تو یہ وہاں لوٹ جائے جہاں سے آیا تھا اور پھر یہ مغرب سے طلوع ہو' اس طرف اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت کریمہ میں اشارہ فرمایا ہے:

﴿ يَوۡمَ يَأۡتِي بَعۡضُ ءَايَٰتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفۡسًا إِيمَٰنُهَا لَمۡ تَكُنۡ ءَامَنَتۡ مِن قَبۡلُ أَوۡ كَسَبَتۡ فِيٓ إِيمَٰنِهَا خَيۡرٗاۗ ﴾

(الأنعام ۶/ ۱۵۸)

"جس روز تمہارے پروردگار کی نشانیاں آ جائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہو گا' اس وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا یا اپنے ایمان (کی حالت) میں نیک عمل نہیں کیے ہوں گے۔"

لوگ جب سورج کو مغرب سے طلوع ہوتا دیکھیں گے تو سب کے سب ایمان لے آئیں گے مگر جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا ہو گا یا جس نے اپنے ایمان کی حالت میں نیک عمل نہیں کیے ہوں گے۔ اس طرح سورج اپنے ایک اور ٹھکانے کی طرف بھی چلے گا اور روز قیامت یہ اس کا آخری ٹھکانا ہو گا۔ اس کی طرف حسب ذیل آیت میں اشارہ ہے:

﴿ إِذَا ٱلشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ ﴿١﴾ ﴾ (التکویر ۸۱/ ۱)

”جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔“

یہ آیت اس بات کی بھی واضح دلیل ہے کہ سورج زمین کے گرد گھومتا ہے' قرآن مجید سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے لہٰذا ہمارا عقیدہ اور دین یہی ہے حتیٰ کہ کوئی ایسی ظاہر اور محسوس دلیل ہو جس کی وجہ سے ہم اس آیت کے بظاہر مفہوم کی تاویل کریں اور وہ بات کہیں جو آج کل کہی جاتی ہے کہ رات اور دن کے آنے جانے اور سورج کے طلوع و غروب ہونے کا سبب یہ ہے کہ زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے مگر کسی کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ کسی ایسی دلیل کے بغیر ظاہر کتاب و سنت سے اعراض کرے' جو روز قیامت اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے لئے حجت بن سکتی ہو اور اگر ایسی کوئی دلیل ہو تو پھر ظاہر کتاب و سنت سے اعراض کر کے اس دلیل کے مطابق موقف اختیار کرنا درست ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن جب تک کوئی ایسی محسوس دلیل نہ ہو جس سے دلوں کو اطمینان ہو تو اس وقت ہم مومنوں پر یہی واجب ہے کہ ہم ظاہر کتاب و سنت کے مطابق ایمان لائیں اور ان کی مخالفت کرنے والے کے قول کو قطعاً شائستہ التفات قرار نہ دیں خواہ وہ کوئی بھی ہو۔

میرے سامنے اب تک ان لوگوں کا یہ موقف صحیح ثابت نہیں ہو سکا کہ لیل و نہار کی گردش اور سورج کے طلوع و غروب کا سبب' زمین کی سورج کے گرد گردش ہے۔ میرا عقیدہ جس کے مطابق میں اللہ تعالیٰ کے دین کو اختیار کیے ہوئے ہوں' یہ ہے کہ سورج کے سبب رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے آتے جاتے ہیں اور اس کی وجہ سورج کا زمین کے گرد گردش کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس سلسلہ میں ملاحظہ فرمائیں' ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ ۞ وَتَرَى ٱلشَّمْسَ إِذَا طَلَعَت تَّزَٰوَرُ عَن كَهْفِهِمْ ذَاتَ ٱلْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَت تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ ٱلشِّمَالِ﴾

(الکہف ۱۸/ ۱۷)

''اور جب سورج نکلے تو تم دیکھو گے کہ (دھوپ) اُن کے غار سے دائیں طرف سمٹ جاتی ہے اور جب غروب ہو تو ان سے بائیں طرف کترا جاتی ہے۔''

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنِّىٓ أَحْبَبْتُ حُبَّ ٱلْخَيْرِ عَن ذِكْرِ رَبِّى حَتَّىٰ تَوَارَتْ بِٱلْحِجَابِ ﴿٣٢﴾﴾ (ص ۳۸/ ۳۲)

”میں نے اپنے پروردگار کی یاد کی وجہ سے مال کی محبت اختیار کی یہاں تک کہ (آفتاب) پردے میں چھپ گیا۔“

مزید فرمان الٰہی ہے:

﴿ حَتَّىٰٓ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ ٱلشَّمْسِ ﴾ (الکہف ۱۸/ ۸۶)

”یہاں تک کہ جب سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا۔“

ان متعدد آیات میں طلوع و غروب کی' سمٹ جانے کی' مغرب کی اور چھپ جانے کی اضافت سورج کی طرف ہے لہٰذا ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ان افعال کو جن کی اضافت سورج کی طرف کی گئی ہے' ہم انہیں ان کے ظاہر سے بدل کر ایک ایسے قول کو اختیار کر لیں جس کے بارے میں یہ واضح نہیں کہ وہ امر واقع کے طور پر اس طرح ثابت ہے' لہٰذا ایسا کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہو گا۔

ہم پر یہ واجب ہے کہ ہم ظاہر کتاب و سنت کے مطابق عقیدہ رکھیں الا یہ کہ کوئی ایسی محسوس دلیل موجود ہو جس کے ساتھ انسان روز قیامت کو اپنے رب کا سامنا کر سکے اور کہہ سکے کہ اے اللہ! میں نے ایک ایسے امر محسوس کو دیکھا تھا

جو بظاہر اس کے خلاف تھا جس کے ساتھ تو نے ہمیں مخاطب فرمایا' تو ہی زیادہ علم و حکمت والا ہے' تیری کتاب اس سے پاک ہے کہ وہ واقع اور محسوس کے خلاف ہو۔ اگر حس واضح سے یہ ثابت ہو جائے کہ رات دن کا آنا جانا زمین کی گردش کی وجہ سے ہے تو پھر میرا فہم غلط ہو گا اور اگر یہ موقف محض قیل و قال پر مبنی ہے تو پھر میرا عقیدہ یہ ہے کہ اس طرح کے امور میں کسی کے لیے کتاب و سنت کے ظاہر کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِىْ لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ سورج اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلتا ہے' اپنے ٹھکانے کی طرف جہاں یہ روزانہ پہنچ جاتا ہے۔ ایک خاص مقصد سے جاتا ہے اور وہ مقصد اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے اس کا اپنے رب تعالیٰ کو سجدہ کرنا ہے' جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ثابت ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔ [1]

شیخ ابن عثیمین

قصہ ذوالقرنین

سوال مندرجہ ذیل آیت کریمہ کے کیا معنی ہیں؟

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَن ذِى ٱلْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُوا۟ عَلَيْكُم مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾ ﴾ (الكهف١٨/ ٨٣)

جواب اس آیت کریمہ میں قریش کے ایک سوال کا ذکر ہے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا تھا۔ ذوالقرنین کا قصہ خصوصاً اہل کتاب کے ہاں مشہور ہے۔ یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے عہد میں ایک نیک بادشاہ تھا۔ اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے آپ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف بھی کیا تھا۔ [2] واللہ اعلم۔

اس نیک آدمی کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں بڑی دسترس عطا فرمائی تھی اور انہیں حکومت کے ایسے تمام اسباب عطا فرمائے تھے' جن کی وجہ سے وہ دشمنوں پر غلبہ و تسلط حاصل کر لیتے تھے' انہوں نے سفر کا ایک راستہ اختیار کیا' یعنی ایک ایسے راستہ کو اختیار کیا جو انہیں منزل مقصود تک پہنچا دے:

﴿ حَتَّىٰٓ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ ٱلشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِى عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِندَهَا قَوْمًا ﴾ (الكهف١٨/ ٨٦)

"یہاں تک کہ جب سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا تو اسے ایسا پایا کہ ایک کیچڑ کی ندی میں ڈوب رہا ہے اور اس (ندی) کے پاس ایک قوم دیکھی۔" انہوں نے اس قوم پر غلبہ و تسلط حاصل کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے بارے میں اختیار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ قُلْنَا يَـٰذَا ٱلْقَرْنَيْنِ إِمَّآ أَن تُعَذِّبَ وَإِمَّآ أَن تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ﴿٨٦﴾ ﴾ (الكهف١٨/ ٨٦)

"ہم نے کہا' اے ذوالقرنین! تم ان کو خواہ تکلیف دو خواہ ان (کے بارے) میں بھلائی اختیار کرو (دونوں باتوں کی تم کو قدرت ہے)۔" مگر انہوں نے عدل کی روش کو اختیار کرتے ہوئے کہا:

---

[1] صحيح البخاري' بدء الخلق' باب صفة الشمس والقمر' حديث: 3199 و صحيح مسلم' الايمان' باب بيان الزمن الذى لايقبل فيه الايمان' حديث: 159

[2] تفسير طبری: 127/15 و ابن كثير: 76/3

﴿ قَالَ أَمَّا مَن ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُۥ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِۦ فَيُعَذِّبُهُۥ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨٧﴾ وَأَمَّا مَنْ ءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا فَلَهُۥ جَزَآءً ٱلْحُسْنَىٰ ۖ وَسَنَقُولُ لَهُۥ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾ ﴾ (الكهف١٨/ ٨٧-٨٨)

''اس نے کہا' جو (کفر و بد کرداری سے) ظلم کرے گا' اسے ہم عذاب دیں گے پھر (جب) وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ بھی اسے بڑا عذاب دے گا اور جو ایمان لائے گا اور عمل نیک کرے گا' اس کے لیے بہت اچھا بدلہ ہے اور ہم اپنے معاملے میں (اس پر کسی طرح کی سختی نہیں کریں گے بلکہ) اس سے نرم بات کریں گے۔'' پھر انہوں نے سورج کے طلوع ہونے کے مقام کی طرف رخ کیا:

﴿ حَتَّىٰٓ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ ٱلشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ ﴾ (الكهف١٨/ ٩٠)

''یہاں تک کہ سورج کے طلوع ہونے کے مقام پر پہنچا تو دیکھا کہ وہ ایسے لوگوں پر طلوع ہوتا ہے۔''

جن کے لیے ہم نے سورج کے اس طرف کوئی اوٹ نہیں بنائی تھی جو ان کے اور سورج کی گرمی کے مابین حائل ہوتی' یعنی وہاں نہ کوئی عمارت تھی اور نہ درخت' لہٰذا دن کو وہ غاروں اور کھوؤں میں رہتے اور رات کو باہر نکل کر رزق تلاش کرتے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کے تمام احوال سے باخبر تھا' جو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم و ہدایت کی روشنی میں چلتا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾ ﴾ (الكهف١٨/ ٩١)

''اور جو کچھ اس کے پاس تھا' ہم کو سب کی خبر تھی۔'' انہوں نے ایک اور سفر اختیار کیا:

﴿ حَتَّىٰٓ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ ٱلسَّدَّيْنِ وَجَدَ مِن دُونِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾ ﴾ (الكهف١٨/ ٩٣)

''یہاں تک کہ وہ دو دیواروں (پہاڑوں) کے درمیان پہنچا تو دیکھا کہ ان کے اس طرف کچھ ایسے لوگ ہیں جو بات نہیں سمجھ سکتے۔'' اس لیے کہ وہ عجمی تھے' ان کی زبان ناقابل فہم تھی اور نہ وہ دوسروں کی زبان کو سمجھتے تھے لیکن انہوں نے اس نیک بادشاہ ذوالقرنین سے یہ شکایت کی کہ یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد کرتے رہتے ہیں اور یہ دونوں بنو آدم ہی میں سے دو امتیں ہیں' جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ [1]

ان دونوں امتوں یعنی یاجوج اور ماجوج کے بارے میں کچھ اسرائیلی روایات بھی بیان کی جاتی ہیں جو کہ صحیح نہیں ہیں۔ صحیح بات یہی ہے کہ یاجوج اور ماجوج بنی آدم ہی سے ہیں اور بنی آدم (انسانوں) ہی کی شکل و صورت کے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَقُولُ اللهُ تَعَالَى! يَاآدَمُ! فَيَقُولُ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ! وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ! فَيَقُولُ: أَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ قَالَ: وَمَا بَعْثُ النَّارِ؟ قَالَ: مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَمِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ»(صحيح البخاري، بدء الخلق، باب قصة يأجوج ومأجوج ... الخ، ح:٣٣٤٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب قوله يقول الله لآدم أخرج بعث النار ... الخ، ح:٢٢٢)

''اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) فرمائے گا: اے آدم! حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے کہ لبیک و سعدیک' اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ اور ہر قسم کی بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''(اپنی اولاد میں سے) جہنم کا

---

[1] ابوداود الطیالسی' ص: 301' حدیث: 2282 والنهاية فى الفتن والملاحم' 377

حصہ نکالو۔" آدم علیہ السلام عرض کریں گے: اے اللہ! جہنم کا حصہ کتنا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنم کے لیے ہیں۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ بات بہت گراں گزری تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک ہزار میں سے صرف ایک شخص جہنم رسید ہونے سے بچے گا؟ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

«اِعْمَلُوا وَأَبْشِرُوا فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنَّكُمْ لَمَعَ خَلِيقَتَيْنِ مَا كَانَتَا مَعَ شَيْءٍ إِلاَّ كَثَّرَتَاهُ، يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ»(السنن الكبرى للنسائي: ٦/ ٤١٠، ح: ١١٣٤٠)

"عمل کرو اور تمہیں بشارت ہو قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں' میں محمد کی جان ہے کہ یقیناً تمہارا مقابلہ دو ایسی جماعتوں سے ہوگا کہ وہ جس کسی کے ساتھ ہوں گی دوسروں کے مقابلے میں اس کی تعداد بڑھا دیں گے۔یعنی "یاجوج اور ماجوج"۔

یہ حدیث اس بات کی واضح اور صریح دلیل ہے کہ یاجوج اور ماجوج کا تعلق بنو آدم سے ہے۔ ان کی شکلیں اور صورتیں اور ان کے تمام حالات انسانوں جیسے ہیں' لیکن یہ ایسی قومیں ہیں کہ ان کی سرشت میں زمین میں فتنہ و فساد برپا کرنا' لوگوں کی مصلحت کے کاموں کو خراب کرنا اور انسانوں کو قتل کرنا ہے تو لوگوں نے ذوالقرنین سے کہا:

﴿ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰٓ أَن تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾ ﴾ (الكهف١٨/ ٩٤)

"کیا ہم آپ کے لیے خرچ (کا انتظام) کر دیں؟ کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار کھینچ دیں۔"

تو انہوں نے انہیں بتایا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انہیں ایسی بادشاہت اور دسترس عطا فرمائی ہے' جو اس مال سے بہتر ہے جو وہ اسے دینا چاہتے ہیں۔

﴿ قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾ ﴾ (الكهف١٨/ ٩٥)

"انہوں نے کہا کہ خرچ کا جو مقدور اللہ نے مجھے بخشا ہے' وہ بہت اچھا ہے۔ تم مجھے قوت (بازو) سے مدد دو۔ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط اوٹ بنا دوں گا۔" پھر ذوالقرنین نے ان سے لوہے کے تختے طلب کیے' انہیں ایک دوسرے کے اوپر رکھوا دیا حتیٰ کہ وہ دونوں پہاڑوں تک پہنچ گئے۔

﴿ ءَاتُونِي زُبَرَ ٱلْحَدِيدِ حَتَّىٰٓ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ ٱلصَّدَفَيْنِ قَالَ ٱنفُخُوا۟ ﴾ (الكهف١٨/ ٩٦)

"تو تم لوہے کے (بڑے بڑے) تختے لاؤ' (چنانچہ کام جاری کر دیا گیا) یہاں تک کہ جب اس نے دونوں پہاڑوں کے درمیان (کا حصہ) برابر کر دیا (اور) کہا کہ (اب اسے) دھونکو۔" یعنی جب لوہے کے ان تختوں پر آگ جلائی اور اسے دھونکا تو لوہے میں آگ بھڑک اٹھی تو پھر انہوں نے اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال دیا' جس کی وجہ سے لوہے کے یہ تختے آپس میں جڑ گئے اور اس طرح لوہے کی ایک مضبوط اور مستحکم دیوار بن گئی اور

﴿ فَمَا ٱسْطَٰعُوٓا۟ أَن يَظْهَرُوهُ وَمَا ٱسْتَطَٰعُوا۟ لَهُۥ نَقْبًا ﴿٩٧﴾ ﴾ (الكهف١٨/ ٩٧)

"پھر ان میں یہ قدرت نہ رہی کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ یہ طاقت رہی کہ اس میں نقب لگا سکیں۔"

اس طرح ان لوگوں اور یاجوج اور ماجوج کے درمیان یہ دیوار حائل ہو گئی۔ ذوالقرنین کا یہ قصہ مشہور و معروف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے سورۂ کہف کے آخر میں ذکر فرمایا ہے' جو شخص مزید تفصیل معلوم کرنا چاہے' وہ قابل اعتماد کتب تفسیر کو پڑھ لے۔

شیخ ابن عثیمین

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ﴾ میں ورود کا معنی

سوال سورہ مریم کی آیت (۷۱'۷۲) میں ہے:

﴿ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ ﴾ (مریم۱۹/ ۷۱-۷۲)

"اور تم میں سے کوئی (شخص) نہیں مگر اسے اس پر گزرنا ہو گا۔ یہ تمہارے پروردگار پر لازم اور مقرر ہے۔ پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔"

میں ان آیات کریمہ خصوصاً جہنم کے اوپر سے گزرنے کے معنی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ کی کتاب "التخويف من النار" میں پڑھا ہے کہ ائمہ کا ورود کے معنی کی تفسیر میں اختلاف ہے تو کیا اس کے معنی جہنم کی آگ میں داخل ہونے کے ہیں کہ ایک بار مومن اور کافر سب جہنم میں داخل ہوں گے' پھر اللہ تعالیٰ مومنوں کو اس سے نجات عطا فرمادے گا اور کافر جہنم ہی میں رہیں گے یا اس سے مقصود پل صراط کے اوپر سے گزرنا ہے جو کہ تلوار کی دھار کی مانند ہے مگر پہلا گروہ اس کے اوپر سے بجلی کی طرح' دوسرا تیز آندھی کی طرح' تیسرا عمدہ گھوڑے کی طرح اور چوتھا گروہ عمدہ اونٹوں اور دیگر جانوروں کی تیز رفتاری سے گزر جائے گا اور فرشتے کہہ رہے ہوں گے اے اللہ! سلامت رکھنا' سلامت رکھنا؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ اس آیت کریمہ سے مراد پل صراط کے اوپر سے گزرنا ہے' جسے جہنم کے اوپر نصب کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو جہنم سے بچائے۔ لوگ پل صراط کے اوپر سے اپنے اعمال کے مطابق گزر جائیں گے جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے۔ [1]

شیخ ابن باز

سوال ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَ اِنْ مِنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ﴾ کی کیا تفسیر ہے؟

جواب نبی ﷺ نے اس آیت میں ورود کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد جہنم کے اوپر سے گزرنا ہے[2] کیونکہ پل صراط جہنم کے اوپر نصب کیا گیا ہے۔ متقی اس کے اوپر سے گزر جائیں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں اس کے شر سے نجات عطا فرمائے' جب کہ کافر اس میں گر جائیں گے اور گناہ گاروں کے لیے بھی خطرہ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں جہنم سے محفوظ رکھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ ﴾ (مریم۱۹/ ۷۱-۷۲)

"اور تم میں سے کوئی (شخص) نہیں مگر اسے اس پر گزرنا ہو گا۔ یہ تمہارے پروردگار پر لازم اور مقرر ہے۔ پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔"

---

[1] صحيح مسلم' الايمان' باب أدنى أهل الجنة ---' حديث : 191 و جامع الترمذى' تفسير' باب ومن سورة مريم' حديث : 3159

[2] حواله مذكور

—— شیخ ابن باز ——

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ﴾ (القصص : ۸۵) امید ہے کہ اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو خیر و برکت سے نوازے۔

جواب اس آیت کریمہ کی تفسیر یہ ہے کہ جس اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن (کے احکام) کو فرض کیا ہے اور آپ پر یہ لازم قرار دیا ہے کہ آپ اسے امت تک پہنچائیں وہ آپ کو عنقریب بازگشت کی جگہ بھی لوٹا دے گا۔ یعنی آپ کو عنقریب قیامت کے دن تک پہنچا دے گا اور آپ سے یہ سوال کرے گا' کیا آپ نے رسالت کو پہنچا دیا؟ اپنی امت کو قرآن سکھایا اور انہیں بتایا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کے کیا کیا حقوق واجب ہیں؟ ایک قول یہ ہے "مَعَادٍ" سے مراد جنت ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "مَعَادٍ" سے مراد مکہ ہے'[1] یعنی جس مکہ سے لوگوں نے آپ کو نکال دیا تھا' اللہ تعالیٰ آپ کو پھر وہاں پہنچا دے گا لیکن صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہاں "مَعَادٍ" سے مراد روز قیامت یا پھر جنت ہے کیونکہ یہ سورت مکہ میں آپ کے ہجرت فرمانے سے پہلے نازل ہوئی ہے' اس طرح اس میں آخرت کی تیاری کرنے اور بعث بعد الموت پر ایمان لانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَ اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَی الْخَاشِعِیْنَ ﴾ کی تفسیر

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ ﴿٤٥﴾ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۴۵)

"اور بے شک نماز گراں ہے مگر ان لوگوں پر (گراں نہیں) جو عجز کرنے والے ہیں۔" براہ کرم اس آیت کی تفسیر بیان فرما دیں؟

جواب یہ آیت اس سیاق میں ہے کہ نماز کے ساتھ استقامت کا حکم دیا گیا ہے' یعنی یہ کہ نماز کی حفاظت کی جائے' اسے باقاعدگی سے ہمیشہ ادا کیا جائے' واجبات و ارکان کو مکمل طریقے سے ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔ نماز کو اس کے صحیح اوقات میں ادا کیا جائے۔ ان امور کی حفاظت کی جائے جو اس کی قبولیت کا سبب بنیں اور پھر اس نماز کے ساتھ دین و دنیا کے امور میں استعانت (مدد طلب) کی جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ یہ نماز کی حفاظت کرنا اور اسے اس طرح مکمل طریقے سے ادا کرنا کہ اس کے اثرات ظاہر ہوں اور اس سے اعانت حاصل کی جائے' ایک ثقیل و عظیم اور کمزور نفسوں کے لیے بہت گراں عمل ہے' مگر اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آسان ہے۔ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے نماز کے ساتھ استعانت ایک خفیف عمل ہے' جب کہ یہ سست اور کمزور بصیرت لوگوں کیلئے بے حد گراں ہے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

[1] صحیح البخاری' التفسیر' باب ﴿ ان الذی فرض علیک القرآن ﴾ حدیث: 4773

آسمانوں اور زمین کے لیے واحد و جمع کے صیغے

سوال قرآن کریم کی بہت سی آیات میں ﴿ سَمَاوَات ﴾ کا لفظ جمع مگر﴿ اَرْضٌ ﴾ کا لفظ واحد کے صیغے کے ساتھ استعمال ہوا ہے تو کیا یہ صیغہ واحد کی صورت میں بھی جمع پر دلالت کرتا ہے؟ نیز درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی تفسیر کیا ہے؟

﴿ مَّآ أَشْهَدتُّهُمْ خَلْقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنفُسِهِمْ ﴾ (الکهف۱۸/ ۵۱)

"میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت شاہد بنایا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت۔"

جواب سائل نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں ﴿ سَمَاوَاتِ ﴾ کا لفظ جمع مگر﴿ اَرْضٌ ﴾ کا لفظ واحد کے صیغہ کے ساتھ استعمال ہوا ہے تو امر واقع اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی سماوات کا لفظ جمع کے صیغے کے ساتھ ذکر کرتا ہے اور کبھی اسے صیغہ واحد کے ساتھ بھی ذکر کرتا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَىْءٌ فِى ٱلْأَرْضِ وَلَا فِى ٱلسَّمَآءِ ۝٥ ﴾ (آل عمران۳/ ۵)

"اللہ (ایسا خبیر و بصیر ہے کہ) کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں' نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔"

اور فرمایا:

﴿ يَعْلَمُ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ﴾ (التغابن۶۴/ ۴)

"وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔"

قرآن مجید میں ارض (زمین) کا لفظ جمع کی صورت میں استعمال نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ واحد ہی کی صورت میں استعمال ہوا ہے البتہ درج ذیل آیت میں اس کے جمع کی طرف اشارہ ضرور ہے:

﴿ ٱللَّهُ ٱلَّذِى خَلَقَ سَبْعَ سَمَٰوَٰتٍ وَمِنَ ٱلْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ ﴾ (الطلاق۶۵/ ۱۲)

"اللہ ہی تو ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور ویسی ہی زمینیں۔"

یہاں مِثْلِیَّتْ صفات اور کیفیت میں تو ہو نہیں سکتی کیونکہ آسمان اور زمین کے درمیان بہت بڑا فرق ہے لہٰذا یہ مِثْلِیَّتْ صرف عدد میں ہو سکتی ہے' ہمیں سنت سے اس کی وضاحت ملتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنِ اقْتَطَعَ شِبْرًا مِّنَ الأَرْضِ ظُلْمًا، طَوَّقَهُ اللهُ إِيَّاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ»(صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ماجاء في سبع الأرضين، ح:۳۱۹۸ وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، ح:۱۶۱۰، واللفظ له)

"جو شخص ظلم سے کسی کی ایک بالشت زمین پر قبضہ کر لے' تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ساتوں زمینوں کا طوق پہنائے گا۔"

تو گویا قرآن مجید میں اگرچہ زمین کے لیے مفرد کا لفظ استعمال ہوا ہے مگر اس سے مراد جنس زمین ہے' جس کے لیے واحد اور جمع دونوں کے صیغے استعمال ہو سکتے ہیں۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ:

﴿ مَّآ أَشْهَدتُّهُمْ خَلْقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنفُسِهِمْ ﴾ (الکهف۱۸/ ۵۱)

"میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت شاہد بنایا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت۔"

کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں بلایا تھا لہٰذا یہ صحیح

نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی عبادت کی جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کسی کو اس کی اپنی پیدائش کے وقت بھی نہیں بلایا تھا' لہٰذا جب وہ اپنی پیدائش کے وقت بھی حاضر نہیں تھا تو وہ غیر اللہ کی عبادت کیونکر کرتا ہے؟ جب تم اپنے بارے میں یا کسی دوسرے کے بارے میں کچھ جانتے ہی نہیں اور نہ تم آسمانوں یا زمین کی کسی چیز کو پیدا ہی کر سکتے ہو' جس طرح کہ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ سورۂ طور میں ارشاد ہے:

﴿ أَمْ خُلِقُوا۟ مِنْ غَيْرِ شَىْءٍ أَمْ هُمُ ٱلْخَـٰلِقُونَ ﴿٣٥﴾ أَمْ خَلَقُوا۟ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ﴿٣٦﴾ ﴾

(الطور ۵۲/ ۳۵۔۳۶)

''کیا یہ کسی کے پیدا کیے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود (اپنے تئیں) پیدا کرنے والے ہیں۔ یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے (نہیں) بلکہ یہ یقین ہی نہیں رکھتے۔''
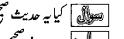
اللہ تعالیٰ نے ان کے اور آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کا ذکر فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ اللہ وحدہ لا شریک لہ ہی خالق اور صرف اور صرف وہی مستحق عبادت ہے کیونکہ یہ معبودان باطلہ تو خلق میں اللہ تعالیٰ کے شریک نہ تھے بلکہ انہوں نے خلق کا مشاہدہ بھی نہیں کیا' لہٰذا تم انہیں عبادت میں کیونکر شریک ٹھہراتے ہو؟

——— شیخ ابن عثیمین ———

❀ ❀ ❀

٢٦
الحَدِيْث الشّرِيْف
حدیث شریف کا بیان

حدیث شریف کا بیان
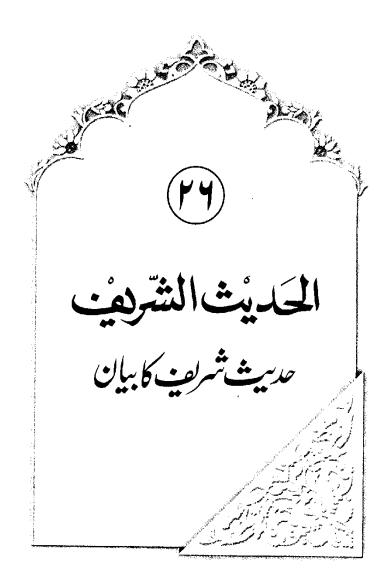
مکھی والی حدیث صحیح ہے مگر .....

سوال: کیا یہ حدیث صحیح ہے جس میں یہ ہے کہ مکھی کے ایک پر میں دواء اور دوسرے میں بیماری ہے؟

جواب: یہ حدیث صحیح ہے۔ صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔[1] اور ابوداود کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«وَإِنَّهُ يَتَّقِي بِجَنَاحِهِ الَّذِي فِيهِ الدَّاءُ، فَلْيَغْمِسْهُ كُلَّهُ»(سنن أبي داود، الأطعمة، باب في الذباب يقع في الطعام، ح:٣٨٤٤)

"وہ اپنے بیماری والے پر سے اپنا بچاؤ کرتی ہے لہٰذا اسے ساری کو ڈبو لینا چاہیے۔"

اور اب تو طب بھی اس کی گواہی دے رہی ہے۔ تاہم مکھی کسی مشروب میں پر ڈبو دے تو بعض لوگ اسے ناپسند کرتے ہیں تو اس صورت میں اسے پینا لازم نہیں ہے کیونکہ انسان کو اس چیز کے کھانے پینے کا حکم نہیں ہے، جس سے اس کی طبیعت نفرت کرتی ہو جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سانڈے کے کھانے کو تو جائز قرار دیا مگر خود آپ نے اسے نہیں کھایا بلکہ فرمایا:

«لَمْ يَكُنْ بِأَرْضِ قَوْمِي، فَأَجِدُنِي أَعَافُهُ»(صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب الضب، ح:٥٥٣٧ وصحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب إباحة الضب، ح:١٩٤٦)

"یہ میری قوم کی زمین میں نہیں ہوتا لہٰذا مجھے اس سے ایک ناگواری سی محسوس ہوتی ہے۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے گی

سوال: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

«أَنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ تَلِدَ الأَمَةُ رَبَّتَهَا»
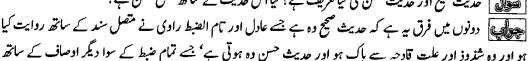
"قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے گی۔" امید ہے آپ اس کے معنی اور شرح بیان فرما دیں گے؟

جواب: اس کے معنی یہ ہیں کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لونڈیوں کی کثرت ہو جائے گی حتیٰ کہ مملوکہ اپنی مالکہ کو جنم دے گی۔ یعنی لونڈی اپنے آقا سے جب حاملہ ہو گی تو وہ اپنی مالکہ کو جنم دے گی کیونکہ مالک کی بیٹی مالکہ اور مالک کا بیٹا مالک ہو گا۔

——— شیخ ابن باز ———

---

[1] صحيح البخاري، الطب، باب اذا وقع الذباب في الاناء، حديث: 5782

حدیث صحیح اور حسن

سوال حدیث صحیح اور حدیث حسن کی کیا تعریف ہے؟ کیا اس حدیث کے ساتھ عمل ممکن ہے؟

جواب دونوں میں فرق یہ ہے کہ حدیث صحیح وہ ہے جسے عادل اور تام الضبط راوی نے متصل سند کے ساتھ روایت کیا ہو اور وہ شذوذ اور علت قادحہ سے پاک ہو اور حدیث حسن وہ ہوتی ہے' جسے تمام ضبط کے سوا دیگر اوصاف کے ساتھ متصف راوی نے روایت کیا ہو یعنی حدیث حسن میں راوی کے تمام ضبط کی شرط نہیں ہے' لہٰذا اس کی تعریف میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حدیث حسن وہ ہے جسے عادل مگر خفیف الضبط راوی نے متصل سند کے ساتھ روایت کیا ہو اور وہ روایت شذوذ اور علت قادحہ سے پاک ہو۔ حدیث کی یہ دونوں قسمیں یعنی صحیح اور حسن حجت ہیں۔ ان کو قبول کیا جائے گا اور ان کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے بارے میں تمام احادیث ضعیف یا موضوع ہیں

سوال امید ہے درج ذیل احادیث کے بارے میں راہنمائی فرمائیں گے' کیا یہ صحیح ہیں؟

«مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي»

«مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي»

«مَنْ زَارَنِي بِالْمَدِينَةِ مُحْتَسِبًا كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا شَهِيدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

یہ احادیث بعض کتب میں مذکور ہیں جس کی وجہ سے اشکال اور رائے میں یہ اختلاف پیدا ہوا کہ ایک رائے ان احادیث کی تائید میں ہے اور دوسری ان کی تائید میں نہیں ہے؟

جواب ان میں سے پہلی حدیث کو ابن عدی اور دار قطنی نے بطریق عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ سے اس طرح روایت کیا ہے:

«مَنْ حَجَّ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي» (الكامل لابن عدي: ٧/ ٢٤٨٠ وعنه ابن الجوزي في الموضوعات: ٢/ ١٢٧، ١٢٨)

"جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے مجھ سے جفا کی۔"

یہ حدیث ضعیف بلکہ موضوع یعنی جھوٹی اور من گھڑت ہے' کیونکہ اس کی سند میں محمد بن نعمان بن شبل باھلی ہے' جو اپنے باپ سے روایت کرتا ہے اور یہ دونوں راوی بے حد ضعیف ہیں۔ امام دار قطنی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں طعن نعمان پر نہیں بلکہ ابن نعمان پر ہے۔ اس حدیث کو بزار نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ابراہیم غفاری ضعیف ہے۔ امام بیہقی نے اسے بطریق حضرت عمر روایت کیا اور فرمایا کہ اس کی سند مجہول ہے۔

دوسری حدیث کو امام دارقطنی نے آل حاطب کے ایک آدمی سے روایت کیا ہے جو اسے انہی الفاظ کے ساتھ نبی اکرم

ﷺ سے روایت کرتا ہے [1] مگر اس روایت میں یہ آدمی مجہول ہے۔ اسے ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں اور ابن عدی نے اپنی کامل میں بھی روایت کیا ہے [2] مگر اس کی سند میں حفص بن داود ہے' جو کہ ضعیف الحدیث ہے۔

تیسری حدیث کو ابن ابی فدیک رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے' [3] اس کی سند میں سلیمان بن یزید کعبی بطریق عمر ضعیف ہے۔ نیز اس کی سند میں ایک اور مجہول راوی بھی ہے۔ البتہ ایسی صحیح احادیث بھی ہیں جن میں یہ ہے کہ عبرت' نصیحت اور میت کی خاطر دعا کے لیے (قبرستان کی) زیارت کی جائے' مگر خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے جس قدر بھی روایات ہیں' وہ سب کی سب ضعیف ہیں بلکہ کہا گیا ہے کہ وہ موضوع ہیں۔ جو شخص زیارت قبور یا رسول اللہ ﷺ کی قبر کی شرعی زیارت کی رغبت کرے یعنی یہ زیارت عبرت' نصیحت' میت کے لیے دعا' نبی ﷺ کی ذات گرامی کے لیے درود پڑھنے اور صاحبین کے لیے ترضی (دعا کرنے) پر مشتمل ہو' اس میں شدِّ رِحال نہ ہو محض زیارت قبور ہی کے لیے سفر نہ ہو' تو ایسی زیارت مشروع ہے اور اس میں اجر و ثواب کی امید ہے۔

اگر کوئی شخص شدِّ رِحال یا محض زیارت قبور ہی کے لیے سفر اختیار کرے تو یہ جائز نہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے خود یہ ارشاد فرمایا ہے:

«لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلَى ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِي هٰذَا، وَمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الأَقْصىٰ»(صحيح البخاري، فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، باب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، ح:١١٨٩ وصحيح مسلم، الحج، باب فضل المساجد الثلاثة، ح:١٣٩٧ واللفظ له)

''تین مسجدوں کے سوا اور کسی مسجد کیلئے شدِّ رحال نہ کیا جائے ① میری یہ مسجد ② مسجد حرام اور ③ مسجد اقصیٰ۔''

نیز آپ نے فرمایا:

«لاَ تَتَّخِذُوا قَبْرِي عِيدًا وَلاَ تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا وَحَيْثُمَا كُنْتُمْ فَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلاَتَكُمْ تَبْلُغُنِي»(سنن أبي داود، المناسك، باب زيارة القبور، ح:٢٠٤٢ ومسند أحمد:٣٦٧/٢، واللفظ له)

''میری قبر کو میلہ اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بنانا اور تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود پڑھنا' تمہارا درود مجھے پہنچایا جائے گا۔''

—————— شیخ ابن باز ——————

نماز عشاء پر کھانے کو مقدم کرنا صحیح ہے

سوال کیا لوگوں کی یہ بات صحیح ہے: ''جب نماز عشاء کا وقت ہو جائے اور رات کا کھانا حاضر ہو تو کھانے کو نماز پر مقدم کر لو۔'' یہ کلمہ لوگوں کی زبان پر عام ہے لیکن مجھے نہیں معلوم کہ یہ صحیح ہے یا نہیں؟

---

[1] سنن دارقطنی' :278/2' حدیث : 2668

[2] الکامل لابن عدی' :790/2

[3] تاریخ جرجان' ص : 434' 784

جواب یہ صحیح ہے' نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«إِذَا قُدِّمَ الْعَشَاءُ فَابْدَأُوا بِهِ قَبْلَ أَنْ تُصَلُّوا صَلاَةَ الْمَغْرِبِ وَلاَ تَعْجَلُوا عَنْ عَشَائِكُمْ»
(صحيح البخاري، الأذان، باب إذا حضر الطعام وأقيمت الصلاة، ح: ٦٧٢ وصحيح مسلم، المساجد، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام ... الخ، ح: ٥٥٧)

"جب شام کا کھانا سامنے رکھ دیا جائے تو نماز مغرب سے پہلے کھانا کھاؤ اور اپنا کھانا چھوڑ کر نماز کے لیے عجلت نہ کرو۔"

یعنی جب شام کا کھانا تیار ہو' انسان کو کھانے کی طلب بھی ہو تو وہ نماز کے لیے جانے سے پہلے کھانا کھا لے کیونکہ جب نماز سے پہلے کھانا تیار ہو جائے تو انسان کی توجہ اس کی طرف مبذول ہو گی جس کی وجہ سے نماز میں کمی واقع ہو گی' لہٰذا نبی ﷺ نے فرمایا:

«لاَ صَلاَةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ، وَلاَ هُوَ يُدَافِعُهُ الأَخْبَثَانِ»(صحيح مسلم، المساجد، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام ... الخ، ح: ٥٦٠)

"کھانے کی موجودگی میں نماز نہیں ہوتی اور نہ اس وقت جب اسے بول و براز کا تقاضا ہو۔"

یہاں اس طرف اشارہ کرنا بھی واجب ہے کہ آدمی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ کھانے کا ہمیشہ وہ وقت نہ ہو جو نماز کا بھی وقت ہو کیونکہ اس طرح نماز باجماعت ادا نہیں کی جا سکتی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ایک نبی جسے اس کی قوم نے ضائع کر دیا

سوال میں نے ایک حدیث میں پڑھا ہے ((ذٰلِكَ نَبِيٌّ ضَيَّعَهُ قَوْمُهُ)) "یہ نبی تھے جنہیں ان کی قوم نے ضائع کر دیا۔" سوال یہ ہے کہ یہ نبی کون تھے؟ ان کا قصہ کیا ہے؟ کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

جواب اس حدیث کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے "البدایۃ والنہایۃ" ج ۲ ص ۲۱۱ میں خالد بن سنان عبسی کے حالات میں ذکر کیا ہے جو کہ زمانۂ فترت میں تھے اور جن کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ نبی تھے۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی سند کے ساتھ امام طبرانی سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ خالد بن سنان کی بیٹی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے اس کے لیے اپنا کپڑا بچھایا اور فرمایا:

«بِنْتُ نَبِيٍّ ضَيَّعَهُ قَوْمُهُ»(المعجم الكبير للطبراني: ١١/ ٤٤١، ح: ١٢٢٥٠)

"یہ ایک ایسے نبی کی بیٹی ہیں جن کو ان کی قوم نے ضائع کر دیا تھا۔"

پھر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ بزار سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ذکر کیا کہ خالد بن سنان کا رسول اللہ ﷺ کے ہاں ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا:

«ذَاكَ نَبِيٌّ ضَيَّعَهُ قَوْمُهُ»(كشف الأستار عن زوائد البزار: ٣/ ١٠٩، ح: ٢٣٦١)

"یہ وہ نبی تھے کہ جن کو ان کی قوم نے ضائع کر دیا تھا۔"

لیکن ابن کثیر نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے اور پھر ان کی قوم کے ساتھ پیش آنے والے ایک طویل قصے کو ذکر کیا ہے جو مرفوعاً ثابت نہیں ہے' لہٰذا حافظ ابن کثیر نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ زمانہ' فترت کے ایک نیک آدمی تھے' ان کا نبی ہونا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

حدیث: جس نے حصول ثواب کی نیت سے مدینہ میں.....

سوال ایک سائل نے یہ سوال پوچھا ہے' کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

«مَنْ زَارَنِي بِالْمَدِينَةِ مُحْتَسِبًا كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا شَهِيدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''جس نے حصول ثواب کی نیت سے مدینہ میں میری زیارت کی' میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا۔''

جواب اس حدیث کو ابن ابی الدنیا نے بطریق انس بن مالک رضی اللہ عنہ' نبی اکرم ﷺ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے لیکن اس کی سند میں سلیمان بن یزید کعبی ضعیف ہے [1] ابوداود طیالسی نے اسے بطریق حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے مگر اس کی سند میں بھی ایک راوی مجہول ہے۔ [2] ہاں البتہ عبرت' نصیحت اور میت کی خاطر دعا کے لیے عام قبروں کی زیارت کی ترغیب میں صحیح احادیث وارد ہیں لیکن خاص طور پر نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے سلسلہ میں جس قدر بھی احادیث مروی ہیں وہ سب کی سب ضعیف ہیں بلکہ انہیں موضوع قرار دیا گیا ہے لہٰذا جو شخص قبروں یا رسول اللہ ﷺ کی قبر کی شرعی زیارت کرے یعنی یہ زیارت عبرت' نصیحت اور اموات کے لیے دعا پر مشتمل ہو' نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی کے لئے درود اور صاحبین کے لیے ترضی پر مشتمل ہو اور اس مقصد کے لیے شد رحال یا سفر اختیار نہ کیا گیا ہو تو یہ زیارت مشروع ہے اور اس میں ثواب کی امید ہے اور اگر کوئی شد رحال اور سفر اختیار کرے یا برکت اور نفع حاصل کرنے کے لیے زیارت کرے یا مخصوص ایام و اوقات میں زیارت کرے تو یہ زیارت بدعت ہے۔ اس کے بارے میں کوئی صحیح نص نہیں ہے اور نہ اس امت کے سلف سے ایسی زیارت ثابت ہے' بلکہ اس سلسلہ میں ممانعت کی نصوص وارد ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلَى ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِي هٰذَا، وَمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الأَقْصٰى»(صحيح البخاري، فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، باب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، ح:١١٨٩ وصحيح مسلم، الحج، باب فضل المساجد الثلاثة، ح:١٣٩٧ واللفظ له)

''تین مسجدوں کے سوا اور کسی مسجد کی طرف شد رحال نہ کیا جائے 1 میری یہ مسجد 2 مسجد حرام اور 3 مسجد اقصیٰ۔''

اس طرح آپ نے فرمایا:

«لاَ تَتَّخِذُوا قَبْرِي عِيدًا وَلاَ تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا' وَحَيْثُمَا كُنْتُمْ فَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلاَتَكُمْ تَبْلُغُنِي»(سنن أبي داود، المناسك، باب زيارة القبور، ح:٢٠٤٢ ومسند أحمد:٢/٣٦٧،

---

[1] ابن ابی الدنیا فی کتاب القبور' تاریخ جرجان' ص: 220' حدیث: 347

[2] ابوداود الطیالسی' ص: 12' 13 و سنن الکبری للبیهقی: 245/5

واللفظ له)

"میری قبر کو میلہ اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بنانا اور تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود پڑھتے رہنا' تمہارا درود مجھے پہنچایا جائے گا۔"

——— شیخ ابن باز ———

حدیث: جو شخص میری سنت سے اعراض کرے

سوال اس حدیث کے کیا معنی ہیں ((فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي)) "جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔" جو شخص فرض نماز سے پہلے اور بعد کی سنتوں کو ترک کر دے کیا وہ بھی اس میں داخل ہے؟

جواب نبی ﷺ کے اس ارشاد:

«مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي»(صحيح البخاري، النكاح، باب الترغيب في النكاح، ح:٥٠٦٣ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠١)

"جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔"

کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص میرے اس طریقہ سے جس پر میں ہوں' اعراض کرے تو وہ مجھ سے نہیں ہے کیونکہ اس نے ایک ایسا طریقہ اختیار کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے خلاف ہے۔ سنتوں اور نوافل کا ترک کرنا اس باب میں سے نہیں ہے کیونکہ نوافل وغیرہ کے تارک کا مقصد رسول اللہ ﷺ کی سنت سے اعراض نہیں ہوتا بلکہ وہ انہیں اس لیے ترک کر دیتا ہے کہ یہ واجب نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے پڑھنے یا نہ پڑھنے کی رخصت دی ہے اور پھر اس اعتبار سے بھی فرق ہے کہ نبی ﷺ کی سنت کو اعراض اور بے رغبتی کی وجہ سے ترک کیا جا رہا ہے یا اس کا سبب سستی یا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ رخصت کو قبول کرنا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

متکبر کے مقابلہ میں تکبر

سوال میں نے ایک دوست کو دیکھا ہے کہ وہ ایک شخص کے سلام کا جواب نہیں دیتا بلکہ اس کی طرف تکبر سے دیکھتا ہے۔ جب میں نے اس سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ شخص متکبر ہے اور حدیث میں ہے ((اَلتَّكَبُّرُ عَلَى الْمُتَكَبِّرِ صَدَقَةٌ)) "متکبر کے مقابلے میں تکبر کرنا بھی صدقہ ہے۔" کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ کیا میرے دوست کا یہ فعل جائز ہے؟

جواب بندگان الٰہی سے تکبر سے پیش آنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے لہٰذا کسی کے لیے بھی یہ حلال نہیں کہ وہ کسی سے تکبر سے پیش آئے خواہ کوئی تکبر کا مظاہرہ ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ بعض لوگ جو تکبر کا مظاہرہ کرتے ہیں تو اس کا علاج یہ نہیں ہے کہ ان سے تکبر کا معاملہ کیا جائے بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ انہیں نصیحت کی جائے' اللہ تعالیٰ کا خوف یاد دلایا جائے اور کہا جائے کہ اللہ سے ڈر' تکبر کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ سائل نے اوپر جس حدیث کا حوالہ دیا ہے' یہ ایک باطل حدیث ہے' نبی ﷺ سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔

شیخ ابن عثیمین

آیت اور حدیث میں تضاد نہیں ہے

سوال کیا یہ حدیث صحیح ہے ((اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ)) اور کیا یہ اس آیت کریمہ سے متضاد تو نہیں ہے؟

﴿ وَقَٰتِلُواْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱلَّذِينَ يُقَٰتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوٓاْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ﴿١٩٠﴾ ﴾ (البقرة٢/ ١٩٠)

جواب یہ حدیث صحیح ہے' اس موضوع کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں اور یہ آیت کریمہ کے متضاد بھی نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَقَٰتِلُواْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱلَّذِينَ يُقَٰتِلُونَكُمْ ﴾ (البقرة٢/ ١٩٠)

''اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے لڑو۔''

سے مراد کفار و مشرکین سے لڑنا ہے کیونکہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ کے قائل اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے والے نہیں ہیں' لہٰذا ان سے لڑنا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس طرح اگر کوئی شخص لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ تو پڑھے مگر اس کے حق کے مطابق عمل نہ کرے اور دین کے بعض ارکان کو ترک کر دے یا بعض محرمات کو حلال سمجھے اور اس پر اصرار کرے تو ایسے شخص سے لڑنا بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے کیونکہ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ کہہ دے تو اس نے یقیناً اپنا مال اور اپنی جان کو مجھ سے محفوظ کر لیا الا یہ کہ از روئے اسلام اس پر کوئی حق واجب الاداء ہو۔''[1]

شیخ ابن جبرین

مسجد کا پڑوسی

سوال کیا یہ صحیح حدیث ہے یا کسی کا قول ہے کہ لَا صَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلاَّ فِي الْمَسْجِدِ؟ کیا اس میں تشدد نہیں ہے جب کہ دین آسان ہے' مشکل نہیں ہے۔ آپ کا اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟

جواب

«لاَ صَلاَةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ إِلاَّ فِي الْمَسْجِدِ»(سنن الدارقطني: ١/ ٤٢٠، ح: ١٥٣٧، ١٥٣٨ والسنن الكبرى للبيهقي: ٣/ ٧٥ والمستدرك على الصحيحين للحاكم: ١/ ٢٤٦)

''مسجد کے پڑوسی کی مسجد کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔''

اس حدیث کو امام دار قطنی' حاکم' اور بیہقی نے روایت کیا ہے مگر سب کی سندیں ضعیف ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ یہ روایت لوگوں میں مشہور ہے مگر اس کی کوئی سند ثابت نہیں ہے' لہٰذا یہ اہل علم کے نزدیک ضعیف ہے۔ اگر اسے صحیح فرض بھی کر لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد ہی میں مکمل ہو گی کیونکہ

---

[1] صحیح البخاري' الزکاة' باب وجوب الزکاة' حدیث: 1399

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ منفرد طور پر پڑھنے والے کی نماز بھی صحیح ہے البتہ شرعی عذر کے بغیر جماعت ترک کرنے والا گناہ گار ہے کیونکہ مسجد میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر باجماعت نماز ادا کرنا واجب ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث کے علاوہ دیگر بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِهِ فَلاَ صَلاَةَ لَهُ، إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، المساجد، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣ وسنن الدارقطني:١/ ٤٢٠، ٤٢١ والمستدرك على الصحيحين للحاكم:١/ ٢٤٥ وصحيح ابن حبان، ح:٤٢٦)

''جو شخص اذان سنے اور مسجد میں نہ آئے' تو عذر کے بغیر اس کی نماز نہیں ہو گی۔''

اس حدیث کو امام ابن ماجہ' دار قطنی' ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔ نبی ﷺ نے اس نابینا شخص کو بھی گھر میں نماز ادا کرنے کی اجازت نہیں دی تھی' جس نے آپ سے اجازت مانگی تھی اور یہ عذر بھی پیش کیا تھا کہ اس کے پاس کوئی معاون نہیں ہے تو آپ نے فرمایا: ''کیا آپ اذان کی آواز سنتے ہیں؟'' اس نے جواب دیا: جی ہاں۔ تو آپ نے فرمایا: ''پھر اس آواز پر لبیک کہو۔'' [1]

——— شیخ ابن باز ———

حدیث : اگر تم اللہ پر توکُّل کرو

سوال میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اس حدیث کی اس طرح شرح فرما دیں کہ اس کا صحیح صحیح مفہوم سمجھ میں آ جائے۔

حدیث یہ ہے:

«لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا»

جواب یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا»(جامع الترمذي، الزهد، باب في التوكل على الله، ح:٢٣٤٤ وسنن ابن ماجه، ح:٤١٦٤ ومسند أحمد:١/ ٣٠و٥٢ وصحيح ابن حبان، ح:٢٥٤٨ والمستدرك على الصحيحين للحاكم:٤/ ٣١٨)

''اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح رزق دے جس طرح پرندوں کو رزق دیتا ہے کہ صبح خالی پیٹ نکلتے اور شام کو سیر ہو کر واپس لوٹتے ہیں۔''

اس حدیث کو امام احمد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔
توکل کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا و آخرت کے امور میں خیر و بھلائی کے حصول اور نقصان کے دور کرنے کے لئے دل کا اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر سچا اعتماد ہو۔ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ لوگ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر اپنے دل سے سچا توکل رکھیں' نفع کے حاصل کرنے اور نقصان کے دور کرنے میں صرف اسی پر کلی طور پر اعتماد کریں اور مفید اسباب کو بھی

[1] صحیح مسلم' المساجد' باب یجب إتیان المسجد علی من سمع النداء حدیث: 653

اختیار کریں تو وہ ادنیٰ سبب سے بھی ان کے پاس اسی طرح رزق کو لے آئے گا' جس طرح وہ پرندوں کو صبح و شام کی تلاش کے نتیجہ میں رزق دیتا ہے۔ پرندوں کا صبح و شام اپنے گھونسلوں سے نکلنا بھی تلاش رزق ہی کی ایک قسم ہے' گو یہ بہت معمولی کوشش ہے۔ ان اسباب کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے' جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے امور کو وابستہ کر دیا ہے اور جن کے ساتھ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی سنت جاری و ساری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توکل کے ساتھ ساتھ اسباب کو اختیار کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ اعضاء کے ساتھ اسباب کے لیے کوشش کرنا اطاعت ہے جب کہ دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا ایمان ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾ ﴾ (ابراهيم١٤/ ١١)

"اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔"

اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کو اختیار کرنے کے ساتھ جن کا اس نے حکم دیا ہے' توکل کو تقویٰ قرار دیا ہے' جب کہ اسباب کے بغیر توکل محض عجز اور درماندگی ہے' گو اس میں توکل کی ادنیٰ سی جھلک ہے۔ لہٰذا ہر انسان کو چاہیے کہ وہ عجز و درماندگی کو توکل اور توکل کو عجز و درماندگی نہ بننے دے بلکہ توکل کو بھی ان جملہ اسباب میں سے قرار دے' جن کے بغیر مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔ وباللہ التوفیق۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے بارے میں احادیث

سوال رسول اللہ ﷺ سے مروی کیا یہ حدیث کہ ((مَنْ رَآنِي فَقَدْ رَآنِي)) اور یہ حدیث کہ ((مَنْ رَآنِي فَقَدْ حُرِمَتْ عَلَيْهِ النَّارُ)) صحیح ہیں؟ ان کا مفہوم کیا ہے؟

جواب پہلی حدیث یعنی رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد:

«مَنْ رَآنِي فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ»(صحيح البخاري، التعبير، باب من رأى النبي ﷺ في المنام، ح:٦٩٩٦ وصحيح مسلم، الرؤيا، باب قول النبي عليه الصلاة والسلام من رآني في المنام فقد رآني، ح:٢٢٦٧)

"جس نے مجھے دیکھا تو اس نے حقیقی طور پر مجھے ہی دیکھا۔"

یہ حدیث صحیح ہے اور یہ کئی اور الفاظ سے بھی مروی ہے' مثلاً ایک روایت میں ہے:

«مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لاَ يَتَمَثَّلُ فِي صُورَتِي»(صحيح البخاري، العلم، باب إثم من كذب على النبي ﷺ، ح:١١٠)

"جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔"

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ إِنَّ الشَّيْطَانَ لاَ يَتَشَبَّهُ بِي»(مسند أحمد: ٢/ ٢٦١)

"جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے سچا خواب دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔"

یعنی یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا دشمن شیطان' نبی ﷺ کی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ لہٰذا جس نے خواب میں نبی ﷺ کی زیارت کی تو اس نے سچا خواب دیکھا۔
اہل علم کے ہاں آپ کی صورت معروف ہے۔ آپ کا قد میانہ تھا' شکل و صورت کے اعتبار سے بے حد حسین و جمیل تھے' رنگ سرخ و سفید تھا' داڑھی مبارک گھنی اور سیاہ تھی' حیات پاک کے آخری حصہ میں چند بال سفید ہو گئے تھے تو جو شخص آپ کی حقیقی شکل و صورت میں زیارت کرے تو اس نے گویا آپ ہی کی زیارت کی کیونکہ شیطان آپ کی شکل و صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ دوسری حدیث:

«مَنْ رَآنِي فَقَدْ حُرِّمَتْ عَلَيْهِ النَّارُ»

"جس نے مجھے دیکھا اس کے لیے جہنم کی آگ حرام قرار دے دی گئی۔" یہ بالکل بے اصل ہے' یہ صحیح نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

غربت اسلام

سوال اس حدیث کے کیا معنی ہیں؟

«بَدَأَ الإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ»

"اسلام کا غربت سے آغاز ہوا' یہ غربت ہی کی طرف لوٹے گا' جس طرح کہ آغاز ہوا تھا۔ پس غرباء کے لیے خوش خبری ہے۔"

جواب اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کا آغاز غربت سے ہوا جیسا کہ مکہ مکرمہ میں اور ہجرت کے آغاز میں مدینہ منورہ میں حال تھا کہ کم لوگ ہی اسلام کو جانتے تھے اور اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔ پھر اسلام پھیل گیا اور لوگ فوج در فوج اور موج در موج حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے حتیٰ کہ یہ تمام ادیان پر غالب آگیا۔ مگر آخر زمانے میں یہ پھر غریب ہو جائے گا اسی طرح جس طرح آغاز میں تھا کہ اسے حقیقی طور پر سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے والے لوگ کم ہوں گے اور وہ غرباء ہوں گے' اس لیے فرمایا:

«فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ»(صحيح مسلم، الايمان، باب بيان أن الإسلام بدأ غريبا وسيعود غريبا وإنه يأرز بين المسجدين، ح:١٤٥)

"غرباء کے لیے خوش خبری ہے۔"

صحیح مسلم میں تو نہیں بعض دیگر کتب میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! غرباء کون ہیں؟ فرمایا:

«اَلَّذِينَ يَصْلُحُونَ إِذَا فَسَدَ النَّاسُ»(مسند أحمد: ٤/ ٧٣)

"جو اس وقت بھی نیک ہوں گے' جب لوگ برے ہو جائیں گے۔"

ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«اَلَّذِينَ يُصْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُنَّتِي»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء أن الإسلام بدأ غريبا وسيعود غريبا، ح: ٢٦٣٠ وشرح السنة للبغوي: ١/ ١٢١)

''میرے بعد لوگوں نے میری سنت میں جو بگاڑ پیدا کیا ہو گا یہ لوگ اس کی اصلاح کریں گے۔''

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے تمام مسلمان بھائیوں کو ان میں سے بنا دے۔ انه خير مسئول.

——— شیخ ابن باز ———

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان دار......

سوال کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

«لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ»(شرح السنة للبغوي: ١/ ٢١٣، ح: ١٠٤)

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان دار نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ اس کی خواہش اس (دین) کے تابع نہ ہو جائے جسے میں لایا ہوں۔''

جواب اس حدیث کو ایک جماعت نے صحیح اور ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے۔ صاحب الحجہ نے کہا ہے کہ اس وقت تک ایمانِ کامل والا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش اس دین و شریعت کے تابع نہ ہو جائے جسے رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بدکاری کی خواہش کرتا اور گناہوں کو سرانجام دیتا ہو' تو اس کا ایمان ناقص ہو گا۔ اس کا ایمان کامل اسی وقت ہو گا جب اس کی خواہش اور اس کا میلان اس دین و شریعت کے تابع ہو گا جسے نبی ﷺ لائے ہیں لیکن اگر کوئی شخص اپنی خواہش کی پیروی اور شیطان کی اطاعت کرے تو یہ ایمان میں نقص ہو گا۔ ایمان کا یہ نقص کبھی درجۂ کفر تک بھی جا پہنچتا ہے' مثلاً اگر کوئی شخص غیر اللہ کی عبادت کے سلسلہ میں یا دین کا مذاق اڑانے یا اسے گالی دینے یا اللہ تعالیٰ کی کسی حرام کردہ چیز کو حلال قرار دینے میں اپنی خواہش کی پیروی کرے' تو وہ اسلام سے مرتد ہو کر کفر تک پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔

——— شیخ ابن باز ———

میری امت کا اختلاف رحمت ہے

سوال کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

«اِخْتِلاَفُ أُمَّتِي رَحْمَةٌ»(كنز العمال، ح: ٢٨٦٨٦ والاتحافات السنية: ١/ ٢٠٤، ٢٠٥)

''میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔''

جواب نہیں یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ بعض سلف نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث ہی نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے

سوال میں نے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنی تھی:

«أَنْتَ وَمَالُكَ لأَبِيكَ»(سنن ابن ماجه، التجارات، باب ما للرجل من مال ولده، ح: ٢٢٩٢)

”تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔“

اور اب یہ سنا ہے کہ اس حدیث میں ضعف ہے. لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ اس کے بارے میں راہنمائی فرمائیں؟

جواب یہ حدیث ضعیف نہیں ہے کیونکہ اس کے شواہد موجود ہیں لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ جب انسان کے پاس مال ہو تو اس کے باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس مال میں سے جس قدر چاہے لے سکتا ہے لیکن اس کے لیے ایک بلکہ کئی شرطیں ہیں' جو کہ حسب ذیل ہیں:

① مال لینے سے بیٹے کو نقصان نہ ہو' مثلاً باپ اگر اس لحاف کو لینا چاہے' جسے بیٹا سردی سے بچنے کے لئے استعمال کر رہا ہو یا اس کھانے کو لے لے جسے وہ بھوک مٹانے کے لیے کھا رہا ہو تو باپ کے لیے یہ جائز نہ ہو گا۔

② بیٹے کی اس مال سے حاجت متعلق نہ ہو' مثلاً اگر بیٹے کے پاس لونڈی ہو تو باپ کے لیے اسے لینا جائز نہیں کیونکہ بیٹے کو اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر بیٹے کے پاس صرف ایک ہی گاڑی ہو جسے وہ آمد و رفت کے لیے استعمال کرتا ہو اور اسے دوسری گاڑی خریدنے کی استطاعت نہ ہو تو اس گاڑی کو لینا باپ کے لیے کسی حال میں بھی جائز نہیں ہو گا۔

③ اپنے کسی بیٹے کا مال اس لیے نہ لے کہ وہ کسی دوسرے بیٹے کو دے دے کیونکہ اس طرح تو اس کے بیٹوں میں عداوت پیدا ہو گی اور بعض کو بعض پر فضیلت دینا بھی لازم آئے گا بشرطیکہ دوسرا بیٹا محتاج نہ ہو اور اگر وہ محتاج ہو تو پھر اس میں تفضیل نہیں ہے اور اس صورت میں اسے دینا باپ کے لیے واجب ہے۔

بہرحال یہ حدیث حجت ہے' علماء نے اسے قبول کیا ہے اور اس سے استدلال کیا ہے لیکن کچھ شرائط ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ باپ کے لیے بیٹے کے مال کو اس طرح لینا جائز نہیں ہے جس سے بیٹے کو نقصان پہنچے' نیز اس مال کو نہ لے جس کی خود بیٹے کو بھی ضرورت ہو نیز وہ ایک بیٹے کا مال لے کر دوسرے بیٹے کو نہ دے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

حدیث موضوع' مرفوع اور حسن غریب کے معنی

سوال علماء جو یہ فرماتے ہیں تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے یا موضوع ہے اور کبھی بعض احادیث کے آخر میں اس طرح کی عبارت لکھی ہوتی ہے کہ فلاں شخص --- مثلاً امام ترمذی یا امام نسائی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب یا منکر ہے حالانکہ یہ احادیث نبوی یا قدسی ہوتی ہیں؟

جواب ”حدیث مرفوع“ وہ ہوتی ہیں جس کی اضافت نبی ﷺ کی طرف کی گئی ہو' خواہ وہ آپ کا قول ہو یا فعل اور اگر وہ صحابی کا کلام ہو تو اسے ”موقوف“ اور اگر تابعی کا کلام ہو تو اسے ”مقطوع“ کہتے ہیں۔ ”حدیث موضوع“ اس حدیث کو کہتے ہیں جو بالکل جھوٹی ہو اور اسے از راہ کذب نبی ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔ ایسی حدیث کو روایت کرنا جائز نہیں الا یہ کہ ساتھ ہی یہ بھی بیان کر دیا جائے کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔ ”حدیث غریب“ وہ ہوتی ہے جو صرف ایک ہی شخص کے طریق سے مروی ہو' یعنی اسے صرف ایک ہی صحابی نے روایت کیا ہو اور پھر صحابی سے بھی صرف ایک ہی راوی نے روایت کیا ہو۔ ”منکر“ سے مراد اگر حدیث ہو تو اس سے مراد وہ حدیث ہوتی ہے' جو احادیث ثابتہ کے مخالف

ہو کیونکہ اسے کسی ضعیف راوی نے روایت کیا ہوتا ہے اور اگر اس سے مراد راوی ہو تو وہ ضعیف الروایۃ ہوتا ہے۔ سائل کو چاہیئے کہ وہ مزید معلومات کے لیے مصطلح الحدیث کی کتب کا مطالعہ کرے اور اس فن کے علماء سے مزید معلومات حاصل کرے۔

—————— شیخ ابن جبرین ——————

اللہ تعالیٰ شرابی پر لعنت فرمائے

سوال (لَعَنَ اللّٰهُ الشَّارِبَ قَبْلَ الطَّالِبِ) "اللہ تعالیٰ شارب پر طالب سے قبل لعنت فرمائے" کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ یہ سوال اس لیے کیا ہے کہ یہ الفاظ زبان زد عام و خاص ہیں؟

جواب یہ حدیث نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے' البتہ یہ ان احادیث میں سے ہے' جو اگرچہ زبان زد عام و خاص ہیں مگر ان کا کوئی اصل نہیں ہے۔ انسان کے لیے واجب ہے کہ نبی ﷺ کی طرف جو قول یا فعل منسوب ہو' تو اس کی تحقیق کرے کیونکہ نبی ﷺ کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرنا اس طرح نہیں ہے جیسے ہم میں سے کسی کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کر دی جائے کیونکہ آپ کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرنا تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شریعت کے بارے میں جھوٹ بولنا ہے۔ اسی طرح کئی اور احادیث بھی مشہور ہیں' جن کا کوئی اصل نہیں مثلاً:

«حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الإِيمَانِ»(كشف الخفاء للعجلوني: ١/ ٤١٣)

"وطن کی محبت ایمان ہے۔"

«خَيْرُ الأَسْمَاءِ مَا حُمِّدَ وَمَا عُبِّدَ»(كشف الخفاء للعجلوني: ١/ ٩٥، ٤٦٨)

"بہترین نام وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد یا عبودیت کو بیان کیا گیا ہو۔"

«اَلْمِعْدَةُ بَيْتُ الدَّاءِ وَالْحِمْيَةُ رَأْسُ الدَّوَاءِ»

"معدہ بیماری کا گھر ہے اور پرہیز اصل دوا ہے۔"

اس کی اور بہت سی مثالیں ہیں۔ انسان کے لیے واجب ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے سے اجتناب کرے تاکہ وہ اس وعید شدید کا مصداق نہ بنے:

«مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»(صحيح البخاري، العلم، باب إثم من كذب على النبي ﷺ، ح: ١١٠ وصحيح مسلم، المقدمة، باب تغليظ الكذب على رسول الله ﷺ، ح: ٣)

"جو جان بوجھ کر میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرے' وہ اپنا ٹھکانا جہنم سمجھے۔"

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ حَدَّثَ عَنِّي بِحَدِيثٍ يُرٰى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ»(صحيح مسلم، المقدمة، باب وجوب الرواية عن الثقات وترك الكاذبين ... الخ)

"جو شخص میرے حوالے سے کوئی حدیث بیان کرے اور اس کو معلوم ہو کہ یہ جھوٹی روایت ہے تو وہ بھی دو جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

احادیث ضعیفہ

سوال کسی ایسی کتاب کی نشاندہی فرمائیں جس میں ضعیف اور منکر روایات بکثرت ہوں تاکہ میں ان سے اجتناب کر سکوں؟

جواب ہم آپ کو یہ نصیحت کریں گے کہ ضعیف اور منکر احادیث کے پڑھنے سے اجتناب کریں کیونکہ یہ احادیث تو ان اہل علم کو پڑھنی چاہئیں جو ضعیف اور صحیح میں تمیز کر سکیں۔ آپ کو ہم یہ نصیحت کریں گے کہ آپ "ریاض الصالحین" کا مطالعہ کریں۔ یہ ایک بے حد قیمتی کتاب ہے' اس کتاب کے مؤلف نے اس میں صحیح و حسن احادیث کو جمع کیا ہے اور ضعیف سے اجتناب کیا ہے۔ کتاب کے اکثر ابواب کا آیات قرآنی سے آغاز کیا ہے' لہٰذا یہ ایک بہت مفید کتاب ہے۔ ایک مبتدی کو چاہیے کہ وہ مختلف قسم کی کتابیں نہ پڑھے کیونکہ اس صورت میں خدشہ ہے کہ اس کا فہم تمام مسائل کا استیعاب نہیں کر سکے گا' جس کی وجہ سے شکوک و شبہات پیدا ہوں گے اور مبتدی مشکلات میں مبتلا ہو جائے گا لہٰذا آپ صحیح کے پڑھنے پر اکتفاء کریں لہٰذا اگر آپ چاہیں تو "اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیه الشیخان" بھی پڑھ سکتے ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح ترین احادیث کا مجموعہ اور ایک عظیم الشان اور مفید ترین کتاب ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

حدیث وصیت

سوال میرے ایک دوست نے مجھے ایک کاغذ دیا' جس میں لکھا ہوا تھا کہ نبی ﷺ نے امام علی رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت فرمائی کہ علی! سونے سے پہلے پانچ کام ضرور کرو (۱) پورے قرآن مجید کی تلاوت کرو (۲) چار ہزار درہم صدقہ کرو (۳) کعبہ کی زیارت کرو (۴) جنت میں اپنی جگہ محفوظ کر لو اور (۵) جھگڑنے والوں کی آپس میں صلح کرا دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' یا رسول اللہ! یہ کیسے ممکن ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ﴿ قل هو الله احد ﴾ کو تین بار پڑھنا گویا سارے قرآن کو پڑھنے کے برابر ہے۔ (۲) اگر آپ چار دفعہ سورت فاتحہ پڑھیں تو گویا چار ہزار درہم کا صدقہ کیا (۳) اگر آپ دس دفعہ یہ پڑھ لیں کہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَ يُمِيْتُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" تو گویا کعبہ کی زیارت کر لی اور (۴) اگر آپ دس دفعہ یہ پڑھیں: "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ" تو آپ نے جنت میں اپنی جگہ کو محفوظ کر لیا اور (۵) اگر آپ دس دفعہ یہ پڑھیں: "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ تو آپ نے گویا جھگڑنے والوں میں صلح کرا دی۔

کیا یہ اقوال صحیح ہیں؟ مجھے تو صرف یہ معلوم ہے کہ سورۂ اخلاص کا پڑھنا ثلث قرآن کے برابر ہے تو سوال یہ ہے کہ ان مذکورہ بالا اقوال کے بارے میں شریعت کی کیا رائے ہے؟

جواب یہ حدیث جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو مذکورہ بالا وصیتیں فرمائیں' یہ جھوٹی اور موضوع حدیث ہے۔ اسے نبی ﷺ کی طرف منسوب کرنا یا آپ کے حوالہ سے بیان کرنا جائز نہیں ہے

کیونکہ جو شخص نبی ﷺ کے حوالہ سے کوئی ایسی حدیث بیان کرے' جو اس کی رائے میں جھوٹی ہو تو وہ بیان کرنے والا بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے اور جو شخص جان بوجھ کر نبی ﷺ کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرے تو اسے بیان کرے کہ یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے تاکہ لوگ اس سے اجتناب کریں تو پھر اسے بیان کرنے کا اجر و ثواب ملے گا' بہرحال مذکورہ بالا حدیث جھوٹی ہے۔ اسے از راہ جھوٹ نبی ﷺ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

یہاں ایک اور بات کی طرف توجہ مبذول کروانا بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ سائل نے اپنے سوال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے امام کا لفظ استعمال کیا ہے لا ریب حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی دیگر خلفاء راشدین کی طرح یکے از ائمہ ہیں کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی امام ہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی امام ہیں' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی امام ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی امام ہیں کیونکہ یہ چاروں خلفائے راشدین ہیں اور ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي»(سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، ح:٤٦٠٧ وجامع الترمذي، العلم، باب ماجاء الأخذ بالسنة واجتناب البدعة، ح:٢٦٧٦)

"میری سنت اور میرے بعد کے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا۔" تو یہ وصف حضرت ابوبکر' عمر' عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سب پر منطبق ہوتا ہے۔

امامت صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خاصہ نہیں ہے بلکہ یہ ہر اس شخص کے لیے ہے جس کی اقتداء کی جائے' یہی وجہ ہے کہ جو نماز میں امامت کے فرائض سرانجام دے اسے امام جماعت کہا جاتا ہے' اسی طرح جو شخص مسلمانوں کے امور و معاملات میں امامت کے فرائض سرانجام دے اسے بھی امام کہا جاتا ہے کیونکہ وہ راہنما و پیشوا ہوتا ہے اور اس کی بھی اقتداء کی جاتی ہے۔ کچھ لوگوں کا کلمۂ امام سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ معصوم عن الخطاء ہے' تو یہ ایک غلط تصور ہے کیونکہ مخلوق میں سے کوئی بھی معصوم عن الخطاء نہیں' سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ بچالے۔ اولیاء اللہ سے بھی دوسرے انسانوں کی طرح غلطیاں ہوتی ہیں اور وہ بھی توبہ کرتے ہیں کیونکہ ہر ابن آدم خطاکار ہے اور بہترین خطاکار وہ ہیں جو توبہ کرلیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

احادیث درود

سوال میں نے بعض دینی کتب میں یہ احادیث پڑھی ہیں:

«مَنْ صَلَّىٰ عَلَيَّ فِي يَوْمٍ أَلْفَ مَرَّةٍ لَّمْ يَمُتْ حَتَّى يَرٰى مَقْعَدَهُ فِي الْجَنَّةِ» (الترغيب والترهيب: ٢/ ٥٠١)

"جو شخص مجھ پر دن میں ایک ہزار مرتبہ درود پڑھے تو وہ اس وقت تک فوت نہیں ہو گا جب تک جنت میں اپنی جگہ نہ دیکھ لے۔"

«مَنْ صَلَّىٰ عَلَيَّ أَلْفَ مَرَّةٍ حَرَّمَ اللهُ جَسَدَهُ عَلَى النَّارِ»

"جو شخص مجھ پر ایک ہزار بار درود پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے جسم کو جہنم کی آگ پر حرام قرار دے دیتا ہے۔"

کیا یہ احادیث صحیح ہیں؟ اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب یہ احادیث ضعیف یا موضوع ہیں۔ ہمارے لیے وہ احادیث صحیحہ ہی کافی ہیں' جنہیں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں سورۃ الاحزاب کی آیت کریمہ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ﴾ کی تفسیر میں بیان کیا ہے یا جنہیں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "جلاء الافہام" میں بیان فرمایا ہے لہٰذا آپ ان کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کوے کو بد دعا کی روایت من گھڑت ہے

سوال میں نے ایک بھائی سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے دن کوے کو بد دعا دیتے ہوئے فرمایا تھا:

«سَوَّدَ اللّٰهُ وَجْهَكَ»

"اللہ تجھے رو سیاہ کرے۔" کیا یہ روایت صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو آپ نے کوے کو یہ بد دعا کیوں دی تھی؟

جواب یہ ایک جھوٹی روایت ہے' جسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ نے ہجرت کے وقت اور نہ کسی اور موقع پر کبھی بھی کوے کو بد دعا نہیں دی البتہ آپ نے اسے ان ناپاک جانوروں میں ضرور شمار کیا ہے' جنہیں حل و حرم میں قتل کیا جا سکتا ہے' آپ نے فرمایا:

«خَمْسٌ مِّنَ الدَّوَابِّ كُلُّهُنَّ فَاسِقٌ، يُقْتَلْنَ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ: اَلْغُرَابُ، وَالْحِدَأُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْفَأرَةُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ»(صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب ما يقتل المحرم من الدواب، ح:١٨٢٩ وصحيح مسلم، الحج، باب ما يندب للمحرم وغيره قتله من الدواب في الحل والحرم، ح:١١٩٨)

"پانچ قسم کے جانور ایسے ہیں جو سب ناپاک ہیں' انہیں حل و حرم میں قتل کیا جا سکتا ہے (۱) کوا (۲) چیل (۳) بچھو (۴) چوہیا اور (۵) باؤلا کتا۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

کیا یہ حدیث مردوں کے ساتھ خاص ہے؟

سوال کیا یہ حدیث:

«سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهُ»(صحيح البخاري، الأذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة وفضل المساجد، ح:٦٦٠)

"سات قسم کے لوگ ایسے ہیں' جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہو گا۔" مردوں ہی کے ساتھ خاص ہے یا جو عورتیں بھی یہ اعمال بجا لائیں گی' وہ بھی اس حدیث میں مذکور اجر و ثواب کی مستحق ہوں گی؟

جواب اس حدیث میں مذکور یہ فضیلت مردوں ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ مردوں اور عورتوں سب کے لیے

عام ہے۔ مثلاً وہ نوجوان عورت جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جوانی کو بسر کرے' وہ بھی اس میں داخل ہے۔ اس طرح وہ عورتیں بھی اس میں داخل ہیں جو محض اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کریں اور ہر وہ عورت بھی اس میں داخل ہے جسے کوئی بلند منصب اور صاحب جمال مرد بدکاری کی دعوت دے مگر وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتی ہوں' اس طرح وہ عورت بھی اس میں داخل ہے جو پاک کمائی سے اس طرح صدقہ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔ اسی طرح جو عورت خلوت میں اللہ کا ذکر کرے اور اس کی آنکھیں اشکبار ہو جائیں تو وہ بھی اس میں داخل ہے۔ البتہ امامت مردوں کی خصوصیات میں سے ہے' نیز مسجدوں میں با جماعت نماز ادا کرنا بھی مردوں ہی کے ساتھ خاص ہے جب کہ عورت کے لیے اپنے گھر میں نماز ادا کرنا افضل ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے۔ [1] واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

"نبیل" کون سے نبی ہیں؟

سوال میں نے کتاب "انساب العرب" ص ۱۲۵ میں پڑھا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ چار کے سوا تمام انبیاء عجمی تھے اور وہ چار یہ ہیں (۱) ہود (۲) صالح (۳) شعیب اور (۴) نبیل۔ سوال یہ ہے کہ نبیل سے مراد کون سے نبی ہیں؟ ان چار اسماء کے ضمن میں ہمارے نبی ﷺ کا اسم گرامی کیوں نہیں ہے؟

جواب انساب العرب کے اس نسخہ میں یہ طباعت کی غلطی ہے کیونکہ نبیل کسی بھی عربی یا عجمی نبی کا نام نہیں ہے۔ یہاں اصل الفاظ اس طرح تھے "و نبیک یا ابا ذر" یعنی یہ نبیک' کاف کے ساتھ ہے۔ لام کے ساتھ نہیں ہے اور یہ آپ کا اپنی ذات گرامی کی طرف اشارہ تھا یعنی اے ابوذر! چوتھے آپ کے نبی ہیں۔ آپ عرب ہیں اور آپ پر قرآن مجید بھی واضح اور فصیح عربی زبان ہی میں نازل ہوا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

پردے کے بارے میں حدیث اسماء

سوال حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت جب حیض کی عمر کو پہنچ جائے تو پھر یہ جائز نہیں کہ اس کی دونوں ہتھیلیوں اور چہرے کے علاوہ کچھ اور ظاہر ہو تو یہ تو گویا حجاب ہے' سوال یہ ہے کہ کیا نقاب کے بارے میں احادیث ہیں؟

جواب اس حدیث کو امام ابو داود نے سنن کے باب فیما تبدی المراۃ من زینتھا میں اس طرح روایت کیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے ان سے اپنے رخ کو بدل لیا اور فرمایا:

«يَا أَسْمَاءُ! إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيضَ لَمْ يَصْلُحْ لَهَا أَنْ يُرٰى مِنْهَا إِلاَّ هٰذَا وَهٰذَا وَأَشَارَ إِلَى وَجْهِهِ وَكَفَّيْهِ»(سنن أبي داود، اللباس، باب فيما تبدي المرأة من زينتها، ح:٤١٠٤)

[1] سنن ابی داود' الصلاۃ' باب ماجاء فی خروج النساء إلی المسجد' حدیث: 567 و باب التشدید فی ذلک' حدیث: 570

"اے اسماء عورت جب بالغ ہو جائے تو پھر یہ درست نہیں کہ اس کے جسم کے اس اور اس حصے کے سوا اور کچھ نظر آئے۔ آپ نے یہ فرماتے ہوئے چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا۔"

یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ خالد بن دریک کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ثابت نہیں ہے اور پھر اس کی سند میں سعید بن بشیر ازدی بھی ہے' جسے بصری بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اصل میں وہ بصرہ کا ہے' اسے بعض علماء حدیث نے اگرچہ ثقہ قرار دیا ہے مگر امام احمد' ابن معین' ابن مدینی' نسائی' حاکم' ابو احمد اور ابوداود رحمہم اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ محمد بن عبداللہ بن نمیر فرماتے ہیں کہ یہ منکر الحدیث ہے لیس بشیئ اور حدیث میں قوی نہیں۔ قتادہ سے منکرات کو روایت کرتا ہے۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ اس کا حافظہ ردی اور یہ فاش غلطیاں کرتا ہے۔ قتادہ سے ایسی روایات بیان کرتا ہے' جن کی متابعت نہیں کی جا سکتی۔ ساجی نے بھی کہا ہے کہ اس نے قتادہ سے بہت سی مناکیر کو روایت کیا ہے اور اس روایت کو بھی اس نے قتادہ ہی سے روایت کیا جب کہ خود قتادہ مدلس ہے اور اس روایت کو اس نے خالد بن دریک سے روایت کیا ہے اور اس میں ولید بن مسلم بھی مدلس ہے جو تدلیس تسویہ کیا کرتا تھا اور غلو کرتے ہوئے (غیر مرفوع) احادیث کو مرفوع بنا کر بیان کیا کرتا تھا۔ بہرحال اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث کئی وجوہ سے ضعیف ہے۔ وباللہ التوفیق و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ و سلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

گانا سننے کے بارے میں احادیث

سوال میں نے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث پڑھی اور سنی ہے:

«مَنِ اسْتَمَعَ إِلَى قَيْنَةٍ صُبَّ فِي أُذُنَيْهِ الآنُكُ»

"جو شخص کسی گانے والی کے گانے کو سنے تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔"

کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ اس طرح میں نے یہ حدیث بھی پڑھی اور سنی ہے:

«اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْعُشْبَ»

"گانا دل میں اس طرح نفاق کو اگاتا ہے جس طرح پانی سے گھاس اگتا ہے۔"

کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ ان مختلف قسم کے گانوں کے سننے کے بارے میں کیا حکم ہے' جو گھروں کی بجائے ایسی گاڑیوں یا محفلوں میں سنے جائیں' جہاں منع کرنا اس کے بس میں نہ ہو؟

جواب آواز سننے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اس کی طرف مائل ہو اور کان لگائے' تو گانے سننے میں بھی مائل ہونے اور کان لگانے ہی کی صورت ہے۔ لیکن یہ سماع کبھی تو قصد و ارادے اور قلبی میلان کی وجہ سے ہوتا ہے' جس کا نام استماع ہے اور اس کا حکم بھی استماع والا ہی ہے (یعنی یہ ناجائز اور حرام ہے) اور کبھی یہ سماع بغیر قصد و ارادے اور قلبی میلان کے ہوتا ہے تو اس کا نام استماع نہیں ہے اور نہ اس کا حکم ہی استماع والا ہے تو سائل نے یہ جو مختلف قسم کے گانے سننے کے بارے میں پوچھا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ گانا سننا حرام ہے' مرد کے لیے بھی اور عورت کے لیے بھی' گھر میں بھی اور گاڑیوں اور عام و خاص ہر قسم کی محفلوں میں بھی کیونکہ اس طرح آدمی اس چیز کو اختیار کرتا' مائل ہوتا' اور شرکت کرتا

ہے جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشْتَرِى لَهْوَ ٱلْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُو۟لَـٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴾ (لقمان٣١/٦)

"اور لوگوں میں بعض ایسا ہے جو بے ہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں کو) بے سمجھے اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اس سے استہزاء کرے' یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا۔"

سائل نے گانے کا جو ذکر کیا ہے تو وہ یہی لہو الحدیث ہے۔ یہ دل کے لیے فتنہ ہے۔ دل کو شر کی طرف مائل کرتا اور خیر سے روکتا ہے۔ انسان کے وقت کو ضائع کرتا ہے لہٰذا یہ لہو الحدیث کے عموم میں داخل ہے اور گانا گانے والا اور گانا سننے والا دونوں ہی اس کے عموم میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے اور ایسا کرنے والے کو رسوا کن عذاب کی وعید سنائی ہے۔ جس طرح قرآن مجید کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ گانا گانا اور سننا حرام ہے' اس طرح سنت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ، وَلَيَنْزِلَنَّ أَقْوَامٌ إِلَى جَنْبِ عَلَمٍ، يَرُوحُ عَلَيْهِمْ بِسَارِحَةٍ لَهُمْ يَأْتِيهِمْ لِحَاجَةٍ فَيَقُولُونَ: ارْجِعْ إِلَيْنَا غَدًا، فَيُبَيِّتُهُمُ اللهُ، وَيَضَعُ الْعَلَمَ، وَيَمْسَخُ آخَرِينَ قِرَدَةً وَخَنَازِيرَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ» (صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ح: ٥٥٩٠)

"میری امت میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور گانے بجانے کو حلال سمجھیں گے اور کچھ لوگ ایک بلند پہاڑ کے دامن میں پڑاؤ ڈالیں گے' شام کے وقت ان کا چرواہا ان کے جانور ان کے پاس لے کر آئے گا تو کوئی فقیر اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے ان کے پاس آئے گا تو وہ اسے کہیں گے کہ ہمارے پاس کل آنا تو رات کے وقت اللہ تعالیٰ ان پر پہاڑ گرا کر ان کا کام تمام کر دے گا اور کچھ لوگوں کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دے گا پھر قیامت تک وہ اسی صورت میں رہیں گے۔"

معازف سے مراد گانا بجانا اور گانے بجانے کے آلات ہیں۔ گانا بجانا اور گانا سننا بھی اس میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے جو زنا کو حلال سمجھتے ہیں' مرد ہو کر ریشم پہنتے ہیں' شراب پیتے ہیں' آلات موسیقی کا استعمال کرتے اور گانا سنتے ہیں۔ گانا سننے کو بھی آپ نے ان کبیرہ گناہوں کے ساتھ ذکر کیا جن کا اس سے پہلے ذکر ہوا اور اس پر بھی عذاب کی وہ وعید سنائی جس کا اس حدیث کے آخر میں ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آلات موسیقی کو استعمال کرنا اور گانا سننا حرام ہے۔

قصد و ارادہ اور کان لگانے کے بغیر جو گانا سننا ہے' مثلاً راستہ میں چلتے ہوئے دوکانوں یا گاڑیوں سے آنے والی آواز کانوں میں پڑ جائے یا مثلاً یہ کہ آدمی اپنے گھر میں ہو مگر پڑوسیوں کے گھر سے آنے والی گانوں کی آواز کانوں میں پڑ جائے اور آدمی کو اس کا قطعاً کوئی شوق نہ ہو تو اس صورت میں آدمی معذور ہے' لیکن اسے چاہیے کہ ان صورتوں میں نصیحت کرتا رہے اور حکمت و موعظت حسنہ کے ساتھ اس منکر کام سے منع کرتا رہے اور مقدور بھر کوشش کر کے کانوں میں پڑنے والی اس آواز سے بھی خلاصی حاصل کرے' لیکن بہرحال اس طرح کانوں میں پڑ جانے والی آواز کی وجہ سے اسے کوئی گناہ نہیں

ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔

علماء کی ایک جماعت کا یہ طریقہ بھی رہا ہے کہ اپنے مطلوب کے بارے میں پہلے وہ صحیح دلائل بیان کر دیتے ہیں اور پھر کچھ ایسی احادیث بھی بیان کر دیتے ہیں جن کی سند یا دعویٰ پر دلالت میں کچھ ضعف ہوتا ہے تو یہ بات اصل مطلوب کے ثبوت میں نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ ان ضعیف روایات کو انہوں نے بطور استدلال نہیں بلکہ صرف استشہاد کے طور پر بیان کیا ہوتا ہے' مثلاً گانے کی حرمت کے صحیح دلائل کے ساتھ وہ یہ روایت بھی بیان کر دیتے ہیں جسے حکیم ترمذی نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنِ اسْتَمَعَ إِلٰى صَوْتِ غِنَاءٍ لَّمْ يُؤْذَنْ لَهُ أَنْ يَّسْتَمِعَ الرُّوحَانِيِّينَ فِي الْجَنَّةِ» (كنز العمال، ح:٤٠٦٦٠، ٤٠٦٦٦ وتفسير قرطبي:١٤/ ٥٣_٥٤)

"جس نے گانے کی آواز کو سنا تو اسے جنت میں روحانیوں کی آواز سننے کی اجازت نہ ہو گی۔"

اس طرح ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنِ اسْتَمَعَ إِلٰى قَيْنَةٍ صُبَّ فِي أُذُنَيْهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(ضعيف الجامع الصغير للالبانى، ح:٥٤١٠ والضعيفة، ح:٤٥٤٩)

"جس نے کسی مغنیہ کی آواز کو سنا تو روز قیامت اس کے دونوں کانوں میں سیسہ ڈالا جائے گا۔"

ابن ابی الدنیا نے "ذم الملاھی" میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ»(السنن الكبرى للبيهقي:١٠/ ٢٢٣ وابن أبي الدنيا في ذم الملاهي، ص:٧٣ وسنن أبي داود، الأدب، باب كراهة الغناء والزمر، ح:٤٩٢٧ مختصرا)

"گانا دل میں اس طرح نفاق کو اگاتا ہے جس طرح پانی سے کھیتی پروان چڑھتی ہے۔"

نیز امام بیہقی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی ہے:

«اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ»(شعب الإيمان، ح:٥١٠٠)

"گانا دل میں اس طرح نفاق کو اگاتا ہے جس طرح پانی سے کھیتی پروان چڑھتی ہے۔"

یہ تمام احادیث اگرچہ ضعیف ہیں مگر یہ گانا بجانے اور سننے کی حرمت پر قطعاً اثر انداز نہیں ہیں کیونکہ اس کی حرمت کتاب و سنت کے دوسرے صحیح دلائل سے ثابت ہے۔ واللہ الموفق۔

فتویٰ کمیٹی

مردہ مسلمان کی ہڈی کو توڑنا زندہ کی ہڈی کو توڑنے ......

سوال کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث صحیح ہے «كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهِ حَيًّا» مردہ مسلمان کی ہڈی کو توڑنا اس طرح ہے' جس طرح زندہ کی ہڈی کو توڑا جائے؟

جواب یہ حدیث مرفوع اور موقوف دونوں طرح ثابت ہے۔ مرفوع روایت مصنف عبدالرزاق' سنن ابی داود' سنن

ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں عمرہ بنت عبدالرحمٰن کے واسطہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهِ حَيًّا» (سنن أبي داود، الجنائز، باب في الحفّار يجد العظم هل يتنكب ذلك المكان، ح: ٣٢٠٧ وسنن ابن ماجه، ح: ١٦١٦ ومصنف عبدالرزاق: ٣/ ٤٤٤، ح: ٦٢٥٦ وابن حبان، ح: ٧٧٦)

"مردہ کی ہڈی کو توڑنا' زندہ کی ہڈی کو توڑنے کی طرح ہے۔"

امام عبدالرزاق نے اس حدیث پر باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے کہ (باب کسر عظم المیت) اور پھر اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی ہے۔ امام ابو داود نے اس پر یہ عنوان قائم کیا ہے کہ (باب فی الحفار یجد العظم ھل یتنکب ذلک المکان) "قبر کھودنے والا جب ہڈی پائے تو کیا اس جگہ سے ہٹ جائے؟" اور پھر انہوں نے اپنی سند سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ امام ابن ماجہ نے اس پر یہ عنوان قائم کیا ہے کہ (باب فی النھی عن کسر عظام المیت) "مردہ کی ہڈیوں کو توڑنے کی ممانعت" اور پھر اپنی سند کے ساتھ انہوں نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ حافظ ہیثمی نے "موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان" میں باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے کہ (باب فیمن آذی میتًا) "جو شخص کسی میت کو ایذاء پہنچائے" اور پھر انہوں نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث بیان کی ہے۔

موقوف روایت کو امام مالک رحمہ اللہ نے "موطا" کے (باب ماجاء فی الاختفاء) میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ مردہ مسلمان کی ہڈی کو توڑنا اسی طرح ہے جس طرح زندہ کی ہڈی کو توڑنا' یعنی آپ کی مراد یہ ہے کہ یہ عمل گناہ کے اعتبار سے ایک جیسا ہے۔ [1] امام شافعی رحمہ اللہ نے اسے (باب مایکون بعد الدفن) میں امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے: "مردہ مسلمان کی ہڈی کو توڑنا ایسا ہی ہے جیسے کسی زندہ مسلمان کی ہڈی کو توڑ دیا جائے۔" [2] وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

کیا چور کے مال کو چرانا حلال ہے؟

سوال کیا یہ حدیث صحیح ہے «اَلسَّارِقُ مِنَ السَّارِقِ حَلَالٌ» "چور کے مال کو چرانا حلال ہے؟" یہ حدیث "کتاب الکبائر" میں ہے۔ کیا اس کتاب کی احادیث صحیح ہیں؟

جواب یہ حدیث بے اصل ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس طرح کی کوئی حدیث ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ چوری کرنا حرام ہے خواہ مالک کی چوری کی جائے یا چور کی۔ البتہ اگر یہ معلوم ہو کہ فلاں شخص کے پاس یہ مال مسروقہ ہے اور وہ اسے چھین کر اصل مالک کو واپس لوٹانا چاہتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

"کتاب الکبائر" کے مصنف امام ذہبی رحمہ اللہ ہیں' جن کا شمار کبار محدثین اور حفاظ میں ہوتا ہے لیکن اس کتاب کا موضوع چونکہ وعظ و نصیحت اور گناہوں سے ڈرانا ہے لہٰذا انہوں نے اس کتاب میں تساہل سے کام لیا اور بعض ضعیف

---

[1] موطأ امام مالک' الجنائز' باب ماجاء فی الاختفاء: 238/1 حدیث: 44

[2] الام للامام الشافعی': 277/1

احادیث اور قصص و حکایات کو بھی بیان کر دیا ہے' جب کہ اس کتاب کی اکثر و بیشتر روایات صحیح یا حسن درجہ کی ہیں۔ ضعیف احادیث کو انہوں نے اس لئے ذکر کیا ہے کہ ان سے کوئی حلال و حرام کا مسئلہ انہوں نے ثابت نہیں کیا لہٰذا وعظ و نصیحت کے لیے اس کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

—— شیخ ابن جبرین ——

حدیث: "جس نے مجھے جانتے ہوئے میری نافرمانی کی---" کے معنی

سوال مسلمان کو چاہیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف صرف اسی قول کو منسوب کرے جو صحیح ہو اور جس کی نسبت آپ کی طرف ثابت ہو' تو کیا اس وقت اور بھی زیادہ شدید احتیاط کی ضرورت نہیں جب کسی قول کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جا رہا ہو؟ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جو یہ قول منسوب کیا جاتا ہے:

«وَمَنْ عَصَانِي وَهُوَ يَعْرِفُنِي سَلَّطْتُ عَلَيْهِ مَنْ لاَ يَعْرِفُنِي»

"جس نے مجھے جانتے ہوئے میری نافرمانی کی تو اس پر میں کسی ایسے شخص کو مسلط کر دوں گا جو مجھے نہیں جانتا ہو گا۔" اس کے بارے میں راہنمائی فرما کر شکریہ کا موقع بخشیں۔ والسلام۔

جواب ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف صرف اس بات کو منسوب کرے' جس کے بارے میں اسے علم ہو کہ یہ صحیح ہے اور اگر اسے شک ہو تو پھر واجب یہ ہے کہ بات پورے جزم اور وثوق سے بیان نہ کرے بلکہ یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح روایت کیا جاتا ہے یا رسول اللہ ﷺ سے "اس طرح" روایت کیا گیا ہے' یعنی اس طرح صیغۂ تمریض استعمال کرے' جزم اور وثوق کے ساتھ بات بیان نہ کرے جیسا کہ اہل علم نے اسے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ اثر بھی اسی قبیل میں سے ہے' جس کے بارے میں آپ نے پوچھا ہے' ہمیں اس کا کوئی اصل معلوم نہیں۔ یہ صرف وعظ و نصیحت کی کتابوں میں ہے یا واعظوں کی زبانوں سے سنا ہے لہٰذا اسے جزم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں ہے' لہٰذا واجب یہ ہے کہ اسے مذکورہ بالا انداز میں صیغۂ تمریض کے ساتھ بیان کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہر اس کام کی توفیق عطا فرمائے جو اس کی رضا پر مبنی ہو۔

—— شیخ ابن باز ——

ہر ایسا کام جو قابل اہتمام ہو......

سوال کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

«كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لاَ يُبْدَأُ فِيهِ بِبِسْمِ اللهِ فَهُوَ أَبْتَرُ، أَقْطَعُ، أَجْذَمُ»

"ہر ایسا کام جو قابل اہتمام ہو اور اسے اللہ کے نام سے شروع نہ کیا جائے تو وہ بے برکت' دم بریدہ اور کٹا ہوا ہے۔"

جواب اس حدیث کو امام ابن حبان وغیرہ نے دو یا دو سے بھی زیادہ طریق سے بیان کیا ہے [1] جب کہ اہل علم نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔ وباللہ التوفیق۔

---

[1] صحیح ابن حبان' (ابن بلبان) باب ماجاء فی الابتداء بحمدللہ تعالیٰ' حدیث: 1'2۔ اس میں بسم اللہ کی بجائے بحمداللہ کے الفاظ ہیں۔

شیخ ابن باز

آب زمزم

سوال کیا آب زمزم کے فائدہ کے بارے میں کوئی صحیح حدیث ہے؟

جواب احادیث صحیحہ سے آب زمزم کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ یہ مقدس اور مبارک پانی ہے۔ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے زمزم کے بارے میں فرمایا:

«إِنَّهَا مُبَارَكَةٌ، إِنَّهَا طَعَامُ طُعْمٍ»(صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي ذر رضي الله عنه، ح: ٢٤٧٣)

"یہ پانی مبارک ہے اور یہ کھانے والے کے لیے کھانا بھی ہے۔"

ابو داود کی روایت میں بسند جید یہ الفاظ بھی ہیں:

«وَشِفَاءُ سُقْمٍ»(مسند أبي داود الطيالسي، الجزء الثاني، ص: ٦١)

"یہ بیمار کے لیے شفاء بھی ہے۔"

یہ احادیث آب زمزم کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ کھانے والے کے لیے کھانا' بیمار کے لیے شفاء ہے اور بلاشبہ یہ انتہائی بابرکت پانی ہے۔ سنت یہ ہے کہ آب زمزم کو نوش کیا جائے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے نوش جان فرمایا' کیونکہ اس میں برکت ہے۔ یہ پاک کھانا ہے۔ جب میسر ہو اسے تناول کرنا چاہیے' جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے بھی اسے تناول فرمایا تھا۔ یاد رہے! آب زمزم کے ساتھ وضوء کرنا' استنجاء کرنا اور بوقت ضرورت غسل جنابت کرنا بھی جائز ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں سے پانی نکلا تو لوگوں نے اس پانی کو لے لیا تھا[1] تاکہ اس سے اپنی پینے' وضو کرنے' کپڑوں کو دھونے اور استنجاء کرنے کی ضرورتوں کو پورا کریں اور امرواقع یہ ہے کہ انہوں نے ان تمام ضرورتوں کے لیے اس پانی کو استعمال کیا۔ آب زمزم اگرچہ اس پانی کی طرح تو نہیں ہے' جو آپ کی مبارک انگلیوں سے نکلا' اس سے مرتبہ میں بڑھ کر بھی نہیں ہو سکتا' تاہم یہ دونوں ہی بے حد مقدس پانی ہیں اور جب نبی ﷺ کی مبارک اور مقدس انگلیوں سے پھوٹنے والے پانی سے وضو کرنا' غسل کرنا' استنجاء کرنا اور کپڑوں کو دھونا جائز تھا تو آب زمزم کو ان تمام کاموں کے لیے استعمال کرنا بھی جائز ہو گا۔

شیخ ابن باز

کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

سوال کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ عصر کے بعد نماز نہیں حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے اور صبح کے بعد نماز نہیں حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے مگر مکہ میں' مگر مکہ میں' مگر مکہ میں؟

 یہ حدیث "مگر مکہ میں" کے زائد الفاظ کے ساتھ تو ضعیف ہے' البتہ اصل حدیث صحیحین وغیرہ میں ثابت ہے۔

[1] صحیح مسلم' فضائل الصحابہ' باب من فضائل ابی ذر رضی اللہ عنہ' حدیث: 2473۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ صَلاَةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلاَ صَلاَةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغِيبَ الشَّمْسُ»

(صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب لا تتحرى الصلاة قبل غروب الشمس، ح:٥٨٦ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الأوقات التي نهي عن الصلاة فيها، ح:٨٢٧)

"صبح کے بعد نماز نہیں حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد نماز نہیں حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے۔"

لیکن علماء کے صحیح قول کے مطابق اس سے وہ نماز مستثنیٰ ہے' جس کا کوئی خاص سبب ہو' مثلاً نماز کسوف' نماز طواف اور تحیۃ المسجد تو ان نمازوں کو تمام اوقات حتیٰ کہ ممانعت کے اوقات میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے یہ استثناء ثابت ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

کیا یہ احادیث صحیح ہیں؟

سوال کیا یہ احادیث صحیح ہیں کہ (ا) ((تَهَادَوْا تَحَابُّوْا)) "تحفے دیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے۔" اور (۲) ((لَوْ عَلِمَ الْعِبَادُ مَا فِي رَمَضَانَ لَتَمَنَّتْ أُمَّتِيْ أَنْ يَكُوْنَ رَمَضَانَ السَّنَةُ كُلُّهَا)) "اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ رمضان کا کس قدر اجر و ثواب ہے تو میری امت یہ تمنا کرتی' اے کاش! سارا سال رمضان ہی ہوتا۔"

جواب پہلی حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے "الادب المفرد" میں موصولاً [1] اور امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں مرسلاً روایت کیا ہے [2] اور اس کے بہت سے طرق ہیں' جو ایک دوسرے کے لیے باعث تقویت ہیں' بہرحال یہ حدیث درجہ حسن سے کم نہیں ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرما لیتے تھے اور اجر و ثواب کی دعا فرماتے تھے۔ [3]

دوسری حدیث کو ابن ابی الدنیا وغیرہ نے بیان کیا ہے [4] جیسا کہ "لطائف المعارف" میں ہے' لیکن اس کے تمام طرق ضعیف ہیں جب کہ رمضان المبارک کی فضیلت کے بارے میں بہت سی صحیح احادیث بھی موجود ہیں جو کہ صحیحین میں بھی ہیں اور دیگر کتب حدیث میں بھی۔

—— شیخ ابن جبرین ——

حدیث ((مَنْ لَمْ تَنْهَهُ صَلاَتُهُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ)) کا مطلب

سوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ لَّمْ تَنْهَهُ صَلاَتُهُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ لَمْ يَزْدَدْ بِهَا مِنَ اللهِ إِلاَّ بُعْدًا»

---

[1] الادب المفرد' باب قبول الهدیة' حدیث: 594

[2] موطأ امام مالک' حسن الخلق' باب ماجاء فی المهاجرة' حدیث: 16

[3] صحیح البخاری' الهبة' باب قبول الهدیة' حدیث: 2574' 2579

[4] اللآلی المصنوعة للسیوطی: 99/2

"جس شخص کو اس کی نماز فواحش و منکرات سے نہ روکے تو وہ نماز پڑھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے مزید دور ہو جاتا ہے۔" تو سوال یہ ہے کہ جو شخص داڑھی منڈاتا ہے کیا اس کی نماز قبول ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب یہ حدیث متعدد طرق کے ساتھ مختلف الفاظ سے نبی ﷺ سے مروی ہے مگر یہ کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔ اسے ابن مسعود، [1] ابن عباس، [2] حسن [3] اور ایک جماعت سے روایت کیا گیا ہے، مگر موقوف روایت صحیح ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے مرفوعاً اور موقوفاً بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت ابن مسعود، ابن عباس، حسن، قتادہ، اعمش وغیرھم سے موقوفاً مروی ہے۔ بعض علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ ایسے شخص کی نماز فاسد ہے کیونکہ یہ ان نصوص صحیحہ کے منافی ہے، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نمازیں گناہوں اور برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص داڑھی منڈاتا ہے، تو اس کا یہ فعل نماز کی صحت و قبولیت سے مانع نہیں ہے بلکہ اس نے جس قدر شرعی طریقے سے نماز ادا کی، اسی قدر اسے اس کا ثواب ملے گا البتہ داڑھی منڈانے کا گناہ اسے ضرور ہو گا۔ وہ اپنے ایمان و عمل صالح کے مطابق مومن اور گناہوں کے مطابق فاسق ہو گا۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ نماز فواحش و منکرات سے اس وقت روکتی ہے، جب اسے اس طرح سے ادا کیا جائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت میں اس کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

بدشگونی کے بارے میں حدیث

سوال رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کہ ((لَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ)) "بدشگونی اور الو کی نحوست نہیں ہے" اور اس ارشاد میں کس طرح تطبیق ہو گی کہ ((إِنْ كَانَتِ الطِّيَرَةُ فَفِي الْبَيْتِ وَالْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ)) "اگر بدشگونی ہے تو وہ گھر، عورت اور گھوڑے میں ہے" راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب بدشگونی کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم شرک ہے اور وہ ہے مرئیات یا مسموعات سے بدشگونی لینا تو یہ جائز نہیں ہے اور دوسری قسم اس سے مستثنیٰ ہے اور یہ ممنوع بدشگونی میں داخل نہیں ہے، اسی وجہ سے صحیح حدیث میں ہے:

«اَلشُّؤْمُ فِي ثَلَاثٍ، فِي الْمَرْأَةِ، وَالدَّارِ وَالدَّابَّةِ»(صحيح البخاري، الطب، باب الطيرة، ح:٥٧٥٣ وصحيح مسلم، السلام، باب الطيرة والفأل ... الخ، ح:٢٢٢٥)

"بدشگونی تین چیزوں میں ہے یعنی عورت میں، گھر میں اور جانور میں۔"

یہ تین چیزیں مستثنیٰ ہیں اور یہ ممنوع بدشگونی میں داخل نہیں ہیں کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بعض عورتوں یا بعض جانوروں میں بدشگونی اور شر، اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے تو یہ ایک قدری شر ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص اس گھر کو چھوڑ دے، جو

---

[1] المعجم الكبير للطبراني، 107/9، حديث: 8543 موقوفًا

[2] المعجم الكبير للطبراني، 54/11، حديث: 11025

[3] مسند الشهاب للقضاعي، 305/1، حديث: 508

مناسب نہ ہو یا اس عورت کو طلاق دے دے' جو مناسب نہ ہو یا اس جانور کو چھوڑ دے' جو مناسب نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ بدشگونی نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

شیخ البانی کے بارے میں رائے

سوال ہمارے ہاں ایک عالم ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے علم سے نوازا ہے لیکن وہ ان مشائخ کو گالیاں دیتے ہیں' جن کا قول اس کی بات کے خلاف ہو خصوصاً رمضان میں تو وہ ہر رات علامہ البانی سے ڈراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام علماء و فضلاء کی علامہ البانی کے بارے میں یہی رائے ہے کہ یہ شخص محض تاجر کتب ہے یعنی عالم نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ آپ کی علامہ البانی کے بارے میں کیا رائے ہے تاکہ آپ کی رائے کے بارے میں ہم اس شخص کو اور اس کے درس میں شریک ہونے والے لوگوں کو بھی بتا سکیں؟

جواب شیخ ناصر الدین البانی ہمارے ان خواص اور ثقہ بھائیوں میں سے ہیں' جو علم و فضل میں معروف اور تصحیح و تضعیف کے اعتبار سے علم حدیث کے ساتھ خصوصی دلچسپی رکھنے والوں میں سے ہیں لیکن وہ معصوم نہیں ہیں۔ بسا اوقات کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار دینے میں ان سے غلطی بھی ہو سکتی ہے لیکن انہیں گالی دینا یا ان کی مذمت کرنا یا ان کی غیبت کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ان کے لیے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نیت و عمل کی مزید خوبیوں سے نوازے۔ جس شخص کو دلیل کے ساتھ ان کی کسی واضح غلطی کے بارے میں علم ہو تو اسے چاہیے کہ وہ ان کی خیر خواہی کرتے ہوئے انہیں خط لکھ کر مطلع کرے تاکہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر عمل ہو جائے:

«اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ح:٥٥)

"دین ہمدردی اور خیر خواہی کا نام ہے۔"

نیز آپ ﷺ کے اس فرمان پر عمل ہو جائے:

«اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لاَ يَظْلِمُهُ وَلاَ يُسْلِمُهُ»(صحيح البخاري، المظالم، باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه، ح:٢٤٤٢ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، ح:٢٥٨٠)

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے لہٰذا وہ اس پر نہ ظلم کرے اور نہ ظلم کے لیے اسے کسی اور کے سپرد کرے۔"

جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى إِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ»(صحيح البخاري، الايمان، باب قول النبي ﷺ الدين النصيحة ... الخ، ح:٥٧ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ح:٥٦)

"میں نے نبی ﷺ سے یہ بیعت کی کہ نماز قائم کروں گا' زکوٰۃ ادا کروں گا اور ہر مسلمان کے لیے ہمدردی و خیر خواہی کروں گا۔"

یہ بات حتمی ہے کہ مومن مرد اور عورتیں خصوصاً اہل علم ایک دوسرے کے دوست ہیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾ ﴾ (التوبة٩/ ٧١)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا' بے شک اللہ غالب' خوب حکمت والا ہے۔"

لہٰذا تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ہمدردی اور خیر خواہی کریں۔ حق کی وصیت کریں۔ غلطی کرنے والے کو اس کی غلطی پر متنبہ کریں اور شرعی دلائل کی روشنی میں صحیح بات کی طرف راہنمائی کریں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

—————— شیخ ابن باز ——————

کیا عملِ قوم لوط کے فاعل اور مفعول پر لعنت والی حدیث صحیح ہے؟

سوال کیا یہ حدیث جس میں فاعل و مفعول یعنی فحاشی کا ارتکاب کرنے والوں پر لعنت کی گئی ہے' صحیح ہے؟ میں نے اس حدیث کو حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب کے صفحہ نمبر ۵۷ میں پڑھا ہے۔

جواب عمل قوم لوط سے نفرت دلانے کے بارے میں کئی احادیث مروی ہیں' جن میں فاعل و مفعول پر لعنت کی گئی ہے اور اس بدترین فعل پر وعید سنائی گئی ہے اور ایک حدیث میں یہ بھی ہے:

«اُقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ»(سنن أبي داود، باب الحدود، باب فيمن عمل عمل قوم لوط، ح: ٤٤٦٢ وجامع الترمذي، الحدود، باب ماجاء في حد اللوطي: ١٤٥٦)

"فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔"

لیکن یہ تمام احادیث ضعف سے خالی نہیں ہیں۔ البتہ صحیح سندوں کے ساتھ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے موقوفاً ثابت ہیں کیونکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایسے بدکار مردوں کو قتل کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو دنیا ہی میں اس بدترین فعل کی وجہ سے جو بدترین عذاب سے دوچار کیا' یہ اس کی عقلی اور فطری طور پر حرمت و قباحت کی کافی بڑی دلیل ہے۔ واللہ اعلم۔

—————— شیخ ابن جبرین ——————

مندرجہ ذیل احادیث کا کیا درجہ ہے؟

سوال کیا یہ احادیث صحیح ہیں؟

«أَجْرَؤُكُمْ عَلَى الْفُتْيَا أَجْرَؤُكُمْ عَلَى النَّارِ»

"فتویٰ پر جو شخص زیادہ جرأت سے کام لے گا وہ جہنم رسید ہونے میں زیادہ دلیر ہے۔"

«مَكَّةُ رِبَاطٌ وَجُدَّةُ جِهَادٌ»

"مکہ رباط اور جدہ جہاد ہے۔"

«رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الأَكْبَرِ»

ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف واپس لوٹ آئے ہیں۔"

جواب 1 یہ اس حدیث کے الفاظ ہیں، جسے امام دارمی نے سنن دارمی (ج ۱ ص ۵۷) میں عبیداللہ بن ابی جعفر سے مرسل روایت کیا ہے اور ارسال کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔ مجھے یہ مرفوع کہیں نہیں ملی۔ 2 ان الفاظ کے ساتھ مجھے کسی حدیث کا علم نہیں ہے۔ 3 یہ حدیث زبان زد عام اور مجالس و اخبارات میں عام ہے، لیکن مرفوع طور پر یہ ثابت نہیں ہے، لہٰذا اسے بیان کرنے والوں کی کثرت کی وجہ سے فریب خوردہ نہیں ہونا چاہیے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اس وقت تک قیامت قائم نہ ہو گی......

سوال بیان کیا جاتا ہے کہ قیامت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جزیرۃ العرب کی زمین سرسبز و شاداب ہو جائے گی اور اس میں نہریں چلنے لگیں گی، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

جواب یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے امام مسلم نے صحیح میں روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَكْثُرَ الْمَالُ وَيَفِيضَ، حَتَّى يَخْرُجَ الرَّجُلُ بِزَكَاةِ مَالِهِ فَلَا يَجِدُ أَحَدًا يَقْبَلُهَا مِنْهُ، وَحَتَّى تَعُودَ أَرْضُ الْعَرَبِ مُرُوجًا وَأَنْهَارًا»(صحيح مسلم، الزكاة، باب الترغيب في الصدقة قبل أن لا يوجد من يقبلها، ح:١٥٨ بعد ١٠١٢)

"اس وقت تک قیامت قائم نہ ہو گی جب تک مال کی بہت زیادہ کثرت نہ ہو جائے گی حتی کہ ایک شخص اپنے مال کی زکوٰۃ لے کر نکلے گا مگر اسے کوئی قبول کرنے والا نہ ہو گا اور اس وقت تک بھی قیامت قائم نہ ہو گی جب تک سرزمین عرب باغات اور نہروں میں تبدیل نہ ہو جائے گی۔"

زکوٰۃ لینے سے یہ بے نیازی اس لیے ہو گی کہ لوگوں کے پاس مال و دولت کی کثرت ہو گی۔ قیامت قریب ہو گی اور لوگ دنیا سے بے رغبت ہوں گے۔ سرزمین عرب سے مراد جزیرۃ العرب کی زمین ہے۔ "مروج" سے مراد زمین کی سرسبزی و شادابی ہے اور نہروں سے مراد، بارش کے پانی کی کثرت کی وجہ سے جاری ہونے والی نہریں ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

((العلم علمان ---)) "علم دو طرح کے ہیں" کیا یہ حدیث ہے؟

سوال کیا یہ حدیث ہے اور اگر حدیث ہے تو کیا یہ صحیح ہے کہ علم دو طرح کے علم ہیں (۱) علم ابدان اور (۲) علم ادیان۔ جو شخص علم شرعی کی تنقیص کرے اور اسے دنیوی علم سے کم مرتبہ مانے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب یہ حدیث بے اصل ہے' کیونکہ علم سارا ایک ہے جو کہ بندوں کے ابدان' ادیان اور احوال کے سلسلہ میں بندوں کی مصلحتوں پر مشتمل ہے اور اس علم نے ہر چیز کے حکم کو بیان کر دیا ہے اور جو شخص علم شرعی کی تنقیص کرے وہ زندیق ہے' توبہ کر لے تو صحیح ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

((عَبْدِی اَطِعْنِی--)) کیا یہ حدیث قدسی صحیح ہے

سوال ادارات بحوث علمیہ و افتاء اور دعوۃ و ارشاد کے چیئرمین کو یہ سوال موصول ہوا ہے کہ میں نے بعض لوگوں سے سنا ہے کہ ایک قدسی حدیث میں یہ آیا ہے:

«عَبْدِي أَطِعْنِي تَكُنْ عَبْدًا رَبَّانِيًا يَقُولُ لِلشَّيْءِ كُنْ فَيَكُونُ»

"اے میرے بندے! تو میری اطاعت کر' تو اس سے رب کا ایسا بندہ بن جائے گا جو جس چیز سے بھی یہ کہے گا کہ تو ہو جا تو وہ ہو جائے گی۔" کیا یہ حدیث قدسی صحیح ہے یا غیر صحیح؟

جواب ہمیں کتب حدیث میں سے کسی کتاب میں بھی یہ حدیث نظر نہیں آئی اور اس کا مضمون بتلاتا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے' کیونکہ اس میں بندے کو' جو ایک کمزور مخلوق ہے' خالق کے قائم مقام بنا دیا گیا ہے جو سب سے قوی ہے' یا یوں کہہ لیجئے کہ اس روایت میں انسان کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا گیا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات گرامی شریک سے پاک ہے۔ یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ کا کوئی شریک ہے' کفر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے کہ وہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہے' اسے کلمہ' کن سے پیدا فرما دیتا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَآ أَمۡرُهُۥٓ إِذَآ أَرَادَ شَيۡـًٔا أَن يَقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾ ﴾ (یس ۳۶/ ۸۲)

"اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔"

وباللہ التوفیق' و صلی اللہ وسلم علی عبدہ و رسولہ محمد وآلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کیا زنا سے پیدا ہونے والے پر جنت حرام ہے؟

سوال میں نے سنا ہے کہ اس مفہوم کی بھی ایک حدیث ہے کہ "زنا سے پیدا ہونے والے پر جنت حرام ہے" کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو اس میں اس بچے کا کیا قصور ہے جسے اپنے ماں باپ کی غلطی اور گناہ کا سزاوار قرار دیا گیا ہے؟

جواب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَلَدُ الزِّنَا شَرُّ الثَّلَاثَةِ»(سنن أبي داود، العتق، باب في عتق ولد الزنا، ح:۳۹۶۳ ومسند أحمد: ۲/ ۳۱۱)

"ولد زنا تینوں میں سب سے زیادہ برا ہے۔"

بعض علماء نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اصل' عنصر' نسب اور مولد کے اعتبار سے تینوں میں سب سے زیادہ برا ہے کیونکہ

وہ زانی مرد اور عورت کے پانی سے پیدا ہوا ہے اور یہ ناپاک اور خبیث پانی ہے اور ماں باپ کے اخلاق کا چونکہ اولاد پر اثر ہوتا ہے لہٰذا اس بات کا احتمال ہے کہ اس خباثت کا اس پر بھی اثر ہو اور یہ اسے بھی شر پر آمادہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام سے برائی کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ﴾ (مریم۱۹/ ۲۸)

"نہ تو تیرا باپ ہی بد اطوار آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی۔"

لیکن اس کے باوجود اپنے والدین کے گناہ کی وجہ سے اس سے مؤاخذہ نہیں ہو گا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ﴾ (الأنعام٦/ ١٦٤)

"کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔"

بہرحال دنیا و آخرت میں زنا کا گناہ اور اس کی سزا اس کے والدین کے لیے ہے۔ ہاں اس بات کا ضرور ڈر ہے کہ اس بدکاری کا اس کے اخلاق و کردار پر بھی اثر پڑے' جس کی وجہ سے یہ بھی خباثت اور گناہ میں مبتلا ہو جائے' لیکن یہ کوئی باقاعدہ طے شدہ اصول نہیں ہے کیونکہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نیک بنا دے اور وہ عالم اور متقی و پرہیز گار بن کر تینوں میں سب سے اچھا ثابت ہو۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

کیا یہ حدیث: ((إِذَا تَحَيَّرْتُمْ فِي الْأُمُوْرِ---)) "جب تم معاملات میں پریشان ہو جاؤ تو اہل قبور سے مدد مانگو" صحیح ہے؟

سوال بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قبر میں مدفون میت سے مدد مانگنا جائز ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

«إِذَا تَحَيَّرْتُمْ فِي الْأُمُورِ فَاسْتَعِينُوا بِأَهْلِ الْقُبُورِ»

"جب تم امور و معاملات میں پریشان ہو جاؤ تو اہل قبور سے مدد مانگو۔" کیا یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟

جواب یہ ایک جھوٹی روایت ہے جسے غلط طور پر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ کئی اہل علم نے اس کی وضاحت فرمائی ہے' شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اسے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "یہ ایک جھوٹی حدیث ہے جسے محض کذب و افتراء سے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور اس پر حدیث کے تمام علماء کا اجماع ہے۔ علماء میں سے کسی نے بھی اسے روایت نہیں کیا اور حدیث کی قابل اعتماد کتابوں میں سے کسی بھی کتاب میں یہ روایت موجود نہیں ہے۔" [1]

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب یہ جھوٹی روایت کتاب و سنت کے بھی خلاف ہے کیونکہ کتاب و سنت میں تو یہ حکم ہے کہ عبادت اخلاص کے ساتھ صرف اور صرف اللہ وحدہ ہی کے لیے واجب ہے' اس کی ذات گرامی کے ساتھ شرک کرنا حرام ہے۔ اور اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ مردوں کو پکارنا' ان سے مدد مانگنا اور غم و فکر کے موقعوں پر ان سے

---

[1] مجموع الفتاوی: 356/1

فریاد کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت بڑا شرک ہے جیسا کہ آسانی اور خوش حالی کی حالت میں بھی انہیں پکارنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے۔ پہلے زمانے میں مشرکوں کا حال یہ تھا کہ جب مشکلات میں مبتلا ہوتے تو خالص اللہ کی عبادت کرتے اور جب مشکلات دور ہو جاتیں تو اللہ کے ساتھ شرک شروع کر دیتے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِذَا رَكِبُوا۟ فِى ٱلْفُلْكِ دَعَوُا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ فَلَمَّا نَجَّىٰهُمْ إِلَى ٱلْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴿٦٥﴾ ﴾

(العنکبوت۲۹/ ٦٥)

"پھر جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے (اور) خالص اسی کی عبادت کرتے ہیں لیکن جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو جھٹ شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔"

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں مگر اس دورِ آخر کے مشرک تو غمی اور خوشی کی ہر حالت میں شرک کرتے ہیں بلکہ شدائد و مشکلات کی حالت میں ان کے شرک میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اعتبار سے ان کا کفر پہلے لوگوں کے کفر سے بھی زیادہ اور سخت ہے حالانکہ:

﴿ وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ ﴾ (البینة۹۸/ ٥)

"اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں اور یک سو ہو کر۔"

اور فرمایا:

﴿ فَٱدْعُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ ٱلْكَٰفِرُونَ ﴿١٤﴾ ﴾ (المؤمن۴۰/ ١٤)

"اللہ کی عبادت کرو (یعنی) اس کی عبادت کو (شرک سے) خالص کر کے۔ دیکھو! خالص عبادت اللہ ہی کے لیے (زیبا) ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ ذَٰلِكُمُ ٱللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ ٱلْمُلْكُ ۚ وَٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِۦ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ ﴿١٣﴾ إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا۟ دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا۟ مَا ٱسْتَجَابُوا۟ لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿١٤﴾ ﴾ (فاطر۳۵/ ١٣۔١٤)

"یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے' اسی کی بادشاہی ہے اور جن لوگوں کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی تو (کسی چیز کے) مالک نہیں۔ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اور اگر سن بھی لیں تو تمہاری بات کو قبول نہ کر سکیں اور قیامت کے روز تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے اور (اللہ) باخبر کی طرح' تم کو کوئی خبر نہیں دے گا۔"

یہ آیت عام ہے اور ان سب کو شامل ہے' جن کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جائے خواہ وہ انبیاء ہوں یا اولیاء یا کوئی اور' اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ مشرکوں کا ان کو پکارنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حسب ذیل آیت کریمہ میں اسے کفر بھی قرار دیا ہے:

﴿ وَمَن يَدْعُ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ لَا بُرْهَٰنَ لَهُۥ بِهِۦ فَإِنَّمَا حِسَابُهُۥ عِندَ رَبِّهِۦٓ ۚ إِنَّهُۥ لَا يُفْلِحُ ٱلْكَٰفِرُونَ ﴿١١٧﴾ ﴾ (المؤمنون۲۳/ ١١٧)

"اور جو شخص اللہ کے ساتھ اور معبود کو پکارتا ہے جس کی اس کے ہاں کچھ بھی سند نہیں تو اس کا حساب اللہ ہی کے ہاں ہو گا' کچھ شک نہیں کہ کافر رستگاری نہیں پائیں گے۔"

——— شیخ ابن باز ———

اس حدیث "جس نے کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار دیا وہ کافر ہے" سے کیا مراد ہے؟

سوال ترکی میں کچھ مسلمان بھائیوں کا اس حدیث جس کے معنی یہ ہیں کہ "جس نے کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار دیا تو وہ کافر ہے۔" کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا اس سے مراد کافر ہے یا گناہ گار' سوال یہ ہے کہ حدیث میں وارد لفظ کَفَرَ کے کیا معنی ہیں؟ کیا اس میں اور لفظ "کافر" میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ اس حدیث کے بارے میں کافی و شافی جواب سے مطلع فرمائیں گے۔

جواب اولاً: ہمارے علم کے مطابق یہ حدیث بے اصل ہے۔ قابل اعتبار ائمہ حدیث میں سے کسی نے بھی اسے صحیح یا ضعیف سند کے ساتھ بیان نہیں کیا لہٰذا اس صورت میں اس حدیث کی طرف التفات ہی نہیں کیا جا سکتا۔

ثانیاً: اگر کوئی مسلمان کسی ایسے حکم کی مخالفت کرے' جو کتاب و سنت کی نص صریح سے ثابت ہو' جس میں تاویل یا اجتہاد کی گنجائش نہ ہو یا وہ کسی ایسے اجماع کی مخالفت کرے جو قطعی طور پر ثابت ہو تو اس کے لیے صحیح حکم کو بیان کیا جائے گا۔ اگر قبول کرے تو الحمدللہ اور اگر وہ صحیح حکم بیان کیے جانے اور حجت قائم کیے جانے کے بعد بھی انکار کرے اور حکم الٰہی کے بدل دینے پر اصرار کرے تو اسے کافر قرار دیتے ہوئے اس سے مرتد کا معاملہ کیا جائے گا۔ اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی شخص نماز پنجگانہ یا ان میں سے کسی ایک نماز یا روزہ' یا زکوٰۃ یا حج کا انکار کرے' ان نصوص کتاب و سنت کی تاویل کرے' جن سے ان احکام کی فرضیت ثابت ہے اور اجماع امت کی بھی پروا نہ کرے اور اگر وہ کسی ایسے حکم کی مخالفت کرے جو کسی ایسی دلیل سے ثابت ہو جس کے ثبوت میں اختلاف ہو یا اس میں مختلف معانی اور احکام کی تاویل کی گنجائش ہو تو اس کا یہ اختلاف ایک اجتہادی مسئلہ میں اختلاف ہو گا' جس کی وجہ سے اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ غلطی کرنے والے کو (جبکہ وہ مقلد نہ ہو) معذور سمجھا جائے گا اور اجتہاد کی وجہ سے وہ اجر و ثواب کا مستحق ہو گا اور وہ شخص قابل تعریف ہو گا جس کا اجتہاد صحیح ہو گا نیز اجتہاد کی وجہ سے وہ دوگنا اجر و ثواب کا مستحق ہو گا' ایک اجتہاد کا اجر اور دوسرا اجتہاد کے صحیح ہونے کا اجر۔ اس کی مثال یہ ہے جیسے ایک شخص مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے وجوب کا انکار کرے اور دوسرا اسے واجب قرار دے' یا جیسے کوئی شخص میت کے گھر والوں کے کھانے پکانے اور اس کے لیے لوگوں کے جمع کرنے کے بارے میں اختلاف کرے اور اسے مستحب یا مباح قرار دے یا یہ کہے کہ حرام تو نہیں مگر مکروہ ہے' تو ایسے شخص کو نہ کافر قرار دینا جائز ہے' نہ یہ جائز ہے کہ اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے انکار کر دیا جائے یا اس سے رشتہ جوڑنے سے انکار کر دیا جائے اور نہ ایسے شخص کا ذبیحہ حرام ہے بلکہ واجب یہ ہے کہ اس کی ہمدردی و خیر خواہی کی جائے اور کتاب و سنت کے دلائل کی روشنی میں اس سے اس مسئلہ پر تبادلہ خیال کیا جائے کیونکہ یہ ایک مسلمان بھائی ہے اور اسے مسلمانوں کے حقوق حاصل ہیں۔ اس مسئلہ میں اختلاف' ایک اجتہادی اور فرعی مسئلہ میں اختلاف ہے۔ اس قسم کے اختلاف کی مثالیں تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ سلف کے عہد سے بھی ملتی ہیں مگر انہوں نے اس قسم کے اختلاف کی وجہ سے نہ تو ایک دوسرے کو کافر قرار

دیا اور نہ ایک دوسرے سے تعلقات ہی منقطع کیے تھے۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—————— فتویٰ کمیٹی ——————

یہ حدیث منکر ہے

سوال اس حدیث کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے‘ کیا یہ صحیح ہے یا ضعیف یا موضوع اور اگر یہ ضعیف ہے تو اس کے مطابق عمل کے بارے میں کیا حکم ہو گا؟ حدیث یہ ہے کہ جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''رات یا دن کو بارہ رکعات نماز اس طرح پڑھو کہ ہر دو رکعتوں کے بعد تشہد کرو اور جب نماز کا آخری تشہد پڑھو تو اللہ تعالیٰ کی ثنا بیان کرو‘ نبی ﷺ پر درود پڑھو اور حالت سجدہ میں سورۂ فاتحہ سات بار‘ آیت الکرسی سات بار اور ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ دس بار پڑھو اور پھر یہ دعا پڑھو:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِمَعَاقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ، وَمُنْتَهَى الرَّحْمَةِ مِنْ كِتَابِكَ، وَاسْمِكَ الأَعْظَمِ، وَجَدِّكَ الأَعْلٰى، وَكَلِمَاتِكَ التَّامَّةِ»

''اے اللہ! میں تیرے عرش کے مقامات عزت‘ تیری کتاب کے انتہائے رحمت‘ تیرے اسم اعظم‘ تیرے بلند و بالا مقام اور تیرے مکمل کلمات کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔''

اور پھر اپنی حاجت و ضرورت کے لیے سوال کرو‘ پھر اپنے سر کو سجدہ سے اٹھا لو اور دائیں بائیں سلام پھیرو۔ یہ دعا بیوقوف لوگوں کو نہ سکھاؤ‘ کیونکہ وہ بھی اگر اس طرح دعا کریں تو ان کی دعا بھی قبول ہو جائے گی۔ اس حدیث کو امام حاکم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ جزاکم اللہ خیرا۔

جواب یہ حدیث منکر ہے‘ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے‘ بلکہ نبی ﷺ نے تو یہ فرمایا ہے:

«أَلَا وَإِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا»(صحيح مسلم، الصلاة، باب النهي عن قراءة القرآن في الركوع والسجود، ح:٤٧٩)

''خبردار! آگاہ رہو کہ مجھے رکوع یا سجدہ کی حالت میں قرآن مجید پڑھنے سے منع کر دیا گیا ہے۔''

لہٰذا یہ مناسب نہیں کہ انسان بحالت سجدہ قرآن پڑھے۔ البتہ اگر کوئی قرآنی دعا مثلاً:

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ﴿٨﴾ ﴾ (آل عمران٣/ ٨)

''اے ہمارے رب! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کر دینا اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما‘ تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔''

یا مثلاً:

﴿ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾ ﴾ (البقرة٢/ ٢٠١)

''اے ہمارے رب! ہم کو دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت عطا فرما اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔''

اس طرح کی دعا تو جائز ہے لیکن رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت ممنوع ہے حتیٰ کہ بعض اہل علم نے

تو یہاں تک کہا ہے کہ رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت سے نماز باطل ہو جائے گی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

شیطان کا چلنا حسی ہے یا معنوی؟

سوال رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنِ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ»(مسند أحمد: ٣/١٥٦)

''شیطان ابن آدم میں اس طرح چلتا ہے جس طرح خون چلتا ہے۔'' سوال یہ ہے کہ کیا شیطان کا یہ چلنا ایک حسی امر ہے یا معنوی؟

جواب شیطان کا چلنا تو حسی ہے لیکن ہم اسے دیکھ نہیں سکتے اور نہ اس کی کیفیت ہی کو جانتے ہیں کیونکہ یہ اختلاط کی ایک صورت ہے۔ جن' انسان کے جسم میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کا انسان کے تصرفات پر اثر ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے اختیار کے بغیر کوئی بات یا کوئی کام کرنے لگ جاتا ہے کیونکہ جن نے انسان کو چھو کر اس کے عقل اور ارادہ کو ڈھانپ لیا ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے عجائبات قدرت میں سے ہے کہ اس نے اس مخلوق کو پیدا کر کے یہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ وہ انسان کو چھوتا ہے مگر وہ اس کا شعور نہیں رکھتا اور وہ ان میں خلط ملط ہو جاتا ہے مگر یہ اسے دیکھ نہیں سکتے جب اس پر قرآن مجید پڑھا جائے اور اس سے پناہ چاہی جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسان کے جسم سے نکل جاتا ہے اور انسان حسب سابق تندرست ہو جاتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

نبی ﷺ کے فرمان ((إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَلِي عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ---)) کا مطلب

سوال نبی ﷺ کے اس ارشاد کے کیا معنی ہیں؟

«إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ، وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ»

''اللہ تعالیٰ نے میری خاطر میری امت کی خطا' بھول چوک اور جس پر انہیں مجبور کر دیا گیا ہو' سے درگزر کر رکھا ہے۔''

جواب اس حدیث کو ابن ماجہ نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے طبرانی نے معجم کبیر اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[1] امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور امام بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے مگر امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں ہے' جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کے حوالے سے ''بلوغ المرام'' میں ذکر کیا ہے۔[2] طبرانی نے معجم کبیر میں اسے حضرت ثوبان مولیٰ رسول اللہ ﷺ سے بھی روایت کیا ہے[3] مگر اس کی سند ضعیف ہے جیسا کہ ھیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں لکھا ہے۔[4] اس حدیث میں خطاء کا لفظ عمد (قصد و ارادہ) اور نسیان کا لفظ

---

[1] سنن ابن ماجہ' الطلاق' باب طلاق المکرہ و الناسي' حدیث: 2043- المعجم الکبیر للطبراني' 133/11' 134 حدیث: 11274' المستدرک للحاکم' 198/2

[2] بلوغ المرام' الطلاق' حدیث: 1078

[3] المعجم الکبیر للطبراني' 97/2' حدیث: 1430

[4] مجمع الزوائد' 250/6

ذکرو حفظ کی ضد کے طور پر استعمال ہوا ہے اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو آپ کی امت کے حوالے سے یہ اعزاز عطا فرمایا ہے کہ وہ امت کے اس فرد کا مؤاخذہ نہیں کرے گا جو غلطی سے یا بھول چوک کر کسی گناہ کا ارتکاب کرے یا کسی واجب کو ترک کر دے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ایسا شخص گناہ گار نہیں ہو گا۔

جہاں تک واجبات میں خطا یا نسیان کے استدراک کا تعلق ہے یا اس بات کا تعلق ہے کہ حرام امور کے ارتکاب سے کیا لازم آئے گا تو اس کے لیے ادلہ تفصیلیہ کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ مثلاً قتل خطا کی صورت میں دیت اور کفارہ لازم ہے۔ نماز میں خطا یا نسیان کی صورت میں سجدہ سہو ہے اور اگر نماز ہی کو بھول گیا ہو تو اس صورت میں قضا ہے' اس طرح حرم میں کیے جانے والے شکار کا بدلہ یا کفارہ ہے۔ خطا و نسیان کی بعض صورتوں میں کچھ بھی لازم نہیں ہوتا مثلاً اگر مکلف شخص روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھا پی لے یا بھول کر قسم توڑ دے تو کوئی کفارہ لازم نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کسی شخص کو کسی حرام کام کے ارتکاب پر اس قدر مجبور کر دیا گیا ہو کہ اس کے لیے اس سے خلاصی کی طاقت ہی نہ ہو تو اس صورت میں اسے کوئی گناہ نہیں ہو گا بشرطیکہ اس کا دل ایمان سے سرشار ہو۔ جس گناہ پر اسے مجبور کیا گیا ہو' اس کا وہ منکر ہو اور اسے حلال نہ سمجھتا ہو۔ البتہ اگر اسے کسی شخص کے قتل پر مجبور کیا گیا ہو تو وہ اسے قتل کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہو گا کیونکہ اس نے اپنی جان بچالی اور دوسرے انسان کو قتل کر دیا۔ اگر کسی کو کسی واجب کے ترک پر مجبور کر دیا گیا ہو تو اسے ترک کرنے کی وجہ سے وہ گناہ گار نہیں ہو گا' لیکن اگر ممکن ہو تو ممانعت کے ازالہ کے بعد اس واجب کو ادا کرنا ہو گا۔

———— فتویٰ کمیٹی ————

کیا یہ حدیث ((لَزَوالُ الدُّنْيَا بِأَسْرِهَا--)) صحیح ہے؟

سوال کیا یہ حدیث صحیح ہے:

«لَزَوَالُ الدُّنْيَا بِأَسْرِهَا عِنْدَاللهِ أَهْوَنُ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ»

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساری دنیا کا زوال بھی ایک مرد مسلم کے قتل کے مقابلے میں کم تر ہے؟"

جواب اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور نسائی و ترمذی نے اپنی اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عِنْدَاللهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ»(لم أجده في صحيح مسلم، جامع الترمذي، الديات، باب ماجاء في تشديد قتل المؤمن، ح:١٣٩٥ وسنن النسائي، تحريم الدم، باب تعظيم الدم، ح:٣٩٩٢ واللفظ له)

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کا زوال ایک مرد مسلم کے قتل کے مقابلے میں کم تر ہے۔"

ہم نے اس حدیث کے جتنے بھی طرق دیکھے ہیں' ان میں سے کسی میں بھی بأسرھا (تمام) کا لفظ نہیں ہے۔ ابن ماجہ نے اپنی سنن میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ قَتْلِ مُؤْمِنٍ بِغَيْرِ حَقٍّ»(سنن ابن ماجه، الديات، باب التغليظ

في قتل مسلم ظلما، ح:٢٦١٩)

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کا زوال ایک مرد مومن کے ناحق قتل کے مقابلے میں کم تر ہے۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

بدعات سے کیا مراد ہے؟

سوال حدیث میں جو ((مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ)) کے الفاظ آئے ہیں' ان سے کیا مراد ہے اور ان کے کیا معنی ہیں؟

جواب نبی ﷺ کے ارشاد گرامی:

«إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ»(سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، ح:٤٦٠٧ وجامع الترمذي، ح:٢٦٧٦)

"اپنے آپ کو نئے نئے کاموں سے بچاؤ۔" سے مراد عقائد و عبادات سے متعلق وہ تمام بدعات ہیں' جن کو لوگوں نے از خود دین اسلام میں ایجاد کیا ہے اور کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت سنت میں جن کا کوئی ذکر نہیں ہے مگر لوگوں نے انہیں دین بنالیا ہے اور انہی کے ساتھ یہ اللہ تعالیٰ کی یہ گمان کرتے ہوئے عبادت کرتے ہیں کہ یہ مشروع ہیں' حالانکہ یہ بدعت اور ممنوع ہیں' مثلاً فوت شدہ نیک لوگوں یا غائب لوگوں کو پکارنا' قبروں کو مسجدیں بنانا' قبروں کا طواف کرنا' اہل قبور سے مدد مانگنا اور یہ گمان کرنا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے سفارشی اور وسیلے ہیں کہ انہی کے واسطوں سے ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور مشکلات دور ہوتی ہیں۔ اسی طرح انبیاء و اولیاء کے ایام ولادت کو عید کا درجہ دے کر محفلوں کا اہتمام کرنا اور ایسے امور سرانجام دینا جن کے بارے میں ان کا گمان یہ ہے کہ یہ ولادت کی رات یا دن یا مہینے سے مخصوص ہیں' علی ھذا القیاس اس طرح کی بہت سی بدعات اور خرافات ہیں' جن کو شمار ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور نہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہی سے ثابت ہیں۔ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بدعات کی بعض صورتیں شرک بھی ہیں جبکہ بعض صرف بدعت ہیں اور وہ شرک کے درجہ تک نہیں پہنچتیں' مثلاً قبروں پر عمارتیں اور مسجدیں بنانا بشرطیکہ ان میں غلو کے ایسے کام نہ کیے جائیں جو انہیں شرک کے درجہ تک پہنچا دیں۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

اس حدیث سے عموم مراد ہے

سوال اس نئے ہجری سال کے موقع پر مجھے یہ حدیث یاد آئی:

«مَا مِنْ زَمَانٍ يَأْتِي إِلاَّ وَهُوَ أَسْوَأُ أَوْ شَرٌّ مِمَّا قَبْلَهُ»

"ہر آنے والا زمانہ پہلے سے زیادہ برا ہو گا۔"

جملہ احادیث کا یہی مفہوم ہے' لیکن بسا اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں شرک' بدعات اور جہالت کی گرم بازاری ہوتی ہے مگر پھر اس کے بعد ایک ایسا زمانہ بھی آتا ہے جو اس سے بہتر ہوتا ہے کہ اس میں شرک مٹ جاتا یا کم ہو جاتا ہے۔ بدعات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور علم کا نور پھیل جاتا ہے مثلاً شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت سے پہلے زمانہ اور

پھران کی دعوت کے زمانہ میں یہی صورت حال تھی تو فتویٰ عطا فرمائیں کہ اس حدیث کا کیا مفہوم ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے۔

جواب جب لوگوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس حجاج ثقفی کے مظالم کی شکایت کی تو اس وقت انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی:

«إِنَّهُ لاَ يَأْتِي عَلَيْكُمْ زَمَانٌ إِلاَّ وَالَّذِي بَعْدَهُ أَشَرُّ مِنْهُ حَتَّى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ» (صحيح البخاري، الفتن، باب لا يأتي زمان إلا الذي بعده شر منه، ح:٧٠٦٨)

"تمہارے لیے اب جو زمانہ بھی آئے گا وہ پہلے سے برا ہو گا (اور یہ سلسلہ) تمہاری اپنے رب سے ملاقات تک جاری رہے گا۔"

انسان کو چاہیے کہ وہ اس حدیث کو کسی خاص علاقے یا مخصوص لوگوں کے تناظر میں نہ دیکھے بلکہ اس کی طرف عموم کے اعتبار سے دیکھے کیونکہ اگر کسی علاقے سے شرک اور فتنوں کے ازالہ کے بعد صورت حال میں تبدیلی آ جائے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ساری زمین کی حالت ہی درست ہو گئی ہے' لہٰذا اس نص سے مقصود عموم ہے نہ کہ مخصوص طور پر زمین کا ہر علاقہ اور ہر علاقے میں بسنے والا ہر ہر طبقہ۔ اس حدیث کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے اکثر و بیشتر حالت پر محمول کیا جائے گا اور اگر کسی جگہ شر کے بعد خیر رونما ہو جائے خواہ وہ عام کیوں نہ ہو تو اسے اس حدیث کے عموم کا مخصص قرار دیا جائے گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

صحیح احادیث کا انکار

سوال جو شخص صحیحین میں وارد بعض صحیح احادیث مثلاً حدیث عذاب و نعیم قبر' معراج' سحر' شفاعت اور جہنم سے رہائی کا انکار کرے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے' اسے سلام کیا جا سکتا ہے یا ایسے شخص سے کنارہ کشی اختیار کر لینی چاہیے؟

جواب اَلْحَمْدُ للهِ وَحْدَهُ وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ وَآلِهِ وَبَعْد:

حدیث کی روایت و درایت کا علم رکھنے والے علماء ایسے شخص سے گفتگو کر کے اسے ان احادیث کی صحت اور ان کے معانی و مطالب کے بارے میں بتائیں۔ اس کے باوجود اگر وہ ان احادیث کا انکار کرے یا ان کے معانی میں تحریف کرے تاکہ وہ اپنی خواہش پر عمل کرے اور انہیں اپنی باطل رائے کے مطابق ڈھالے تو ایسا شخص فاسق ہے۔ اس کے شر سے بچنے کے لیے واجب ہے کہ اس سے علیحدگی اختیار کر لی جائے اور اس سے میل جول نہ رکھا جائے الا یہ کہ اس سے میل جول ہمدردی و خیرخواہی اور اس کی راہنمائی کے لیے ہو۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز کا حکم وہی ہے جو ایک فاسق شخص کی اقتداء میں نماز کا حکم ہے' مگر زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے' کیونکہ بعض اہل علم ایسے شخص کو کافر قرار دیتے ہیں۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

تارک نماز کی سزا---ایک جھوٹی روایت

سوال تارک نماز کی سزا کے بارے میں جھوٹی روایت کی بابت آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب

"تارک نماز کی سزا" کے عنوان سے مجھے ایک پمفلٹ کے بارے میں علم ہوا ہے' جس میں یہ لکھا ہے کہ "نبی ﷺ سے روایت ہے کہ جس نے نماز میں سستی کی تو اللہ تعالیٰ اسے پندرہ سزائیں دے گا" پھر ان پندرہ سزاؤں کو ذکر کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے' امید ہے کہ جو شخص بھی اس پمفلٹ کو پڑھے گا وہ اسے لکھ کر دیگر تمام مسلمانوں میں بھی پھیلائے گا۔ پھر لکھا ہے کہ "نیک کام کی ابتداء کرنے والے کے لیے خیر ہے" اس طرح مجھے ایک اور پمفلٹ کے بارے میں بھی علم ہوا ہے جسے قرآن مجید کی تین آیات کے ساتھ شروع کیا گیا ہے' جن میں سے پہلی آیت یہ ہے:

﴿ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُن مِّنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٦٦﴾ ﴾ (الزمر ۳۹/ ۶۶)

"بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ۔"

اور پھر لکھا ہے کہ یہ تین آیات چار دنوں کے بعد خیر و بھلائی لانے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ لہٰذا اس کے پچیس نسخے لکھ کر ان لوگوں کو ارسال کیے جائیں' جن کو اس کی ضرورت ہو اور جو لوگ ایسا نہ کریں گے ان کو مختلف سزاؤں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

یہ دونوں پمفلٹ چونکہ باطل اور منکر امور پر مشتمل ہیں' اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ ان کے بارے میں مطلع کر دوں تاکہ وہ لوگ فریب خوردہ نہ ہوں جو شریعت مطہرہ کے احکام سے ناواقف ہیں' فاقول و باللہ التوفیق۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ طریقہ امور بدعت میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف علم کے بغیر بات منسوب کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں بیان فرمایا ہے کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾ ﴾ (الأعراف ۷/ ۳۳)

"کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو' (خواہ) ظاہر ہوں یا پوشیدہ' حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔"

لہٰذا اس بندے کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے' جو اس منکر طریقے کو اختیار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف کسی ایسی بات کو منسوب کرتا ہے' جو انہوں نے ارشاد ہی نہیں فرمائی۔ سزاؤں کی تحدید اور اعمال کی جزاء کی تعیین کا تعلق تو علم غیب سے ہے اور کوئی شخص بھی اسے جان نہیں سکتا سوائے اس کے کہ رسول اللہ ﷺ نے بطریق وحی اس کی اطلاع دی ہو اور ان کتابچوں میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے' کتاب و سنت میں ان کے بارے میں کچھ بھی وارد نہیں ہے۔

اس کتابچے کے لکھنے والے نے رسول اللہ ﷺ کی طرف تارک نماز کے بارے میں جو یہ بات منسوب کی ہے کہ اسے پندرہ سزائیں دی جاتی ہیں' یہ ایک باطل اور جھوٹی روایت ہے' جیسا کہ حفاظ حدیث' مثلاً علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "میزان"

میں اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "لسان المیزان" میں محمد بن علی بن عباس بغدادی عطار کے حالات میں لکھا ہے کہ اس نے تارک نماز کے بارے میں ایک باطل حدیث ابوبکر بن زیاد نیساپوری کی طرف منسوب کی ہے' جسے اس سے محمد بن علی موازینی شیخ ابی نرسی نے روایت کیا ہے۔ محمد بن علی نے یہ گمان کیا ہے کہ ابن زیاد نے اسے ربیع سے' اس نے امام شافعی سے انہوں نے امام مالک سے انہوں نے سُمَیّ سے انہوں نے ابو صالح سے اور انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کیا ہے:

«مَنْ تَهَاوَنَ بِصَلَاتِهِ عَاقَبَهُ اللهُ بِخَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً ... الحديث»

"جس نے نماز میں سستی کی' اللہ تعالیٰ اسے پندرہ سزائیں دے گا....."

یہ حدیث بالکل باطل اور صوفیہ کی وضع کردہ احادیث میں سے ہے۔ بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی نے اس حدیث کے باطل ہونے کا ایک فتویٰ ۶/۱۰/ ۱۴۰۱ھ کو بھی جاری کیا تھا لہٰذا ایک عاقل شخص کس طرح یہ پسند کر سکتا ہے کہ وہ کسی موضوع حدیث کو رواج دے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ رَوٰى عَنِّي حَدِيثاً وَهُوَ يَرٰى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِيْنِ»(صحيح مسلم، المقدمة، باب وجوب الرواية عن الثقات وترك الكاذبين وسنن ابن ماجه، السنة، باب من حدث عن رسول الله ... الخ، ح: ٤٠ ومسند أحمد: ٤/ ٢٥٠، ٥٨٤، ٥/ ١٤، ٢٠)

"جو شخص مجھ سے کوئی ایسی حدیث بیان کرے جس کے بارے میں وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ جھوٹی ہے تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک ہے۔"

جھوٹی حدیث بیان کرنے کی ضرورت بھی آخر کیا ہے جب کہ نماز کی اہمیت اور اس کے تارک کی سزا کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جو ثابت ہے' وہ کافی اور شافی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ كِتَـٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٠٣)

"بے شک نماز کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ مَا سَلَكَكُمْ فِى سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوا۟ لَمْ نَكُ مِنَ ٱلْمُصَلِّينَ ﴿٤٣﴾ ﴾ (المدثر٧٤/ ٤٢-٤٣)

"تم دوزخ میں کیوں پڑے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جہنمیوں کی ایک نشانی ترک نماز بھی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ﴿٤﴾ ٱلَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ﴿٥﴾ ٱلَّذِينَ هُمْ يُرَآءُونَ ﴿٦﴾ وَيَمْنَعُونَ ٱلْمَاعُونَ ﴿٧﴾ ﴾ (الماعون١٠٧/ ٤-٧)

"تو ایسے نمازیوں کی خرابی ہے' جو نماز سے غافل رہتے ہیں' جو ریا کاری کرتے ہیں اور برتنے کی چیزیں عاریتاً نہیں دیتے۔"

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ»(صحيح البخاري، الايمان، باب دعاؤكم إيمانكم . . . الخ، ح:٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أركان الاسلام ودعائمه العظام، ح:١٦)

''اسلام کی عمارت پانچ باتوں پر استوار کی گئی ہے (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) حج کرنا (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔''

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«اَلْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلاَةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ ومسند أحمد:٥/٣٤٦، ٣٥٥)

''ہمارے اور ان کے مابین جو عہد ہے وہ نماز ہے' جو اسے ترک کر دے وہ کافر ہے۔''

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں جو کہ مشہور و معروف ہیں۔ دوسرا کتابچہ جسے کچھ آیات سے شروع کیا گیا ہے جن میں سے پہلی آیت یہ ہے:

﴿ بَلِ ٱللَّهَ فَٱعْبُدْ وَكُن مِّنَ ٱلشَّٰكِرِينَ ﴿٦٦﴾ ﴾ (الزمر٣٩/ ٦٦)

''بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر گزاروں میں سے ہو جاؤ۔''

اسے لکھنے والے نے ذکر کیا ہے کہ جو اسے تقسیم کرے گا اسے یہ اجر و ثواب حاصل ہو گا اور جو اس کی طرف توجہ نہ کرے گا تو اسے یہ عذاب ہو گا' تو یہ بھی ایک بے حد و حساب باطل اور بہت بڑا جھوٹ ہے۔ اس کا تعلق بھی ان جاہلوں اور بدعتیوں کے اعمال میں سے ہے' جو عامۃ المسلمین کو حکایات' خرافات اور باطل اقوال میں مشغول کر کے اس واضح اور بین حق سے دور کرنا چاہتے ہیں' جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ نے پیش کیا ہے کہ لوگوں کو جو بھی خیر و شر کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور ہر خیر و شر کو صرف اور صرف وہی جانتا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ٱلْغَيْبَ إِلَّا ٱللَّهُ ﴾ (النمل٢٧/ ٦٥)

''کہہ دیجئے! جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں' اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے۔''

رسول اللہ ﷺ سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہے کہ جس نے تین یا اس سے زیادہ آیات لکھیں تو اسے یہ ثواب ملے گا اور جو اسے ترک کرے تو اسے یہ گناہ ملے گا' لہٰذا اس طرح کا دعویٰ کرنا کذب اور بہتان ہے' جسے یہ علم ہو جائے اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان کتابچوں کو لکھے یا تقسیم کرے یا کسی بھی طرح ان کی ترویج و اشاعت میں حصہ لے۔ اگر کوئی شخص پہلے اس طرح کا کام کر چکا ہو تو اسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنی چاہیے' اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کرنا چاہیے اور یہ عزم کرنا چاہیے کہ آئندہ وہ اس طرح قطعاً نہیں کرے گا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی سے یہ دعا ہے کہ وہ ہم سب کو حق کو حق سمجھنے اور اس کی اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور باطل کو باطل سمجھنے اور اس سے اجتناب کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو ظاہری و باطنی فتنوں سے محفوظ رکھے۔ و صلی اللّٰہ وسلم علی عبدہ و رسولہ محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

—— شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز ——

عورتیں مردوں کی مثل ہیں

سوال "اَلنِّسَاءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ" کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ شقائق الرجال کے کیا معنی ہیں؟

جواب ہاں یہ حدیث صحیح ہے [1] اور اس کے معنی یہ ہیں کہ عورتیں مردوں کی ہم مثل ہیں مگر ان امور میں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا ہے مثلاً میراث و شہادت وغیرہ جو دلائل سے ثابت ہیں۔

—— شیخ ابن باز ——

لہسن اور پیاز

سوال ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَكَلَ بَصَلاً أَوْ ثُومًا أَوْ كُرَّاثًا فَلاَ يَقْرُبَنَّ مَسَاجِدَنَا ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ فَإِنَّ الْمَلاَئِكَةَ تَتَأَذَّى مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ بَنُو آدَمَ» (لم أجد بهذا اللفظ وأصله متفق عليه، صحيح البخاري، الأذان، باب ماجاء في الثوم النيء والبصل والكراث وصحيح مسلم، المساجد، نهي من أكل ثوما أو بصلا ... الخ، ح:٥٦٤)

"جو شخص لہسن یا پیاز یا گندنا کھائے تو وہ تین دن تک ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے کیونکہ فرشتے بھی اس چیز سے تکلیف محسوس کرتے ہیں، جس سے انسان تکلیف محسوس کرتے ہیں۔" او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام

کیا اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ جس کے لیے مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنا لازم ہو اس کے لیے ان میں سے کوئی چیز کھانا جائز نہیں ہے؟

جواب یہ اور اس کے ہم معنی دیگر صحیح احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ان چیزوں کو کھا کر مسجد میں آنا اس وقت تک مکروہ ہے، جب تک ان کی ناگوار بو موجود ہو، جس سے قریب کھڑے ہوئے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہو، خواہ یہ بو لہسن کی ہو یا پیاز کی یا گندنا کی یا دیگر ناگوار بو والی اشیاء مثلاً حقہ اور سگریٹ وغیرہ کی۔ جہاں تک تین دن کی تحدید کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں مجھے کوئی اصل معلوم نہیں۔

—— شیخ ابن باز ——

حدیث نماز تسبیح

سوال کیا نماز تسبیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے یا یہ بدعت اور ناجائز ہے؟ کیا اس کے بارے میں احادیث ہیں؟

جواب نماز تسبیح کے بارے میں ایک بہت ہی ضعیف حدیث وارد ہے، جسے معتبر علماء میں سے کسی ایک نے بھی صحیح قرار نہیں دیا۔ ائمہ ثلاثہ کے ہاں بھی یہ نماز معروف نہیں ہے اور نہ انہوں نے اس کے بارے میں کوئی (صحیح حدیث) سنی ہے۔

---

[1] سنن ابی داود، الطهارة، باب فی الرجل یجد البلة فی منامه، حدیث: 236

اس سے معلوم ہوا کہ اس کے بارے میں یہ حدیث ثابت نہیں ہے لہٰذا اس کے مطابق عمل نہیں ہونا چاہیے۔ [1]

——— شیخ ابن جبرین ———

ستاروں کی طرف دیکھنے کی دعا

سوال میں نے ایک حدیث سنی ہے کہ جو شخص ستاروں کی طرف دیکھ کر یہ پڑھے:

﴿ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۹۱)

تو اس کے لیے ستاروں کی تعداد کے مطابق نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں' کیا یہ حدیث ہے یا نہیں؟

جواب میں اس حدیث کو نہیں جانتا اور نہ ستاروں کی طرف دیکھنے کی کسی خاص دعا کو جانتا ہوں' البتہ بندے کو یہ حکم ضرور ہے کہ وہ ستاروں اور اللہ تعالیٰ کی دیگر مخلوقات کے بارے میں غور و فکر کر کے نصیحت حاصل کرے۔ آپ سورۂ آل عمران کی اسی آیت کی تفسیر' ابن کثیر میں پڑھ لیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں بہت سی احادیث اور نصیحت کی عمدہ عمدہ باتیں ذکر فرمائی ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

[1] شیخ ابن جبرین حفظہ اللہ کا یہ فتویٰ محل نظر ہے۔ کیونکہ نماز تسبیح کی فضیلت حسن درجے کی روایت سے ثابت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس کے پڑھنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ نماز تسبیح کی بابت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تین سندوں سے روایت مروی ہے' مگر تینوں سندوں میں سے سب سے اچھی سند عکرمہ والی ہے۔ اس حدیث کو ابوداود نے (حدیث 1297) میں' ابن ماجہ نے (حدیث : 1216) میں' امام بخاری رحمہ اللہ نے جزء القراءۃ (حدیث : 245) میں عکرمہ کی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے متعدد شواہد بھی ہیں' چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے دس صحابہ سے اس کے موصول طرق اور متعدد تابعین سے مرسل طرق ملے ہیں۔

اس کے بعد ان طرق کی طرف اشارہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ یہ کثرت طرق کی بنا پر حسن درجے کی ہے۔ نیز محقق عصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ اور محقق عصر الشیخ زبیر علی زئی نے بھی اسے شواہد کی بنا پر حسن قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اجوبۃ الحافظ عن احادیث المصابیح فی آخر المشکاۃ بتحقیق الالبانی: 3/1780' 1782-

لہٰذا اس حدیث کو شیخ ابن جبرین حفظہ اللہ کے سہو یا عدم علم کی وجہ سے ضعیف قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ شیخ موصوف کے اس فتوے پر عمل ہی کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کے بالکل برعکس اس حدیث پر عمل کرنا مستحب' مسنون اور ماجور عمل ہوگا۔ ان شاء اللہ البتہ یہ ضرور یاد رہے کہ ہمارے ہاں نماز تسبیح کی بابت جو افراط و تفریط لوگوں میں پایا جاتا ہے وہ قطعاً غیر شرعی بلکہ ایک بدعی عمل ہے یعنی اس نماز تسبیح کا باجماعت اہتمام کرنا' اشتہارات اور اعلانات کے ذریعے سے اس کی تشہیر کرنا اور لوگوں کو اس کی ادائیگی کی خصوصی دعوت دینا' پھر نصف شب کے وقت یا اس کے قریب قریب مسجد کی بتیاں وغیرہ بجھا کر باجماعت ''پر تکلف خشوع اور رقت'' اپنے اوپر طاری کرنا اور بلند آواز سے گڑگڑانا' بالخصوص رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی انمول راتیں اور قیمتی دن اس طرح کے خود ساختہ طریقوں میں ضائع کرنا یہ سب کچھ غیر شرعی اور من گھڑت انداز عبادت ہے لہٰذا ان تمام خرافات سے بچتے ہوئے' انفرادی طور پر سال بھر کے تمام شب و روز میں جب بھی اللہ تعالیٰ توفیق دیں اس اہم ترین نفلی اور مستحب عبادت کو بجا لایا جائے اور جس حد تک ممکن ہو اس کو سال بھر جاری رکھا جائے کیونکہ حدیث شریف سے یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

غربت دین اور طائفہ منصورہ

سوال ایک حدیث میں ہے کہ ((بَدَأَ الإِسْلاَمُ غَرِيْبًا)) ''اسلام کا آغاز غربت سے ہوا.....'' اور دوسری حدیث میں ہے کہ ((لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ)) ''میری امت کا ایک گروہ غالب اور حق پر رہے گا؟'' کیا ان دونوں حدیثوں کا مفہوم ایک ہے؟

جواب ان دونوں حدیثوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے' چنانچہ پہلی حدیث امرواقع کے اعتبار سے بالکل ظاہر ہے اور اس کے بعد آگے الفاظ یہ ہیں:

«وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ»(صحيح مسلم، الايمان، باب بيان أن الإسلام بدأ غريبا وسيعود غريبا، ح:١٤٥)

''اسلام پھراسی حالت غربت کی طرف لوٹ آئے گاجس طرح اس کا آغاز ہوا تھا' پس غرباء کیلئے خوشخبری ہے۔''

صحیح مسلم کے علاوہ دیگر کتب میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«يُحْيُونَ مَا أَمَاتَ النَّاسُ مِنْ سُنَّتِي»(لم أجده)

''غرباء سے مراد وہ لوگ ہیں جو میری اس سنت کو زندہ کریں گے جسے لوگوں نے فوت کر دیا ہو گا۔''

ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«اَلَّذِينَ يُصْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ما جاء الاسلام بدأ غريبا وسيعود، ح:٢٦٣٠)

''غرباء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس چیز کی اصلاح کریں گے جسے لوگوں نے خراب کر دیا ہو گا۔''

دوسری حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اصلاح' دعوت اور تعلیم و تعلّم کا سلسلہ باقی رہے گا اور اس میں یہ بھی بشارت ہے کہ ایک گروہ ہمیشہ غالب اور حق پر رہے گا۔ غربت اس گروہ کے منافی نہیں ہے اور نہ ہی اس کے یہ معنی ہیں کہ ان دونوں باتوں کا ایک ہی جگہ سے تعلق ہو یعنی یہ ممکن ہے کہ کسی جگہ اسلام حالت غربت میں ہو اور کسی جگہ اسلام کو غلبہ و سربلندی نصیب ہو اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ غربت کسی شہر میں زیادہ اور کسی میں کم ہو اور پھر غربت کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں' مثلاً بدعات کی کثرت یا نماز یا جماعت کا انکار یا امربالمعروف اور نہی عن المنکر کا فقدان اور ان سب سے بڑھ کر غربت یہ ہے کہ اہل توحید مغلوب ہو جائیں اور شرک کو غلبہ حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شرک سے محفوظ رکھے..... اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی علاقے میں اسلام کو اس قدر غلبہ حاصل ہو کہ صورت حال پہلے سے بھی بہتر ہو جائے یا ایک زمانہ کی نسبت دوسرے زمانہ میں اسلام کی حالت بہتر ہو جائے جیسا کہ امرواقع ہے کہ کئی علاقوں اور زمانوں میں ایسا ہوا۔ ایک اور حدیث میں جو یہ آیا ہے:

«لاَ يَأْتِي عَلَيْكُمْ زَمَانٌ إِلاَّ وَالَّذِي بَعْدَهُ أَشَرُّ مِنْهُ»(صحيح البخاري، الفتن، باب لا يأتي زمان إلا الذي بعده شر منه، ح:٧٠٦٨)

''تم پر آنے والا ہر زمانہ پہلے سے زیادہ برا ہو گا۔''

تو اسے اکثر و بیشتر صورت حال پر محمول کیا جائے گا اور یہ اس سے مانع نہیں ہے کہ بعض زمانے اپنے سے پہلے زمانوں

سے زیادہ اچھے ہوں' مثلاً حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا زمانہ سلیمان اور ولید کے زمانہ سے زیادہ اچھا تھا--- شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد رشید ابن قیم کا زمانہ اپنے سے پہلے دور سے زیادہ اچھا تھا کہ ان کی کوششوں سے سنت کو غلبہ نصیب ہوا اور اہل بدعت کی خوب خوب تردید ہوئی۔ اسی طرح جزیرۃ العرب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت کے بعد جو تبدیلی آئی اس کی وجہ سے یہاں بھی صورت حال پہلے زمانے کی نسبت بہت زیادہ بہتر ہو گئی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا یہ حدیث ((اِعْقِلْهَا وَ تَوَكَّلْ)) "اسے باندھ دو اور پھر توکل کرو" صحیح ہے؟

سوال طلبہ کی ایک جماعت کے سامنے قراءت کرتے ہوئے یہ حدیث گزری کہ "ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں اسے باندھوں یا توکل کروں تو آپ نے فرمایا کہ اپنی اونٹنی کو باندھ دو اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔" تو کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ حدیث تو ثابت ہی نہیں ہے۔ امید ہے آپ راہنمائی فرمائیں گے کیا یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟

جواب

امام ترمذی نے اپنی "سنن" میں بطریق حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اسے باندھوں اور توکل کروں یا کھلا چھوڑ دوں اور توکل کروں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ»(جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث، اعقلها وتوكل، ح:٢٥١٧)

"اسے باندھ دو اور توکل کرو۔"

اسے ذکر کرنے کے بعد امام ترمذی نے امام یحییٰ بن سعید قطان کا یہ قول لکھا ہے کہ میرے نزدیک یہ حدیث منکر ہے۔ پھر امام ترمذی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حدیث بسند انس غریب ہے اور ہم اسے اسی سند ہی سے پہچانتے ہیں۔ نیز اسے عمرو بن امیہ ضمری نے بھی نبی ﷺ سے اس طرح روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے اسے حافظ ہیثمی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "مجمع الزوائد و منبع الفوائد" کی دسویں جلد میں "باب قیدھا و توکل" کے تحت اسی طرح درج کیا ہے کہ عمرو بن امیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا' یا رسول اللہ! میں اپنی سواری کو کھلا چھوڑ دوں اور توکل کروں؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«بَلْ قَيِّدْهَا وَتَوَكَّلْ»(مجمع الزوائد: ١٠/ ٢٩١ والمستدرك على الصحيحين للحاكم: ٣/ ٦٢٣ واللفظ له)

"بلکہ اسے باندھ دو اور توکل کرو۔"

اسے امام طبرانی نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے' ان میں سے ایک میں عمرو بن عبداللہ بن امیہ ضمری ہے اور اسے میں نہیں جانتا' اس کے علاوہ اس کے باقی رجال ثقہ ہیں۔ حافظ ہیثمی نے دسویں جلد میں (باب التوکل' و قیدھا و توکل) میں یہ حدیث بھی ذکر کی ہے کہ عمرو بن امیہ ضمری سے روایت ہے کہ اس نے کہا' یا رسول اللہ! میں اپنی سواری کو کھلا چھوڑ دوں اور توکل کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَلْ قَيِّدْهَا وَتَوَكَّلْ»(مجمع الزوائد: ١٠/ ٢٩١ والمستدرك على الصحيحين للحاكم: ٣/ ٦٢٣ واللفظ له)

"بلکہ نہیں اسے باندھ دو اور توکل کرو۔"

طبرانی نے اسے کئی سندوں سے روایت کیا ہے: ''ان میں سے ایک سند کے رجال صحیح کے رجال ہیں' سوائے یعقوب بن عبداللہ بن عمرو بن امیہ کے اور وہ ثقہ ہیں۔'' علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الجامع الصغیر'' کے حرف ہمزہ میں ترمذی کی روایت کو ذکر کر کے اس پر ضعف کی علامت لگائی ہے۔

خلاصۂ قول یہ ہے کہ اس حدیث میں کلام ہے مگر اس کے معنی صحیح ہیں کیونکہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل کے ساتھ ساتھ اسباب اختیار کرنے کی ترغیب ثابت ہے۔ جو شخص محض اسباب پر اعتماد کرے اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل نہ کرے تو وہ مشرک ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرے مگر اسباب اور وسائل کو اختیار نہ کرے تو وہ جاہل' کوتاہی کرنے والا اور خطا کار ہے جب کہ شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں باتوں کو اختیار کیا جائے۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

اجتہاد اور فتویٰ

سوال کیا اسلامی احکام کے سلسلے میں اجتہاد کا دروازہ ہر انسان کے لیے کھلا ہے یا مجتہد کے لیے کچھ شرائط ضروری ہیں؟ کیا انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ واضح دلیل معلوم کیے بغیر محض اپنی رائے سے فتویٰ دے؟ اس حدیث کی صحت و ضعف کے اعتبار سے کیا حیثیت ہے جس میں یہ ہے کہ ((اَجْرَؤُكُمْ عَلَى الْفُتْيَا اَجْرَؤُكُمْ عَلَى النَّارِ)) ''تم میں سے فتویٰ دینے کے لیے سب سے زیادہ دلیر وہ ہو گا جو جہنم جانے کے لیے زیادہ دلیر ہو؟''

جواب احکام شرعیہ معلوم کرنے کے لیے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ اس شخص کے لیے کھلا رہے گا جو اس کا اہل ہو گا کہ جس مسئلہ میں وہ اجتہاد کرنا چاہتا ہو اس سے متعلق ضروری آیات و احادیث کا اسے علم ہو۔ جن احادیث سے وہ استدلال کر رہا ہو' صحت و ضعف کے اعتبار سے ان کے مقام و مرتبہ سے آگاہ ہو۔ جن مسائل میں وہ تحقیق کر رہا ہو' ان کے بارے میں اسے یہ علم ہو کہ کہاں کہاں اجماع ہے تاکہ کسی مسئلہ میں وہ اجماع امت کی خلاف ورزی نہ کرے۔ عربی زبان سے اسے اس قدر واقفیت حاصل ہو کہ وہ نصوص کو سمجھ سکے تاکہ اس کے لیے استدلال و استنباط ممکن ہو۔ کسی بھی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دین میں کوئی بات اپنی رائے سے کہے یا علم کے بغیر لوگوں کو فتویٰ دے بلکہ اسے چاہیے کہ دلیل شرعی سے راہنمائی حاصل کرے اور پھر اہل علم کے اقوال اور دلائل کے بارے میں ان کے نظریات اور استنباط و استدلال کے سلسلہ میں ان کے طریقہ سے بھی استفادہ کرے اور پھر وہ بات کرے یا فتویٰ دے جس پر اسے اطمینان ہو گیا ہو اور جسے اس نے خود اپنے لیے بطور دین پسند کر لیا ہو۔

فتویٰ سے متعلق اوپر جس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا ہے' اسے عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی نے (سنن الدارمی' المقدمه' باب الفتیا و مافیه من الشدة : 57/1' حدیث : 159) میں عبیداللہ بن ابی جعفر مصری سے مرسل روایت کیا ہے۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

۲۷
التَّوبَة وَاَحکامھا
توبہ اور اس کے احکام
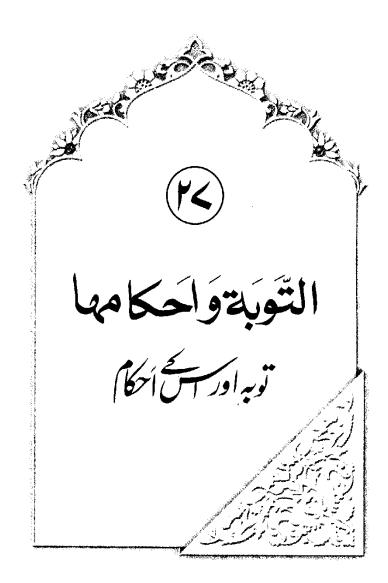
توبہ اور اس کے احکام

توبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت سے اس کی اطاعت کی طرف رجوع کیا جائے۔ توبہ اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلتَّوَّٰبِينَ وَيُحِبُّ ٱلْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٢)

"یقیناً اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

توبہ کرنا ہر مومن کے لیے واجب ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ تُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ﴾ (التحریم٦٦/ ٨)

"اے مومنو! اللہ کے آگے صاف دل سے توبہ کرو۔"

توبہ اسباب فلاح میں سے ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اور اے مومنو! تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

فلاح یہ ہے کہ انسان کو اس کا مطلوب حاصل ہو جائے اور جس بات سے وہ ڈرتا ہے' اس سے نجات پا جائے۔ صدق دل سے جو توبہ کی جائے' اس سے اللہ تعالیٰ گناہ معاف فرما دیتا ہے خواہ وہ کتنے ہی بڑے اور کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ ۞ قُلْ يَٰعِبَادِىَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُواْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُواْ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾ ﴾ (الزمر٣٩/ ٥٣)

"اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں کو کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ بلاشبہ اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) یقیناً وہ تو بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔"

اے گناہ گار بھائی! اپنے رب کی رحمت سے مایوس نہ ہو' توبہ کا دروازہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے تک کھلا ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ، لِيَتُوبَ مُسِيءُ النَّهَارِ، وَيَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِ، لِيَتُوبَ مُسِيءُ اللَّيْلِ، حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا»(صحيح مسلم، التوبة، باب قبول التوبة من الذنوب ... الخ، ح:٢٧٥٩ مسند أحمد: ٤/ ٣٩٥، ٤٠٤)

"بے شک اللہ عزوجل اپنا ہاتھ رات کو پھیلاتا ہے' تاکہ دن کو برائی کرنے والا (رات کو) توبہ کر لے اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کو گناہ کا ارتکاب کرنے والا (دن کو) توبہ کر لے' (یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا) جب تک سورج مغرب سے طلوع ہو گا۔"

کتنے ہی توبہ کرنے والے ہیں' جنھوں نے اپنے بہت زیادہ اور بڑے بڑے گناہوں سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو شرف قبولیت سے نوازا' فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ ﴾ (الفرقان ٢٥/ ٦٨-٧٠)

''اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جاندار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے' اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔ قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔''

توبۃ النصوح وہ ہوتی ہے' جس میں حسب ذیل پانچ شرطیں موجود ہوں:

1. اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص' یعنی توبہ سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا' حصول ثواب اور اس کے عذاب سے نجات حاصل کرنا ہو۔
2. گناہ کے ارتکاب پر اظہار ندامت کیا جائے کہ انسان اس پر غمگین ہو اور وہ یہ خواہش کرے کہ اے کاش! اس نے گناہ کا ارتکاب ہی نہ کیا ہوتا۔
3. گناہ کے اس کام سے فوراً رک جائے' جب کہ اس کا تعلق کسی حرام فعل سے ہو اور اگر اس کا تعلق کسی ترک واجب سے ہو تو اسے فوراً سرانجام دینا شروع کر دے۔ اگر اس کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو اسے فوراً ادا کرے (بایں طور کہ) یا تو حق متعلقہ شخص کو فوراً لوٹا دے یا اس سے معاف کروا لے۔
4. یہ پختہ عزم کرے کہ وہ آئندہ اس معصیت کا ارتکاب نہیں کرے گا۔
5. توبہ موت کے آنے سے یا سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے یعنی مہلت ختم ہونے سے پہلے ہو' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ ﴾ (النساء٤/ ١٨)

''اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو (ساری عمر) برے کام کرتے رہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آ موجود ہو تو اس وقت کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔''

اور نبی اکرم ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

«مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا، تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب استحباب الاستغفار والاستكثار منه، ح: ٢٧٠٣)

”جو شخص سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے پہلے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ کو شرف قبولیت سے نواز دے گا۔“

اے اللہ! تو ہمیں توبۃ النصوح کی توفیق عطا فرما اور اسے شرف قبولیت سے سرفراز فرما' بے شک تو سننے اور جاننے والا ہے۔

——— محمد صالح العثیمین ———

حرام سے نجات حاصل کرنے کی کیفیت

سوال ایک شخص فوٹوگرافی کی دکان میں شریک تھا مگر اب اس نے توبہ کر لی ہے' سوال یہ ہے کہ اس کام سے اب وہ اپنی شراکت کو کس طرح ختم کرے تاکہ اسے خسارہ بھی نہ ہو نیز اس دوکان سے حاصل ہونے والی کمائی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب شراکت کو حساب کتاب کر کے ختم کر لے یا اس قیمت پر صلح کرے جس پر فریقین راضی ہو جائیں۔ اس دوکان سے حاصل ہونے والی کمائی مباح ہو گی بشرطیکہ وہ جاندار چیزوں کی تصویروں کی کمائی نہ ہو۔ جاندار چیزوں کی تصویروں کی جو کمائی ہو اس کا خوب غور و فکر کر کے اندازہ لگا لے کہ وہ کل کمائی کا ایک چوتھائی یا ایک تہائی یا اس سے کم و بیش ہے تو اسے نیکی کے کاموں میں صدقہ کر دے تاکہ وہ خود اس حرام کمائی سے بری الذمہ ہو کر اس سے دور ہو جائے۔

——— شیخ ابن باز ———

توبہ سابقہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے

سوال میں ایک نوجوان ہوں۔ ماضی میں میں دین اور نماز کی پابندی نہیں کرتا تھا حتیٰ کہ کئی ایام بلکہ کئی ہفتے گزر جاتے اور میں نماز نہیں پڑھتا تھا' مگر اب اللہ تعالیٰ نے ایک دوست کے ہاتھ پر مجھے ہدایت فرما دی ہے۔ اب میں نماز باقاعدگی سے ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا کرتا ہوں تو ماضی میں نماز کے بارے میں جو کوتاہی ہوئی اس کا کیا حکم ہے؟

جواب آپ کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو انعام فرمایا ہے' اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور توبہ کا جو احسان فرمایا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں۔ سابقہ نمازوں کی کوئی قضاء وغیرہ لازم نہیں ہے کیونکہ توبہ سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے' لہٰذا سچی پکی توبہ کریں' توبہ پر قائم رہیں اور استقامت کا مظاہرہ کریں' اللہ تعالیٰ سے توفیق اور ہدایت کی دعا مانگتے رہیں' نیک اعمال کثرت سے کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان شاء اللہ خیر و بھلائی سے نوازے گا۔ ماضی میں جو کوتاہی ہوئی وہ سچی پکی اور خالص توبہ سے مٹ جائے گی بشرطیکہ ماضی میں جو کوتاہی ہوئی اس پر ندامت کا اظہار کریں' گناہوں سے رک جائیں اور عزم صادق کریں کہ آئندہ ان گناہوں کا ارتکاب نہیں کریں گے۔ بہرحال اس وقت آپ پر یہی واجب ہے۔ والحمد للہ۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کبیرہ گناہوں سے توبہ

ایک انسان نے اپنے دور جوانی میں بعض ایسے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا' جو اللہ تعالیٰ کی لعنت کے مستحق ہیں مگر

اب اس نے توبہ کر لی ہے اور اب وہ درج ذیل امور کے بارے میں استفسار کرنا چاہتا ہے:

1. وہ گناہ کے جرم سے ڈرتا ہے کہ کہیں اس میں کچھ وقت کے بعد دوبارہ مبتلا نہ ہو جائے؟
2. وہ ڈرتا ہے کہ جرم' گناہ دوبارہ اس کی توبہ و ثبات پر اثر انداز نہ ہو؟
3. کیا ان افعال کا بھی محاسبہ ہو گا جن سے وہ توبہ کر چکا ہے؟
4. کیا لعنت گناہ کے وقوع پذیر ہونے کے وقت واقع ہوتی ہے؟
5. جب اس نے ان گناہوں کا ارتکاب کیا تو اس وقت اسے ان کی سزا کا علم نہ تھا' تو کیا ان گناہوں کی سنگینی سے ناواقفیت کی وجہ سے یہ شخص قابل معافی ہو گیا' اس نے یہ گناہ بھی خفیہ طور پر کیے ہیں؟

جواب سائل اور دوسرے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص بھی کسی گناہ سے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے خواہ گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يَـٰعِبَادِىَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾ ﴾ (الزمر ۳۹/ ۵۳)

''اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں کو کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ بلاشبہ اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) یقیناً وہ تو بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔'' یہ خوش خبری توبہ کرنے والوں کے لیے ہے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَـٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ ٱلنَّفْسَ ٱلَّتِى حَرَّمَ ٱللَّهُ إِلَّا بِٱلْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَـٰعَفْ لَهُ ٱلْعَذَابُ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِۦ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَـٰلِحًا فَأُو۟لَـٰٓئِكَ يُبَدِّلُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِهِمْ حَسَنَـٰتٍ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ ﴾ (الفرقان ۲۵/ ۶۸-۷۰)

''اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان دار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔ قیامت کے دن اس کو دونا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا' مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔''

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ توبہ سابقہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے [1] اور ہم سے پہلے گزرے ہوئے اس آدمی کا قصہ ہے' جس نے ننانوے آدمیوں کا قتل کرنے کے بعد ایک عابد سے پوچھا' کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ نہیں' تمہاری توبہ قبول نہیں ہو سکتی تو اس نے اسے بھی قتل کر دیا اور اس طرح اس نے ایک سو کی تعداد کو پورا کر لیا' پھر اس نے ایک عالم سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ ہاں توبہ کرنے سے کوئی امر مانع نہیں ہے۔ نیز انہوں نے ایک

[1] صحیح مسلم' الایمان' باب کون الاسلام یهدم ماکان قبله' حدیث: 121 بلفظ آخر

ایسی بستی کی نشان دہی کی جس میں نیک لوگ بستے تھے اور حکم دیا کہ ہجرت کر کے وہاں چلے جاؤ' وہ ابھی راستہ ہی میں تھا کہ پیغام موت آ گیا تو اس کے بارے میں رحمت اور عذاب کے فرشتوں نے آپس میں جھگڑنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان میں فیصلہ کرنے کے لیے ایک فرشتے کو بھیج دیا اور اس نے کہا کہ دونوں بستیوں کے درمیان کے فاصلہ کی پیمائش کر لو' جس بستی کا فاصلہ زیادہ قریب ہو' اسے اسی میں سے شمار کر لو' فاصلہ کی جب پیمائش کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ نیک بستی کے زیادہ قریب ہے لہٰذا اس کی روح کو رحمت کے فرشتے لے گئے۔ [1] سائل نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ اس نے کئی ایسے گناہ کیے ہیں جو مستوجب لعنت ہیں مگر اب اس نے ان گناہوں سے توبہ کر لی ہے' تو میں اسے خوش خبری سناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سچی پکی (خالص) توبہ کو ضرور قبول فرمالے گا' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا ٱلتَّوْبَةُ عَلَى ٱللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ ٱلسُّوٓءَ بِجَهَـٰلَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ يَتُوبُ ٱللَّهُ عَلَيْهِمْ ﴾ (النساء٤/ ١٧)

"اللہ انہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے' جو نادانی سے بری حرکت کر بیٹھتے ہیں پھر جلدی توبہ کر لیتے ہیں' پس ایسے لوگوں پر اللہ مہربانی کرتا ہے۔"

"پھر جلدی توبہ کر لیتے ہیں" سے مراد یہ ہے کہ وہ موت سے پہلے پہلے توبہ کر لیتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد یہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَيْسَتِ ٱلتَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ حَتَّىٰٓ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ ٱلْمَوْتُ قَالَ إِنِّى تُبْتُ ٱلْـَٔـٰنَ ﴾ (النساء٤/ ١٨)

"اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو (ساری عمر) برے کام کرتے رہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آ موجود ہو تو اس وقت کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔"

سائل کو چاہیے کہ اپنی توبہ کو برقرار رکھے' ثابت قدم رہے' تاکہ شیطان اس کے دل میں یہ وسوسہ نہ ڈالے کہ اس کی توبہ مقبول نہیں یا یہ کہ اس سے اس گناہ کا بھی حساب لیا جائے گا جس سے یہ توبہ کر چکا ہے۔ البتہ اگر توبہ کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو پھر اس کے لیے یہ واجب ہے کہ متعلقہ لوگوں کے حقوق ادا کر دے یا ان سے معاف کرا لے اور اگر وہ حق داروں کو یا فوت ہو جانے کی صورت میں ان کے وارثوں کو نہ جانتا ہو تو ان کی طرف سے صدقہ کر دے تاکہ ان حقوق سے بھی وہ بریٔ الذمہ ہو جائے مثلاً اگر گناہ کی صورت یہ ہو کہ اس نے کسی کا مال لیا ہو اور پھر اس سے توبہ کر لی ہو تو اس کے لیے واجب یہ ہے کہ یہ مال اس کے مالک کو واپس لوٹا دے اور اگر وہ زندہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو دے دے اور اگر وہ اسے جانتا نہ ہو یا اسے بھول گیا ہو تو اس کی طرف سے نیت کرتے ہوئے اس مال کو صدقہ کر دے۔ نیت کرتے ہوئے یہ کہے کہ یہ اس کی طرف سے صدقہ ہے' جس سے اس نے مال لیا تھا اور اگر چاہے تو یہ کہے کہ یہ اس کی طرف سے صدقہ ہے' جس کا یہ مال ہے کیونکہ اگر وہ فوت ہو چکا ہو تو پھر یہ مال اس کے وارثوں کی طرف سے صدقہ ہو جائے گا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو تو علم ہے کہ یہ کس کا مال ہے لہٰذا وہ اس کے مستحق تک اس کا ثواب پہنچا دے گا۔

---

[1] صحیح البخاری' احادیث الانبیاء' رقم الباب : 54' حدیث : 3470 و صحیح مسلم التوبة' باب قبول توبة القاتل' و ان کثر قتله' حدیث : 2766

سائل نے جو ذکر کیا ہے کہ وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ گناہ اس کی توبہ پر اثر انداز ہوں گے تو اسے اس بات سے قطعاً نہیں ڈرنا چاہیے' کیونکہ توبہ کرنے سے سابقہ گناہ اس طرح مٹ جاتے ہیں کہ ان کا مطلقاً کوئی اثر باقی نہیں رہتا اور بسا اوقات توبہ کرنے کے بعد انسان توبہ سے پہلے کی زندگی سے بہت بہتر ہو جاتا ہے کیونکہ توبہ سے اسے انابت الی اللہ اور خوف الٰہی کی توفیق ملتی ہے اور ایسے قلبی احوال اور بدنی اعمال کی توفیق ملتی ہے' جن سے اس کا مقام و مرتبہ پہلے کی نسبت بہت بلند ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَعَصَىٰٓ ءَادَمُ رَبَّهُۥ فَغَوَىٰ ﴿١٢١﴾ ثُمَّ ٱجْتَبَٰهُ رَبُّهُۥ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ ﴿١٢٢﴾ ﴾ (طٰہٰ ۲۰/ ۱۲۱-۱۲۲)

"اور آدم نے اپنے رب (کے حکم) کی نافرمانی کی تو (وہ اپنے مطلوب سے) بے راہ ہو گئے' پھر ان کے رب نے ان کو نوازا تو ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتائی۔"

سائل نے جو یہ پوچھا ہے کہ لعنت معصیت کے وقوع کے وقت واقع ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لعنت کبھی تو معصیت کے وقوع کے وقت ہی لاحق ہوتی ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے ارادہ و حکمت کے مطابق مؤخر بھی ہو سکتی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق عطا فرما دے تو پھر لعنت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ لعنت کے معنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کے ہیں اور جو شخص توبہ کر لے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہے۔

سائل نے جو یہ پوچھا ہے کہ اسے ان جرائم کی سزا کا علم نہیں تھا تو سزا کے علم نہ ہونے سے سزا ختم نہیں ہوتی خواہ وہ دنیوی ہو یا اخروی' بشرطیکہ اسے یہ علم ہو کہ یہ کام کرنا حرام تھا۔ اگر انسان اپنے دل میں یہ کہے کہ اگر اسے یہ علم ہوتا کہ اس گناہ کی یہ سزا ہے تو وہ اس کا ارتکاب نہ کرتا تو یہ کوئی عذر نہیں ہے کیونکہ اس نے اس علم کے باوجود کہ یہ کام حرام ہے' ایک حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص زنا کرے اور اسے زنا کی حرمت کا علم ہو (اور ہر عاقل مسلمان یہ جانتا ہے کہ زنا حرام ہے) مگر اسے اس کی سزا کا علم نہ ہو مثلاً یہ کہ وہ شادی شدہ ہو اور زنا کر لے اور اسے یہ علم نہ ہو کہ شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے تو پھر بھی اسے رجم کر دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص رمضان کے مہینے میں دن کے وقت روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے مباشرت کر لے اور کہے کہ اس حالت میں مباشرت کے کفارے کا اسے علم نہیں تھا حالانکہ اس کا کفارہ مغلظ ہے اور وہ ہے ایک غلام کو آزاد کرنا' غلام موجود نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا اور اگر روزے رکھنے کی بھی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا تو کفارے کے بارے میں ناواقفیت سے اس کا وجوب ختم نہیں ہوتا۔ کفارہ ہر صورت میں واجب ہو گا خواہ اسے علم ہو یا نہ ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے جب نبی اکرم ﷺ سے یہ پوچھا کہ اس نے لاعلمی سے رمضان میں دن کے وقت اپنی بیوی سے مباشرت کر لی ہے تو اس پر کیا واجب ہے؟ تو نبی ﷺ نے اسے یہ فتویٰ دیا کہ اس کے ذمے ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اگر غلام نہ ملے تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے جائیں اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیا جائے۔ [1] بہر حال جرم کی سزا کے علم نہ ہونے سے سزا ختم نہیں ہوتی' جب کہ یہ علم ہو کہ یہ کام حرام ہے۔

شیخ ابن عثیمین

[1] صحیح البخاری' الصوم' باب اذا جامع فی رمضان ولم یکن له شیئ فتصدق علیه فلیکفر' حدیث : 1936 و صحیح مسلم' الصیام' باب تغلیظ تحریم الجماع--- الخ' حدیث : 1111

خالص نیت کے ساتھ استغفار

سوال کیا یہ بات صحیح ہے کہ ہر وہ شخص جو "اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ" کہے' تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں؟

جواب جب کوئی انسان خالص نیت کے ساتھ "اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ" کہے' طلب مغفرت میں صادق ہو اور توبہ کی شرطوں کو پورا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے گا بلکہ اس کے اس عمل کو پسند بھی کرے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلتَّوَّٰبِينَ وَيُحِبُّ ٱلْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۲۲)

"کچھ شک نہیں کہ اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس طرح خوش ہوتا ہے' جس طرح اس انسان کو خوشی ہوتی ہے' جسے اپنی وہ گم شدہ اونٹنی مل گئی ہو جس پر اس کا کھانے پینے کا سامان بھی تھا' اس نے گمشدگی کے بعد اسے بہت تلاش کیا مگر وہ نہ ملی لہٰذا وہ زندگی سے مایوس ہو کر موت کے انتظار میں ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا مگر جب آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی اونٹنی کی مہار درخت کے ساتھ بندھی ہوئی ہے وہ اپنی اونٹنی کی مہار کو پکڑ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ "اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں" خوشی کی شدت کی وجہ سے اس سے یہ غلطی ہوئی۔ [1] اس طرح کی خوشی کا صحیح اندازہ صرف اسے ہی ہو سکتا ہے جو کبھی اس طرح کی مصیبت میں گرفتار ہوا ہو۔

اللہ تعالیٰ اس بات کو بے حد پسند فرماتا ہے کہ اس کا بندہ اس کے حضور توبہ و استغفار کرے۔ اس نے اپنی کتاب کی کئی آیات میں استغفار کا حکم دیا ہے۔ استغفار کے معنی ہیں مغفرت اور بخشش طلب کرنا۔ مغفرت کے معنی ہیں گناہوں پر پردہ ڈال دینا اور ان سے درگزر کرنا کیونکہ یہ لفظ "مِغْفَر" سے ماخوذ ہے اور "مِغْفَر" اس خَوْد کو کہتے ہیں جس سے انسان اپنے سر کو ڈھانپ لیتا ہے تاکہ جنگ میں اپنے سر کو تیروں سے محفوظ رکھ سکے' اس سے سر کو چھپایا بھی جاتا ہے اور تیروں سے بچایا بھی جاتا ہے' اسی طرح مغفرت سے بھی گناہوں کو چھپایا جاتا اور ان کی سزاؤں سے اپنے آپ کو بچایا جاتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

توبہ اور نیک لوگوں کی صحبت

سوال میں اکیس برس کا ایک نوجوان ہوں۔ چار سال پہلے کچھ دین دار نوجوانوں سے میرا تعارف ہوا تو ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی ہدایت عطا فرما دی' والحمد للہ! تقریباً ڈیڑھ سال تک میرا ان سے بھائی چارہ رہا اور اس دوران میں اسلامی اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہو گیا۔ لیکن اس دوران میں مجھے اہل خانہ اور رشتہ داروں کی طرف سے مذاق اور طعن و تشنیع کا نشانہ بننا پڑا' تاہم میں نے ان سب باتوں کو برداشت کر لیا مگر کچھ عرصہ بعد میں نے ان صالح نوجوانوں کو چھوڑ دیا اور اپنی سابقہ حالت کی طرف پلٹ آیا۔ حقوق اللہ کے ادا کرنے میں سستی شروع کر دی اور برے کام کرنے بھی شروع کر دیے لیکن ان کبائر کے ارتکاب کرنے اور ان دینی بھائیوں سے تعلقات منقطع کرنے کی وجہ سے مجھے بے حد حسرت و ندامت

---

[1] صحيح البخاري' الدعوات' باب التوبة' حديث : 5309' و صحيح مسلم' التوبة' باب في الحض على التوبة والفرح بها' حديث : 2747 واللفظ له

ہے لہٰذا براہ کرم راہنمائی فرمائیں کہ میں ان حالات سے نکلنے کے لیے کیا راستہ اختیار کروں نیز کچھ کتابوں کی بھی راہنمائی فرمائیں' جن کا مطالعہ میرے لیے مفید ثابت ہو سکے؟

جواب آپ کے لیے واجب ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور میں توبہ کریں اور توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ سابقہ گناہوں پر ندامت کا اظہار کریں' ان کو ترک کر دیں' ان سے اجتناب کریں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے خوف اور اس کے ثواب کے حصول کے شوق میں یہ عزم صمیم کریں کہ آئندہ ان گناہوں کا ارتکاب نہیں کریں گے۔

کثرت کے ساتھ استغفار اور اعمال صالحہ بجا لائیں' اللہ تعالیٰ نے آپ پر جن کاموں کو واجب ٹھہرایا ہے' انہیں بجا لائیں اور جنہیں حرام قرار دیا ہے' انہیں ترک کر دیں' توبہ کی تکمیل کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اگر کسی کی کوئی چیز غصب کی ہے تو اسے واپس لوٹائیں اور اگر کسی کا کوئی حق آپ پر لازم ہے تو اسے ادا کریں۔ توبہ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور۲۴/ ۳۱)

"اور اے مومنو! تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

نیز فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ تُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ ﴾ (التحريم۶۶/ ۸)

"مومنو! اللہ کی بارگاہ میں صاف دل سے توبہ کرو' امید ہے کہ وہ تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا اور تم کو باغ ہائے بہشت میں' جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' داخل کر دے گا۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لاَ يَكُونَ دِينَارٌ وَلاَ دِرْهَمٌ، إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ»(صحيح البخاري، المظالم، باب من كانت له مظلمة عند الرجل فحللها له هل يبين مظلمته؟ ح: ۲۴۴۹)

"اگر کسی نے اپنے بھائی کی عزت یا کوئی اور چیز ظلم سے چھینی ہے' تو وہ اس سے آج معاف کروا لے' قبل اس کے جب اس کے پاس کوئی دینار یا درہم نہ ہو گا۔ اگر اس کے پاس عمل صالح ہوا تو وہ اس کے ظلم کے برابر اس سے لے کر مظلوم کو دے دیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کے گناہ اس پر لاد دیے جائیں گے۔"

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں۔ ہم آپ کو یہ وصیت کرتے ہیں کہ نیک لوگوں کی صحبت کو اختیار کرو اور برے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرو۔ قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرو' خوب غور و فکر اور تدبر کے ساتھ تلاوت کرو اور اس کے مطابق عمل کرو' سب سے اشرف' سب سے عظیم اور سب سے زیادہ سچی اللہ کی کتاب ہے کہ اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے اور دانا اور خوبیوں والے اللہ کی اتاری ہوئی ہے' دلوں اور

معاشروں کی بیماریوں کے علاج کے لیے یہ سب سے نافع اور اکمل کتاب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانَ يَهْدِى لِلَّتِى هِىَ أَقْوَمُ ﴾ (الأسراء۱۷/ ۹)

"یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔"

اور فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى ٱلصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ ﴾

(یونس۱۰/ ۵۷)

"اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفاء اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ مُبَٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓا۟ ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿٢٩﴾ ﴾ (ص۳۸/ ۲۹)

''(یہ) کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے' بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔''

میں آپ کو یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ اہل سنت کی کتابوں کا مطالعہ کریں مثلاً شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''التوحید'' شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ''عقیدہ واسطیہ'' علامہ ابن قیم کی ''إغاثة اللهفان'' امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی ''الاربعین'' اور حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس کا تتمہ' شیخ عبدالغنی بن عبدالواحد مقدسی کی ''عمدۃ الاحکام'' اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی ''بلوغ المرام'' کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ متوسط' ثانوی اور یونیورسٹی کے طلبہ کے لیے یہ کتابیں بہت زیادہ مفید ہیں۔ پھر اس کے بعد کتب ستہ خاص طور پر ''صحیحین'' کا مطالعہ کیا جائے اور عقیدہ' حدیث اور فقہ سے متعلق اہل سنت کی دیگر کتابوں کو بھی پڑھا جائے۔

اللہ آپ کو حق پر ثابت قدم رکھے' علم نافع اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے۔ انه خير مسئول.

——— شیخ ابن باز ———

توبہ کی عدم قبولیت کا ڈر

سوال ایک شخص نے گناہ کا ارتکاب کیا مگر پھر توبہ کر لی مگر وہ دل میں محسوس کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں کرے گا' ایسے شخص کے لیے آپ کی کیا نصیحت ہے؟

جواب یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف بہت شدید اور اس کی حرمات کی بہت تعظیم ہے' ان شاء اللہ آپ خیر و بھلائی پر ہیں۔ اس خوف سے دور ہو جائیں' جو بلاوجہ ہے تاکہ شیطان آپ کو تعجب اور مشقت میں ڈال کر آپ کی زندگی کو تنگ نہ کر دے۔ خوب جان لیجئے! شیطان آپ کا دشمن ہے' اس نے جب یہ دیکھا کہ آپ کو نیکی سے محبت ہے' اللہ تعالیٰ کے لیے آپ کے دل میں غیرت ہے اور نیکیوں کی طرف آپ سبقت کرتے ہیں' تو اس نے ارادہ کیا کہ آپ کو تعجب اور مشقت میں ڈال دے لہٰذا اس کی بات نہ مانیں اور اس نے جو ارادہ کیا ہے اس سے اپنے آپ کو دور رکھیں اور اپنے

رب تعالیٰ پر مطمئن ہو جائیں اور خوب جان لیں کہ توبہ کافی ہے' گناہ خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو' اللہ تعالیٰ کا توبہ کو قبول کرنا' ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔شرک سے بڑا تو کوئی گناہ نہیں' مگر جب مشرک توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو بھی قبول کر کے اسے معاف فرما دیتا ہے۔آپ نے جو گناہ کیا اس سے توبہ کریں۔توبہ سے ہر گناہ مٹ جاتا ہے۔توبہ کے بعد کسی وسوسہ میں مبتلا نہ ہوں اور اس خوف کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے دشمن کی اطاعت نہ کریں اور جان لیں کہ آپ نے تو الحمد للہ! سچی اور خالص توبہ کر کے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾ ﴾ (طٰہٰ ۲۰/ ۸۲)

"اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے پھر سیدھے راستے پر چلے بلاشبہ اس کو میں بخش دینے والا ہوں۔"

اس مفہوم کی ایک بہت عظیم آیت ہے اور وہ یہ کہ بندہ جب توبہ کر لے اور توبہ کے بعد ایمان اور عمل صالح کا مظاہرہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو نیکی سے بدل دیتا ہے یعنی اس کی ہر برائی کو نیکی بنا دیتا ہے جیسا کہ سورۃ الفرقان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ ٱلنَّفْسَ ٱلَّتِي حَرَّمَ ٱللَّهُ إِلَّا بِٱلْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَٰعَفْ لَهُ ٱلْعَذَابُ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِۦ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَٰلِحًا فَأُو۟لَٰٓئِكَ يُبَدِّلُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِهِمْ حَسَنَٰتٍ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ ﴾ (الفرقان ۲۵/ ۶۸-۷۰)

"اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان دار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔ قیامت کے دن اس کو دگنا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تو بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی سچی توبہ' ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے ان کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس گناہ کو یاد کرنے کی وجہ سے جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا' اس سے توبہ کرنے اور پھر اس کے بعد اعمال صالحہ' ایمان' تصدیق اور اللہ تعالیٰ کے ثواب کے حصول کے شوق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ کے گناہ کو نیکی سے بدل دے گا۔ اسی طرح وہ تمام گناہ جن سے بندہ توبہ کر لیتا ہے اور پھر ایمان اور عمل صالح کا مظاہرہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے انہیں نیکیوں میں تبدیل فرما دیتا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

توبہ کریں

سوال میں نے مسلسل تین دن کی نمازیں ترک کر دیں اور پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا فرما دی اور میں

نے نماز شروع کر دی اور کوئی نماز نہ چھوڑی۔ البتہ مذکورہ تین دنوں کی نمازیں ضرور میرے ذمہ ہیں تو کیا میں ان کی قضاء دوں یا عمداً ترک نماز کی قضاء نہیں ہے، راہنمائی فرمائیں؟

جواب آپ پر قضاء لازم نہیں ہے۔ البتہ یہ لازم ہے کہ سچی توبہ کریں، نماز کا اہتمام کریں، سنتوں کی حفاظت کریں اور کثرت کے ساتھ نفل نمازیں ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بدکاری کا کفارہ

سوال ایک شخص نماز پڑھتا اور نیک کام کرتا ہے مگر وہ بدکاری میں بھی مبتلا ہو گیا اور پھر اسے ندامت ہوئی اور اس نے توبہ کر لی، تو کیا اس بدکاری کی وجہ سے اس پر کوئی کفارہ بھی لازم ہے تاکہ اس کا ضمیر اس ندامت سے چھٹکارا حاصل کر سکے؟

جواب اس پر کوئی کفارہ لازم نہیں ہے، سچی توبہ کرنے سے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾﴾ (الفرقان ۲۵/ ۶۸۔۷۰)

"اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان دار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔ قیامت کے دن اس کو دگنا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تو بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔"

الحمد للہ! توبہ سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق پر ثابت قدم رکھے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مسروقہ مال صدقہ کر دو

سوال میں لوگوں کے ان حقوق کو واپس لوٹانے کی استطاعت نہیں رکھتا، جن کو میں نے اپنے زمانۂ جاہلیت میں سلب کیا تھا کیونکہ میں ان لوگوں کو جانتا ہی نہیں مگر توبہ کی شرطوں میں سے یہ بھی ہے کہ حق داروں کے حقوق کو ادا کیا جائے، تو مجھے اب کیا کرنا چاہیئے؟

جواب اگر آپ کو ان لوگوں کا علم نہیں ہے، جن کے مال کو آپ نے سرقہ وغیرہ کے ذریعے اخذ کیا تھا اور نہ آپ ان کے وارثوں میں سے کسی کو جانتے ہیں، تو عہدہ برآ ہونے کے لیے اس مال کو ان کی طرف سے نیت کر کے صدقہ کر دیں کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ یہ مال کس کا ہے، وہ انہیں ضرور اجر و ثواب عطا فرما دے گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

توبہ کرنے کا طریقہ

سوال میں انیس برس کا ایک نوجوان ہوں' میں نے بہت سے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے حتیٰ کہ میں اکثر مسجد میں باجماعت نماز بھی ادا نہیں کرتا' زندگی بھر کبھی رمضان کے سارے روزے نہیں رکھے' اس طرح میں نے اور بھی بہت سے برے اعمال کیے۔ میں نے اکثر توبہ کرنے کا ارادہ بھی کیا لیکن پھر بھی گناہوں کی زندگی ہی بسر کرتا رہا۔ اپنے محلہ کے کئی ایسے نوجوانوں سے میری دوستی ہے' جن کا اخلاق و کردار درست نہیں ہے' اس طرح میرے بھائیوں کے دوست جو ہمارے گھر میں آتے رہتے ہیں' وہ بھی نیک اطوار نہیں ہیں' اس ماحول کی وجہ سے اللہ جانتا ہے کہ میں نے کتنے ہی گناہوں کا ارتکاب کیا ہے مگر میں جب بھی توبہ کا ارادہ کرتا ہوں پھر سے گناہوں کی زندگی کی طرف لوٹ آتا ہوں۔ امید ہے آپ راہنمائی فرمائیں گے کہ میں وہ کون سا راستہ اختیار کروں' جو مجھے میرے رب سے قریب کر دے اور ان برے اعمال سے دور کر دے؟

جواب ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يَٰعِبَادِيَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُواْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُواْ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًاۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾ ﴾ (الزمر ۳۹/ ۵۳)

"اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں کو کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ یقیناً اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) بلاشبہ وہ تو بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔"

علماء کا اجماع ہے کہ یہ آیت کریمہ توبہ کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے گناہوں سے سچی توبہ کر لے' اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے' نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ تُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ ﴾ (التحریم ۶۶/ ۸)

"اے مومنو! اللہ کی بارگاہ میں صاف دل سے (خالص) توبہ کرو' امید ہے کہ وہ تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا اور تم کو باغ ہائے بہشت میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے گناہوں کے مٹا دینے اور جنت میں داخل کر دینے کو سچی توبہ کے ساتھ معلق رکھا ہے۔ سچی توبہ وہ ہوتی ہے جو گناہوں کے ترک کر دینے' ان سے اجتناب کرنے' سابقہ گناہوں پر ندامت کا اظہار کرنے اور اس عزم صادق پر مشتمل ہو کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تعظیم' اس کے ثواب کے شوق اور اس کے عذاب کے ڈر کے باعث آئندہ ان کا ارتکاب نہیں کیا جائے گا۔ سچی توبہ کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ظلم سے جن لوگوں کی جو چیزیں چھینی ہوں' انہیں واپس لوٹا دیا جائے یا ان سے معاف کروا لیا جائے بشرطیکہ اس ظلم کا تعلق خون یا مال یا عزت سے ہو اور اگر اس کا تعلق کسی ایسی چیز سے ہو کہ اسے معاف کروانا ممکن نہ ہو تو پھر اپنے اس بھائی کے لیے کثرت سے دعا کرے اور جن مقامات پر اس کی غیبت وغیرہ کی تھی' وہاں اس کے اچھے اعمال کا تذکرہ کرے کیونکہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں'

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور ٢٤/ ٣١)

"اور اے مومنو! تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فلاح اور کامیابی کو توبہ کے ساتھ معلق قرار دیا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ توبہ کرنے والا کامیاب اور سعادت مند ہے اور اگر توبہ کرنے والا توبہ کے بعد ایمان اور عمل صالح کا مظاہرہ کرے' تو اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو معاف فرما کر انہیں نیکیوں میں تبدیل کر دے گا۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورۃ الفرقان میں شرک' قتل ناحق اور بدکاری کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

﴿ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَٰعَفْ لَهُ ٱلْعَذَابُ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِۦ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَٰلِحًا فَأُوْلَٰٓئِكَ يُبَدِّلُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِهِمْ حَسَنَٰتٍ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ ﴾ (الفرقان ٢٥/ ٦٨-٧٠)

"اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔ قیامت کے دن اس کو دگنا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا' مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں میں بدل دے گا اور بلاشبہ اللہ تو بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔"

توبہ کے اسباب و ذرائع میں سے یہ بھی ہے کہ عجز و انکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ہدایت' توفیق اور توبہ کی دعا کی جائے کہ اس نے خود ہی فرمایا ہے:

﴿ ٱدْعُونِىٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (غافر ٤٠/ ٦٠)

"تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔"

اور فرمایا ہے:

﴿ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِى عَنِّى فَإِنِّى قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ ٱلدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ ﴾ (البقرة ٢/ ١٨٦)

"اور (اے پیغمبر!) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو کہ) میں تو (تمہارے) قریب ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔"

توبہ اور اس پر استقامت کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمَرْءُ عَلٰى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلُ»(جامع الترمذي، الزهد، باب حديث الرجل على دين خليله، ح: ٢٣٧٨ ومسند أحمد: ٢/ ٣٠٣، ٣٣٤ واللفظ له)

"آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے' لہٰذا تم میں سے ہر ایک کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس کی کس سے دوستی ہے۔"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالسَّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيرِ، فَحَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً، وَنَافِخُ الْكِيرِ إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ

ثِیَابَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِیحًا خَبِیثَةً»(صحیح البخاري، الذبائح والصید، باب المسك، ح:٥٥٣٤ وصحیح مسلم، البر والصلة، باب استحباب مجالسة الصالحین ... الخ، ح:٢٦٢٨)

"نیک اور برے ساتھی کی مثال کستوری بیچنے والے اور بھٹی دھونکنے والے لوہار کی سی ہے کہ کستوری بیچنے والا یا تو تمہیں تحفہ دے دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا اس سے اچھی خوشبو پاتے رہو گے اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا تم اس سے بدبو پاتے رہو گے۔"

فتویٰ کمیٹی

توبہ سابقہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے

سوال میں ایک نوجوان ہوں' مسلمان پیدا ہوا اور میں کبھی نماز نہیں چھوڑتا تھا۔ مشیت اقدار سے مجھے اپنے خاندان کے ہمراہ بیرون ملک سفر کرنا پڑا اور پھر کچھ عرصہ میں ان کے بغیر تنہا بھی رہا اور چار سال سے زیادہ عرصہ تک میں نے نماز چھوڑے رکھی اور بہت سے گناہوں کا ارتکاب کیا۔ چار سالوں کے رمضان کے مہینوں کے روزے بھی نہیں رکھے۔ رمضان کے مہینے میں دن کے وقت اپنی بیوی سے مباشرت بھی کرتا رہا اور یہ سب کچھ برے ساتھیوں کا نتیجہ تھا' لیکن اب میں اپنے رب کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں' اپنے گناہوں پر نادم ہوں اور نماز بھی باقاعدگی سے تنہا یا باجماعت ادا کرنے لگا ہوں۔ راہنمائی فرمائیں کہ ان حالات میں مجھ پر کیا واجب ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے' تو سچی توبہ ہی کافی ہے کیونکہ سچی پکی (خالص) توبہ سابقہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ آپ پر نماز اور روزہ کی قضاء یا کسی چیز کا کفارہ لازم نہیں ہے کیونکہ علماء کے صحیح قول کے مطابق ترک نماز کفر ہے' خواہ اس کے وجوب کا انکار نہ بھی کیا جائے اور جو شخص وجوب نماز کا منکر ہے' وہ بالاجماع کافر ہے اور کافر جب مسلمان ہو جائے تو حقوق اللہ سے متعلق واجبات کی قضاء اس پر لازم نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ إِن يَنتَهُواْ يُغۡفَرۡ لَهُم مَّا قَدۡ سَلَفَ ﴾ (الأنفال٨/ ٣٨)

"اے پیغمبر! کفار سے کہہ دو کہ اگر وہ اپنے افعال سے باز آ جائیں تو جو ہو چکا وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«الإِسْلاَمُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ، وَالتَّوْبَةُ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا»(صحیح مسلم، الإیمان، باب کون الإسلام یهدم ما قبله ... الخ، ح:١٢١ والشطر الثاني لم أجده)

"اسلام سابقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور توبہ بھی سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔"

ہم آپ کو یہ وصیت کریں گے کہ توبہ پر استقامت کا مظاہرہ کریں' کثرت سے استغفار پڑھیں اور کثرت کے ساتھ اعمال صالحہ بجا لائیں۔ اگر آپ نے توبہ پر استقامت کا مظاہرہ فرمایا اور نیک اعمال سرانجام دیتے رہے تو ہم آپ کو خیر و بھلائی اور اچھے انجام کی خوش خبری سناتے ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٞ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحٗا ثُمَّ ٱهۡتَدَىٰ ﴿٨٢﴾ ﴾ (طه٢٠/ ٨٢)

"اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے' پھر سیدھے راستے پر چلے تو بلاشبہ اس کو میں بخش

دینے والا ہوں۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو حق پر ثابت قدم رکھے۔ انه خیر مسئوول۔

آپ کے سوال میں یہ الفاظ بھی ہیں' جن کے بارے میں متنبہ کرنا ضروری ہے کہ "مشیت اقدار سے....." بات یہ ہے کہ تقدیروں کی کوئی مشیت اور چاہت نہیں ہے' لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے شَآءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ یا شَآءَ اللهُ سُبْحَانَهٗ "اللہ وحدہ نے یا اللہ سبحانہ نے یہ چاہا...." اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو دین میں فقاہت اور استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

توبہ ہی کافی ہے

سوال میری عمراب انتیس (۲۹) سال ہے۔ چوبیس سال کی عمر سے میں نے نماز پڑھنی شروع کی اور الحمدللہ! اب باقاعدہ نماز پڑھ رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ہدایت عطا فرمائی۔ پندرہ سال کی عمر کے بعد کی نمازوں کی قضاء دینے کی بھی میں نے مقدور بھر کوشش کی لیکن اس کے بارے میں لوگوں کی رائے مختلف ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قضاء لازم نہیں ہے بلکہ توبہ ہی کافی ہے اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ قضاء بھی لازم ہے' امید ہے آپ راہنمائی فرمائیں گے کہ ان میں سے کون سی بات صحیح ہے؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ آپ پر قضاء لازم نہیں ہے بلکہ توبہ ہی کافی ہے۔ سچی توبہ یہ ہے کہ آپ سے ماضی میں جو کوتاہی ہوئی اس پر ندامت کا اظہار کریں' نماز باقاعدگی سے ادا کریں اور سچا عزم کریں کہ آئندہ کبھی بھی نماز نہیں چھوڑیں گے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ إِن يَنتَهُوا۟ يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ﴾ (الأنفال۸/ ۳۸)

"اے پیغمبر! کفار سے کہہ دو کہ اگر وہ اپنے افعال سے باز آ جائیں تو جو ہو چکا وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا۔"

اور فرمایا:

﴿ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾﴾ (النور۲٤/ ۳۱)

"اور اے مومنو! تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ تُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا﴾ (التحريم٦٦/ ۸)

"اے مومنو! اللہ کی بارگاہ میں صاف دل سے (خالص) توبہ کرو۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلإِسْلَامُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ، وَالتَّوْبَةُ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا»(صحيح مسلم، الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما قبله . . . الخ، ح: ۱۲۱ والشطر الثاني لم أجده)

"اسلام سابقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور توبہ بھی سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔"

اور نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ، كَمَنْ لاَّ ذَنْبَ لَهٗ»(سنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر التوبة، ح:٤٢٥٠)

"جو گناہ سے توبہ کر لے وہ اس طرح ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دین کی فقاہت اور حق پر ثابت قدمی عطا فرمائے۔ ہم یہ نصیحت بھی کرتے ہیں کہ آپ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کریں اور برے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور ہمارا اور آپ کا خاتمہ اچھا کرے۔

——— شیخ ابن باز ———

زانی کس طرح توبہ کرے؟

سوال شیطان نے مجھے گمراہ کر دیا اور میں نے بدکاری کا ارتکاب کر لیا' حالانکہ مجھے علم ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے۔ اب میں توبہ کرنا چاہتا ہوں تو کیا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالے گا؟ میرے دل میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ شاید میں پھر اس گناہ کا ارتکاب کروں لہٰذا پھر توبہ کر لوں گا..... کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ فتویٰ عطا فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے؟

جواب توبہ کا دروازہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے وقت تک کھلا ہے۔ جو شخص شرک یا کسی بھی گناہ سے پکی سچی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے۔ پکی سچی (خالص) توبہ یہ ہے کہ انسان گناہوں کو ترک کر دے' پہلے جو گناہ ہوئے ہوں ان پر ندامت کا اظہار کرے اور عزم صمیم کرے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے خوف' اس کی تعظیم اور اس کے عفو و مغفرت کی امید کے پیش نظر وہ آئندہ ان گناہوں کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ تُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ﴾ (التحريم٦٦/ ٨)

"اے مومنو! تم اللہ کی بارگاہ میں صاف دل سے (خالص) توبہ کرو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اور اے مومنو! تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

اور فرمایا:

﴿ ۞ قُلْ يَـٰعِبَادِىَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾ ﴾ (الزمر٣٩/ ٥٣)

"اے پیغمبر! (میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ بلاشبہ اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) بلاشبہ وہ تو بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔"

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت کریمہ توبہ کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اگر حقوق العباد کا مسئلہ ہو تو پھر توبہ کے صحیح ہونے کی مذکورہ بالا تین شرطوں کے علاوہ ایک چوتھی شرط بھی ہے اور وہ یہ کہ ان کے مالی حقوق وغیرہ

ادا کیے جائیں یا انہیں معاف کروا لیا جائے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَلاَّ يَكُونَ دِينَارٌ وَلاَ دِرْهَمٌ، إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ»(صحيح البخاري، المظالم، باب من كانت له مظلمة عند الرجل فحللها له هل يبين مظلمته؟، ح:٢٤٤٩)

"جس کسی شخص نے اپنے بھائی پر عزت و مال کے اعتبار سے کوئی ظلم کیا ہو تو اسے آج معاف کروا لے قبل اس کہ درہم و دینار نہ رہیں اگر اس کے پاس کوئی عمل صالح ہوا تو اس کے ظلم کے بقدر اس کی نیکیاں لے کر اسے دے دی جائیں گی اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو پھر اس کے ساتھی کی (جس پر ظلم کیا ہو گا) برائیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی۔"

ہر مسلمان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ شرک' اس کے تمام اسباب و وسائل اور دیگر تمام گناہوں سے اجتناب کرے' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے اور پھر اسے توبہ کی توفیق ہی نہ ملے' لہٰذا ازبس ضروری ہے کہ ہر اس کام سے اجتناب کرے' جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو' اپنے رب تعالیٰ سے عافیت کی دعا بھی کرتا رہے' شیطان کے ساتھ تساہل کا معاملہ نہ کرے کہ گناہوں کا اس نیت سے ارتکاب کرنے لگے کہ وہ ان سے توبہ کرے گا' کیونکہ یہ محض شیطانی دھوکہ اور اس کی طرف سے گناہوں میں مبتلا کرنے کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ان سے توبہ کر لے گا لیکن بندے کو بسا اوقات سزا کے طور پر توبہ ہی سے محروم کر دیا جاتا ہے اور پھر اس کے نتیجہ میں اسے اس وقت بے حد ندامت اور بے پناہ حسرت ہو گی کہ جب ندامت و حسرت کسی بھی کام نہ آئے گی اسی لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ و اياى فارهبون ﴾ (البقرة ٢/٤٠) "اور مجھی سے ڈرتے رہو۔" اور فرمایا: ﴿ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ﴾ (آل عمران : ٣/٢٨) "اور اللہ تم کو اپنے نفس سے ڈراتا ہے۔" اور فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّ وَعْدَ ٱللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِٱللَّهِ ٱلْغَرُورُ ۝ إِنَّ ٱلشَّيْطَٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَٱتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُواْ حِزْبَهُۥ لِيَكُونُواْ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلسَّعِيرِ ۝ ﴾ (الفاطر ٣٥/ ٥-٦)

"اے لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے' سو تم کو دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ (شیطان) فریب دینے والا تمہیں فریب دے۔ بلاشبہ شیطان تمہارا دشمن ہے' تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو' وہ اپنے (پیروؤں کے) گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں ہوں۔" (اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔)

——— شیخ ابن باز ———

میں نے امانت کو اپنی ذاتی ضرورت کے لیے استعمال کر لیا

سوال کچھ اہل خیر نے اعتماد کرتے ہوئے ایک ہائی سکول کی عمارت کی تعمیر کے لیے جمع کیے گئے عطیات کا مجھے خزانچی بنا دیا سکول کی عمارت کا کام جاری تھا کہ اپنے ذاتی گھر کی تعمیر کے لیے مجھے اس رقم کے استعمال کرنے کی ضرورت پیش آگئی' لیکن مدرسہ کی عمارت کی تکمیل سے قبل ہی میں نے وہ رقم سکول کی کمیٹی کے سپرد کر دی اور کہا کہ یہ مال ایک ایسی خاتون کی طرف سے عطیہ ہے' جو اپنا نام ذکر کرنا پسند نہیں کرتی' جب کہ درحقیقت یہ مال میرے پاس امانت تھا اور اسے ادا کرنا

میرے ذمہ واجب تھا لیکن شرمندگی کی وجہ سے میں حقیقت کا اظہار نہ کرسکا۔ کیا اس رقم کے استعمال کی وجہ سے مجھے گناہ ہوگا' جب کہ میں نے یہ رقم ادا بھی کر دی ہے؟ توبہ کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ راہنمائی فرمائیں۔ یرحمک اللہ

جواب جس شخص کے پاس کسی بھی سکیم کا کوئی مال بطور امانت رکھا گیا ہو تو اسے اپنے ذاتی استعمال میں لانا جائز نہیں ہے' بلکہ اس کے لیے یہ واجب ہے کہ اس کی حفاظت کا پورا پورا اہتمام کرے اور اسے صرف اس کے مصرف ہی میں استعمال کرے۔ آپ نے جو جھوٹ بولا اس سے بھی توبہ کریں۔ جو شخص صدق دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ تُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ﴾ (التحریم ۶۶/ ۸)

"اے مومنو! اللہ کے آگے صاف دل سے (سچی) توبہ کرو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور ۲۴/ ۳۱)

"اور اے مومنو! تم سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

سچی توبہ یہ ہوتی ہے کہ سابقہ گناہوں پر ندامت کا اظہار کیا جائے' اللہ تعالیٰ کے خوف و تعظیم کے پیش نظر انہیں ترک کر دیا جائے' عزم صادق کیا جائے کہ آئندہ ان کا ارتکاب نہیں کیا جائے گا اور اگر گناہ کا تعلق لوگوں کے خون' مال اور عزت و آبرو یا دیگر حقوق سے ہو تو انہیں واپس لوٹایا جائے یا ان سے معاف کروا لیا جائے اور اگر گناہ کا تعلق غیبت وغیرہ سے ہو اور خدشہ ہو کہ اسے بتانے کی صورت میں زیادہ نقصان ہو گا تو پھر ان لوگوں کو نہ بتائے جن کی غیبت کی ہو اور ان کے لیے دعا اور استغفار کرے اور غیبت کے ذریعے سے ان کی جو برائی کی اس کے مقابلے میں ان کی خوبیوں کا تذکرہ کرے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

خودکشی کی مگر موت سے قبل توبہ کر لی

سوال میری ایک شادی شدہ بہن تھی' جس کے تین بچے بھی تھے مگر اس کا ہمیشہ اپنے شوہر سے جھگڑا رہتا تھا۔ اس کا اپنے والد کے ساتھ بھی اختلاف تھا اور اس کا سبب بھی اس کا وہی شوہر تھا' جو اس کے ساتھ بے حد ناروا سلوک کرتا تھا جس نے اسے اپنا گھر چھوڑ کر اپنی اس مطلقہ ماں کے پاس جانے پر مجبور کر دیا' جس نے ایک دوسرے انسان سے شادی کر لی تھی' مگر افسوس کہ اس کی ماں کا یہ شوہر بھی اس کے ساتھ بے حد برا سلوک کرتا تھا۔

میں نے ایک فلیٹ کرایہ پر لے لیا تاکہ یہ میرے ساتھ رہے' لیکن یہ اکثر اپنی ماں کے پاس بھی جاتی رہتی تھی۔ ایک دفعہ اس کی ماں کے شوہر نے اسے مجبور کیا کہ یہ بچوں کو اپنے شوہر کے پاس چھوڑ کر چلی آئے' ماں کی رضا کی خاطر اس نے اس طرح کیا بھی۔ ایک دن اس کا اپنی ماں کے شوہر کے ساتھ جھگڑا ہوا اور یہ بہت افسردہ ہو کر اپنے فلیٹ میں آ گئی' ان مصائب اور بچوں سے دوری کا اس پر بہت اثر تھا' جس کی وجہ سے اس نے فریزر سے گولیاں نکالیں اور تمام گولیوں کو کھا لیا تاکہ خودکشی کر لے' مگر میں اسے ہسپتال لے گیا اور اس کا علاج کیا گیا۔ مگر اس نے وفات سے پہلے محسوس کیا کہ یہ اس کے

آخری ایام ہیں‘ لہٰذا اس نے توبہ کر لی‘ اپنے فعل پر کثرت سے استغفار شروع کر دیا اور ہم سے بھی یہ کہتی تھی کہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے..... اللہ تعالیٰ کا کرنا ہوا کہ یہ بہن فوت ہو گئی‘ سوال یہ ہے کہ اب اس کا کیا حال ہو گا؟ کیا میں اس کی طرف سے صدقہ اور حج کر سکتا ہوں؟ یاد رہے کہ میں نے نذر مانی تھی کہ میں ساری زندگی یہ اعمال بجا لاتا رہوں گا‘ ان شاء اللہ! ..... راہنمائی فرمائیں؟

جواب آپ کی مذکورہ بہن نے اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کر لی ہے اور خودکشی کا سبب اختیار کرنے پر ندامت کا اظہار کیا ہے‘ تو اس کے لیے مغفرت کی امید ہے‘ کیونکہ توبہ سابقہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ گناہ سے توبہ کرنے والا اس طرح ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں جیسا کہ نبی ﷺ کی صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے۔ اگر آپ ان کی طرف سے صدقہ کریں یا استغفار اور دعا کریں تو یہ بھی اس کے لیے بہتر اور مفید ہو گا اور آپ کو بھی اس کا اجر و ثواب ملے گا۔

آپ نے نیکی کے جن کاموں کی نذر مانی ہے‘ انہیں بجا لاتے رہیں کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی مدح کے ضمن میں ان لوگوں کی بھی تعریف فرمائی ہے‘ جو نذر کو پورا کرتے ہیں‘ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يُوفُونَ بِٱلنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُۥ مُسْتَطِيرًا ۝٧ ﴾ (الإنسان٧٦/ ٧)

”یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے‘ جس کی سختی پھیل رہی ہو گی‘ خوف رکھتے ہیں۔“

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَهُ فَلَا يَعْصِهِ»(صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح: ٦٧٠٠)

”جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے اطاعت کرنی چاہیے اور جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانے تو اسے اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔“

—— شیخ ابن باز ——

کیا مرتد پر توبہ کے بعد بھی حد نافذ کی جائے گی؟

سوال کیا رجوع کرنے کے بعد بھی مرتد پر حد نافذ کی جائے گی؟ یعنی اگر مسلمان کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کرے‘ جو موجب ارتداد ہو اور پھر اس نے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا ہو تو کیا اس ارتداد کی وجہ سے اس پر حد نافذ کی جائے گی؟ یاد رہے کہ جس ملک میں اس نے ارتداد کا ارتکاب کیا وہاں قانون شریعت نافذ نہیں ہے۔ یا گناہ ارتداد کی معافی کے لیے توبہ ہی کافی ہے اور پھر اس کے نتیجہ میں اس پر حد بھی نافذ نہیں ہو گی؟

جواب جو شخص دین اسلام سے مرتد ہو جائے اور پھر رجوع کرتے ہوئے توبہ کرے اور ندامت کا اظہار کرے تو اس پر حد قائم کرنا جائز نہیں ہے‘ کیونکہ حد تو اس پر قائم کی جاتی ہے جو ارتداد پر اصرار کرے اور اس پر برقرار رہے۔ جب کہ توبہ کرنے والے کی توبہ سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے‘ جیسا کہ کتاب و سنت کے دلائل سے ثابت ہے۔

وباللہ التوفیق‘ و صلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

گناہ سے توبہ کرنے والے نے گویا گناہ کیا ہی نہیں

سوال میں پہلے کئی کئی ماہ تک نماز نہیں پڑھتا تھا' لیکن اب میں نے سچی (خالص) توبہ کر لی ہے اور تمام نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنا شروع کر دیا ہے' والحمد للہ! پہلے میں رمضان کے روزے بھی نہیں رکھتا تھا اور بہت کثرت کے ساتھ سگریٹ نوشی کرتا تھا' لیکن الحمد للہ اب ان تمام گناہوں سے میں نے توبہ کر لی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جن نمازوں کو میں نے نہیں پڑھا کیا ان کی قضاء مجھ پر لازم ہے؟

جواب سب سے پہلے تو میں اپنے اس بھائی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں' جسے اللہ تعالیٰ نے توبہ اور نماز و روزہ جیسے فرائض کے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ انہیں استقامت عطا فرمائے اور اپنے مزید خیر و فضل کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں اور انہیں ایمان پر فوت کر کے خیر الانام حضرت محمد ﷺ کے زمرہ میں حشر کے دن اٹھائے۔

اس کے بعد گزارش ہے کہ توبہ سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے' لہٰذا آپ نے نماز اور روزہ کے ترک کرنے سے جو توبہ کر لی ہے' تو یہ سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دے گی' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يَٰعِبَادِىَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾ ﴾ (الزمر ۳۹/ ۵۳)

"اے پیغمبر! (میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ بلاشبہ اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) بلاشبہ وہ تو بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے پرہیزگار بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا۟ فَٰحِشَةً أَوْ ظَلَمُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا۟ ٱللَّهَ فَٱسْتَغْفَرُوا۟ لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ إِلَّا ٱللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا۟ عَلَىٰ مَا فَعَلُوا۟ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٣٥﴾ أُو۟لَٰٓئِكَ جَزَآؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّٰتٌ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ ٱلْعَٰمِلِينَ ﴿١٣٦﴾ ﴾ (آل عمران ۳/ ۱۳۵-۱۳۶)

"اور وہ کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟ اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے۔ ایسے ہی لوگوں کا صلہ پروردگار کی طرف سے بخشش اور باغ ہیں' جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ ان میں ہمیشہ بستے رہیں گے اور (اچھے) کام کرنے والوں کا بدلہ بہت اچھا ہے۔"

لہٰذا انہوں نے ماضی میں جو نماز یا روزے چھوڑے ان کی قضاء لازم نہیں ہے' لیکن انہیں عمل صالح اور توبہ و استغفار کثرت سے کرنا چاہیے کہ جو شخص توبہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جھوٹی قسم کھائی اور پھر توبہ کر لی

سوال ایک شخص نے بچپن میں جب کہ اس کی عمر پندرہ سال تھی' ہاتھ میں قرآن مجید پکڑ کر جھوٹی قسم کھائی' لیکن سن

رشد کو پہنچنے کے بعد اسے اس پر ندامت ہوئی' کیونکہ اسے اب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ جھوٹی قسم کھانا شرعاً حرام تھا' تو کیا اسے گناہ ہو گا؟ کیا اس پر کفارہ لازم ہے؟

جواب یہ سوال درحقیقت دو سوالوں کا مجموعہ ہے۔ پہلا سوال تو ہے تاکید کے لئے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانا' تو مجھے سنت سے اس کی کوئی اصل معلوم نہیں ہے' لہٰذا یہ شرعاً درست نہیں ہے اور دوسرا مسئلہ ہے جانتے بوجھتے ہوئے جھوٹی قسم کھانا' تو یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ اس سے توبہ کرنا واجب ہے حتیٰ کہ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جھوٹی قسم کو عربی میں "یمین غموس" اس لیے کہتے ہیں کہ یہ قسم' قسم اٹھانے والے کو پہلے گناہ میں اور پھر جہنم کی آگ میں ڈبو دیتی ہے۔

اگر یہ قسم بلوغت کے بعد اٹھائی گئی تو قسم اٹھانے والا گناہ گار ہو گا' اسے توبہ کرنی چاہیے۔ البتہ اس کا کفارہ نہیں ہے' کیونکہ کفارہ تو ان قسموں پر ہوتا ہے جن کا تعلق مستقبل کی اشیاء سے ہو' ماضی کی اشیاء میں کفارہ نہیں ہے' بلکہ ان میں تو انسان دو باتوں میں دائر ہوتا ہے کہ وہ یا تو گناہ گار ہو گا یا گناہ گار نہیں ہو گا۔ اگر وہ جانتے بوجھتے ہوئے جھوٹی قسم کھا رہا ہے تو وہ گناہ گار ہو گا اور اگر اسے علم ہو یا ظن غالب یہ ہو کہ وہ سچا ہے تو پھر وہ گناہ گار نہیں ہو گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

سچی توبہ سے اللہ گناہ معاف کر دیتا ہے

سوال میرے دوستوں کے پاس میری کچھ تصویریں ہیں۔ میں نے ان سے وہ تصویریں طلب کیں تاکہ اللہ کے خوف کی وجہ سے انہیں پھاڑ دوں۔ ان میں سے بعض نے تو مجھے تصویریں دے دیں اور بعض نے یہ کہہ کر تصویریں دینے سے انکار کر دیا کہ ان تصویروں کا گناہ ان پر ہو گا' نہ کہ مجھ پر۔ کیا ان کی یہ بات صحیح ہے' براہ کرم راہنمائی فرمائیں؟

جواب سچی توبہ سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور ٢٤/ ٣١)

"اور اے مومنو! تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلإِسْلاَمُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ، وَالتَّوْبَةُ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا»(صحيح مسلم، الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما قبله ... الخ، ح: ١٢١ والشطر الثاني لم أجده)

"اسلام سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور توبہ بھی سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔"

آپ کے پاس جو تصویریں ہوں' آپ انہیں تلف کر دیں' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَنْ لاَ تَدَعَ تِمْثَالاً إِلاَّ طَمَسْتَهُ وَلاَ قَبْرًا مُشْرِفًا إِلاَّ سَوَّيْتَهُ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب الأمر بتسوية القبر، ح: ٩٦٩)

"ہر تصویر کو مٹا دو اور ہر اونچی قبر کو برابر کر دو۔"

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں بیان فرمایا ہے۔ آپ کی وہ تصویریں جو دوسرے لوگوں کے پاس ہیں اور مانگنے کے باوجود بھی انہوں نے آپ کو نہیں دیں تو آپ بریٔ الذمہ ہیں۔ توبہ ان تصویروں کو بھی شامل ہو گی اور گناہ اسے

ہو گا‘ جس کے پاس وہ تصویریں موجود ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اصلاح فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

سونے کا کنگن

سوال میں مردوں اور عورتوں کے ایک مخلوط معاشرے میں تھی تو شیطانی خواہش کے اظہار کے پیش نظر ایک شخص نے مجھے سونے کا ایک قیمتی کنگن تحفہ کے طور پر دیا۔ الحمد للہ! اب میں اس ماحول سے باہر نکل آئی ہوں۔ میں نے حق کے راستے کو پہچان لیا ہے۔ مجھے اپنے ماضی پر ندامت ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ تحفہ میرا حق ہے اور میں اس کنگن کو بطور زینت استعمال کر سکتی ہوں یا اسے صدقہ کر دوں یا اسے کیا کروں‘ کیونکہ وہ ماحول مجھے سخت ناپسند ہے اور میں اس میں واپس جا کر اس شخص کو اس کا یہ تحفہ واپس نہیں کر سکتی؟

جواب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس ماحول سے جو بچایا ہے‘ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں‘ اور یہ تحفہ اس شخص کو واپس مت لوٹائیں بلکہ اسے صدقہ کر دیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

چوری سے توبہ

سوال میں مرحلہ ثانویہ کا ایک طالب علم ہوں۔ میں نے ابتدائی و ثانوی مرحلہ میں کچھ کتابیں اور لکھنے پڑھنے سے متعلق کچھ سامان کی چوری کی تھی۔ اب اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا فرما دی ہے‘ لہٰذا راہنمائی فرمائیں کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ خیرًا؟

جواب اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نازل نہیں کی مگر اس کی دواء بھی نازل فرمائی ہے۔ چوری کی یہ بیماری جو بعض لوگوں کو بچپن یا جوانی میں ہوتی ہے‘ اس کی بھی دواء موجود ہے۔ اگر آپ نے کسی شخص کی چوری کی تھی تو آپ پر واجب ہے کہ آپ اس سے ملیں اور اسے بتائیں کہ اس کا اس قدر مال آپ کے پاس ہے اور پھر جس قدر مال پر صلح ہو جائے وہ اسے لوٹا دیں لیکن بسا اوقات انسان اسے بہت گراں محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک شخص کے پاس جائے اور اسے خود یہ بتائے کہ اس نے اس کی چوری کی تھی اور یہ یہ چیز لی تھی‘ لہٰذا اس صورت میں آپ اسے یہ مال کسی اور واسطہ سے بھی لوٹا سکتے ہیں مثلاً اس شخص کے کسی دوست یا ساتھی سے ملیں اور اسے بتا دیں کہ یہ فلاں شخص کا مال ہے‘ جسے میں نے چوری کر لیا تھا مگر اب میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کر لی ہے‘ لہٰذا میری طرف سے اسے یہ دے دیں۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝٢ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٢)

”اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی (چھٹکارے) کی صورت پیدا کر دے گا۔“

اور فرمایا:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ۝٤ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٤)

"اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔"

اگر آپ نے کسی ایسے شخص کی چوری کی ہو جس کا اب آپ کو علم نہ ہو اور نہ آپ یہ جانتے ہوں کہ وہ اس وقت کہاں ہے تو یہ معاملہ پہلے سے بھی آسان ہے' کیونکہ اس صورت میں آپ اس شخص کی طرف سے نیت کر کے اس مال کو صدقہ کر دیں۔ اس صورت میں آپ بریٔ الذمہ ہو جائیں گے۔

اس سائل نے اپنا جو قصہ بیان کیا ہے' انسان کے لیے واجب ہے کہ وہ اس طرح کے واقعات سے دور رہے' کیونکہ بعض اوقات وہ طیش یا بے وقوفی کی وجہ سے چوری تو کرتا ہے اور چوری کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا' لیکن جب اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرما دیتا ہے تو پھر اس طرح کے گناہ سے نجات حاصل کرنے کے لیے خاصی دشواری پیش آتی ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

اطاعت الٰہی کو اپنا معمول بنائیے

سوال میں پاک صاف زندگی کا کس طرح آغاز کروں؟ تارک نماز کی سزا کیا ہے؟

جواب 1 سب سے پہلے تو نیت کی اصلاح کریں اور نیک کام کرنے اور برے کاموں سے بچنے کا عزم صمیم کریں 2 اور پھر نیک لوگوں کی مجلس اختیار کریں اور دن رات' صبح و شام اور فرصت کے اوقات اچھے لوگوں کی صحبت میں گزاریں یا فرصت کے لمحات پبلک لائبریریوں' مذاکرہ کی مجلسوں اور اچھے ساتھیوں کے ساتھ علمی سفر میں بسر کریں۔ 3 اپنے آپ کو عادی بناتے ہوئے پنجگانہ نماز باجماعت مسجدوں میں ادا کریں' نیز فرض نمازوں سے پہلے اور بعد کثرت سے نوافل پڑھیں اور ذکر و دعا میں کثرت سے مشغول رہیں۔ 4 بے وقوفوں' شریروں' تماش بینوں اور بدکاروں سے تعلق قطع کر لیں اور ان سے دور رہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

ترک نماز بے شک کفر ہے' جیسا کہ حدیث میں آیا ہے' مگر نماز کے منکر اور نماز میں کوتاہی کرنے والے میں فرق ہے' تاہم نصوص سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تارک نماز کافر ہے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

توبہ تو کی مگر حقوق ادا نہیں کر سکتا

سوال رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ کسی پر ظلم کیا ہو گا' کسی کو گالی دی ہو گی--- الخ' سوال یہ ہے کہ اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے کہ جس نے توبہ تو کر لی ہے مگر اپنے فقر کی وجہ سے وہ لوگوں کے حقوق واپس لوٹانے سے قاصر ہے؟

جواب حقوق العباد کے بارے میں اصل یہ ہے کہ انہیں ادا کیا جائے۔ کیونکہ یہ محض توبہ سے ساقط نہیں ہوتے' للذا انہیں حق داروں کو ادا کرنا یا ان سے معاف کروانا از بس ضروری ہے۔ جب کوئی شخص حقوق العباد کے سلسلہ میں بھی پکی سچی توبہ تو کرے' مگر فقر یا حق داروں کے بارے میں عدم واقفیت کی وجہ سے انہیں ادا کرنے سے عاجز و قاصر ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لے گا اور حق داروں کو روز قیامت اس کی طرف سے جس طرح وہ چاہے گا خوش کر دے گا--- اگر

دنیا میں اسے حقوق ادا کرنے یا انہیں معاف کروانے کی استطاعت ہو تو پھر واجب یہی ہے کہ انہیں ادا کیا جائے یا معاف کروا لیا جائے' ورنہ اس کے بغیر توبہ مکمل نہ ہو گی' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اور اے مومنو! تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

———— فتویٰ کمیٹی ————

اجازت کے بغیر مال لیا---

سوال میں کیشیئر کے طور پر ملازمت کرتا تھا۔ ایک بار مجبور ہو گیا کہ میرے پاس جو رقم ہے اس میں سے کچھ بطور قرض استعمال کر لوں اور پھر اپنی تنخواہ سے واپس کر دوں مگر مالک مال کو اس کا علم ہو گیا اور اس نے کہا کہ اس مال کو واپس کر دو' بغیر کسی جھگڑے کے میں نے اسے واپس کر دیا لیکن اب میرا ضمیر مجھے اس پر ملامت کرتا ہے تو ضمیر کو اس ملامت سے بچانے کے لے مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب کسی کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر لینا خیانت ہے خواہ آپ کا ارادہ اچھا ہو اور عزم یہ ہو کہ آپ اسے اپنی تنخواہ وغیرہ میں سے واپس لوٹا دیں گے۔ اس طرح آپ اس مال کی منفعت سے اس کے مالک کو محروم بھی کر رہے ہیں جو نفع وغیرہ کی صورت میں اس سے حاصل ہوتا تھی۔ یہ فعل آپ کے لیے باعث عار اور آپ کی عزت کو داغ دار کرنے والا بھی ہے۔ اب آپ نے مالک کے علم و مطالبہ پر جب مال واپس لوٹا دیا ہے اور آپ نے اس فعل پر ندامت کا اظہار بھی کیا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ یہ عزم بھی کر لیں کہ آئندہ کبھی بھی اس طرح نہیں کریں گے۔ مالک مال سے بھی معافی طلب کر لیں تاکہ اس کا دل صاف ہو جائے' نیز آپ اچھے طریقے سے توبہ کریں اور اعمال صالحہ کثرت سے بجا لائیں تاکہ اس حدیث پر عمل ہو سکے:

«وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا»(مسند أحمد: ٥/ ١٥٣، ١٥٨، ٢٢٨، ٢٣٦)

"برائی کے بعد نیکی کرو' وہ اسے مٹا دے گی۔"

اللہ تعالیٰ سے امید رکھو کہ وہ آپ کی توبہ قبول کر لے گا' گناہ کو معاف فرما دے گا اور آپ کو معاصی اور منکرات سے محفوظ رکھے گا۔

———— فتویٰ کمیٹی ————

کسی کے مال کو ناحق لینا

سوال الحمد للہ وحدہ و بعد: فتویٰ کمیٹی برائے بحوث و افتاء کو درج ذیل استفسار موصول ہوا' جس میں دو سوال پوچھے

گئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ماضی میں کچھ دیگر سپاہیوں کے ساتھ ایک مشتبہ آدمی کو پکڑنے کے سلسلہ میں شریک تھا' اسے پکڑنے کے بعد جب اس کی جامہ تلاشی لی گئی تو اس سے چاندی کے پچاسی ریال ملے' جنہیں اس نے لے لیا اور فقر و جہالت کی وجہ سے اپنے گھر میں استعمال کر لیا' اب وہ کیا کرے تاکہ اس سے بریٔ الذمہ ہو جائے؟

جواب اگر وہ شخص اس کو یا اس کے کسی جاننے والے کو جانتا ہے' تو اسے چاہیے کہ اسے تلاش کرے تاکہ اس کی چاندی کی نقدی یا اس کے مساوی رقم یا جس پر دونوں متفق ہوں' اسے واپس لوٹا سکے اور اگر یہ اسے نہیں جانتا اور اسے تلاش نہیں کر سکتا تو پھر اس رقم کو یا اس کے مساوی رقم کو اس کے مالک کی طرف سے صدقہ کر دے۔ اگر صدقہ کرنے کے بعد یہ اسے ملے تو اسے ساری بات بتا دے' اگر وہ راضی ہو جائے تو بہت خوب اور اگر وہ راضی نہ ہو اور اپنی رقم کا مطالبہ کرے' تو یہ اسے اس کی رقم ادا کرے۔ اس صورت میں یہ صدقہ اس کی طرف سے ہو جائے گا' نیز اسے اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار اور مال کے مالک کے لیے دعا کرنی چاہیے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

گناہ سے توبہ کرنے والا

سوال ہمارے شیخ جلیل اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو عمداً نماز و روزہ کا تارک تھا' مگر جب اللہ نے اسے ہدایت عطا فرما دی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا' اپنے اوپر جو ظلم کرتا رہا اس پر خوب رویا اور نماز' روزہ اور دیگر تمام عبادات کو ادا کرنا شروع کر دیا۔ اسے نماز و روزہ کی قضاء کا حکم دیا جائے گا یا اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور توبہ ہی کافی ہے؟

جواب جو شخص نماز اور روزہ کو ترک کر دے اور پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے سچی توبہ کر لے' اس کے لیے متروکہ نماز اور روزوں کی قضاء لازم نہیں ہے' کیونکہ ترک نماز ایسا کفر ہے' جو انسان کو ملت سے خارج کر دیتا ہے' خواہ انسان وجوب نماز کا انکار نہ بھی کرے۔ اس مسئلہ میں علماء کے دو اقوال میں سے صحیح ترین قول یہی ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ إِن يَنتَهُوا۟ يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ ﴾ (الأنفال٨/ ٣٨)

"اے پیغمبر! کفار سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ اپنے افعال سے باز آ جائیں تو جو ہو چکا وہ معاف کر دیا جائے گا۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«الإِسْلَامُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ، وَالتَّوْبَةُ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا»(صحيح مسلم، الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما قبله ... الخ، ح:١٢١ والشطر الثاني لم أجده)

"اسلام پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور توبہ بھی پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔"

اس کے اور بھی بہت سے دلائل ہیں' مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنِّى لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾ ﴾ (طٰه٢٠/ ٨٢)

"اور جو توبہ کر لے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے' پھر سیدھے راستے پر چلے تو بلاشبہ میں اس کو ضرور بخش دینے والا ہوں۔"

اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ تُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّـٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَـٰرُ ﴾ (التحريم٦٦/٨)

"اے مومنو! اللہ کے آگے صاف دل سے (پکی سچی) توبہ کرو۔ امید ہے کہ وہ تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا اور تم کو باغ ہائے بہشت میں' جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' داخل کرے گا۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ، كَمَنْ لاَ ذَنْبَ لَهُ»(سنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر التوبة، ح:٤٢٥٠)

"جو شخص گناہ سے توبہ کر لے وہ اس طرح ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔"

توبہ کرنے والے کو چاہیے کہ توبہ کے بعد اعمال صالحہ کثرت کے ساتھ کرے اور اللہ تعالیٰ سے کثرت سے یہ دعا کرے کہ وہ اسے حق پر ثابت قدمی عطا فرمائے اور اسے حسن خاتمہ کی توفیق سے نوازے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

بعض گناہوں کا ارتکاب

سوال ایک شخص اسلام کے ارکان خمسہ پر تو عمل پیرا ہے' لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ بعض گناہوں کا بھی ارتکاب کرتا ہے۔ یعنی واجبات کو بھی ادا کرتا ہے اور منہیات کا بھی ارتکاب کرتا ہے' تو اس کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟

جواب توبہ کا دروازہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے تک کھلا ہے' لہٰذا ہر کافر اور گناہ گار کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے آگے سچی توبہ کرے یعنی کفر اور گناہوں پر ندامت کا اظہار کرے' اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی تعظیم کی وجہ سے انہیں چھوڑ دے اور عزم صمیم کرے کہ آئندہ ان کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ اس طرح توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ سابقہ تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اور اے مومنو! تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

اور فرمایا:

﴿ وَإِنِّى لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَـٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾ ﴾ (طه٢٠/ ٨٢)

"اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے' پھر سیدھے راستے پر چلے تو بلاشبہ میں اس کو ضرور بخش دینے والا ہوں۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلإِسْلاَمُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ، وَالتَّوْبَةُ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا»(صحيح مسلم، الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما قبله... الخ، ح:١٢١ والشطر الثاني لم أجده)

"اسلام سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور توبہ بھی سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔"

توبہ کی تکمیل کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ حقوق العباد کو ادا کیا جائے یا حق داروں سے انہیں معاف کروا لیا جائے' جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَلاَّ يَكُونَ دِينَارٌ وَلاَ دِرْهَمٌ، إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَّهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ»(صحيح البخاري، المظالم، باب من كانت له مظلمة عند الرجل فحللها له هل يبين مظلمته؟، ح:٢٤٤٩)

"جس نے اپنے کسی بھائی پر عزت و مال وغیرہ کے اعتبار سے ظلم کیا ہو تو وہ اس سے آج ہی معاف کروا لے قبل اس کے کہ جب اس کے پاس کوئی دینار ہو گا اور نہ درہم۔ اگر اس کے پاس عمل صالح ہوا تو ظلم کے بقدر اس سے نیکیاں لے کر اسے دے دی جائیں گی اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو اس کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی۔" اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

چوری کے بعد توبہ کر لی

سوال میری عمر چودہ سال تھی۔ میرے والد کا ایک رشتہ دار ایک دوسرے ملک سے انہیں ملنے کے لیے ہمارے گھر میں آتا تو میں اس کے ملک کی رقوم کو چرا لیتا تھا اور منی چینجرز سے تبدیل کروا کے انہیں اپنے استعمال میں لے آتا تھا۔ جب میں بڑا ہوا تو مجھے اس پر بے حد ندامت ہوئی اور میں نے توبہ کا عزم کر لیا۔ سوال یہ ہے کہ اس صورت میں مجھ پر کیا لازم ہے؟ کیا اس شخص کو مسروقہ مال واپس لوٹانا ضروری ہے یا میں اس مال کو اس کے لیے ثواب کی نیت سے صدقہ بھی کر سکتا ہوں' یاد رہے کہ وہ شخص ابھی تک بقید حیات ہے؟

جواب آپ کے لیے واجب یہ ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو' آپ اس شخص کا مال اس کے پاس پہنچا دیں۔ آپ کو اس میں تصرف کا اختیار نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

توبہ کے بعد گناہ کا ارتکاب

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو ایک گناہ سے توبہ کرنے کے بعد پھر اس کا ارتکاب کر لیتا ہے اور بار بار یہ گناہ کرتا اور بار بار اس سے توبہ کرتا ہے مگر بعد میں جب اللہ تعالیٰ اسے پکی سچی توبہ کی توفیق عطا فرماتا ہے تو وہ پھر اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا۔ اس کے بارے میں فتویٰ عطا فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق سے نوازے؟

جواب اس گناہ گار کی توبہ صحیح ہے۔ پہلی اور آخری سب توبہ صحیح ہیں' کیونکہ اس نے جب بھی گناہ کیا' اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کر لی اور جب اس نے توبہ کی شرطوں کو مکمل کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس کی توبہ کو قبول فرما لے۔ اگر

اس کا نفس اسے دوبارہ گناہ کی دعوت دے اور گناہ کر بیٹھے تو پھر توبہ کرے۔ تیسری اور چوتھی بار ایسا ہو تو پھر توبہ کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يَٰعِبَادِيَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ ﴾

(الزمر ۳۹/ ۵۳)

"اے پیغمبر! (میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ یقیناً اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے۔"
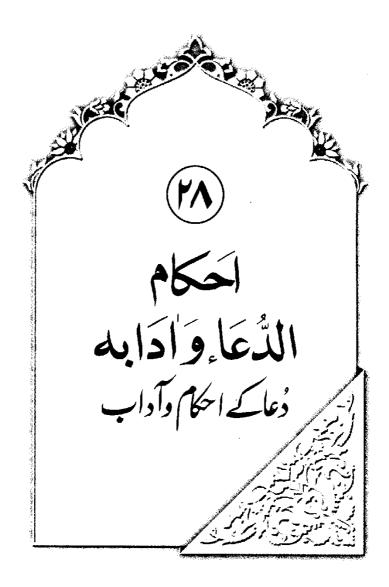
لیکن اہم بات یہ ہے کہ توبہ سچی ہو۔ توبہ کرنے والے کا عزم یہ ہو کہ وہ آئندہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ توبہ اس طرح ڈھیلی ڈھالی نہیں ہونی چاہیے کہ زبان سے تو توبہ کر رہا ہو مگر دل میں اس گناہ کے کرنے کی نیت ہو۔ اس طرح کی توبہ تو صحیح نہیں ہوتی۔ لیکن اگر توبہ صحیح ہو اور عزم یہ ہو کہ وہ آئندہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا لیکن پھر بھی اگر وہ گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو اس سے اس کی پہلی توبہ ختم نہیں ہوگی بلکہ وہ صحیح ہوگی۔ اسی طرح گناہ کرنے کے بعد وہ جب بھی توبہ کرے گا' تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالے گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

٢٨
احکام
الدُّعاء وآدابه
دُعا کے احکام وآداب

دعا کے احکام و آداب

دعا کے شرائط و آداب

سوال دعا کی قبولیت میں کون سے امور مانع ہوتے ہیں؟ قبولیت دعا کے اوقات کون سے ہیں؟

جواب سب سے پہلے تو ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ دعا بذات خود عبادت ہے اور اس سے تقرب الٰہی حاصل ہوتا ہے کیونکہ انسان جب اپنے رب سے دعا کرتا ہے تو وہ اپنی عاجزی و درماندگی اور اللہ رب ذوالجلال کی ذات گرامی کے لیے کمال کا اعتراف کرتا ہے لہٰذا دعا کے سبب اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنا ہی اس کی عبادت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "دعا عبادت ہے" [1] اور جب دعا عبادت ہے تو اس سے یقیناً تقرب الٰہی حاصل ہو گا' لہٰذا جب انسان دعا کرتا ہے تو تقرب الٰہی کے حصول کے ساتھ ساتھ اس کی دعا کو یا تو شرف قبولیت سے نواز کر اس کا مقصود اسے عطا کر دیا جاتا ہے یا اس دعا کی برکت سے اس سے کسی شر کو دور کر دیا جاتا ہے اور یہ بات اس کے مطلوب و مقصود سے حاصل ہونے والے نفع سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے اور یا پھر اس دعا کے اجر و ثواب کو اللہ تعالیٰ روز قیامت کے لیے اپنے ہاں محفوظ کر لیتا ہے۔

بہرحال جو شخص اللہ تعالیٰ سے دعا کرے وہ کسی طرح بھی خسارے میں نہیں رہتا لیکن دعا کی قبولیت کے لیے کچھ شرطیں بلکہ کچھ آداب ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ بوقت دعا انسان یہ اعتقاد رکھے کہ وہ اپنے رب کا محتاج ہے' اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت کے بغیر وہ کسی بھی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہے اور دوسرا یہ کہ وہ اعتقاد رکھے کہ کمال صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی' اس کی رحمت' احسان' فضل اور اس کی قدرت ہی کو حاصل ہے اور تیسرا یہ کہ قبولیت کی امید کے ساتھ دعا کرے' اس طرح دعا نہ کرے کہ اسے شک ہو کہ معلوم نہیں یہ دعا قبول ہو گی یا نہیں بلکہ اس یقین کے ساتھ کرے کہ اس کی یہ دعا یقیناً شرف قبولیت حاصل کرے گی اور چوتھا یہ کہ دعا میں حد سے تجاوز نہ کرے' یعنی اللہ تعالیٰ سے کسی ایسی چیز کے بارے میں دعا نہ کرے جو شرعاً جائز نہ ہو۔

آداب دعا میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ کسی ایسی چیز کے بارے میں دعا نہ کی جائے جو شرعاً حلال نہ ہو مثلاً کسی گناہ کے کام یا قطع رحمی کے لیے دعا نہ کی جائے۔ نیز ایک ادب یہ بھی ہے کہ دعا کرنے والے کا طعام اور لباس حرام نہ ہو کیونکہ مال حرام بھی قبولیت دعا سے مانع ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللّٰہَ طَيِّبٌ لاَ يَقْبَلُ إِلاَّ طَيِّبًا» (صحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، ح: ١٠١٥)

---

[1] سنن ابی داود' الوتر' باب الدعاء' حدیث: 1479

"بے شک اللہ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک ہی کو قبول فرماتا ہے۔"

قبولیت دعا کے اوقات میں سے رات کا آخری ثلث یا آخری حصہ اور اذان و اقامت کے درمیان کا وقت بطور خاص قابل ذکر ہے۔ قبولیت دعا کے حالات میں سے حالت سجدہ کی خصوصی اہمیت ہے کہ اس حالت میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ»(صحيح مسلم، الصلاة، باب ما يقال في الركوع والسجود؟، ح:٤٨٢)

"بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب حالت سجدہ میں ہوتا ہے۔"

—— شیخ ابن عثیمین ——

دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا

سوال دعا وتر کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب قنوت وتر اور دیگر موقعوں پر دعا کے بعد دونوں ہاتھوں کے منہ پر پھیرنے کے بارے میں کچھ ضعیف احادیث ہیں جن کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ناقابل حجت ہیں۔ لہٰذا ان ضعیف احادیث سے شرعی حکم ثابت نہیں ہو سکتا' لہٰذا افضل یہ ہے کہ وتر ہو یا کوئی اور موقع دعا کے بعد منہ پر ہاتھ نہ پھیرے جائیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف احادیث مجموعی طور پر حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جاتی ہیں لہٰذا یہ سنت ہے' مگر میرے نزدیک راجح بات یہی ہے کہ دعا کے بعد منہ پر ہاتھ نہ پھیرے جائیں کیونکہ اس سلسلہ میں وارد ضعیف احادیث درجۂ حسن تک نہیں پہنچتیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

دعا میں ان شاء اللہ کہنا

سوال دعا میں انسان کے ان شاء اللہ کہنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب دعا کرتے وقت انسان کو چاہیے کہ وہ یہ نہ کہے کہ اے اللہ! تو چاہے تو اس دعا کو قبول کر لے' بلکہ دعا پورے عزم اور رغبت سے کرنی چاہیے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو کوئی مجبور تو نہیں کر سکتا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (غافر٤٠/ ٦٠)

"تم مجھ سے دعا کرو' میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔"

اللہ تعالیٰ نے چونکہ قبولیت دعا کا وعدہ فرمایا ہے' لہٰذا اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ انسان یہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو دعا قبول فرما لے کیونکہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کو دعا کی توفیق عطا فرما دیتا ہے تو وہ یا تو اس کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرما دیتا ہے یا اس دعا کی برکت سے اس سے کسی شر کو دور فرما دیتا ہے یا روز قیامت کے لیے اسے ذخیرہ کر دیتا ہے۔ نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

«لاَ يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي إِنْ شِئْتَ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ، لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ فَإِنَّهُ لاَ مُسْتَكْرِهَ لَهُ»(صحيح البخاري، الدعوات، باب ليعزم المسألة فإنه لا مكره له، ح:٦٣٣٩، ٧٤٧٧ وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب العزم بالدعاء ... الخ، ح:٢٦٧٩)

"تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے معاف فرما دے' اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما' بلکہ اسے عزم سے دعا کرنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔"

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کیا نبی ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ مریض سے فرمایا کرتے تھے:

«لاَ بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى»(صحيح البخاري، المرض، باب عيادة الأعراب، ح:٥٦٥٦)

"اس میں کوئی حرج نہیں' یہ بیماری ان شاء اللہ گناہوں سے پاک کر دے گی۔"

تو ہم عرض کریں گے کہ ہاں! یہ نبی ﷺ سے ضرور ثابت ہے' مگر یہ الفاظ دعا کے باب سے نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق تو باب خبر اور امید سے ہے' لہٰذا آداب دعا میں سے یہ ایک اہم ادب ہے کہ انسان پورے جزم اور وثوق کے ساتھ دعا کرے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے

سوال کیا دعا سے تقدیر بدل سکتی ہے؟

جواب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے دعا کا حکم دیا اور فرمایا ہے:

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ٱدْعُونِىٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (غافر ٤٠/ ٦٠)

"اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو' میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔"

اور فرمایا:

﴿ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِى عَنِّى فَإِنِّى قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ ٱلدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ﴾ (البقرة٢/ ١٨٦)

"اور (اے پیغمبر!) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دیجئے کہ) میں تو (تمہارے) پاس ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔"

لہٰذا جب بندہ کسی سبب مشروع کو اختیار کرے اور دعا کرے تو یہ بھی تقدیر ہے اور تقدیر کو تقدیر ہی کے ساتھ بدلنا ہے' مگر ایسا اس وقت ہو گا جب اللہ چاہے گا اور حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْعَبْدَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ وَلاَ يَرُدُّ الْقَدْرَ إِلاَّ الدُّعَاءُ وَلاَ يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلاَّ الْبِرُّ»(مسند أحمد: ٥/ ٢٨٢، ٢٧٧، ٢٨٠ وجامع الترمذي، ح: ٢١٣٩ وسنن ابن ماجه، ح: ٩٠)

"بندہ گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے' تقدیر کو صرف دعا ہی بدل سکتی ہے اور عمر میں صرف نیکی ہی اضافہ کر سکتی ہے۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

دعا میں استثناء

سوال ان الفاظ کے کہنے کے بارے میں کیا حکم ہے کہ ”ہم ان شاء اللہ جنت میں ملاقات کریں گے؟“

جواب یہ ایک اچھی بات ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ جنت میں ہمیں اپنے بھائیوں کے ساتھ جمع کرے اور ہم جنت میں ملاقات کر سکیں' لیکن اس موقع پر ”ان شاء اللہ“ نہ کہے بلکہ یہ کہے کہ ”ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اپنے فضل سے وہ ہمیں جنت میں اکٹھا کر دے“ ان شاء اللہ نہ کہے اور دعا میں استثناء نہ کرے۔

——— شیخ ابن باز ———

دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا

سوال میں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ خطبہ جمعہ کی دعا میں دونوں ہاتھوں کو اٹھا لیتے ہیں اور بعض نہیں اٹھاتے۔ بعض لوگ سنت مؤکدہ کے بعد دعا کے لیے دونوں ہاتھوں کو اٹھا لیتے ہیں' اسی طرح بعض لوگ وتر میں دعائے قنوت میں ہاتھ اٹھا لیتے ہیں اور بعض نہیں اٹھاتے۔ امید ہے راہنمائی فرمائیں گے کیا دعا میں دونوں ہاتھوں کو اٹھانا سنت ہے یا نہیں؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا سنت ہے اور یہ قبولیت دعا کے اسباب میں سے ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهِ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ، أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا»(سنن أبي داود، الوتر، باب الدعاء، ح:١٤٨٨ وجامع الترمذي، ح:٣٥٥٦ وسنن ابن ماجه، ح:٣٨٦٦ والمستدرك على الصحيحين للحاكم: ١/ ٤٩٧)

”تمہارا رب باحیا اور کریم ہے' وہ اس بات سے حیا محسوس کرتا ہے کہ اس کا بندہ اپنے ہاتھوں کو اٹھائے اور وہ انہیں خالی لوٹا دے۔“

اس حدیث کو ابو داود' ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ نیز صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لاَ يَقْبَلُ إِلاَّ طَيِّبًا، وَإِنَّ اللهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ، فَقَالَ: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَـٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَـٰلِحًا ۖ إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾﴾ (المؤمنون٢٣/ ٥١) وَقَالَ ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُلُوا۟ مِن طَيِّبَـٰتِ مَا رَزَقْنَـٰكُمْ﴾ (البقرة٢/ ١٧٢)
«ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ، أَشْعَثَ أَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ، يَارَبِّ! يَارَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ! وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ! وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ! فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ؟»(صحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، ح:١٠١٥)

”اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک ہی کو قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو اس نے رسولوں کو حکم دیا تھا کہ اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور عمل نیک کرو تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے میں بخوبی واقف ہوں اور ایمان والوں کو حکم دیا کہ اے اہل ایمان! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں' ان کو کھاؤ اور اگر تم اللہ ہی کی بندگی کرتے ہو تو (اس کی نعمتوں کا) شکر بھی ادا کرو۔ پھر آپ نے

ایک شخص کا ذکر کیا جو ایک لمبا سفر کرتا ہے' پریشان حال اور غبار آلود ہوتا ہے' اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یارب! یارب! حالانکہ اس کا کھانا حرام' پینا حرام اور لباس بھی حرام ہے' مال حرام ہی سے اس کی پرورش ہوئی ہے تو اس کی دعا کیسے قبول ہو؟"

بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ استسقاء میں اور حجۃ الوداع کے موقع پر' ایام تشریق میں جمرہ اولیٰ و ثانیہ کے پاس اور دیگر بہت سے موقعوں پر دعا میں ہاتھ اٹھائے تھے لیکن یہ ثابت نہیں کہ نبی ﷺ نے ہر عبادت کے وقت ہاتھ اٹھائے ہوں' لہٰذا آپ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں آپ نے ہاتھ نہیں اٹھائے وہاں ہم بھی ہاتھ نہ اٹھائیں' مثلاً خطبۂ جمعہ' خطبۂ عید' دونوں سجدوں کے درمیان دعا' نماز کے آخر میں دعا اور نماز پنجگانہ کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ اور ہمیں حکم یہ ہے کہ ہم کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں صرف اور صرف نبی ﷺ ہی کے اسوہ کو پیش نظر رکھیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٢١)

"یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے۔"

شیخ ابن باز

بے وضو دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں

سوال بعض اوقات میں رات کو دو بجے بیدار ہو جاتا ہوں اور دعا شروع کر دیتا ہوں حالانکہ نہ میں نے وضو کیا ہوتا ہے اور نہ نفل نماز ہی پڑھی ہوتی ہے تو کیا یہ جائز ہے یا دعا کے لیے وضو اور نماز ضروری ہے؟

جواب دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں' خواہ آپ بے وضو ہی ہوں حتی کہ دعا تو حالت جنابت میں بھی کی جا سکتی ہے کیونکہ دعا کے لیے طہارت شرط نہیں ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے دعا کے لیے طہارت کی شرط نہیں رکھی کیونکہ دعا کے لیے تو بندہ ہر وقت محتاج ہے۔ لیکن طہارت اور نماز کے ساتھ دعا کے قبول ہونے کی زیادہ امید ہوتی ہے خصوصاً حالت سجدہ میں دعا ضرور قبول ہوتی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ، فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ»(صحيح مسلم، الصلاة، باب ما يقال في الركوع والسجود؟، ح: ٤٨٢)

"بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب سجدہ میں ہوتا ہے' لہٰذا اس حالت میں کثرت سے دعا کیا کرو۔"

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں بیان فرمایا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

شیخ ابن باز

ہمارے نیکوکاروں کی وجہ سے گناہ گاروں کو معاف کر دے

سوال اس دعا کا کیا مطلب ہے کہ "ہمارے نیکوکاروں کی وجہ سے گناہ گاروں کو معاف فرما دے"؟

اس کا مطلب ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے یہ دعا کی جا رہی ہے کہ وہ گناہ گاروں کو نیک مسلمانوں کی وجہ سے

معاف فرما دے اور اس دعا میں کوئی حرج نہیں' کیونکہ نیک لوگوں کی صحبت و ہم نشینی بھی ان اسباب میں سے ہے جن کی وجہ سے گناہ گاروں کو معاف کر دیا جاتا ہے کہ نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالسَّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيرِ، فَحَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً، وَنَافِخُ الْكِيرِ إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً»(صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب المسك، ح:٥٥٣٤ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب مجالسة الصالحين . . . الخ، ح:٢٦٢٨)

"نیک اور برے ساتھی کی مثال کستوری اٹھانے والے اور بھٹی دھونکنے والے کی طرح ہے' کستوری کا اٹھانے والا یا تو تمہیں تحفہ دے دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا اس سے اچھی خوشبو پاؤ گے اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا تم اس سے بدبو پاؤ گے۔"

لیکن یہ جائز نہیں کہ گناہوں کے ازالے کے لیے مسلمان صرف ان امور ہی پر اکتفا کرے' بلکہ واجب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرتا رہے' اپنا محاسبہ کرتا رہے' اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے دین میں لگا دے اور ان امور کو ادا کرے' جن کو اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے اور ان سے بچے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی امید بھی رکھے' محض اپنے آپ یا اپنے عمل پر بھروسہ نہ کرے' اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«سَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَأَبْشِرُوا، فَإِنَّهُ لَنْ يُدْخِلَ الْجَنَّةَ أَحَدًا عَمَلُهُ قَالُوا: وَلاَ أَنْتَ؟ يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: وَلاَ أَنَا إِلاَّ أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللهُ مِنْهُ بِرَحْمَةٍ»(صحيح البخاري، الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل، ح:٦٤٦٧ وصحيح مسلم، صفات المنافقين، باب لن يدخل أحد الجنة بعمله، ح:٢٨١٨ واللفظ له)

''تم درست طریقے سے عمل کرو' میانہ روی اختیار کرو اور خوش ہو جاؤ سو تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل کے ساتھ جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا' یا رسول اللہ! آپ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: میں بھی نہیں' الا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔'' وباللہ التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

اسمائے حسنیٰ کا وسیلہ

سوال جب انسان اس طرح دعا کرے کہ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے اسمائے حسنیٰ اور صفات کے وسیلے سے یہ سوال کرتا ہوں کہ میرا یہ کام کر دے تو کیا اس طریقے سے دعا کرنا صحیح ہے؟

جواب سنت یہی ہے کہ دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا کے وسیلہ کو اختیار کرے' نیز وہ اپنے اعمال صالحہ اور نیک لوگوں کی صحبت کے وسیلے کو اختیار کرے کہ یہ قبولیت کے اسباب میں سے ہے۔ اس طرح کے وسیلہ کو

دعا سے پہلے اور بعد میں دونوں طرح پیش کرنا جائز ہے' لیکن یاد رہے کہ اشخاص کے وسیلہ کو اختیار کرنا جائز نہیں ہے' مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ اے اللہ! میں تیرے پاس فلاں مرد یا عورت کے وسیلہ کو پیش کرتا ہوں تو یہ وسائلِ شرک میں سے ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کاغذ سے دیکھ کر دعا پڑھنا

سوال مجھے بہت کم دعائیں یاد ہیں' لہٰذا کیا یہ جائز ہے کہ میں کاغذ پر کچھ دعائیں لکھ لوں اور انہیں نماز میں اور نماز سے باہر دیکھ کر پڑھ لیا کروں؟

جواب اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ اگر زبانی یاد نہ ہو تو انسان کاغذ سے دیکھ کر دعا پڑھ لے' یعنی کاغذ پر دعا لکھ لے اور اپنے پسندیدہ اوقات مثلاً رات میں یا رات کے آخری حصہ میں یا دیگر اوقات میں پڑھ لے۔ لیکن اگر اس کے لیے دعا کو زبانی یاد کرنا اور خشوع و خضوع سے دعا کرنا ممکن ہو تو یہ زیادہ مکمل صورت ہے۔ نماز میں افضل و بہتر صورت تو یہی ہے کہ دعا زبانی کی جائے اور دعاؤں کے الفاظ مختصر اور جامع ہوں' لیکن اگر کوئی حالت تشہد میں یا دونوں سجدوں کے درمیان کاغذ سے دیکھ کر دعا پڑھ لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ لیکن دعا زبانی یاد ہو تو اس سے زیادہ خشوع و خضوع پیدا ہو سکتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

صدقہ کرنے والے کے لیے دعا

سوال بعض لوگ صدقہ حاصل کرنے کے لیے جمع ہو جاتے ہیں' تو وہ مال صدقہ پر ہاتھ رکھ کر دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص صدقہ کرنے والے کے لیے دعا کرتا ہے اور دوسرے لوگ بلند آواز سے آمین کہتے ہیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ صورت درست نہیں کیونکہ یہ بدعت ہے۔ لیکن مال صدقہ پر ہاتھ رکھے بغیر اور مذکورہ صورت میں جمع ہو کر بلند آواز سے دعا کیے بغیر صدقہ کرنے والے کے لیے دعا کرنا صحیح ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ، فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا مَا تُكَافِئُونَهُ فَادْعُوا لَهُ حَتَّى تَرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوهُ»(سنن أبي داود، الزكاة، باب عطية من سأل بالله عزوجل، ح: ١٦٧٢ وسنن النسائي، ح: ٢٥٦٨)

"جو شخص بھی تمہارے ساتھ نیکی کرے تم اسے بدلہ دو۔ اگر بدلہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو اس کے لیے اس قدر دعا کرو کہ تمہیں محسوس ہو کہ تم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

خطبہ کی دعا میں ہاتھ اٹھانا

امام جب خطبۂ جمعہ میں دعا کر رہا ہو تو اس وقت ہاتھ اٹھانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہا

تھا کہ ایک شخص نے نماز کے بعد مجھے اس سے منع کر دیا مگر اس نے ممانعت کی کوئی دلیل پیش نہیں کی؟

جواب خطبہ کی دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا غیر مشروع ہے' یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا اس وقت انکار کیا جب بشر بن مروان نے خطبہ جمعہ میں اپنے ہاتھوں کو اٹھایا تھا' دوران خطبہ دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا صرف دو حالتوں میں ثابت ہے۔ استسقاء کے وقت یعنی بارش کے لیے دعا کے وقت اور بارش بند ہونے کی دعا کے وقت اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ ایک آدمی اس وقت مسجد میں داخل ہوا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور اس نے عرض کیا اموال ضائع ہو گئے--- الخ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اٹھا دیے اور دعا فرمائی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آدمی اگلے جمعہ میں بھی آیا اور اس نے عرض کیا' یا رسول اللہ! مال غرق ہو گیا ہے--- الخ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے اور دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلاَ عَلَيْنَا»(صحيح البخاري، الجمعة، باب الاستسقاء في الخطبة يوم الجمعة، ح:٩٣٣ وصحيح مسلم صلٰوة الاستسقاء، باب الدعاء في الاستسقاء، ح:٨٩٧)

"اے اللہ! ان بادلوں کو ہم سے دور ہٹا کر ہمارے گرد و پیش میں لے جا---" الخ

خطیب دعا کے لیے صرف ان دو موقعوں پر اپنے ہاتھوں کو اٹھا سکتا ہے اور لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ صرف اسی وقت ہاتھ اٹھائیں جب خطیب ہاتھ اٹھائے' کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی صرف اسی وقت ہاتھ اٹھائے تھے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے تھے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ہر درس کے بعد اجتماعی دعا

سوال قراءت قرآن مجید کے فوراً بعد اجتماعی صورت میں دعا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے مثلاً یہ کہ ایک شخص دعا کرے اور باقی لوگ آمین کہیں اور اسی طرح کسی بھی انقطاع کے بغیر ہر درس اور ہر وعظ کے فوراً بعد دعا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے۔ اس طرح دعا کرنے والوں کا آیت کریمہ ﴿ وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ--- الْاٰيَة ﴾ سے استدلال ہے؟

جواب اصل یہ ہے کہ اذکار اور عبادات توقیفی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اسی طرح کی جائے' جس طرح حکم شریعت ہے۔ اسی طرح ان کے اطلاق' وقت کی پابندی' کیفیت اور تعداد کے سلسلہ میں بھی حکم الٰہی کی پابندی از بس ضروری ہے۔ یعنی اذکار' دعاؤں اور دیگر تمام عبادات کے سلسلہ میں یہ دیکھا جائے گا کہ انہیں شریعت نے مطلقاً ادا کرنے کی اجازت دی ہے یا انہیں وقت' عدد' جگہ یا کیفیت کی کسی پابندی کے ساتھ مقید کیا ہے۔ اگر مقید کیا ہے تو ہمیں اس کی پابندی کرنا پڑے گی اور اگر مقید نہیں کیا تو ہمارے لیے از خود کسی خاص کیفیت یا وقت یا تعداد کی پابندی عائد کر لینا جائز نہیں ہے بلکہ اس سلسلہ میں ہمیں بھی اس عبادت کو اس طرح مطلقاً کرنا ہو گا' جس طرح اس کے بارے میں حکم شریعت وارد ہے اور جس عبادت کے لیے وقت' تعداد' جگہ یا کیفیت کی پابندی قولی یا عملی دلائل سے ثابت ہو تو ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی طرح کریں گے' جس طرح کہ وہ شرعاً ثابت ہے۔

(اس اصول کے بعد یاد رکھیئے کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً یا فعلاً یا تقریراً فرض نمازوں کے بعد' قراءت قرآن کے فوراً بعد یا

ہر درس کے بعد اجتماعی طور پر دعا کرنا ثابت نہیں ہے' خواہ اس کی صورت یہ ہو کہ امام دعا کرے اور مقتدی آمین کہیں یا تمام مقتدی ہی اجتماعی طور پر دعا کریں۔ یہ طریقہ خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت نہیں ہے' لہٰذا جو شخص فرض نمازوں کے بعد یا ہر قراءت قرآن کے بعد یا ہر درس کے بعد اجتماعی دعا کی پابندی کرتا ہے تو وہ بدعت کا ارتکاب کرتا اور دین میں ایک ایسی نئی چیز پیدا کرتا ہے جو دین میں سے نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة، ح:١٨/١٧١٨)

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔"

اور فرمایا:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، ح:٢٦٩٧ وصحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة، ح:١٨/١٧١٨ واللفظ له)

"جس نے ہمارے اس امر (شریعت) میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کی جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

جن لوگوں کو آپ نے نصیحت کی ہے اور انہوں نے ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ... الآية ﴾ سے استدلال کرتے ہوئے (نصیحت ماننے سے) انکار کر دیا ہے تو ان کے لیے اس آیت میں کوئی حجت اور دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ استدلال ایک ایسی مطلق نص سے ہے' جس میں اس کیفیت کی تعیین نہیں ہے' جس کی انہوں نے اپنی دعاؤں میں پابندی شروع کر رکھی ہے اور مطلق کے سلسلہ میں یہ ضروری ہے کہ عمل اس کے اطلاق کے مطابق ہو' اس میں کسی مخصوص حالت کا التزام نہ کیا جائے۔ اگر اس میں کسی مخصوص کیفیت کی پابندی لازم ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کی پابندی فرماتے اور پھر آپ کے بعد آپ کے خلفاء بھی اس پابندی کا التزام فرماتے اور قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ بات آپ سے اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قطعاً ثابت نہیں ہے اور (یہ بات طے شدہ ہے کہ) ساری خیر و برکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سیرت کی اتباع اور پیروی میں ہے' جب کہ ساری کی ساری خرابی ان کی سیرت کی مخالفت اور ان بدعات کی پیروی میں ہے' جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:

«إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ»(سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، ح:٤٦٠٧ وجامع الترمذي، ح:٢٦٧٦)

"نئی نئی باتوں سے بچو کیونکہ (دین میں ایجاد کی جانے والی) ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت (گمراہی) ہے۔"

و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

نماز کے بعد امام کا دعا کرنا

بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی کو عبدالرحمٰن مظہری کی طرف سے حسب ذیل استفسار موصول ہوا ہے کہ "ہم

بعض علاقوں میں دیکھتے ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد امام اور مقتدی ہاتھ اٹھا لیتے ہیں۔ امام دعا کرتا ہے اور مقتدی آمین کہتے ہیں۔ امید ہے آپ دلائل سے یہ واضح فرمائیں گے کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟''

جواب تمام عبادات توقیفی ہیں لہٰذا کسی عبادت کے اصل' عدد' کیفیت اور جگہ کو اسی وقت مشروع قرار دیا جا سکتا ہے' جب وہ عبادت کسی شرعی دلیل سے ثابت ہو۔ سوال میں مذکور دعا کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی کوئی قولی' فعلی یا تقریری سنت ثابت نہیں ہے (لہٰذا یہ جائز نہیں ہے) اور ہر طرح کی خیرو بھلائی صرف اور صرف آپ کی سنت ہی کی پیروی میں ہے اور اس مسئلہ میں دلائل کے ساتھ آپ کی جو سنت ثابت ہے' وہ یہ ہے کہ آپ اس انداز میں دعا نہیں فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے بعد خلفاء راشدین' حضرات صحابہ کرام اور تابعین کی سنت بھی یہی ہے کہ وہ اس طرح دعا نہیں کیا کرتے تھے اور طے شدہ اصول یہ ہے کہ جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف عمل کرے' وہ مردود ہے جیسا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحیح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة، ح:١٨/١٧١٨)

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''

لہٰذا جو امام بھی سلام پھیرنے کے بعد دعا کرے' مقتدی اس کی دعا پر آمین کہیں اور سب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا رکھے ہوں' تو اس امام سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے' جس سے وہ اپنے اس عمل کو ثابت کر سکے اور اگر ثابت نہ کر سکے تو پھر یہ عمل مردود ہو گا۔

اس اصولی بات کے بعد ہم نبی ﷺ کی سیرت کی چند جھلکیاں آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں' آپ کا معمول یہ تھا کہ سلام پھیرنے کے بعد آپ تین بار اَسْتَغْفِرُاللّٰہ پڑھتے اور پھر یہ پڑھتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ يَاذَاالْجَلَالِ وَالإِكْرَامِ»(صحيح مسلم، المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، ح:٥٩١، ٥٩٢ وجامع الترمذي، ح:٣٠٠)

''اے اللہ! تو ہی سلامتی دینے والا ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی حاصل ہوتی ہے۔ بڑا برکت والا ہے تو اے عظمت و جلال کے مالک اور اکرام و انعام فرمانے والے۔''

امام اوزاعی سے پوچھا گیا کہ نبی ﷺ نماز کے بعد استغفار کیسے پڑھتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ پڑھا کرتے تھے: اَسْتَغْفِرُاللّٰہ ' اَسْتَغْفِرُاللّٰہ یہ مسلم' ترمذی اور نسائی کی روایت کے الفاظ ہیں اور نسائی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے فراغت کے بعد یہ استغفار پڑھا کرتے تھے۔[1] ابوداود میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فراغت پاتے تو اللہ تعالیٰ سے تین بار استغفار کرتے اور پھر فرماتے اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ[2] ابوداود اور نسائی کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تو فرماتے:

---

[1] صحيح مسلم' الصلاة' باب مايستعاذ منه في الصلاة' حديث : 591 و جامع الترمذي' الصلاة' حديث : 300 و سنن النسائي' الصلاة' حديث : 1338

[2] سنن ابي داود' الصلاة' باب مايقول الرجل اذا سلم' حديث : 1513

«اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ يَاذَاالْجَلَالِ وَالإِكْرَامِ»(سنن أبي داود، الوتر، باب ما يقول الرجل إذا سلم، ح:١٥١٢ وسنن النسائي، السهو، باب الذكر بعد الاستغفار، ح:١٣٣٩)

''اے اللہ! تو ہی سلامتی عطا فرمانے والا ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی حاصل ہوتی ہے۔ بڑا برکت والا ہے تو اے عظمت و جلال کے مالک اور اکرام و انعام فرمانے والے۔''

صحیح مسلم کی روایت میں ہے' جو کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے کاتب وَرَّاد سے ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام خط میں یہ املاء کروایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے:

«لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اَللّٰهُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلاَ مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلاَ يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ»(صحيح البخاري، الأذان، باب الذكر بعد الصلاة، ح:٨٤٤ وصحيح مسلم، المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، ح:٥٩٣)

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' سارا ملک اسی کا ہے اور اسی کے لیے سب تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! جو تو عطا فرمائے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو نہ دے اسے کوئی دینے والا نہیں اور کسی دولت مند کو اس کی دولت تیری پکڑ سے بچا نہیں سکتی۔''

صحیح مسلم ہی کی ایک اور روایت میں ہے' جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہر نماز میں سلام پھیرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھا کرتے تھے:

«لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللهِ، لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، وَلاَ نَعْبُدُ إِلاَّ إِيَّاهُ، لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ، وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ»(صحيح مسلم، المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، ح:٥٩٤)

''اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اسی کا سارا ملک ہے اور اسی کے لیے سب تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ کسی بھی کام (یعنی گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے) کی طاقت و قوت اللہ کی مدد کے بغیر میسر نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' ہم صرف اس کی عبادت کرتے ہیں اس کی (دی ہوئی سب) نعمتیں ہیں' اس کا ہم پر فضل و احسان ہے اور اسی کے لیے سب اچھی تعریفیں ہیں' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' ہم تو پورے اخلاص کے ساتھ صرف اسی کے دین کے پیروکار ہیں خواہ کافروں کو برا لگے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے اور صحیح مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص ہر نماز کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ' تینتیس بار الحمد للہ' تینتیس بار اللہ اکبر پڑھے اور پھر سو کی گنتی کو پورا کرنے کے لیے ایک بار یہ پڑھے:

«لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيرٌ﴾ (صحيح مسلم، المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، ح:٥٩٧)

"اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے' وہ اکیلا ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں' سارا ملک اسی کا ہے اور اسی کی سب تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔"

تو اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں' خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ جو شخص اس سلسلہ میں مزید دعائیں معلوم کرنا چاہے' تو اسے چاہیے کہ وہ جامع کتب حدیث مثلاً جامع الاصول' مجمع الزوائد' المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ وغیرہ کے کتاب الادعیہ کا مطالعہ کرے۔ وباللہ التوفیق۔ و صلی اللہ وسلم علی نبینا و صحبہ اجمعین۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

اللہ تعالیٰ سے قرآن کے ساتھ دعا کرنا

سوال کیا انسان کے لیے اس طرح دعا کرنا جائز ہے: اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ اَوْ عَلَّمْتَهُ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوْ اَنْزَلْتَهُ فِيْ كِتَابِكَ--- "اے اللہ! میں تیرے ہر اس نام کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں جس کے ساتھ تو نے اپنی ذات گرامی کو موسوم کیا ہے یا جسے تو نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے--- الخ کہ تو قرآن کے ساتھ مجھے تنگی کے بعد کشادگی' غم کے بعد خوشی اور سختی کے بعد آسانی عطا فرما؟

جواب اس دعا میں کوئی حرج نہیں۔ یہ دعا مسند احمد وغیرہ کی صحیح حدیث میں موجود ہے۔[1] دعا کے آخری الفاظ میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے شفاء' ہدایت اور رحمت بنایا ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا اور قبلہ کی طرف منہ کرنا

سوال کیا یہ قبولیت دعا کی شرطوں میں سے ہے کہ ہاتھوں کو اٹھا لیا جائے اور منہ قبلہ رخ کیا جائے؟

جواب بوقت دعا دونوں ہاتھوں کو اٹھانا اور منہ قبلہ رخ کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ قبلہ سب سے افضل جہت ہے لیکن قبولیت دعا کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ ہاتھوں کو ضرور اٹھایا جائے اور منہ قبلہ رخ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ مخلص مسلمان کی دعا کو شرف قبولیت سے ضرور نوازتا ہے خواہ وہ ہاتھوں کو نہ اٹھائے اور قبلہ کی طرف منہ نہ بھی کرے اور یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ جو ہاتھوں کو اٹھا کر اور قبلہ رخ ہو کر دعا کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو ضرور قبول فرما لے گا' کیونکہ قبولیت سے کئی اور امور بھی مانع ہو سکتے ہیں۔

—— شیخ ابن جبرین ——

بچوں کو بد دعا دینا

سوال جب بچوں سے کوئی غلطی یا لغزش ہو جائے' تو بہت سے والدین انہیں بد دعا دینے لگ جاتے ہیں۔ امید ہے اس حوالہ سے آپ ان کی راہنمائی فرمائیں گے؟

---

[1] مسند احمد: 391/1' 452

جواب ہم والدین کو یہ نصیحت کریں گے کہ ان کی اولاد سے بچپن میں جب کوئی کوتاہی ہو جائے' تو معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں اور اگر وہ کوئی ناشائستہ گفتگو کریں یا کسی اور طرح سے تکلیف دیں تو صبر کریں کیونکہ بچے عقل کے کچے ہوتے ہیں' قول و فعل میں ان سے غلطی ہوتی رہتی ہے۔ باپ اگر حلیم ہو گا' بچے کی غلطی کو معاف کر دے گا اور اسے نرمی' محبت اور شفقت سے سمجھائے گا' تو بچہ بھی اسے یقیناً قبول کر کے مؤدب بن جائے گا' لیکن عموماً دیکھا یہ گیا ہے کہ بچوں کی غلطی تو چھوٹی ہوتی ہے مگر اس کے مقابلہ میں والدین بڑی غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں کہ اپنے بچوں کے لیے موت' بیماری یا آفتوں اور مصیبتوں کی بد دعائیں کرنے لگتے ہیں اور پھر بڑی کثرت کے ساتھ اس طرح کی بد دعائیں کرتے ہیں' لیکن جب ان کا غصہ فرو ہوتا ہے تو انہیں افسوس ہوتا ہے اور اپنی غلطی کا احساس بھی اور وہ اعتراف کرنے لگتے ہیں کہ وہ ہرگز یہ پسند نہیں کرتے کہ ان کی یہ بد دعائیں قبول ہوں' کیونکہ پدری محبت و شفقت کا تقاضا یہی ہوتا ہے اور انہوں نے جو بد دعا دی تھی تو یہ شدت غضب کی وجہ سے تھی' اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ۞ وَلَوْ يُعَجِّلُ ٱللَّهُ لِلنَّاسِ ٱلشَّرَّ ٱسْتِعْجَالَهُم بِٱلْخَيْرِ لَقُضِىَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ ﴾ (یونس ۱۰/ ۱۱)

"اور اگر اللہ لوگوں کی برائی میں جلدی کرتا جس طرح وہ طلب خیر میں جلدی کرتے ہیں تو ان کی (عمر کی) میعاد پوری ہو چکی ہوتی۔"

والدین کے لیے واجب ہے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لیں اور مار پیٹ کر بچوں کو ادب سکھا لیا کریں' کیونکہ بچہ تادیب و تعلیم کی نسبت مار پیٹ سے زیادہ اثر قبول کرتا ہے۔ جہاں تک بد دعاء کا تعلق ہے تو اس سے اسے نہ کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں کیا کہا جا رہا ہے' لہٰذا جو والد نے کہا ہو گا وہ اس کے ذمہ لکھا جائے گا اور بچے کو اس سے قطعاً کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

میری دعا قبول نہیں ہوتی

سوال میں دس سال سے زیادہ عرصہ تک وقتاً فوقتاً یہ دعا کرتی رہی ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نیک شوہر اور نیک اولاد عطا فرمائے لیکن میری یہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے جسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ میرا سوال یہ ہے کہ اب کچھ عرصہ سے میں نے یہ دعا کرنی چھوڑ دی ہے۔ دعا کے قبول ہونے سے مایوس ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ سوچتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر میری اس دعا کو قبول نہیں فرمایا تو یہ اس لیے کہ اس دعا کی قبولیت میرے حق میں بہتر نہیں ہے' لہٰذا میں نے یہ طے کیا ہے کہ میں اب اس دعا کو ختم کر دوں' کیونکہ اس دعا کی قبولیت کی شدید خواہش کے باوجود اللہ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ میرے حق میں کون سی بات زیادہ بہتر ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس صورت حال میں میرے لیے کیا واجب ہے؟ کیا دعا کے سلسلہ کو جاری رکھوں یا اس بات پر قانع ہو جاؤں کہ یہ دعا میرے حق میں بہتر نہیں ہے لہٰذا اسے چھوڑ دوں؟

جواب حدیث میں آیا ہے کہ بندے کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا جاتا ہے بشرطیکہ وہ جلدی نہ کرے [1] اور جلدی

[1] صحیح البخاری' الدعوات' باب یستجاب للعبد مالم یعجل' حدیث : 6340 و صحیح مسلم' الذکر والدعاء' باب بیان انہ یستجاب للداعی مالم یعجل---' حدیث : 2735

کرنے کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ بندہ قبولیت میں تاخیر کو دیکھ کر مایوس ہو جائے اور دعا کرنا چھوڑ دے اور کہے کہ میں نے بہت دعا کی ہے مگر میری دعا تو قبول ہی نہیں ہوتی۔ بات یہ ہے کہ بسا اوقات کچھ خاص یا عام اسباب کے باعث اللہ تعالیٰ دعا کی قبولیت کو مؤخر کر دیتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا کرنے والے کو تین چیزوں میں سے ایک ضرور عطا فرما دیتا ہے (۱) بندے کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے اس کے سوال کو پورا فرما دیتا ہے۔ (۲) دعا کو آخرت کے لیے ذخیرہ بنا لیتا ہے یا (۳) اس کے بقدر اس سے اللہ تعالیٰ کسی شر کو دور فرما دیتا ہے' لہٰذا اے بہن! گزارش یہ ہے کہ آپ جلدی نہ کریں۔ دعا کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھیں خواہ اس میں کئی سال لگ جائیں' نیز جب کفو (ہم پلہ) رشتہ آئے تو اس کا انکار نہ کریں خواہ رشتہ طلب کرنے والا بڑی عمر کا یا پہلے سے شادی شدہ ہی کیوں نہ ہو' امید ہے اللہ تعالیٰ اسی میں خیر کثیر پیدا فرما دے گا۔

———— شیخ ابن جبرین ————

نماز میں خالص دنیوی امور کے لیے دعا

سوال کیا نماز میں خالص دنیوی امور کے لیے دعا کرنا جائز ہے؟ یہ دعا کس طرح کی جائے یعنی کیا بہتر یہ ہے کہ انسان نماز کے ختم ہونے کے بعد دعا کرے یا تشہد اول کے بعد دعا کرے یا سجدوں میں دعا کرے؟

جواب دنیوی امور مثلاً محض دنیوی خواہشات' کثرت مال اور خوبصورت بیوی وغیرہ کے بارے میں نماز میں دعا کرنا جائز نہیں ہے' ہاں البتہ اگر زندگی کے ان ضروری امور کی اسے اس لیے ضرورت ہو تاکہ دینی امر میں ان سے کام لے سکے مثلاً ایسی دعا سے مقصود عفت و عصمت کی حفاظت' لوگوں سے بے نیازی اور اپنے چہرے کو لوگوں کے سامنے ذلیل ہونے سے بچانا ہو تو پھر ایسی دعا نماز کے اندر اور باہر دونوں طرح جائز ہے۔ فرض نمازوں کے بعد مسنون یہ ہے کہ ان اذکار کو پڑھا جائے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔ فرض نمازوں کے بعد دعا مانگنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ آخری تشہد اور سجدوں میں دعا مانگنا مسنون ہے اور یہ قبولیت دعا کے مقامات ہیں۔ واللہ اعلم۔

———— شیخ ابن جبرین ————

یہ دعا غیر مقبول ہے

سوال میں نفل روزے رکھتی ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ میری ان غلطیوں اور لغزشوں کو معاف فرما دے جو میرے علم کے بغیر مجھ سے صادر ہوتی رہتی ہیں۔ الحمد للہ! میں دینی احکام کی پابند ہوں' لیکن (عجیب بات یہ ہے کہ) میری والدہ یہ دعا کرتی رہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ میرے روزوں کو قبول نہ فرمائے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ یہ دعا کیوں کرتی ہیں' حالانکہ میرے یہ روزے گھر کے کام کاج پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتے۔ میری والدہ میری محتاج بھی نہیں ہیں' لیکن ان کی اس دعا کی وجہ سے میں بہت حیران و پریشان ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے روزوں کو قبول بھی فرمائے گا یا نہیں کیونکہ والدین کی دعا تو قبول ہوتی ہے۔ آپ کی اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب آپ جو عبادات اور نفل روزوں کا اہتمام فرماتی ہیں' ہم اسے بنظر تحسین دیکھتے ہیں۔ آپ حتی المقدور انہیں بجا

لاتی رہیں اور اپنی والدہ صاحبہ سے معذرت کریں کہ روزہ ایک نیک عمل ہے اور جب یہ آپ کے ساتھ نیکی' آپ کی خدمت اور آپ کے حقوق ادا کرنے سے نہیں روکتا تو آپ اس سے منع نہ کریں' بلکہ آپ کے لیے واجب یہ ہے کہ آپ مجھے اس کی ترغیب دیں' بلکہ ممکن ہو تو آپ خود بھی نفل روزے رکھیں' کیونکہ درجات کی بلندی اور گناہوں کے کفارہ کے لیے اسے بھی نفل نماز و روزہ اور عبادت کی زیادہ ضرورت ہے۔ آپ نے اپنی والدہ کی دعا کا جو ذکر کیا ہے تو امید ہے کہ یہ دعا قبول نہیں ہو گی کیونکہ روزہ تو ایک بہت اچھا اور صالح عمل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا سے ان کا مقصود آپ پر رحمت و شفقت ہی ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا

سوال میں دو سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنے کے بارے میں کیا حکم ہے اور دوسرا یہ کہ عورت کے مرد سے مصافحہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب منہ پر ہاتھ پھیرنے کے بارے میں صحیح احادیث موجود نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں جو احادیث موجود ہیں' وہ ضعف سے خالی نہیں ہیں لہٰذا زیادہ راجح اور زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو منہ پر نہ پھیرا جائے۔ بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سلسلے میں اگرچہ احادیث ضعیف ہیں تاہم ان کے بعض طرق سے دوسرے طرق کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے' جس کی وجہ سے وہ قوی ہو کر حسن لغیرہ کے قبیل میں سے ہو جاتی ہیں' جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "بلوغ المرام" کے آخری باب میں ذکر فرمایا ہے۔ بہرحال مقصود یہ ہے کہ منہ پر ہاتھ پھیرنے کے بارے میں صحیح احادیث نہیں ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہ نماز استسقاء میں کیا اور نہ ان دیگر موقعوں پر جہاں آپ نے دعا میں ہاتھ اٹھائے تھے مثلاً صفا اور مروہ کے پاس' عرفات میں' مزدلفہ میں اور جمرات کے پاس کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ ذکر نہیں کیا کہ آپ نے ان موقعوں پر اپنے ہاتھوں کو منہ پر پھیرا ہو' تو اس سے معلوم ہوا کہ افضل یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے۔ **وباللہ التوفیق۔**

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ کسی بھی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی اجنبی عورت سے مصافحہ کرے خواہ وہ مصافحہ کے لیے خود اپنا ہاتھ آگے کیوں نہ بڑھا دے۔ ایسی صورت میں اسے یہ بتا دے کہ اجنبی مردوں سے مصافحہ جائز نہیں ہے بلکہ مصافحہ صرف محرم مردوں' مثلاً بھائی اور چچا وغیرہ سے جائز ہے۔ اجنبی مرد اور عورت کا آپس میں مصافحہ جائز نہیں ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنِّي لاَ أُصَافِحُ النِّسَاءَ»(سنن ابن ماجه، الجهاد، باب بيعة النساء، ح:٢٨٧٤ وسنن النسائي، البيعة، باب بيعة النساء، ح:٤١٨٦)

"میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔"

اسی طرح صحیح حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ، غَيْرَ أَنَّهُ بَايَعَهُنَّ بِالْكَلاَمِ»(صحيح البخاري،

الطلاق، باب إذا أسلمت المشركة... الخ، ح:٥٢٨٨)

"رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کبھی بھی کسی (غیر محرم) عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا تھا۔ آپ ان سے زبانی گفتگو کے ساتھ بیعت لے لیا کرتے تھے۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٢١)

"یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے۔"

شیخ ابن باز

حصول رزق کے لیے دعا

سوال حصول رزق اور اس میں برکت کے حصول کے لیے کون سی دعا ہے؟

جواب حصول رزق کے لیے مجھے کوئی خاص دعا معلوم نہیں' البتہ اللہ تعالیٰ کا ڈر حصول رزق کا سب سے قوی سبب ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔"

اسی طرح آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ وہ آپ کو حلال' پاکیزہ اور بابرکت رزق عطا فرمائے' بلاشبہ اللہ تعالیٰ خشوع و خضوع سے دعا کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱدْعُونِىٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (غافر٤٠/ ٦٠)

"تم مجھ سے دعا کرو' میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِى عَنِّى فَإِنِّى قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ ٱلدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ﴾ (البقرة٢/ ١٨٦)

"اور (اے پیغمبر!) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دیجئے) بلاشبہ میں (تمہارے) پاس ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔"

بہرحال اللہ تعالیٰ کا ڈر اختیار کرنا اور اس سے دعا کرنا حصول رزق کا اہم سبب ہے۔

شیخ ابن عثیمین

سینے کی تنگی سے نجات کے لیے دعا

سوال وہ کون سی دعا ہے جس سے انسان سینہ کی تنگی سے نجات حاصل کر سکے؟

جواب غم کو دور کرنا' پریشانی سے نجات دینا اور سینہ کو کھول دینا صرف اللہ وحدہ کے ہاتھ میں ہے' لہٰذا آپ جب کسی

کرب یا سینہ کی تنگی میں مبتلا ہوں تو اللہ وحدہ کی طرف رجوع کریں اور اس سے دعا کریں کہ وہ آپ کی پریشانی کو دور فرمائے' نیز اس سلسلہ میں وہ کریں جو رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ آپ کو جب کوئی غم و فکر لاحق ہوتا تو آپ نماز پڑھنا شروع کر دیتے' نیز آپ نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ غم و فکر کے وقت ہم یہ دعا پڑھا کریں:

«لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ، لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ»(صحيح البخاري، الدعوات، باب الدعاء عند الكرب، ح:٦٣٤٦ وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب دعاء الكرب، ح:٢٧٣٠)

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بہت ہی بزرگ اور بڑا ہی بردبار ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عرش عظیم کا رب ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور عرش کریم کا مالک ہے۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

کافر کے لئے بد دعا کرنا

سوال کیا مرتد اور کافر کے لیے موت' ہلاکت' اور عذاب کی بد دعا کی جائے یا اس کے لیے ہدایت کی دعا کی جائے؟ نیز اس کے لیے دعا کب کی جائے اور بد دعا کب؟

جواب اگر یہ مرتد بندگان الٰہی کو ایذا پہنچائے اور ان کے حقوق پر ڈاکہ ڈالے تو پھر اس کے شر سے بچنے کے لیے اس کی ہلاکت اور بربادی کی بد دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر وہ ایسا نہ ہو تو پھر زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کی تباہی اور ہلاکت کی بد دعا کی بجائے اس کے لیے ہدایت کی دعا کی جائے۔ حکمرانوں پر واجب ہے کہ وہ مرتدین کو اسلام کی دعوت دیں' انہیں غور و فکر کے لیے تین دن کی مہلت دیں ---اگر مصلحت کا تقاضا یہ ہو کہ مرتدین کو مہلت نہ دی جائے بلکہ فوراً قتل کر دیا جائے تو حکمرانوں کو اس کا بھی اختیار ہے--- اگر مہلت گزر جائے اور مرتد ارتداد ہی پر اصرار کرے تو اسے قتل کرنا واجب ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ»(صحيح البخاري، الجهاد، باب لا يعذب بعذاب الله، ح:٣٠١٧)

"جو اپنے دین کو بدلے اسے قتل کر دو۔" دعا اور بد دعا کے اعتبار سے کافر اور مرتد کا ایک ہی حکم ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

۲۹

البرّ والصّلة

نیکی اور صلہ رحمی کا بیان
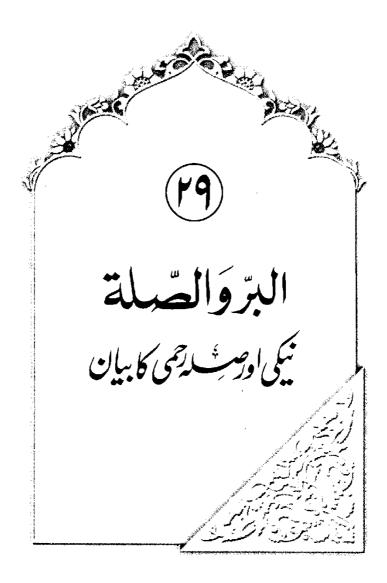
نیکی اور صلہ رحمی کا بیان

والدین کے حوالہ سے اولاد کا فرض

سوال میری نانی فوت ہو گئی ہیں' مجھے ان سے بڑی محبت تھی' میں انہیں کبھی بھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔ ان کے حوالہ سے مجھ پر کیا واجب ہے' جسے ادا کر کے میں یہ محسوس کروں کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے؟

جواب آپ کے لیے مشروع یہ ہے کہ ان کے لیے دعا' استغفار' صدقہ' حج اور عمرہ کریں۔ ان تمام اعمال سے انہیں نفع حاصل ہو گا--- اللہ تعالیٰ آپ کے ان اعمال کو قبول فرمائے اور آپ کو اجر و ثواب سے نوازے--- ان کا آپ پر یہ بھی حق ہے کہ اگر انہوں نے کوئی شرعی وصیت کی ہو تو آپ ان کی وصیت کے مطابق عمل کریں' ان کی سہیلیوں کی عزت کریں اور ان کی طرف سے آپ کے جو رشتہ دار ہیں مثلاً ماموں' خالہ اور ان کی اولاد تو ان سے صلہ رحمی کریں کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ والدین کے ساتھ نیکی کی کوئی ایسی صورت باقی ہے' جسے میں ان کی وفات کے بعد بھی جاری رکھ سکوں؟ تو آپ نے فرمایا:

«نَعَمْ، الصَّلاَةُ عَلَيْهِمَا وَالاسْتِغْفَارُ لَهُمَا، وَإِيفَاءٌ بِعُهُودِهِمَا مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمَا، وَإِكْرَامُ صَدِيقِهِمَا، وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِي لاَ تُوصَلُ إِلاَّ بِهِمَا»(سنن أبي داود، الأدب، باب في بر الوالدين، ح: ٥١٤٢ وسنن ابن ماجه، الأدب، باب صل من كان أبوك يصل، ح: ٣٦٦٤ واللفظ له)

"ہاں! ان کے لیے رحمت کی دعا کرو' ان کی بخشش کی دعا کرو' ان کے بعد ان کے وعدے کو پورا کرو' ان کے دوستوں کی عزت کرو اور ان رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو' جن سے رشتہ داری انہی کی وجہ سے ہو۔"

——— شیخ ابن باز ———

اللہ کے سامنے توبہ کرو

سوال ایک مرتبہ میں اپنی والدہ سے ناراض ہوا اور میں نے اپنے بڑے بھائی کے سامنے یہ الفاظ کہہ دیے اللہ کی قسم اگر یہ میری ماں نہ ہوتی تو میں اسے آگ سے جلا دیتا۔ کیا اس بات کی وجہ سے مجھے گناہ ہو گا' مجھے اس بات کی وجہ سے بہت ندامت ہے؟

جواب بے شک یہ ایک بدترین بات ہے جو گناہ کبیرہ کا باعث ہے' کیونکہ اس میں ایک ایسے بڑے کام کی قسم ہے' جو کفار کے حوالہ سے بھی جائز نہیں ہے۔ یعنی آگ سے جلانا' پھر اس میں والدہ کی نافرمانی بھی ہے' حالانکہ ان کا حق بہت زیادہ ہے۔ آپ پر واجب یہ تھا کہ ان کی بات پر تحمل کا مظاہرہ کرتے' ان کی ناراضی کے مقابلہ میں رضامندی و نرمی اور نرم و شائستہ الفاظ استعمال کرتے' لہٰذا اب آپ پر واجب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کریں' آپ سے جو کچھ ہوا اس پر ندامت کا اظہار کریں اور

والدہ سے معافی طلب کریں' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کر کے ان کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اس سے والدہ نے مطالبہ کیا کہ---

سوال ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس سے بچے بھی پیدا ہوئے' لیکن اب اس کی والدہ نے اس سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ اس کا کوئی سبب یا دین کے اعتبار سے کوئی عیب بھی نہیں بلکہ والدہ نے محض ذاتی خواہش کی وجہ سے یہ مطالبہ کیا ہے۔ شوہر کی بہن اور بعض دیگر اہل خیر نے والدہ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی تو نہ صرف یہ کہ وہ مطمئن نہیں ہوئی' بلکہ گھر سے نکل کر اپنی بیٹی کے ہاں چلی گئی۔ والدہ کے گھر سے جانے کی وجہ سے اس شخص کو بہت پریشانی ہے' جب کہ بیوی سے بھی اسے بہت محبت ہے' اس میں اس نے کوئی خرابی بھی نہیں دیکھی' لہٰذا آپ فتویٰ عطا فرمائیں کہ اسے کیا کرنا چاہیے؟

جواب اگر امر واقع ایسے ہی ہے' جیسا کہ سائل نے ذکر کیا ہے کہ اس کی بیوی کے حالات صحیح ہیں' یہ اسے پسند کرتا اور اس سے بہت محبت کرتا ہے' اس نے اس کی ماں سے کوئی برا سلوک بھی نہیں کیا بلکہ اس کی والدہ محض ذاتی خواہش کی وجہ سے اسے ناپسند کرتی ہے تو اسے اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھتے ہوئے ازدواجی زندگی معمول کے مطابق بسر کرنی چاہیے کیونکہ اس صورت میں ماں کے مطالبہ پر طلاق دینا لازم نہیں ہے اس لیے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»(صحيح البخاري، أخبار الآحاد، باب ما جاء في إجازة خبر الواحد ... الخ، ح:٧٢٥٧ وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية ... الخ، ح:١٨٤٠)

"اطاعت و فرماں برداری صرف نیکی کے کام میں ہے۔"

اسے چاہیے کہ اپنی ماں سے نیکی کرے' ان سے ملاقات کر کے ان سے صلہ رحمی کرے' ان سے نرمی و شائستگی کے ساتھ پیش آئے' ان پر خرچ کرے' ان کی ضروریات کا خیال رکھے جس سے انہیں شرح صدر حاصل ہو اور وہ خوش ہو جائیں۔ البتہ بیوی کو طلاق نہیں دینی چاہیے۔ واللہ المستعان' و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

گھر سے نکلنے سے پہلے اجازت لے لو

سوال کیا والدین کی اطاعت ہر کام میں ضروری ہے' یعنی مثلاً گھر سے نکلتے اور کام کاج کے لیے جانے کے وقت بھی ان سے اجازت لینا ضروری ہے؟

جواب والدین کی اطاعت واجب ہے' بشرطیکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی یا کسی واجب عبادت کا ترک لازم نہ آتا ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿٢٣﴾ وَٱخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ ٱلذُّلِّ مِنَ ٱلرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ٱرْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ﴿٢٤﴾ ﴾ (الإسراء١٧/ ٢٣_٢٤)

"اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا اور عجز و نیاز سے ان کے آگے جھکے رہو اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار! جیسے انہوں نے میری بچپن میں (شفقت سے) پرورش کی ہے تو بھی ان (کے حال) پر رحمت فرما۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِن جَٰهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِى مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَآ ۚ ﴾ (العنکبوت۲۹/ ۸)

"اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت کی' اگر وہ تیرے ساتھ کوشش کریں (تجھ پر دباؤ ڈالیں) کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے' جس کا تجھے کوئی علم نہیں' تو ان کی اطاعت نہ کر۔"

نیکی یہ ہے کہ والدین کی خدمت کی جائے' حسب مقدور ان کے حکم کو مانا جائے اور ان پر شفقت و رحمت کی جائے۔ سفر غیرواجب مثلاً نفل جہاد' سفر تجارت یا سفر سیاحت کے لیے ان سے اجازت لینا بھی نیکی میں داخل ہے اور اگر سفر واجب ہو۔ مثلاً دفاع کے لیے جہاد یا دیگر تمام شرطیں مکمل ہونے کی صورت میں فرض حج کے لیے سفر اور واجب طلب علم کے لیے سفر تو اس کے لیے ان کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنا بھی جائز ہے' مگر افضل یہی ہے کہ والدین کو قائل کیا جائے اور ان کے سامنے مصلحت اور اس سفر کے حکم کو بیان کیا جائے تاکہ ان کی رضامندی بھی حاصل کی جا سکے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«رِضَا الرَّبِّ فِي رِضَا الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ»(جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء من الفضل في رضا الوالدين، ۱۸۹۹)

"رب کی رضا والد کی رضا میں ہے اور رب کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔"

—— شیخ ابن جبرین ——

ماں کے تین اور باپ کا ایک حق ہے

سوال اللہ تعالیٰ نے ماں کو باپ پر کیوں ترجیح دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماں کے تین اور باپ کا ایک حق قرار دیا ہے؟

جواب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: أُمُّكَ قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَبُوْكَ» (صحيح البخاري، الأدب، باب من أحق الناس بحسن الصحبة، ح:۵۹۷۱ وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب بر الوالدين وأيهما أحق به، ح:۲۵۴۸ واللفظ له)

"میرے حسن صحبت کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں۔ اس نے عرض کیا: پھر کون؟

آپ نے فرمایا: تیری ماں۔ اس نے عرض کیا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں۔ اس نے عرض کیا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تیرا باپ۔"

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

«أُمَّكَ، ثُمَّ أُمَّكَ، ثُمَّ أُمَّكَ، ثُمَّ أَبُوكَ، ثُمَّ أَدْنَاكَ أَدْنَاكَ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب بر الوالدين وأيهما أحق به، ح:٢٥٤٨)

"تیری ماں، پھر تیری ماں، پھر تیری ماں، پھر تیرا باپ، پھر جو شخص جس قدر زیادہ قریب ہے، وہ اسی قدر زیادہ مستحق ہے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں کا حق باپ سے بڑھ کر ہے کہ آپ نے ماں کے حق کو تین بار قرار دیا اور اس کا سبب یہ ہے کہ ماں نے حمل، وضع حمل، دودھ پلانے، دودھ چھڑانے اور پرورش و تربیت کے سلسلہ میں بہت سی صعوبتوں اور مشقتوں کو برداشت کیا ہوتا ہے اور باپ نے جو نفقہ اور تعلیم و تربیت کے فرائض سرانجام دیے، ان کی وجہ سے اس کا ایک حق مانا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

میں ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں مگر---

سوال میں ایک شوہر دیدہ عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں، میرے والد راضی ہیں، عورت اور اس کے گھر والے بھی اس شادی سے متفق ہیں، مگر میری والدہ اس سے متفق اور راضی نہیں ہیں۔ تو کیا والدہ کی رضامندی سے قطع نظر میں اس عورت سے شادی کر لوں یا نہ کروں؟ اور کیا شادی کرنے کی صورت میں میں اپنی والدہ کا نافرمان شمار ہوں گا؟ راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب والدہ کا حق بہت عظیم ہے اور اس سے نیکی کرنا اہم واجبات میں سے ہے۔ لہٰذا میں آپ کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ آپ اس عورت سے شادی نہ کریں، جسے آپ کی والدہ پسند نہیں کرتی، کیونکہ لوگوں میں سے آپ کی سب سے زیادہ خیر خواہ آپ کی والدہ ہی ہیں۔ ممکن ہے انہیں اس عورت کے کچھ ایسے عادات و خصائل کا علم ہو جو آپ کے لیے نقصان دہ ہوں اور پھر اس کے سوا عورتیں اور بھی بہت ہیں۔ (عورتوں کی کوئی کمی نہیں) اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔"

بلاشبہ والدہ سے نیکی بھی تقویٰ ہے، الّا یہ کہ والدہ اہل دین میں سے نہ ہو اور منگیتر اہل دین میں سے ہو تو پھر اس صورت میں والدہ کی اطاعت لازم نہیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»(صحيح البخاري، أخبار الآحاد، باب ماجاء في إجازة خبر الواحد ... الخ، ح:٧٢٥٧ وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية ... الخ، ح:١٨٤٠)

"اطاعت و فرمانبرداری صرف نیکی میں ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کے لیے اس کام کو آسان فرما دے جس میں آپ کی بہتری اور آپ کے لیے دین و دنیا کی سلامتی ہو۔

شیخ ابن باز

نشہ باز والد کو مارنا

سوال میرا والد منشیات کو استعمال کرتا ہے۔ ایک بار اس نے حالت نشہ میں میری والدہ کو مارنا شروع کر دیا تو میں نے والدہ کو چھڑانے کے لیے اپنے باپ کو مارنا شروع کر دیا اور پھر ان دونوں کو گھر سے نکال دیا۔ سوال یہ ہے کہ میں نے اس حالت میں اپنے والد کو جو مارا' تو اس کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟ کیا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھ سے باز پرس کرے گا؟

جواب اس سوال کے جواب کے ایک حصے کا تعلق باپ سے اور دوسرے کا تعلق بیٹے سے ہے۔ باپ سے میں یہ کہوں گا کہ شراب نوشی سے اجتناب کرو' کیونکہ یہ کبیرہ گناہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے شراب پینے والے پر لعنت فرمائی ہے [1] اور آپ نے فرمایا ہے کہ اسے پینا حرام ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡخَمۡرُ وَٱلۡمَيۡسِرُ وَٱلۡأَنصَابُ وَٱلۡأَزۡلَٰمُ رِجۡسٞ مِّنۡ عَمَلِ ٱلشَّيۡطَٰنِ فَٱجۡتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيۡطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيۡنَكُمُ ٱلۡعَدَٰوَةَ وَٱلۡبَغۡضَآءَ فِي ٱلۡخَمۡرِ وَٱلۡمَيۡسِرِ وَيَصُدَّكُمۡ عَن ذِكۡرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِۖ فَهَلۡ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾ وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَٱحۡذَرُواْۚ فَإِن تَوَلَّيۡتُمۡ فَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا ٱلۡبَلَٰغُ ٱلۡمُبِينُ ﴿٩٢﴾ ﴾ (المائدۃ٥/ ٩٠-٩٢)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور فال نکالنے کے تیر (یہ سب) گندے شیطانی کام ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم فلاح پاؤ۔ یقیناً شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان دشمنی اور رنجش ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے' تو کیا تم (ان کاموں سے) باز رہو گے؟ اور اللہ کی فرمانبرداری اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور ڈرتے رہو' اگر منہ پھیرو گے تو جان لو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف (پیغام کا) کھول کر پہنچا دینا ہے۔"

لہٰذا اس باپ کو میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اللہ کے آگے توبہ کرے اور شراب نوشی سے باز آجائے قبل اس کے کہ اس کی موت آجائے اور پھر اسے ندامت ہو اور اس وقت کی ندامت کسی کام نہ آئے گی۔

بیٹے سے میری نصیحت یہ ہے کہ ماں کو چھڑانے کے لیے اس نے باپ کو جو مارا تو اس کی وجہ سے اسے کوئی گناہ نہیں ہوگا' البتہ اگر باپ کو مارنے کے بغیر ماں کو چھڑانا ممکن تھا تو پھر اسے نہیں مارنا چاہیے تھا' کیونکہ باپ کو ماں کے مارنے سے منع کرنا حملہ آور کو دفع کرنے کے باب سے ہے' لہٰذا اسے نسبتاً آسان طریقے سے منع کیا جائے' سو اگر مارنے کے بغیر اسے منع کرنا ممکن ہو تو پھر مارنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر مارنے کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔

شیخ ابن عثیمین

[1] سنن ابی داود' الاشربہ' باب العصیر للخمر' حدیث: 3674

میں ایک لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں مگر---

سوال میں نے ایک دین دار اور بااخلاق لڑکی کو شادی کے لیے پسند کیا ہے اور جب اس کے بارے میں میں نے اپنے والد کو بتایا تو انہوں نے اسے مسترد کر دیا۔ میں نے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی مگر وہ اپنے موقف پر ڈٹ گئے اور جب میں نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ نہیں اس کا کوئی سبب بھی نہیں۔ میں حیران ہوں کہ باپ کی اطاعت کرتے ہوئے اس لڑکی سے صرف نظر کر لوں' جسے میں نے اپنے لیے پسند کیا تھا' حالانکہ اس سے مجھے اس لڑکی کے خاندان کی طرف سے نفسیاتی طور پر کئی تکلیفوں کا سامنا بھی کرنا پڑے گا یا میں کیا کروں' امید ہے صحیح راستے کی طرف میری راہنمائی فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اس سوال کا تقاضا ہے کہ ہم یہاں دو نصیحتیں کریں۔ ایک نصیحت تو آپ کے والد کے لیے ہے' جنہوں نے آپ کو اس عورت سے شادی سے منع کر دیا ہے' جس کے بارے میں آپ کا یہ کہنا ہے کہ وہ متدین اور بااخلاق ہے لہٰذا آپ کے والد کے لیے واجب یہ ہے کہ وہ آپ کو اس عورت سے شادی کی اجازت دے دیں الّا یہ کہ ان کے پاس ممانعت کے لیے کوئی شرعی سبب ہو اور وہ اسے بیان بھی کریں تاکہ آپ مطمئن ہو جائیں۔ آپ کے والد کو چاہیے کہ وہ اس مسئلہ کا اس طرح بھی جائزہ لیں کہ اگر ان کے والد انہیں کسی ایسی عورت سے شادی کرنے سے منع کر دیتے جو انہیں دین و اخلاق کے اعتبار سے پسند ہوتی' تو اس سے ان کے دل پر کیا گزرتی' لہٰذا اگر وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ان کے والد کی طرف سے ان پر کوئی ایسی پابندی عائد ہو تو ان کا بیٹا بھی پسند نہیں کرتا کہ اس پر اس کے والد کی طرف سے کوئی ایسی پابندی عائد ہو اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، ح:١٣ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من خصال الإيمان أن يحب لأخيه المسلم ... الخ، ح:٤٥)

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی وہ پسند نہ کرے جسے وہ خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

آپ کے والد کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ کسی شرعی سبب کے بغیر آپ کو اس عورت سے شادی کرنے سے منع کریں اور اگر اس کا واقعی کوئی شرعی سبب ہو تو وہ انہیں بیان کرنا چاہیے تاکہ آپ کے سامنے بھی ساری صورت حال واضح ہو۔

اسی طرح آپ کو میں یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ اگر باپ کو راضی کرنے کے لیے اور اختلاف کو ختم کرنے کے لیے آپ اس کے سوا کسی اور عورت سے شادی کر لیں تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

اور اگر آپ کے لیے یہ ممکن نہ ہو کیونکہ آپ کا دل اس عورت سے وابستہ ہو چکا ہو اور آپ کے لیے یہ بھی خدشہ ہو کہ اگر آپ نے اس کے علاوہ کسی اور عورت سے منگنی کی تو آپ کا باپ آپ کو اس سے بھی شادی سے منع کر دے گا کیونکہ بعض لوگوں کے دل میں غیرت اور حسد ہوتا ہے حتی کہ اپنے بیٹوں کے لیے بھی جس کی وجہ سے وہ انہیں اپنے ارادوں کے مطابق عمل کرنے سے روکتے ہیں--- بہرحال اگر آپ کے لیے ایسا کوئی خدشہ ہے تو پھر اس عورت سے شادی

کرنے میں کوئی حرج نہیں خواہ آپ کے والد اس شادی کو پسند نہ کریں' ممکن ہے کہ شادی کے بعد وہ مطمئن ہو جائیں اور ان کا دل صاف ہو جائے۔ ہم آپ کے لیے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کو اس کام کی توفیق عطا فرمائے جو آپ کے لیے بہتر ہو۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

یہ بھی نیکی ہے کہ والدہ کو---

سوال والد کی وفات کے بعد اب والدہ ہمارے ساتھ گھر میں مقیم ہیں۔ میری والدہ ناخواندہ ہیں جب انہیں اذکار یا چھوٹی سورتیں یاد کرائیں تو وہ انہیں صحیح طور پر یاد نہیں کر سکتیں یا انہیں سمجھ نہیں سکتیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ فرض اور نفل نماز و روزہ کی پابند ہیں لہٰذا سوال یہ ہے کہ ان کے ساتھ معاملہ کرنے کا سب سے کامیاب طریقہ کیا ہے جس کی وجہ سے ان کے ساتھ نیکی کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوش نودی حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی جا سکے' راہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے؟

جواب آپ پر واجب ہے کہ اپنی والدہ کے ساتھ شرعاً اور عرفاً نیکی کریں۔ شرعاً نیکی کرنے میں یہ بات بھی داخل ہے کہ آپ انہیں وہ قولی اور فعلی عبادات سکھا دیں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر واجب قرار دیا ہے لیکن نہایت نرمی کے ساتھ سکھائیں۔ ان سے اگر کچھ کوتاہی بھی ہو تو درگزر کریں کیونکہ بسا اوقات معمولی کوتاہی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ماں کسی وجہ سے ناراض ہوں یا ڈانٹ ڈپٹ کریں تو اسے برداشت کریں اور یہ مطالبہ نہ کریں کہ وہ تھوڑے وقت میں درجۂ کمال تک پہنچ جائیں۔ کیونکہ جو کمال تک پہنچنے کا ارادہ کرے تو اسے صبر کے ساتھ انتظار کرنا پڑتا ہے اور اس کے لیے کافی وقت درکار ہوتا ہے اور اسی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسے کمال حاصل ہوتا ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک واجب ہے

سوال عزت مآب جناب شیخ! میری اولاد نافرمان ہے حتیٰ کہ وہ میرے یا اپنی والدہ کے حوالہ سے کسی ادنیٰ واجب کو بھی ادا نہیں کرتے جب کہ ان کی والدہ معمر اور آنکھوں کی بینائی سے محروم ہیں۔ امید ہے کہ آپ میری اولاد کو نصیحت کرتے ہوئے یہ بتائیں گے کہ والدین کے حقوق کیا ہیں؟

جواب اولاد پر واجب ہے کہ وہ نیک کاموں میں اپنے والدین کی اطاعت کرے۔ ان کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کا معاملہ کرے اور ان کی معصیت اور نافرمانی نہ کرے الا یہ کہ ان کا کوئی حکم شریعت مطہرہ کے خلاف ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَـٰنًا ﴾ (الإسراء١٧/ ٢٣)

"اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَـٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُۥ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَـٰلُهُۥ فِى عَامَيْنِ أَنِ ٱشْكُرْ لِى وَلِوَٰلِدَيْكَ

إِلَيَّ ٱلۡمَصِيرُ ﴿١٤﴾ (لقمان۳۱/ ۱٤)

"اور ہم نے انسان کو جسے اس کی ماں تکلیف پر تکلیف سہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے (پھر اس کو دودھ پلاتی ہے) اور (آخر کار) دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے (نیز) اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے کہ میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔"

اور نبی ﷺ سے جب یہ پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

«اَلصَّلَاةُ عَلٰی وَقْتِهَا، قَالَ ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قَالَ ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»(صحيح البخاري، الأدب، باب البر والصلة، ح:٥٩٧٠ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالٰى أفضل الأعمال، ح:٨٥)

"وقت پر نماز پڑھنا' عرض کیا کہ پھر کون سا عمل؟ آپ نے فرمایا: والدین سے نیکی کرنا' عرض کیا' پھر کون سا عمل؟ آپ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنا۔"

نیز نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ ثَلَاثًا ۔ قُلْنَا: بَلٰی يَارَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: الإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ»(صحيح البخاري، الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر، ح:٥٩٧٦ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، ح:٨٧)

"کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ سب سے کبیرہ گناہ کون سے ہیں؟ آپ نے یہ تین بار فرمایا' ہم نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! ضرور ارشاد فرمائیں' آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا' والدین کی نافرمانی کرنا--- آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے اور اس کے بعد ٹیک ہٹا کر بیٹھ گئے اور فرمایا' آگاہ رہو! جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی بھی کبیرہ گناہ ہیں۔"

والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرنے کے بارے میں اور ان کی نافرمانی کے حرام ہونے کے بارے میں بہت سی آیات اور احادیث ہیں۔ ہر مرد اور عورت کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کا معاملہ کرے' قول یا فعل کے ساتھ ان کی بے ادبی سے بچے اور نیک کاموں میں ان کی اطاعت بجالائے' جیسا کہ مذکورہ آیات و احادیث کا تقاضا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

وہ رشتہ دار جن سے صلہ رحمی واجب ہے

سوال وہ کون سے رشتہ دار ہیں جن سے صلہ رحمی کرنا واجب ہے' بعض لوگ کہتے ہیں کہ بیوی کی طرف سے رشتہ دار ارحام میں سے نہیں ہیں؟

جواب ارحام سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جن کا نسب کے اعتبار سے ماں اور باپ کی طرف سے تعلق ہو۔ سورۃ الانفال

اور سورۃ الاحزاب کی حسب ذیل آیت میں یہی رشتہ دار مراد ہیں:

﴿ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٧٥﴾ ﴾ (الأنفال٨/ ٧٥)

"اور رشتہ دار اللہ کے حکم کی رو سے ایک دوسرے سے زیادہ حق دار ہیں۔"

ان میں سے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار آباء' امہات' اجداد' اولاد اور نیچے تک ان کی اولاد ہیں۔ پھر قریبی بھائی اور ان کی اولاد۔ چچے' پھوپھیاں اور ان کی اولاد۔ ماموں' خالائیں اور ان کی اولاد ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جب ایک سائل نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا:

«مَنْ أَبَرُّ قَالَ: أُمَّكَ، ثُمَّ أُمَّكَ، ثُمَّ أُمَّكَ، ثُمَّ أَبَاكَ ثُمَّ الأَقْرَبَ فَالأَقْرَب»(سنن أبي داود، الأدب، باب في بر الوالدين، ح:٥١٣٩ وجامع الترمذي، البر وصلة، باب ما جاء في بر الوالدين، ح:١٨٩٧)

"میں کس سے نیکی کروں؟ آپ نے فرمایا' اپنی ماں سے۔ پھر اپنی ماں سے' پھر اپنی ماں' پھر اپنے باپ سے' پھر جو شخص جس قدر زیادہ قریبی رشتہ دار ہے' اس سے (اسی قدر زیادہ نیکی کرو۔)"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ بیوی کے رشتہ دار شوہر کے لیے ارحام نہیں ہیں جب کہ قرابت دار نہ ہوں۔ البتہ وہ اس بیوی سے ہونے والی اس کی اولاد کے لیے ضرور ارحام ہوں گے۔ وباللّٰہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

میرے والدین آپس میں جھگڑتے رہتے ہیں---

سوال میں پچیس سال کا ایک نوجوان ہوں' میرے والدین ساری زندگی آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے ہیں۔ اگر میں ان میں سے ایک کے ساتھ حسن سلوک کروں تو دوسرا ناراض اور متنفر ہو جاتا ہے اور اگر دوسرے کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤں تو پہلا ناراض ہو جاتا ہے اور مجھے نافرمان قرار دینے لگ جاتا ہے۔ شیخ محترم! میں کیا کروں تاکہ دونوں ہی سے حسن سلوک کر سکوں؟ کیا باپ کے ساتھ محض حسن سلوک کی وجہ سے میں ماں کا نافرمان یا ماں کے ساتھ محض حسن سلوک کی وجہ سے باپ کا نافرمان ہو جاؤں گا؟ امید ہے جواب سے نواز کر اجر و ثواب کے مستحق قرار پائیں گے۔

جواب اس سوال کے جواب میں گزارش ہے کہ انسان کے انسان پر جو واجبات ہیں' ان میں سب سے بڑا واجب والدین سے نیکی اور حسن سلوک ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ﴾ (النساء٤/ ٣٦)

"اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔" اور فرمایا:

﴿ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ﴾ (الإسراء١٧/ ٢٣)

"اور آپ کے رب نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتے رہو۔" اور فرمایا:

﴿ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿١٤﴾ ﴾ (لقمان٣١/ ١٤)

"میرا شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔"

اس موضوع سے متعلق احادیث بھی بہت زیادہ ہیں' بہرحال ہر شخص کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اپنے والدین یعنی ماں اور باپ دونوں ہی سے بھلائی کرے' اپنے مال سے' بدن سے' مقام و مرتبے سے اور ہر اس چیز کے ساتھ جو اس کی استطاعت میں ہو' ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَـٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُۥ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَـٰلُهُۥ فِى عَامَيْنِ أَنِ ٱشْكُرْ لِى وَلِوَٰلِدَيْكَ إِلَىَّ ٱلْمَصِيرُ ﴿١٤﴾ وَإِن جَـٰهَدَاكَ عَلَىٰٓ أَن تُشْرِكَ بِى مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ وَصَاحِبْهُمَا فِى ٱلدُّنْيَا مَعْرُوفًا ﴾ (لقمان ۳۱/ ۱۴-۱۵)

"اور ہم نے انسان کو جسے اس کی ماں تکلیف پر تکلیف سہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے (پھر اس کو دودھ پلاتی ہے) اور (آخر کار) دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے (نیز) اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید ہے کہ میرا ہی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر وہ تیرے ساتھ کوشش کریں (تجھ پر دباؤ ڈالیں) کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس کا تجھے کوئی علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا ہاں دنیا (کے کاموں) میں ان کا اچھی طرح ساتھ دینا۔"

دیکھیے اس آیت کریمہ میں تو اللہ تعالیٰ نے ان مشرک والدین کا ساتھ دینے کا بھی حکم دیا ہے' جو اپنے بیٹے کو شرک کا حکم دے رہے ہوں' مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ ایسے والدین کا بھی دنیا کے کاموں میں ساتھ دیا جائے۔ لہٰذا ان والدین کے بارے میں جن کا آپ نے ذکر کیا ہے کہ وہ ہمیشہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں اور یہ کہ آپ ان میں سے ایک کے ساتھ نیکی کریں تو دوسرا ناراض ہوجاتا ہے۔ آپ پر دو کام واجب ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ مقدور بھر کوشش کریں کہ ان کا یہ لڑائی جھگڑا ختم ہو' کیونکہ ان دونوں میں سے ایک کے دوسرے پر کچھ حقوق ہیں' جنہیں ادا کرنا واجب ہے۔ اگر آپ اس لڑائی جھگڑے کو ختم کرا سکیں تو یہ بھی والدین کے ساتھ بہت بڑی نیکی ہوگی' اس سے گھر کا ماحول خوشگوار اور زندگی سعادتوں اور کامرانیوں سے ہمکنار ہو جائے گی۔ دوسرا کام آپ پر یہ واجب ہے کہ آپ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا معاملہ کریں اور دوسرے کی ناراضی کو آپ اس طرح ختم کر سکتے ہیں کہ اسے اپنے حسن سلوک کے بارے میں علم نہ ہونے دیں۔ یعنی ماں سے نیک سلوک کریں تو باپ کو علم نہ ہونے دیں اور اگر باپ سے نیکی کریں تو ماں کو اس کی خبر نہ ہونے دیں۔ اس سے مطلوب و مقصود حاصل ہو جائے گا۔ آپ کو چاہیے کہ آپ اسے پسند نہ کریں کہ آپ کے ماں باپ اپنے اس لڑائی جھگڑے کو باقی رکھیں اور اگر آپ ان میں سے کسی ایک سے حسن سلوک کریں تو دوسرا ناراض ہو۔ آپ کے لیے یہ بھی واجب ہے کہ اپنے والدین میں سے ہر ایک کے سامنے یہ واضح کر دیں کہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ آپ کی صلہ رحمی کے یہ معنی نہیں کہ آپ دوسرے سے قطع رحمی کر رہے ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں ہی کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا حکم دیا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اللہ تعالیٰ کی اطاعت صلہ رحمی سے مقدم ہے

سوال میں نے عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ جانے کی نیت کی تو مکہ مکرمہ جانے کے وقت مجھ سے یہ کہا گیا کہ

ضروری ہے کہ میں اپنے رشتہ داروں سے بھی ملاقات کروں تاکہ قطع رحمی نہ ہو تو میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمرہ کا ارادہ ترک کر دیا تاکہ مجھے اپنے شوہر کے بھائی کے سامنے نہ جانا پڑے' کیونکہ اس سے ملاقات کے لیے مجھے اس کے سامنے اپنا چہرہ ننگا کرنا پڑے گا' تو کیا میرا یہ عمل صحیح ہے یا نہیں؟ آپ مجھے کیا نصیحت فرمائیں گے؟

جواب اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡ ﴾ (النساء٤/ ٥٩)

"اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی۔"

اس آیت میں اولوالامر کی اطاعت کو اللہ اور اس کے رسول(ﷺ) کی اطاعت کے تابع قرار دیا گیا ہے' لہٰذا جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور اولوالامر کی اطاعت میں تعارض ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو مقدم قرار دیا جائے گا کیونکہ خالق کی معصیت لازم آتی ہو تو پھر مخلوق کی اطاعت نہیں کی جا سکتی۔ اپنے شوہر کے بھائی کے سامنے آپ کے لیے منہ ننگا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ آپ جانتی ہیں کہ یہ حرام ہے' لہٰذا آپ کے لیے واجب یہ ہے کہ اپنے چہرے کو چھپائیں خواہ اس کے لیے آپ کے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات منقطع ہو جائیں' کیونکہ قطع تعلق کا سبب وہ خود بنے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہو تو پھر ان کی بات ماننا لازم نہیں ہے لہٰذا جو بات اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہے' آپ وہ ادا کریں اور اگر حدود الٰہی قائم کرنے کی وجہ سے وہ آپ سے تعلقات منقطع کریں تو اس صورت میں ان کے مقابلہ میں آپ کامیاب ہیں اور ان پر بھی واجب یہ ہے کہ احکام الٰہی سن کر یہ کہیں ﴿ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ﴾ "ہم نے اللہ کے حکم کو سن لیا اور اس کی اطاعت بجا لائیں گے" ان کو چاہیے کہ عادات کو اللہ تعالیٰ کی شریعت پر غالب نہ کریں کیونکہ شریعت حاکم ہے' محکوم نہیں ہے' جب کہ عادات محکوم ہیں' حاکم نہیں ہیں۔

خوب جان لینا چاہیے کہ عورت کے لیے سب سے خطرناک چیز شوہر کے رشتہ دار ہیں۔ یہ رشتہ دار اجنبیوں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں' کیونکہ نبی ﷺ نے جب عورتوں کے پاس جانے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ: يَارَسُولَ اللهِ! أَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ: الْحَمْوُ الْمَوْتُ»(صحيح البخاري، النكاح، باب لا يخلون رجل بإمرأة إلا ذومحرم ... الخ، ح: ٥٢٣٢ وصحيح مسلم، السلام، باب تحريم الخلوة بالأجنبية والدخول عليها، ح: ٢١٧٢)

"عورتوں کے پاس جانے سے بچو۔ انصار میں سے ایک آدمی نے عرض کیا' یا رسول اللہ! دیور کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا' دیور تو موت ہے۔"

یعنی خلوت وہ شر ہے جس سے بچنا واجب ہے' اسی طرح "حمو" یعنی خاوند کی طرف سے قریبی رشتہ دار جو کہ بلا روک ٹوک گھر میں آتا جاتا ہے' وہ یہ خیال کرتا ہے کہ یہ اس کا اپنا گھر ہے جس کی وجہ سے وہ بلا جھجک گھر میں آتا ہے لیکن شیطان اس کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے اور اس کے دل میں برائی کا خیال ڈال کر اسے برائی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ شیطان نے کتنے ہی لوگوں کو اس برائی میں مبتلا کر کے تباہ و برباد کر ڈالا لہٰذا اس سے بچنا واجب ہے اور اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنے شوہر کے قریبی رشتہ داروں سے بھی پردہ کرے۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ سوال کرنے والی عورت کے لیے واجب یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے بھائی سے بھی اپنے چہرے کو چھپائے خواہ وہ اس سے ناراض ہوں اور تعلق قطع ہی کیوں نہ کرلیں لیکن اس کے باوجود اسے صلہ رحمی کرتے رہنا چاہیے خواہ وہ کوتاہی کریں کیونکہ کوتاہی کی وجہ سے گناہ انہیں ہو گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

میں نے فتنہ کے ڈر سے قریبی رشتہ داروں سے ---

سوال میرے کچھ رشتہ دار ہیں' جن سے میں ملنا چاہتا ہوں جیسا کہ نبی ﷺ نے حکم بھی دیا ہے' لیکن جب میں ان سے ملاقات کے لیے جاتا ہوں تو ان کی عورتیں بھی مجھ سے مصافحہ کرتی ہیں جو کہ میرے لیے غیر محرم ہیں مگر انہیں علم نہیں ہے کہ مردوں کا عورتوں سے مصافحہ کرنا حرام ہے' اس وجہ سے میں نے ان سے ملنا ہی ترک کر دیا ہے۔ کیا اس کی وجہ سے مجھے گناہ تو نہیں ہو گا؟ یاد رہے کہ میں انہیں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ حرام ہے۔

جواب آپ کے لیے واجب یہی ہے کہ آپ ان عورتوں کو اور ان کے شوہروں کو یہ بتائیں کہ یہ حرام ہے۔ آپ ان سب کو بتائیں کہ غیر محرموں سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔ آپ ان سے میل جول کو ترک نہ کریں۔ آپ کے پاس جب غیر محرم عورتیں آئیں اور کوئی ان میں سے مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ آپ کی طرف بڑھائے تو آپ اپنا ہاتھ آگے نہ بڑھائیں' ان سے مصافحہ نہ کریں' بلکہ ان سب کو حکم یہ دیں کہ وہ پردہ کریں۔ اپنے چہروں اور بالوں کو ڈھانپ لیں اور صرف اپنے محرموں ہی سے مصافحہ کریں۔ اس طرح آپ صلہ رحمی بھی کریں گے' نیکی کا حکم بھی دیں گے' تعلیم بھی دیں گے اور حق کو علانیہ طور پر ظاہر کریں گے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی وجہ سے ان لوگوں کو نفع پہنچائے گا۔ اس خرابی کی وجہ سے اپنے رشتہ داروں سے میل جول ترک کرنا درست نہیں ہے' کیونکہ میل ملاقات تو صلہ رحمی میں شامل ہے۔ بہرحال آپ کو چاہیے کہ آپ دونوں کام ہی کریں۔ ملاقات بھی کریں نیکی کو ظاہر بھی کریں اور اس کی دعوت بھی دیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

علانیہ برائی نہ کرنے والے کو کس طرح سمجھایا جائے

سوال ہمارا ایک پڑوسی اپنے گھر میں کئی برے کام کرتا ہے لیکن وہ ان کاموں کا لوگوں کے سامنے کھلم کھلا اظہار نہیں کرتا تو کیا ایسے شخص کو سمجھانا بھی واجب ہے' جب کہ وہ ان کا علی الاعلان ارتکاب نہیں کرتا مگر ہمیں خصوصی ذرائع سے اس کا علم ہوا ہے؟

جواب آپ کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ اسے مخفی طور پر سمجھائیں۔ اس کی ہدایت کے لیے دعا بھی کریں اور اس کی غیبت نہ کریں' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، ح:٢٦٩٩)

"جو کوئی کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔"

——— شیخ ابن باز ———

گناہ کے کام میں تعاون جائز نہیں

سوال میرا باپ سگریٹ نوشی کرتا ہے اور وہ مجھے حکم دیتا ہے کہ میں بازار سے اس کے لیے سگریٹ خرید لاؤں تو کیا میں ان کے اس حکم کی اطاعت کروں؟ اطاعت کرنے کی صورت میں کیا مجھے بھی گناہ ہو گا؟ اور ظاہر ہے کہ ان کا حکم نہ ماننے کی صورت میں بھی کئی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب آپ کے والد کے لیے واجب یہ ہے کہ وہ سگریٹ نوشی ترک کر دیں' کیونکہ اس کے بہت زیادہ نقصانات ہیں اور پھر یہ ان ناپاک چیزوں میں سے ہے' جن کی حرمت کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے حوالہ سے درج ذیل آیت میں ذکر فرمایا ہے:

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ (الأعراف٧/ ١٥٧)

"اور وہ (رسول اللہ ﷺ) پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے صرف پاک چیزوں کو حلال کیا ہے' جیسا کہ سورۃ الاعراف کی اس (مذکورہ) آیت اور سورۃ المائدہ (کی حسب ذیل آیت) میں ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ﴾ (المائدة٥/ ٤)

"آپ سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیزیں ان کے لیے حلال ہیں؟ آپ (ان سے) کہہ دیجیے کہ سب پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں۔"

ان آیات میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے لیے صرف پاک چیزوں ہی کو حلال قرار دیا ہے' جب کہ سگریٹ پاک چیزوں میں سے نہیں ہے' بلکہ یہ ناپاک اور نقصان دہ چیزوں میں سے ہے' لہٰذا آپ کے والد صاحب اور سگریٹ نوشی کرنے والے تمام لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کریں اور سگریٹ نوشوں کے ساتھ میل جول نہ رکھیں۔ آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے والد کے ساتھ سگریٹ یا گناہ کے کسی اور کام میں تعاون کریں' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝٢﴾
(المائدة٥/ ٢)

"اور تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ سخت سزا (دینے) والا ہے۔"

اس آیت کے پیش نظر آپ کے بھائیوں اور چچاؤں۔۔۔ اگر آپ کے بھائی اور چچا ہوں۔۔۔ پر بھی واجب ہے کہ وہ آپ کے والد کو سمجھائیں اور سگریٹ نوشی سے باز رکھیں۔ نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

«اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ»
(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ح: ٥٥)

"دین ہمدردی اور خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم نے عرض کیا: کس کے لیے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے لیے' اس کی کتاب کے لیے' اس کے رسول کے لیے' مسلمان حکمران کے لیے اور ان کے عوام کے لیے۔"

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کے والد کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے' اس گناہ سے اور دیگر تمام گناہوں سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو ان کے ساتھ نیکی کے کاموں میں تعاون کرنے والوں میں سے بنا دے۔ انه سمیع قریب۔

——— شیخ ابن باز ———

والدین کی اجازت کے بغیر سفر جہاد جائز نہیں

سوال میں بیس سال کا ایک نوجوان ہوں' جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جانا چاہتا ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ افغانستان میں جہاد کرتے ہوئے موت سے ہمکنار ہو جاؤں' لیکن افسوس کہ میرے والدین نے میری اس خواہش کو مسترد کر دیا ہے اور انہوں نے اس کا کوئی سبب بھی نہیں بتایا۔ یاد رہے! میرے دو بڑے بھائی بھی ہیں جو میری عدم موجودگی میں اہل خانہ کی کفالت کر سکتے ہیں۔ مجھے اپنے والدین کو راضی کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیئے تاکہ وہ مجھے جہاد کے لیے جانے کی اجازت دے دیں؟ راہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

جواب والدین کی اجازت کے بغیر آپ کے لیے سفر جہاد جائز نہیں ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے والدین سے اجازت طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ چونکہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرتے اور نیکی کے کاموں میں ان کی اطاعت بجالاتے ہیں' اس لیے ہم امید کرتے ہیں کہ آپ کو مجاہدین کا اجر و ثواب ملے گا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جہاد والدین کی رضا کے ساتھ مشروط ہے

سوال میں اٹھارہ برس کا ایک طالب علم ہوں۔ کیا میرے لیے والدین اور بڑے بھائیوں کو بتائے بغیر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جانا جائز ہے؟ یاد رہے کہ میں نے قبل ازیں عمرہ کیا ہوا ہے۔

جواب ہماری رائے میں ابھی تک ہمارے ملک کے حالات اس حد تک نہیں پہنچے کہ جہاد فرض عین ہو' للذا جہاد کے لیے والدین کی رضامندی ضروری ہے' فریضۂ حج کو جلد سرانجام دینا واجب ہے' البتہ اگر جہاد فرض عین ہو تو پھر حج کو مؤخر کرنا بھی جائز ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

پہلے اپنے والد کو مطمئن کرو اور پھر---

سوال میں ایک جوان آدمی ہوں اور دیہاتی علاقے کی ایک مسلمان دوشیزہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں' جس کا میں نے اس کے دین اور علم کی وجہ سے انتخاب کیا ہے' لیکن میرے والد صاحب اس قسم کی کسی بھی شادی سے اتفاق نہیں کرتے'

کیونکہ یہ ہمارے رسم و رواج کے خلاف ہے' اس لیے کہ یہ دوشیزہ ہماری مقامی زبان نہیں بولتی۔ سوال یہ ہے کہ اگر میں اپنے والد کی مخالفت کرتے ہوئے اس دوشیزہ سے شادی کروں تو کیا میں اپنے والد کا نافرمان شمار ہوں گا؟

جواب پہلے اپنے والد کو مطمئن کریں کہ یہ بیوی نیک ہے اور آپ کی اس کے ساتھ شادی بہت مناسب ہے۔ نیز اپنے والد کو بتائیں کہ آپ کی رغبت بہت شدید ہے اور پھر اس شادی کے نتیجہ میں مرتب ہونے والی مصلحتیں بھی بیان کر دیں اور اگر آپ کے والد مطمئن نہ ہوں اور آپ کو کوئی اور دوشیزہ مل جائے جس کے ساتھ شادی سے والد مطمئن ہوں تو آپ پہلی دوشیزہ کی بجائے اس دوشیزہ سے شادی کر لیں بشرطیکہ یہ نیک اور صاحب دین و علم ہو اور اگر کوشش کے باوجود اس طرح کی کوئی بیوی نہ ملے تو پھر اس پہلی دوشیزہ ہی سے شادی کر لیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

والدین کی اطاعت کے لیے سنن اور واجبات کو ترک کرنا

سوال کیا کسی انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ والدین کی اطاعت کے لیے کسی سنت کو ترک کر دے' مثلاً یہ کہ اس کا والد مطالبہ کرے کہ قمیص نہ پہنو۔ کیا اس سلسلہ میں مستحب سنت اور واجب سنت میں کوئی فرق ہے؟ کیا ہر سنت نیکی شمار ہوتی ہے؟

جواب اگر والد کی اطاعت سے اللہ کے کسی حکم کی مخالفت لازم آتی ہو یا کسی ایسے کام کا ارتکاب کرنا پڑتا ہو جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہو تو پھر خالق کی نافرمانی کے لیے مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے' لہٰذا آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ کسی ایسے کام میں اپنے باپ کی اطاعت کریں' جس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہو۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

شادی کے بعد باپ کا بیٹوں کے ساتھ تعلق

سوال شادی کے بعد اسلام نے والدین اور بیٹوں کے تعلقات کے کیا حدود مقرر کیے ہیں؟ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس مسئلہ کی وضاحت فرمادیں کیونکہ بیٹوں کے گھریلو معاملات میں والدین کی مداخلت کا اکثر و بیشتر حالات میں اچھا انجام نہیں ہوتا۔

جواب شادی کے بعد والدین اور بیٹوں کا تعلق نیکی اور صلہ رحمی پر مبنی ہونا چاہیے۔ بیٹے کے لیے واجب ہے کہ وہ شادی سے پہلے اور شادی کے بعد بھی اپنے والدین کی اطاعت و فرماں برداری کرے۔ والدین کے لیے بھی واجب ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ صلہ رحمی کریں' کیونکہ ان کے بیٹے انہی کے رِحَم سے ہیں اور صلہ رحمی واجب ہے' لہٰذا والدین میں سے کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ شادی کے بعد اپنی اولاد میں سے کسی کو ایذا دیں یا بیوی کے ساتھ اس کی زندگی مشکل بنا دیں۔ اگر بیٹا والدین کے اس طرح کے طرز عمل کو دیکھے اور وہ محسوس کرے کہ والدین کے ساتھ رہائش کی صورت میں حالات درست نہیں ہو سکتے تو پھر والدین سے الگ رہائش اختیار کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں' لیکن اس کے باوجود بھی بیٹے کے لیے واجب ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

صبر کرو اور اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو

سوال میں آپ کی خدمت میں اپنی اور اپنے بھائیوں کی اپنی والدہ کے ساتھ مشکل صورت حال کو پیش کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ والدہ اس قدر کثرت سے ہمیں طعن و تشنیع کرتی اور برے انداز میں پیش آتی ہیں' جس کی وجہ سے ہم سے بھی بدتمیزی ہو جاتی ہے' ہم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ اپنی والدہ کے نافرمان قرار پائیں یا اپنے ان شیطانی اعمال کی وجہ سے دنیا و آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں۔ دینی احکام کی پابندی کی وجہ سے والدہ ہمیں طعن و تشنیع کرتی رہتی ہیں اور "مولویوں" کے نام سے ہمیں پکارتی ہیں' حالانکہ انہوں نے خود بھی تیسویں پارے کی بہت سی سورتیں حفظ کر رکھی ہیں۔ سوموار اور جمعرات کے علاوہ ہر مہینے کے تین نفل روزے بھی رکھتی ہیں' نیز اس کے علاوہ نفل نمازیں ادا کرتی اور نفل روزے بھی رکھتی ہیں۔ ہم اپنے بھائی کے ساتھ جب سفرحج پر روانہ ہونے لگے تو اس وقت بھی انہوں نے ہمیں طعن و تشنیع کی' گالیاں دیں اور مارا پیٹا اور وہ ہمارے حسب و نسب میں طعن کرتی اور ہماری عزت پامال کرتی ہیں اور ہمیں ایسی ایسی بددعائیں دیتی رہتی ہیں کہ کوئی ماں اپنے بچوں کو اس طرح کی بددعائیں نہیں دے سکتی۔ جس کی وجہ سے ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم اسے چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں یا پھر ہمیں موت ہی آ جائے تاکہ اس کے شر سے بچ جائیں اور اب صورت حال بد سے بدتر ہوتی چلی جارہی ہے۔۔۔ فضیلۃ الشیخ! ہمیں اپنی والدہ کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ والدہ کے اس طرز عمل اور اپنی زندگی کے حوالہ سے ہم کیا طریق کار اختیار کریں؟

جواب اس سوال کے جواب کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو کچھ مذکورہ سوال میں ذکر کیا گیا ہے اگر صحیح ہے تو میں اسے یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اگر یہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں سے برا سلوک کرے گی تو یہ قطع رحمی اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾ ﴾ (محمد ٤٧/ ٢٢-٢٣)

"تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ان (کے کانوں) کو بہرا اور (ان کی) آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ» (صحيح البخاري، الأدب، باب إثم القاطع، ح:٥٩٨٤ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها، ح:٢٥٥٦)

"قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔"

ماں کا بچوں کے ساتھ یہ طرز عمل ظلم ہے اور ظلم حرام ہے۔ اس حدیث قدسی میں ہے جسے امام مسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

«يَاعِبَادِي! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَىٰ نَفْسِي، وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوا» (صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، ح:٢٥٧٧ من حديث أبي ذر رضي الله عنه)

"اے میرے بندو! میں نے اپنے آپ پر ظلم کو حرام قرار دیا ہے اور اسے تمہارے مابین بھی حرام قرار دیا ہے

لہٰذا ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔"

ظلم قیامت کے دن بہت سی ظلمتوں اور تاریکیوں کا سبب بنے گا۔ غیراللہ (مخلوق) کے حق میں ظلم کو معاف نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور حقوق العباد کو ادا کرنا ازبس ضروری ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا کہ "تم مفلس کس کو کہتے ہو؟" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم یا ساز و سامان نہ ہو۔" آپ نے فرمایا:

«إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي، مَنْ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا، وَأَكَلَ مَالَ هٰذَا، وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا، وَضَرَبَ هٰذَا، فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ، قَبْلَ أَنْ يُقْضٰى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، ح:٢٥٨١)

"مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز اور روزے اور زکوٰۃ کے ساتھ اس حال میں آئے گا کہ کسی کو گالی دی ہو گی‘ کسی پر بہتان لگایا ہو گا‘ کسی کا مال کھایا ہو گا‘ کسی کو قتل کیا ہو گا اور کسی کو مارا پیٹا ہو گا تو اس کو بھی اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی اور اُس کو بھی اور اگر اس کے ذمہ حقوق کے پورا ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان کے گناہوں کو لے کر اس پر ڈال دیا جائے گا اور پھر اسے جہنم رسید کر دیا جائے گا۔"

اس ماں کے اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس کے بیٹے اور بیٹیاں اس کے نافرمان ہو جائیں گے کیونکہ اکثر و بیشتر حالتوں میں انسانی نفوس ظلم کو برداشت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا یہ ماں اپنی اولاد کے نافرمانی میں مبتلا ہونے کا خود ہی سبب بنے گی اور پھر اس کے نتیجے میں اپنے بچوں کے ساتھ اس کی زندگی خوش گوار بھی نہیں ہو گی بلکہ ہمیشہ لڑائی جھگڑا ہوتا رہے گا اور اختلافات اور مشکلات میں اضافہ ہوتا رہے گا‘ لہٰذا اس ماں کو میری نصیحت ہے کہ یہ اپنے طرز عمل کو صحیح کر لے‘ اپنے بارے میں اور اپنی اولاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے‘ اولاد کے ساتھ اپنے تعلقات کو درست کرے اور ان کے ساتھ دستور کے مطابق زندگی بسر کرے تاکہ وہ بھی اپنے ان حقوق کو ادا کر سکیں‘ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر واجب قرار دیا ہے۔

جواب کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس ماں کے بیٹوں اور بیٹیوں کو چاہیے کہ وہ صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے مقدور بھر کوشش کر کے اپنی ماں سے حسن سلوک کریں۔ ماں کی قطع رحمی کے باوجود جب یہ صلہ رحمی کریں گے تو یہ یقیناً نفع میں رہیں گے‘ نقصان ان کی ماں ہی کو ہو گا‘ لہٰذا انہیں اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید کرتے ہوئے صبر کرنا چاہیے۔ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس کے کچھ ایسے رشتہ دار ہیں کہ یہ تو ان سے صلہ رحمی کرتا ہے مگر وہ اس سے قطع رحمی کرتے ہیں‘ یہ ان سے حسن سلوک کرتا ہے مگر وہ اس سے برا سلوک کرتے ہیں‘ یہ ان سے حلم و عقل کا معاملہ کرتا ہے مگر ان کا اس سے معاملہ جہالت پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے اس شخص سے فرمایا:

«لَئِنْ كُنْتَ كَمَا قُلْتَ، فَكَأَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ، وَلَا يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللهِ ظَهِيرٌ عَلَيْهِمْ، مَادُمْتَ عَلٰى ذٰلِكَ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها، ح:٢٥٥٨)

"اگر تمہارا طرز عمل اسی طرح ہے جس طرح تو نے بیان کیا ہے‘ تو گویا تو ان کے چہروں پر گرم راکھ ڈالتا ہے

اور جب تک تو اپنے اس حال پر قائم رہے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک معاون (فرشتہ) ان کے مقابلہ میں تیری مدد کرتا رہے گا۔"

اور "اَلْمَل" کا معنی ہے گرم راکھ' مطلب یہ ہے کہ یہ تیرے لیے غنیمت ہے نہ کہ تاوان' کیونکہ نبی ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے:

«لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِيءِ، وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا»(صحيح البخاري، الأدب، باب ليس الواصل بالمكافىء، ح:٥٩٩١)

"صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو بدلے میں صلہ رحمی کرے' بلکہ صلہ رحمی کرنے والا تو وہ ہے کہ جب اس سے قطع رحمی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔"

ان بیٹوں اور بیٹیوں کو میری نصیحت یہ ہے کہ وہ اپنی اس ماں سے مقدور بھر صلہ رحمی کریں' اس کی جفا اور سنگ دلی پر صبر کریں اور انتظار کریں کہ اللہ تعالیٰ مخلصی کی کوئی صورت پیدا فرما دے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن) سے مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و گمان) بھی نہ ہو۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

کوشش کرکے ماں کو قرآن کی سورتیں سکھا دو

سوال والد کی وفات کے بعد والدہ ہمارے ساتھ ہی گھر میں مقیم ہیں اور وہ ناخواندہ ہیں۔ جب ہم انہیں بعض اذکار یا قرآن مجید کی چھوٹی چھوٹی سورتیں سکھانا چاہتے ہیں تو یہ سیکھ نہیں سکتیں لیکن اس کے باوجود یہ فرض و نفل نمازوں اور روزوں کی خوب پابندی کرتی ہیں۔ آپ نصیحت فرمائیں کہ ہم ان کے ساتھ کس طرح معاملہ کریں تاکہ ان کے ساتھ نیکی کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں؟

جواب ہم نصیحت کرتے ہیں کہ کوشش کر کے اپنی والدہ کو قرآن مجید کی چھوٹی چھوٹی سورتیں اور نمازوں کے بعد کے مختلف شرعی اذکار سکھا دو اور کچھ دیگر دعائیں بھی سکھا دو جو ان کے لیے دین و دنیا کے اعتبار سے منفعت بخش ثابت ہوں۔ ان کے لیے سورت فاتحہ کا پڑھنا بھی کافی ہے' لہٰذا خوب کوشش کر کے انہیں سورت فاتحہ ضرور سکھا دو تاکہ وہ اس کو اچھی طرح حفظ کر لیں اور اگر ان کے لیے یہ آسانی سے ممکن ہو کہ نماز فجر میں اور ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی پہلی اور دوسری رکعت میں سورت فاتحہ کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی دیگر چھوٹی چھوٹی سورتیں یا کچھ آیتیں پڑھ سکیں تو یہ افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر نیکی کے کام میں آپ کی مدد فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

والد کے ساتھ رہنے کے بارے میں حکم جب کہ ---

سوال ایک شخص کا یہ کہنا ہے کہ میرا والد ملازمت کرتا ہے اور وہ رشوت لیتا ہے۔ قرآن مجید کی آیات اور احادیث کو

گالی دیتا اور پردے کو تعصب قرا دیتا ہے۔ وہ کبھی مسجد میں نماز پڑھ لیتا ہے اور کبھی کسی اور جگہ اور کبھی کئی نمازیں جمع کر کے پڑھتا ہے۔ اس شخص کی والدہ نماز نہیں پڑھتی البتہ اس کی بہنیں نماز پڑھتی ہیں۔ اس شخص کا سوال یہ ہے کہ کیا ایسے لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا جائز ہے؟ اس طرح کے والد کے مال کو کھانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اولاً: آیات قرآن اور صحیح احادیث کو گالی دینا ایسا کفر ہے جو انسان کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے' نیز جان بوجھ کر نماز ترک کرنا بھی کفر ہے اور رشوت لینا کبیرہ گناہ ہے' لہٰذا پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ اپنے والدین کو سمجھائیں کہ وہ نماز پنجگانہ کو بروقت ادا کریں' اپنے والد کو سمجھائیں کہ وہ اپنی زبان کو گالی دینے سے عموماً اور قرآن و حدیث کو گالی دینے اور پردے کا مذاق اڑانے سے خصوصاً قابو میں رکھیں اور رشوت لینا چھوڑ دیں۔ اگر آپ کے والدین آپ کی بات کو قبول کر لیں تو الحمد للہ! ورنہ اچھے طریقہ کے ساتھ ان سے کنارہ کش ہو جائیں۔ ان سے ایسا میل جول نہ رکھیں جس سے آپ کے دین کو نقصان پہنچے' انہیں ایذا نہ پہنچائیں بلکہ دنیوی امور میں دستور کے مطابق ان کا ساتھ دیں۔ اپنی بہنوں کو بھی سمجھاتے رہیں تاکہ والدین کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے وہ کسی فتنہ سے دوچار نہ ہوں۔

ثانیاً: اگر کسب حرام کے علاوہ آپ کے والد کی کمائی کا کوئی اور ذریعہ نہ ہو تو پھر ان کے مال کو نہ کھائیں اور اگر ان کے مال میں حرام حلال ملا جلا ہو تو پھر علماء کے صحیح قول کے مطابق اسے کھانا جائز ہے اور اگر آپ کے لیے اس سے بچنا ممکن ہو تو یہ آپ کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ و صلى الله على نبينا محمد و آله و صحبه وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

والدین کے ساتھ نیکی کے پانچ کام

سوال والدین کے ساتھ نیکی کس طرح کی جا سکتی ہے؟ کیا ان میں سے کسی کی طرف سے عمرہ کرنا جائز ہے جب کہ قبل ازیں انہوں نے خود بھی عمرہ ادا کیا ہو؟

جواب والدین کے ساتھ مال و جاہ اور بدنی نفع پہنچانے کی صورت میں نیکی اور بھلائی کرنا واجب ہے' جب کہ والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے۔ نافرمانی یہ ہے کہ ان کی زندگی میں ان کا حق ادا نہ کیا جائے اور ان کے ساتھ نیکی و بھلائی نہ کی جائے اور جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ان کی زندگی میں ان کے ساتھ نیکی و بھلائی مال و جاہ و جسم کے ساتھ ہوتی ہے اور ان کی وفات کے بعد اس صورت میں کہ ان کے لیے دعا و استغفار کیا جائے۔ ان کی وصیت پر عمل کیا جائے۔ ان کے دوستوں کی عزت کی جائے اور ان لوگوں سے صلہ رحمی کی جائے جن سے صلہ رحمی کا سبب والدین ہی ہوں۔ یہ ہیں نیکی کے وہ پانچ قسم کے کام جو والدین کی وفات کے بعد کیے جا سکتے ہیں۔

والدین کی طرف سے صدقہ کرنا بھی جائز ہے لیکن بیٹے سے یہ نہ کہا جائے کہ تو صدقہ کر بلکہ یہ کہا جائے کہ اگر تو صدقہ کرے تو یہ جائز ہے اور اگر تو صدقہ نہ کرے تو ان کے لیے دعا کرنا افضل ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثَةٍ: إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»(صحيح مسلم، الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ح: ١٦٣١)

"جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو تین اعمال کے سوا اس کا ہر عمل ختم ہو جاتا ہے (۱) صدقہ جاریہ' (۲) ایسا علم جس سے نفع اٹھایا جاتا ہو اور (۳) نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔"

(اس حدیث میں) نبی اکرم ﷺ نے عمل کے بارے میں ارشاد فرماتے ہوئے جو دعا کا ذکر کیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ والدین کی وفات کے بعد ان کی طرف سے صدقہ کرنے' عمرہ ادا کرنے' قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور ان کی طرف سے نماز پڑھنے کی بجائے ان کے لیے دعا کرنا افضل ہے' کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ رسول اللہ ﷺ افضل کو چھوڑ کر مفضول کو بیان فرماتے' بلکہ یہی بات آپ کے شایان شان تھی کہ آپ افضل اعمال کو بیان فرما دیتے اور مفضول کے بارے میں یہ بیان فرما دیتے کہ یہ جائز ہیں' جیسا کہ آپ نے بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ جب انہوں نے نبی ﷺ سے اپنی والدہ کی طرف سے صدقہ کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے انہیں اجازت عطا فرما دی۔ اسی طرح آپ نے اس شخص کو بھی اجازت دے دی جس نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ! میری امی اچانک فوت ہو گئی ہیں۔ میرا گمان ہے کہ اگر انہیں بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ صدقہ کرتیں' تو کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: "ہاں۔"[1]

بہرحال میں اپنے اس بھائی سے کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اپنے والدین کی طرف سے عمرہ ادا کرنے یا صدقہ کرنے یا اس طرح کے دیگر کام کرنے کی بجائے اپنے والدین کے لیے کثرت سے دعا کریں' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہی راہنمائی فرمائی ہے۔ اگر وہ صدقہ کریں یا عمرہ ادا کریں یا نماز پڑھیں یا قرآن مجید پڑھیں اور ان اعمال کو اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کی طرف سے ادا کریں تو ہم اس کا بھی انکار نہیں کرتے اور اگر والدین نے عمرہ یا حج ادا نہ کیا ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ فرض ادا کرنا دعا سے افضل ہے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نیک لوگوں کی صحبت ترک کرنے کے بارے میں والدین کی----

سوال اگر میرے والدین مجھے یہ حکم دیں کہ میں اپنے اچھے دوستوں اور نیک ساتھیوں کو چھوڑ دوں اور عمرہ ادا کرنے کے لیے ان کے ساتھ سفر نہ کروں' حالانکہ مجھے یہ علم ہے کہ میں شرعی احکام کی پابندی کے راستہ پر چل رہا ہوں تو کیا اس حالت میں والدین کی اطاعت مجھ پر واجب ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں میں اور ان کاموں میں جن میں آپ کا نقصان ہوتا ہو والدین کی اطاعت واجب نہیں ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»(صحيح البخاري، أخبار الآحاد، باب ماجاء في إجازة خبر الواحد ... الخ، ح: ٧٢٥٧ وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الامراء في غير معصية ... الخ، ح: ١٨٤٠)

"اطاعت صرف نیکی کے کام میں ہے۔"

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

---

[1] صحیح البخاری' الوصایا' باب الاشهاد فی الوقف والصدقة' حدیث: 2762

«لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ»(شرح السنة للبغوي: ١٠/ ٤٤، ح: ٢٤٥٥ والمعجم الكبير للطبراني: ١٨/ ١٧٠، ح: ٣٨١)

"خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت (جائز ہی) نہیں ہے۔"

جو آپ کو نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے سے منع کرے اس کی اطاعت نہ کرو خواہ وہ والدین ہوں یا کوئی اور۔ اسی طرح برے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کے بارے میں بھی کسی کی اطاعت نہ کرو۔ البتہ اپنے والدین سے بہت شائستگی اور احسن انداز میں بات کریں' مثلاً آپ اس طرح کہیں کہ ابا جان! بات اس طرح ہے۔ امی جان! یہ لوگ بہت اچھے ہیں' میں ان سے استفادہ کرتا ہوں اور ان سے نفع حاصل کرتا ہوں۔ میرا دل ان سے مل کر نرم ہوتا ہے' میں ان سے علم سیکھتا اور استفادہ کرتا ہوں۔ یعنی آپ ان سے شائستگی اور احسن انداز میں گفتگو کریں' درشتی اور سختی سے بات نہ کریں اور اگر وہ آپ کو منع کریں تو آپ انہیں یہ نہ بتائیں کہ آپ نیک لوگوں کی پیروی کرتے ہیں اور ان سے تعلق رکھتے ہیں اور اگر ماں باپ ناپسند کرتے ہوں تو آپ انہیں یہ بھی نہ بتائیں کہ آپ ان کے ساتھ سفر پر جا رہے ہیں۔ آپ ان کی اطاعت صرف نیک کاموں میں کریں۔ اگر ماں باپ آپ کو برے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیں یا شراب نوشی یا سگریٹ نوشی یا زنا یا اس طرح کے دیگر گناہ کے کاموں کا حکم دیں تو نہ ان کی اور نہ کسی اور کی بات مانیں' جیسا کہ مذکورہ بالا دونوں حدیثوں سے ثابت ہے۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

برے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کے بارے میں---

سوال میری دوستی کچھ بہت اچھے اور شرعی احکام کے پابند دوستوں سے ہے' لیکن میرے گھر والے ان کی دوستی کو پسند نہیں کرتے اور اس کی وجہ سے مجھے ہمیشہ سرزنش اور کبھی مار پیٹ بھی کرتے رہتے ہیں' تو سوال یہ ہے کہ کیا اس سلسلہ میں میرے لیے اپنے گھر والوں کی بات ماننا جائز ہے؟

جواب نیک لوگوں کی صحبت بہت افضل عمل اور سعادت مندی کے اسباب میں سے ایک عظیم ترین سبب ہے' جب کہ کافروں اور کھلم کھلا برائیوں کا ارتکاب کرنے والے برے لوگوں کی صحبت جائز نہیں ہے' بلکہ ایسے لوگوں کی صحبت برے خاتمہ کا سبب بنتی ہے اور اس سے انسان انہی لوگوں جیسے اخلاق و اعمال میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "نیک دوست کی مثال کستوری اٹھانے والے کی طرح ہے کہ وہ یا تو تمہیں کستوری کا تحفہ دے دے گا یا تم اس سے خرید لو گے اور یا پھر اس سے اچھی خوشبو تو پاتے رہو گے۔" آپ نے برے دوست کی مثال بھٹی جھونکنے والے کی طرح بیان کی اور فرمایا کہ "وہ تمہارے کپڑے جلا دے گا اور یا پھر تم اس سے بدبو پاتے رہو گے۔"[1]

مومن کے لیے واجب ہے کہ وہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی کوشش کرے اور برے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرے۔ برے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے اور اچھے لوگوں کی صحبت ترک کرنے کے بارے میں والدین کی یا کسی اور کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

---

[1] صحیح البخاری' الذبائح والصید' باب المسک' حدیث: 5534' و صحیح مسلم' البروالصلة' حدیث: 2628

«إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»(صحيح البخاري، أخبار الآحاد، باب ما جاء في إجازة خبر الواحد ... الخ، ح:٧٢٥٧ وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الامراء في غير معصية ... الخ، ح:١٨٤٠)

"اطاعت صرف نیکی کے کام میں ہے۔" نیز نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ»(شرح السنة للبغوي:١٠/ ٤٤، ح:٢٤٥٥ والمعجم الكبير للطبراني:١٨/ ١٧٠، ح:٣٨١)

"خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت (جائز ہی) نہیں ہے۔" واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

غلطی سے اپنی ماں کو مارا

سوال گھریلو لڑائی جھگڑے کی وجہ سے میرے بھائی کا پاؤں پھسل گیا' بھائی کے اعصاب تانت کی مانند سخت ہو چکے تھے اور اس کا پاؤں ماں کی کمر پر لگ گیا جس کی وجہ سے اسے بہت شدید درد شروع ہو گیا تھا اور پھر بعد میں طبیب سے علاج کی وجہ سے اسے شفا حاصل ہو گئی تھی۔ اگرچہ ماں نے درگزر کیا اور معاف کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا رہتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کیا کرے جس سے اس کے ضمیر کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ اور وہ یہ محسوس نہ کرے کہ وہ عاق ہے؟

جواب ہماری رائے میں یہ شخص معذور ہے اور اس پھسلن کی وجہ سے اسے کوئی گناہ نہیں ہو گا' کیونکہ اس نے ایسا جان بوجھ کر نہیں کیا۔ گھریلو لڑائی جھگڑے اور اعصاب کی سختی کی وجہ سے ایسا ہوا اور پھر اس کی ماں نے اسے معاف کر دیا اور غلطی کی وجہ سے اس سے جو کچھ ہوا اس میں اسے معذور سمجھتے ہوئے درگزر کیا ہے' لہذا اسے چاہیے کہ اپنے ضمیر کو بوجھل نہ سمجھے۔ والدہ سے حسن سلوک اور نیکی کا معاملہ کرے اور ان کی مشکلات وغیرہ کے ازالہ کی کوشش کرے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مسلمان سے ترک تعلق حرام ہے

سوال جس شخص نے عرصۂ دراز سے اپنے بھائی سے ترک تعلق کر رکھا ہو' اس کے بارے میں کیا حکم ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ اس کا والد اس سے تعلق رکھنے سے منع کرتا ہے؟

جواب کسی دینی سبب کے بغیر ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان سے تعلق ترک کرنا حرام ہے اور کسی مسلمان سے ترک تعلق کے بارے میں اپنے باپ یا کسی اور کی بات نہیں ماننی چاہیے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

ضرورت کے خاص احکام ہیں

سوال میں ایک نوجوان ہوں' میرے والد صاحب میرے اور میرے بھائیوں کے اخراجات برداشت کرتے ہیں' مگر

میرے والد کا سودی بینکوں سے لین دین ہے۔ کیا میرے لیے اپنے والد کے مال کو استعمال کرنا جائز ہے جب کہ میں ابھی طالب علم ہوں؟ اور کیا اس مال سے شادی کرنا اور دینی کتب خریدنا جائز ہے؟

جواب پہلے تو یہ معلوم کریں کہ ان بینکوں کے ساتھ آپ کے والد کا لین دین کس قسم کا ہے۔ اگر انہوں نے محض امانت کے طور پر اپنی رقوم بینکوں میں رکھی ہیں اور ان پر وہ سود نہیں لیتے تو بوقت ضرورت یہ جائز ہے اور اگر وہ ان کے ساتھ کاروبار میں شریک ہیں یا ان سے سود پر قرض وغیرہ لیتے ہیں تو یہ بالکل سود ہے۔ تو اس صورت میں اولاً تو آپ ان کو سمجھائیں کہ یہ لین دین صحیح نہیں ہے۔ اس سودی معاملے کی بابت سمجھائیں (کہ یہ لین دین صحیح نہیں ہے) اور ان کو اس کے انجام بد سے ڈرائیں' نیز (انہیں یہ بھی بتائیں کہ) سود سے برکتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اگر وہ رجوع کر لیں اور توبہ کر لیں تو ماضی میں جو ہوا سو ہوا اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور اگر وہ اصرار کریں' بات نہ مانیں یا یہ دعویٰ کریں کہ یہ سود نہیں ہے یا یہ کہیں کہ وہ کوئی اور کام نہیں کر سکتے یا اس طرح کے دیگر حیلے بہانے کریں تو پھر آپ کوشش کریں کہ ان کی غیر سودی کمائی کو اپنے استعمال میں لائیں' یا اگر ممکن ہو تو ان کی کمائی سے مکمل طور پر پرہیز اور اجتناب کریں اور اگر آپ ان کے ساتھ رہنے سہنے اور ان کے مال کو کھانے کے لیے مجبور و بے بس ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں' لیکن اپنے دل میں اسے ناپسند کریں اور اس سے بچنے کے لیے پوری پوری کوشش کریں۔ اسی طرح اگر آپ اس مال سے شادی کرنے یا کتب خریدنے کے لیے مجبور و مضطر ہوں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ ضرورت کے خاص احکام ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

وہ اپنی ماں کو تو دیتا ہے لیکن باپ کو نہیں دیتا

سوال میں محکمہ فوج میں ملازم ہوں اور مجھے بہت اچھی تنخواہ ملتی ہے' جس میں سے کچھ تنخواہ میں اپنی والدہ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں' کیونکہ ماضی میں انہوں نے مجھ پر خرچ کیا تھا مگر میں اپنے والد کو کچھ نہیں دیتا کیونکہ انہوں نے مجھ پر حتیٰ کہ میرے بچپن میں بھی کبھی کچھ خرچ نہیں کیا تھا۔ کیا اس کا مجھے کوئی گناہ ہو گا؟

جواب والدین سے نیکی اور بھلائی بہت اہم فریضہ ہے' خواہ انہوں نے آپ پر بچپن میں کچھ بھی خرچ نہ کیا ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَـٰنًا ﴾ (الإسراء ١٧/ ٢٣)

"اور تمہارے پروردگار نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتے رہو۔"

نیز فرمایا:

﴿ أَنِ ٱشْكُرْ لِى وَلِوَٰلِدَيْكَ إِلَىَّ ٱلْمَصِيرُ ﴿١٤﴾ ﴾ (لقمان ٣١/ ١٤)

"میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔"

آپ پر واجب ہے کہ اپنے باپ سے بھلائی کریں' فعلی و قولی میں ان سے حسن سلوک کا معاملہ کریں اور اگر وہ ضرورت مند ہو تو آپ اپنی تنخواہ میں سے اسے اس قدر دے دیں جس سے آپ کو اور آپ کے بیوی بچوں کو نقصان نہ

پہنچے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ ضَرَرَ وَلاَ ضِرَارَ»(سنن ابن ماجه، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضرّ بجاره، ح:٢٣٤٠، ٢٣٤١)

''نہ تکلیف دینا (جائز ہے) نہ کسی کی تکلیف دہی میں سبب بننا۔''

باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حسب ضرورت آپ سے مال کا مطالبہ کرے' جب کہ آپ کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ مال ہو' کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ وَإِنَّ أَوْلاَدَكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ»(سنن أبي داود، البيوع، باب الرجل يأكل من مال ولده، ح:٣٥٢٨ وجامع الترمذي، الأحكام، باب ماجاء أن الوالد يأخذ من مال ولده، ح:١٣٥٨ واللفظ له)

''پاکیزہ مال جسے تم کھاتے ہو وہ ہے جسے تم نے کمایا ہو اور بلاشبہ تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے۔''

ہم آپ کو نصیحت کرتے ہیں کہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی کریں' ان کے ساتھ بھلائی اور احسان میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں اور ان کی رضا کو حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کریں' نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«رِضَا الرَّبِّ فِي رِضَا الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ»(جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في الفضل في رضا الوالدين، ح:١٨٩٩)

''رب کی رضا والد کی رضا میں اور اس کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

شیخ ابن باز

باپ کے باقی ماندہ مال پر قبضہ جائز نہیں

سوال جب میرا والد کچھ چیزیں خریدنے کے لیے مجھے بھیجے اور خریداری کے بعد کچھ مال بچ جائے تو کیا والد کو بتائے بغیر میرے لیے اس باقی ماندہ مال کو اپنے پاس رکھنا جائز ہے؟ جب کوئی ایسا مسلمان فوت ہو جائے جو اپنی زندگی میں فاسق ہو تو کیا اس کے لیے رحمت کی دعا کرنا جائز ہے؟

جواب جب آپ کے والد صاحب کچھ اشیاء خریدنے کے لیے آپ کو مال دیں تو خریداری سے بچے ہوئے مال کو اپنے پاس رکھنا جائز نہیں ہے' بلکہ واجب یہ ہے کہ مال اپنے والد کو واپس کریں کیونکہ اس کا تعلق اس امانت کے ادا کرنے سے ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل آیت کریمہ میں حکم دیا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ (النساء٤/ ٥٨)

''(مسلمانو!) اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے حوالے کر دیا کرو۔''

ہاں فاسق شخص کے لیے رحمت اور عفو و مغفرت کی دعا کرنا جائز ہے۔ اگر کافر نہ ہو تو نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

شیخ ابن باز

نفل جہاد کے لیے والدین کی اجازت شرط ہے

سوال کیا مجاہدین کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کے لیے والدین سے اجازت حاصل کرنا شرط ہے؟

جواب جب جہاد فرض عین ہو تو علماء فرماتے ہیں کہ اس صورت میں والدین کی اجازت شرط نہیں ہے' کیونکہ اگر والدین اجازت نہ دیں تو خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے اور اگر جہاد نفل ہو اور کچھ مجاہدین فرض کفایہ کے طور پر جہاد کر رہے ہوں تو اس صورت میں والدین کی اجازت ضروری ہے اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو وہ جہاد کے لیے نہ جائے جیسا کہ اہل علم کے ہاں یہ بات معروف ہے۔ اس قاعدہ کے پیش نظر یہ دیکھا جائے کہ اگر یہ جہاد فرض عین ہے تو خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے اور اگر یہ جہاد نفل ہے تو پھر اس کے لیے والدین سے اجازت لینا ضروری ہو گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

باپ کے کہنے سے بیوی کو طلاق نہ دو

سوال میری بیوی اور میرے باپ کا آپس میں اختلاف ہو گیا' جس کی وجہ سے میرے باپ نے مجھ سے اصرار کے ساتھ یہ مطالبہ شروع کر دیا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں ورنہ وہ (میرا باپ) مجھ سے روز قیامت تک بری (اور الگ) ہے' تو کیا میں اپنی بیوی کو طلاق دے دو حالانکہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا اور نہ میرے حق میں کوئی کوتاہی کی؟

جواب اس طرح اکثر ہوتا ہے اور پھر بعد میں صلح ہو جاتی ہے اور دونوں فریق راضی ہو جاتے ہیں اور پھر وقت گزر جانے کے بعد ہر ایک ندامت کا اظہار کرتا ہے' لہٰذا اپنی بیوی کو طلاق دینے میں جلدی نہ کریں بلکہ آپ کے والد کے ساتھ نامناسب رویہ پر سرزنش کے طور پر اسے اپنے میکے بھیج دیں اور پھر اپنے باپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کریں۔ بیوی کی طرف سے معذرت کریں اور انہیں معافی و درگزر کی ترغیب دیں تاکہ وہ اپنے مطالبہ سے رجوع کر لیں۔ اگر بیوی نے کوئی گناہ یا کوتاہی نہ کی ہو تو پھر اپنے باپ کے کہنے پر اسے طلاق نہ دیں۔ واللہ الموفق۔

—— شیخ ابن جبرین ——

جس نے کسی دنیوی مصلحت کی وجہ سے از راہ جہالت ---

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے کسی دنیوی مصلحت کی وجہ سے از راہ جہالت اپنے باپ کا نام بدل دیا ہو؟

جواب انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ کسی دنیوی مصلحت کی وجہ سے اپنے باپ کے نام کو تبدیل کرے' کیونکہ جس کو اس نے مصلحت سمجھا ہے یا تو یہ اس لیے ہو گی کہ جس کی طرف وہ انتساب کر رہا ہے' اس سے وہ دنیوی وجاہت حاصل کرے اور اپنے باپ کی طرف انتساب سے دست کش ہو جائے اور یہ کبیرہ گناہ ہے' کیونکہ اس میں جھوٹ بھی ہے اور باپ کو حقیر سمجھنا بھی' کیونکہ یہ اس کی طرف انتساب سے اعراض کر رہا ہے یا اس کا اس سے مقصد مال کمانا ہو گا وراثت کے ذریعہ یا حکومت کے ذریعہ یا کسی اور طریقے سے اور یہ بھی کبیرہ گناہ ہے' کیونکہ اس میں جھوٹ' دھوکا' لوگوں سے فراڈ اور باطل طریقے سے مال کھانا ہے اور پھر اس میں انساب کی تبدیلی بھی ہے یا یہ بات انساب کی تبدیلی اور تلبیس کا سبب بن

سکتی ہے اور اس کے نتیجہ میں یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کی جن صورتوں کو حلال قرار دیا ہے' وہ حرام اور حرام صورتیں حلال قرار پا جائیں۔ اس طرح اموال وغیرہ میں بھی اس طرح کی خرابی کی صورت پیدا ہو سکتی ہے اور یہ بھی بہت بڑی خرابی ہے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنْ رَجُلٍ ادَّعٰى لِغَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُهُ إِلاَّ كَفَرَ بِاللهِ»(صحيح البخاري، المناقب، باب: ٥، ح: ٣٥٠٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب حال إيمان من قال لأخيه المسلم: يا كافر!، ح: ٦١)

"جو شخص جان بوجھ کر اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرے تو وہ کافر ہے۔"

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنِ ادَّعٰى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ غَيْرُ أَبِيهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ»(صحيح البخاري، الفرائض، باب من ادعى إلى غير أبيه، ح: ٦٧٦٦ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان إيمان من رغب عن أبيه وهو يعلم، ح: ٦٣)

"جو شخص جان بوجھ کر اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرے تو اس پر جنت حرام ہے۔"

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ أَبِيهِ فَهُوَ كُفْرٌ»(صحيح البخاري، الفرائض، باب من ادعى إلى غير أبيه، ح: ٦٧٦٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان حال إيمان من رغب عن أبيه وهو يعلم، ح: ٦٢)

"اپنے باپوں سے اعراض نہ کرو 'کیونکہ جس نے اپنے باپ سے اعراض کیا تو یہ کفر ہے۔"

جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وعید سنائی اور اس پر سختی کی ہے حتیٰ کہ اس پر کفر کا حکم لگایا (یعنی ایسے شخص کو کافر کہا) اور اس پر جنت کو حرام قرار دیا ہے' لہٰذا جس کسی نے بھی ایسا کیا ہے' اسے چاہیے کہ وہ اس سے باز آ جائے اور اپنی اس کوتاہی پر اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

اولاد میں ترجیح

سوال کیا عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے کسی ایک بیٹے سے زیادہ گرم جوشی سے پیش آئے' جب کہ اس کے تمام بیٹے اس سے یکساں معاملہ کرتے ہوں یا اپنے پوتوں میں سے کسی ایک سے ترجیح کا سلوک کرے جب کہ وہ سب اس سے یکساں معاملہ کرتے ہوں راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا۔

جواب والدین کو چاہیے کہ وہ اولاد میں عدل کریں اور ایک دوسرے کو عطیہ' تحفہ اور ہدیہ وغیرہ میں ترجیح نہ دیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«اِتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلاَدِكُمْ»(صحيح البخاري، الهبة، باب الإشهاد في الهبة، ح: ٢٥٨٧ وصحيح مسلم، الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، ح: ١٦٢٣)

"اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل و انصاف کرو۔"
آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے تمام بچے نیکی اور بھلائی میں تم سے یکساں سلوک کریں' تو تم بھی ان کے ساتھ مساوی سلوک کرو۔ اکابر علماء بیٹوں میں مساوات کو مستحب سمجھتے تھے حتیٰ کہ وہ بوسے' خندہ پیشانی سے پیش آنے اور خوش آمدید کہنے میں بھی سب سے مساوی سلوک کرتے تھے' کیونکہ اولاد میں عدل و انصاف کے حکم کا بظاہر یہی تقاضا ہے۔ البتہ بعض حالتوں میں کمی بیشی معاف ہے کیونکہ باپ بسا اوقات از راہ شفقت چھوٹے بچے کو یا بیمار بیٹے کو دوسروں پر ترجیح دے دیتا ہے' ورنہ اصل تو یہی ہے کہ تمام معاملات میں بچوں سے یکساں سلوک کیا جائے خصوصاً جب کہ وہ سب نیکی' بھلائی اور اطاعت و فرماں برداری وغیرہ کرنے میں برابر ہوں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

لوگوں کی وجہ سے قطع رحمی نہیں کرنی چاہیے

سوال میری دو بہنیں ہیں' جن کی چچا کے بیٹوں سے شادی ہوئی ہے۔ اب دونوں گھروں میں اس قدر اختلافات پیدا ہو گئے ہیں کہ ان کی وجہ سے ایک دوسرے کے گھر آنا جانا بھی ختم ہو گیا ہے۔ میرے بھائی نے دونوں بہنوں کے گھر آنا جانا چھوڑ دیا ہے اور بھائی کی وجہ سے والدہ نے بھی آنا جانا چھوڑ دیا ہے تاکہ وہ ناراض نہ ہو' تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ سب لوگ گناہ گار ہوں گے' کیونکہ قطع رحمی حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ رحم سے مراد قرابت ہے۔ قرابت جس قدر قریبی ہو گی صلہ رحمی کی اسی قدر شدید تاکید ہے۔ کسی کی دل جوئی کے لیے قطع رحمی جائز نہیں ہے' بلکہ اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے اور اللہ تعالیٰ نے جس بات کو واجب قرار دیا ہے' اسے ادا کرے۔ پھر اس سے اگر کوئی راضی ہوتا ہے تو وہ ایسی چیز سے راضی ہوتا ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر وہ راضی نہ ہو تو اس کی ناراضی کا کوئی اعتبار نہیں۔ صلہ رحمی واجب ہے۔ لوگوں کی وجہ سے یا کسی کی محبت کی خاطر قطع رحمی جائز نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو

سوال میں اٹھارہ برس کا ایک نوجوان ہوں۔ نماز ادا کرتا ہوں اور اپنے والد کی رضامندی و اطاعت کے کام بھی کرتا ہوں' لیکن میں نے اپنی ولادت سے لے کر اب تک اپنی والدہ کو نہیں دیکھا لیکن جانتا ہوں کہ وہ اب کہاں مقیم ہے۔ وہ ہم سے بہت دور رہتی ہے۔ میرے والد نے بتایا ہے کہ اس نے اسے طلاق دے دی تھی۔ میں اپنی والدہ کو دیکھنا چاہتا ہوں' کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے اپنی والدہ سے ملاقات نہ کی تو اللہ تعالیٰ میرا محاسبہ کرے گا۔ لیکن میں نے اپنے والد سے اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ میں اپنی والدہ کو دیکھنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے اس کا ذکر کیا تو وہ ناراض ہوں گے۔ میرے والد صاحب نے ایک اور عورت سے شادی کر لی ہے اور اس کے بطن سے ان کے کئی بچے بھی ہیں۔ میری اس حالت کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟

جواب ہماری رائے میں آپ پر یہ واجب ہے کہ آپ اپنی والدہ سے ملاقات کریں' دستور کے مطابق ان کا ساتھ دیں اور ان

کے ساتھ وہ نیکی اور بھلائی کریں' جو آپ پر واجب ہے' کیونکہ نبی ﷺ سے جب یہ سوال پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "تمہاری والدہ۔ عرض کیا گیا پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری والدہ۔ عرض کیا گیا پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری والدہ۔ عرض کیا گیا پھر کون؟ آپ نے فرمایا: پھر تمہارا والد۔"[1]

لہٰذا آپ کے لیے یہ حلال نہیں کہ اپنی والدہ سے قطع رحمی کریں بلکہ اس سے صلہ رحمی کریں اور ان سے ملاقات کریں۔ اس صورت حال میں اپنے باپ سے بات کو چھپا بھی سکتے ہیں یعنی انہیں بتائے بغیر ان سے ملاقات کر لیں' صلہ رحمی کریں اور نیکی و بھلائی کریں۔ اس طرح آپ اپنی والدہ کے حق کو بھی ادا کر سکتے ہیں اور اپنے والد کی ناراضی سے بھی بچ سکتے ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

واجب ہے کہ والدین سے خوب بھلائی کی جائے

سوال میری ایک سہیلی کا کہنا ہے کہ اس کی والدہ بہت جلد غصے میں آ جاتی ہے اور اسے اور اس کے بھائیوں کو بہت بد دعائیں دیتی ہے اور خاص طور پر صبح بیدار کرتے وقت تو بہت بددعائیں دیتی ہے اور پھر بسا اوقات قبولیت دعا کے اوقات میں بھی بد دعائیں دیتی ہے' لیکن یہ سہیلی اپنی والدہ کے ساتھ نیکی اور بھلائی کی کوشش کرتی ہے مگر اپنی ماں کے سخت رویہ کی وجہ سے کبھی کبھی اس کی نافرمانی بھی کر بیٹھتی ہے تو کیا اس صورت میں یہ گناہ گار ہو گی' حالانکہ نافرمانی کا سبب خود اس کی ماں ہی ہوتی ہے اور اگر ماں بلاوجہ اپنے بچوں کو بددعا دے تو کیا وہ قبول ہو جاتی ہے؟ امید ہے راہنمائی فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اولاد کے لیے یہ واجب ہے' خواہ وہ بیٹے ہوں یا بیٹیاں' اپنے والدین کے ساتھ نیکی و بھلائی کریں اور کوشش کریں کہ وہ ناراض نہ ہوں اور ان کے لیے بد دعا نہ کریں کیونکہ والدین کا حق بہت عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کے بارے میں اپنے بندوں کو بہت وصیت فرمائی ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ۞ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعۡبُدُوٓاْ إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِٱلۡوَٰلِدَيۡنِ إِحۡسَٰنًاۚ ﴾ (الإسراء ١٧/ ٢٣)

"اور تمہارے پروردگار نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتے رہو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَوَصَّيۡنَا ٱلۡإِنسَٰنَ بِوَٰلِدَيۡهِ حَمَلَتۡهُ أُمُّهُۥ وَهۡنًا عَلَىٰ وَهۡنٖ وَفِصَٰلُهُۥ فِي عَامَيۡنِ أَنِ ٱشۡكُرۡ لِي وَلِوَٰلِدَيۡكَ إِلَيَّ ٱلۡمَصِيرُ ﴿١٤﴾ ﴾ (لقمان ٣١/ ١٤)

"اور ہم نے انسان کو جسے اس کی ماں تکلیف پر تکلیف سہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے (پھر اس کو دودھ پلاتی ہے) اور (آخر کار) دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے (نیز) اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے کہ میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔"

---

[1] صحيح البخاري' الادب' باب من أحق الناس بحسن الصحبة' حديث: 5971 و صحيح مسلم' البروالصلة' باب برالوالدين وأيهما احق به' حديث: 2548

حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے جب یہ سوال کیا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

«اَلصَّلَاۃُ عَلٰی وَقْتِھَا، قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ، قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: الْجِھَادُ فِي سَبِیْلِ اللّٰہِ»(صحیح البخاري، الأدب، باب البر والصلة، ح:٥٩٧٠ وصحیح مسلم، الإیمان، باب بیان کون الإیمان باللہ تعالی أفضل الأعمال، ح:٨٥)

"وقت پر نماز پڑھنا' عرض کیا پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: والدین سے نیکی اور بھلائی کرنا۔ عرض کیا' پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنا۔"

والدین کے ساتھ نیکی اور بھلائی کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں' لہٰذا اولاد پر خواہ وہ بیٹے ہوں یا بیٹیاں' یہ واجب ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی اور بھلائی کریں' انہیں ناراض کرنے والے اسباب سے دور رہیں۔ نیکی کے کاموں میں ان کی سمع و طاعت بجا لائیں۔ اولاد کے لیے والدین کی نافرمانی جائز نہیں ہے خواہ والدین کے اخلاق برے ہی کیوں نہ ہوں۔ والدین کے لیے بھی یہ واجب ہے کہ اولاد کے ساتھ نرمی کریں' ان سے احسن انداز میں معاملہ کریں اور انہیں نافرمانی پر مجبور نہ کریں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾ ﴾ (المائدۃ٥/ ٢)

"اور تم نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو' اور کچھ شک نہیں کہ اللہ سخت عذاب (سزا دینے) والا ہے۔"

والدین کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے لیے خصوصاً قبولیت کے اوقات میں ہدایت و نیکی کی دعا کریں اور بد دعا سے اجتناب کریں' کیونکہ والدین کی اولاد کے بارے میں بددعا بہت خطرناک ہوتی ہے' ہو سکتا ہے کہ وہ قبولیت کا وقت ہو اور بددعا قبول ہو جائے۔۔۔ وباللہ التوفیق۔

———— شیخ ابن باز ————

میرا والد سگریٹ خریدنے کا حکم دیتا ہے

سوال میرے والد کے پاس میرے علاوہ کوئی اور نہیں ہوتا لہٰذا وہ مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں ان کیلئے سگریٹ لاؤں۔ اگر میں ان کی بات نہ مانوں تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں اور میرے بارے میں بہت تنگ ہو جاتے ہیں' مگر میں سگریٹ پیش کرنے کو سخت ناپسند کرتا ہوں' کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ یہ حرام ہے۔ مجھے فتویٰ دیں کہ میں کیا کروں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب عطا فرمائے۔

جواب تمباکو خبیث اور حرام ہے اور اسے پینے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ کسی کے سامنے اسے پیش کرنا تمباکو نوشی کا وسیلہ ہے اور وسائل کا حکم بھی وہی ہوتا ہے جو نتائج کا ہو' جب نتیجہ حرام ہو تو اس تک پہنچانے والا وسیلہ بھی حرام ہو گا۔ لہٰذا کسی کے سامنے اسے پیش کرنا جائز نہیں ہے۔ والدین کی اطاعت صرف ان امور میں مشروع ہے' جن میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو اور وہ مباح ہوں جب کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں میں والدین کی اطاعت جائز ہی نہیں ہے' کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لاَ طَاعَةَ لأَحَدٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»(المستدرك على الصحيحين للحاكم: ٣/ ١٢٣، ح: ٤٦٢٢)

"اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی بھی اطاعت نہیں ہے بلکہ اطاعت صرف نیکی کے کام میں ہے۔"

نیز رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ»(شرح السنة للبغوي: ١٠/ ٤٤، ح: ٢٤٥٥ والمعجم الكبير للطبراني: ١٨/ ١٧٠، ح: ٣٨١ ومسند أحمد: ٥/ ٦٦)

"خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت (جائز ہی) نہیں ہے۔"

اس حدیث کو امام احمد نے "مسند" میں اور امام حاکم نے "مستدرک" میں عمران اور حکم بن عمرو غفاری سے روایت کیا ہے۔ وباللہ التوفیق' و صلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

آدمی کا نماز کے لیے جانا اور بچوں کا گھر میں رہ جانا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ آدمی خود تو نماز کے لیے مسجد میں چلا جائے مگر اس کے بچے گھر میں رہیں؟

جواب آدمی کیلئے یہ واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی اطاعت بجالائے' جو درج ذیل آیت کریمہ میں بیان ہوا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيكُمۡ نَارٗا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلۡحِجَارَةُ عَلَيۡهَا مَلَٰٓئِكَةٌ غِلَاظٞ شِدَادٞ لَّا يَعۡصُونَ ٱللَّهَ مَآ أَمَرَهُمۡ وَيَفۡعَلُونَ مَا يُؤۡمَرُونَ ۝٦ ﴾ (التحريم٦٦/ ٦)

"اے مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تند خو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں جو اللہ تعالیٰ ان کو فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔"

ہر آدمی کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کو بھی نماز کا حکم دے' جیسا کہ نبی ﷺ نے اس کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

«مُرُوا أَوْلاَدَكُمْ بِالصَّلاَةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ»(سنن أبي داود، الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة، ح: ٤٩٥)

"اپنے بیٹوں کو نماز کا حکم دو جب کہ وہ سات سال کے ہوں اور اگر وہ دس سال کے ہوں (اور نماز نہ پڑھیں تو) انہیں مارو' (نیز اس عمر میں) ان کے بستر الگ الگ کر دو۔"

اللہ تعالیٰ نے عربوں کے باپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے اور وہ اپنے رب کے ہاں انتہائی پسندیدہ تھے۔ کسی آدمی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بچوں کو سوتا رہنے دے اور انہیں نماز کے لیے بیدار نہ کرے (بلکہ خود بھی سستی میں) ان کے پیچھے لگ جائے اور پھر بیدار کرنے پر ہی اکتفا نہ کرے بلکہ ضروری ہے کہ انہیں اپنے ساتھ نماز کے لیے لے کر جائے' کیونکہ بچے بیدار ہونے کے بعد بسااوقات پھر سو

جاتے ہیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وہ خود تو نماز کے لیے چلا جائے مگر بچے گھر ہی میں رہیں' اگر اسے نماز کے فوت ہونے کا خدشہ ہو اور وہ اس بات کا خواہش مند بھی ہو کہ بچوں کو بیدار کرے اور انہیں اپنے ساتھ لے جائے تو وہ خود چلا جائے اور پھر ان کے پاس واپس آجائے اور اگر وہ ست ہو اور نماز سے واپسی کے بعد انہیں اٹھاتا ہو اور محض ایک دو مرتبہ کہنے کے بعد ہی خود نماز کے لیے چلا جاتا ہو اور کہتا ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں زیادہ دیر رکا رہا تو میری نماز بھی فوت ہو جائے گی۔ بلاشبہ یہ اس شخص کی کوتاہی ہے کیونکہ اس پر واجب یہ ہے کہ حسب حال انہیں بیدار کرے۔ اگر وہ بیدار ہونے میں ست ہوں تو انہیں جلد بیدار کرے اور اگر وہ ست نہ ہوں تو پھر ان کے حسب حال انہیں بیدار کرے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

پڑوسیوں میں ترجیح

سوال کیا ہم وطن پڑوسیوں کو جو ہم سے دور رہتے ہیں' ان مسلمانوں پر ترجیح دی جاسکتی ہے جو اسی محلے میں رہتے ہیں جس میں ہم رہتے ہیں؟

جواب ترجیح کے تین اسباب ہیں ① قرابت ② اسلام اور ③ پڑوس۔ ایک پڑوسی وہ ہوتا ہے جس کے تین حقوق ہوتے ہیں۔ اس سے مراد وہ مسلمان پڑوسی ہے جو رشتہ دار بھی ہو تو اس کے اسلام' پڑوس اور رشتہ داری کے ناطے حقوق ہیں۔ دوسرا پڑوسی وہ ہے جس کے دو حق ہیں۔ اس سے مراد وہ پڑوسی ہے جو مسلمان ہو' اسے اسلام اور پڑوس کی وجہ سے دو حق حاصل ہیں اور تیسرا پڑوسی وہ ہے جس کا صرف ایک ہی حق ہوتا ہے اور اس سے مراد وہ پڑوسی ہے جسے صرف پڑوس کی وجہ سے حق حاصل ہوتا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

وہ رشتہ دار جو دینی شعائر میں ست ہوں

سوال اپنے والد اور رشتہ داروں' پڑوسیوں اور ساتھیوں کے بارے میں کیا موقف اختیار کرنا چاہیے جو بعض دینی شعائر کے ادا کرنے میں ست ہوں یا انہیں بالکل ہی ادا نہ کرتے ہوں حالانکہ میں انہیں نصیحت بھی کرتا رہتا ہوں تو ان سے معاملے کا کیا طریقہ ہونا چاہیے؟

جواب یہ سوال ان بعض شعائر کے حوالے سے مجمل ہے' جن کے بارے میں یہ لوگ کبھی سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کبھی انہیں بالکل ہی ترک کر دیتے ہیں' کیونکہ بعض شعائر اصل اسلام ہیں' بعض رکن اور بعض سنت ہیں' لہٰذا ان شعائر کے مختلف ہونے کی وجہ سے سختی اور نرمی کے اعتبار سے ان کا حکم بھی مختلف ہو گا اور ان شعائر کے مختلف ہونے کی وجہ سے سختی اور نرمی کرنے والوں کے لیے حکم بھی مختلف ہو گا۔ بہرحال والدین کے حوالہ سے آپ پر یہ واجب ہے کہ وہ جب بھی کسی شعار میں سستی کریں یا اسے ترک کریں تو آپ انہیں حکمت و دانش کے ساتھ نصیحت کریں اور اسے ادا کرنے کی دعوت دیں' جس طرح کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے والد کو توحید کی دعوت دی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام میں اپنے والدین کی اطاعت نہ کریں۔ دنیا کے کاموں میں دستور کے مطابق ان کا ساتھ دیں اور اس

شخص کے راستہ پر چلیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔

والدین کے علاوہ دیگر رشتہ داروں' پڑوسیوں اور ساتھیوں کو بھی حکمت کے ساتھ دعوت دیں اور احسن انداز میں ان سے گفتگو کریں۔ جو شخص آپ کی دعوت کو قبول کر لے وہ آپ کا دینی بھائی ہے اور جو قبول نہ کرے تو آپ بھی اس سے قطع تعلق کر لیں بشرطیکہ وہ اسلام کے کسی اصل' رکن یا متفق علیہ فرائض میں سے کسی فرض کا تارک ہو۔ ایسے شخص سے تعلق نہ رکھیں اور اگر وہ کسی سنت یا مستحب معاملہ میں کوتاہی کرتا یا اس کا تارک ہو تو اس سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ بچائے' تو ایسے شخص سے قطع تعلق نہ کریں بلکہ نیکی کے کام میں اس سے تعاون کریں اور جس کام کو وہ ترک کرتا ہے' اس کے بارے میں اسے ہمیشہ نصیحت کرتے رہیے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

بد خلق دادا سے معاملہ

سوال میرا دادا ہمارے ساتھ رہتا ہے اور وہ ہمیں کبھی نہیں چھوڑتا' یعنی ہمیں مارنے اور ڈانٹنے کا ہمیشہ موقع تلاش کرتا رہتا ہے تو کیا اس کے لیے بد دعا یا اس سے اونچی آواز میں بات کرنا جائز ہے؟

جواب اس بوڑھے آدمی کے ساتھ نرمی کریں اور ان کی طرف سے آپ کو جو تکلیف پہنچتی ہے' اس پر صبر کریں کیونکہ انسان کی عادت ہے کہ جب وہ بڑا ہو جاتا ہے تو وہ تنگ دل ہو جاتا ہے اور اونچی آواز یا اپنے حکم کی مخالفت سے تکلیف محسوس کرتا ہے اور اسے برداشت نہیں کر سکتا' لہٰذا آپ ان سے جو سنیں یا دیکھیں اس پر صبر کریں نیز انہیں بتا دیں کہ آپ کوئی ایسا کام نہیں کریں گے' جس کی وجہ سے انہیں آپ کے لیے بددعا کرنا پڑے یا آپ کو مارنا پڑے۔ امید ہے اس سے ان کی تیزی و تندی میں کمی آ جائے گی۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

میری والدہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں

سوال میری والدہ مجھ سے بہت محبت کرتی اور مجھ پر بے حد شفقت کرتی ہیں' شائد اس کا سبب میری کمزوری اور بیماری ہے لیکن ان کی محبت تمام حدود سے تجاوز کر گئی ہے۔ میں اس وقت اکیس برس کی ہوں لیکن والدہ مجھ سے اس طرح معاملہ کرتی ہیں گویا میری عمر دس سال ہو' اگر انہیں معلوم ہو کہ میں نے کھانا نہیں کھایا تو وہ مجھے اپنے ہاتھ سے کھلانے لگ جاتی ہیں میں بھی الحمد للہ! ان سے بہت نرمی سے بات کرتی ہوں اور ان کی فرماں بردار ہوں؟

جواب اکثر و بیشتر والد اپنی اولاد سے اسی طرح محبت کرتے اور ان پر شفقت کرتے ہیں۔ والدین یا ان میں سے کسی ایک کے دل میں محبت کا یہ جذبہ کسی سبب یا بغیر سبب کے اس طرح فراواں ہوتا ہے۔ شائد اس کا سبب کسی بچے یا بچی کی مکمل اطاعت و فرماں برداری یا بیماری اور کمزوری ہوتا ہے' جو اس کمزور کے ساتھ زیادہ محبت و شفقت پر مائل کرتا ہے لیکن زیادہ محبت و شفقت کی وجہ سے بسا اوقات نقصان بھی ہونے لگتا ہے جیسا کہ سوال میں ذکر کیا گیا ہے' لہٰذا اس صورت میں اولاد کو چاہیے کہ وہ اپنی ماں یا باپ سے معذرت کرے اور بتا دے کہ اسے اس قدر نگہداشت کی ضرورت نہیں ہے۔

والدین کو بھی چاہیے کہ وہ محبت و شفقت کے اعتبار سے اپنی تمام اولاد سے یکساں سلوک کریں حتیٰ کہ بعض علماء سلف سے منقول ہے کہ وہ عدل و انصاف کے پیش نظر بوسے وغیرہ میں بھی اپنی اولاد سے یکساں سلوک کرتے تھے تاکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد گرامی پر عمل کر سکیں:

«اتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ»(صحيح البخاري، الهبة، باب الإشهاد في الهبة، ح:٢٥٨٧ وصحيح مسلم، الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، ح:١٦٢٣)

''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل و انصاف کرو۔''

—— شیخ ابن جبرین ——

میری والدہ فوت ہو گئیں اور وہ مجھ سے ناراض تھیں

سوال میری والدہ تقریباً چھ سال قبل رمضان میں فوت ہو گئی تھیں' میں بچپن میں ہمیشہ ان سے لڑتی جھگڑتی اور ان سے تکرار کرتی رہتی تھی' لہٰذا جب وہ فوت ہو گئیں تو مجھ سے ناراض تھیں۔ اب جب میں بڑی ہو گئی ہوں تو میری عقل بھی بڑی ہو گئی ہے' لہٰذا مجھے اپنے طرز عمل پر ندامت ہے۔ مگر اب میں سوائے ندامت' توبہ و استغفار اور ان کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کے اور کچھ نہیں کر سکتی تو کیا اس سے اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف کر کے قیامت کے دن مجھ پر رحم فرما دے گا؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ ہم نے ان کی طرف سے روزے بھی نہیں رکھے' تو کیا اس کی وجہ سے ہمیں گناہ ہو گا؟ کیا یہ جائز ہے کہ ہم ان کی طرف سے روزے رکھیں؟ یاد رہے کہ تھوڑا عرصہ قبل ہی ہمیں علم ہوا ہے کہ ان کے روزے رہ گئے تھے۔

جواب معلوم یوں ہوتا ہے کہ آپ کی والدہ کی زندگی میں نادانی و کم عقلی کے ساتھ ساتھ آپ کی عمر بھی چھوٹی تھی' لہٰذا اس حالت میں آپ سے جو کوتاہی ہوئی اس کے لیے آپ معذور ہیں۔ ادراک و عقل کے بعد اب جب کہ آپ نے توبہ و استغفار کر لیا ہے تو اس سے ان شاء اللہ امید ہے کہ سابقہ کوتاہی کی تلافی ہو جائے گی کیونکہ توبہ سے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس طرح آپ ان کے لیے رحمت و مغفرت کی جو دعا کرتی اور ان کی طرف سے صدقہ کرتی ہیں تو اس سے بھی اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف فرما دے گا۔ آپ کی والدہ اپنی بیماری کے ایام میں جو روزے نہ رکھ سکیں اور نہ پھر انہیں قضا دینے کی مہلت ملی تو اس سلسلہ میں وہ معذور ہیں۔

—— شیخ ابن جبرین ——

وہ اپنے بھائی کے ساتھ ایسے گھر میں رہتا ہے جو---

سوال میں شادی شدہ ہوں اور اپنی والدہ' بڑے بھائی' اس کی بیوی اور اپنی بہن کے ساتھ رہتا ہوں--- میرا بھائی نماز نہیں پڑھتا' علاوہ ازیں ہمارے گھر میں اور بھی بہت سے خلاف شریعت امور ہوتے ہیں مثلاً فلمیں دیکھی جاتی ہیں' گانے سنے جاتے ہیں اور دیواروں پر بچوں کی تصویروں کو لٹکایا جاتا ہے۔ میرا بھائی کسی نصیحت کو قبول بھی نہیں کرتا تو کیا میں یہ گھر چھوڑ دوں؟ الحمد للہ! مجھے اس قدر توفیق حاصل ہے کہ میں اپنی الگ رہائش کا انتظام کر سکتا ہوں۔ میری والدہ کے لیے اس کے ساتھ رہنا جائز ہے یا اسے بھی میرے ساتھ ہی اس گھر سے نکل آنا چاہیے؟ امید ہے میری راہنمائی کرتے ہوئے یہ

فرمائیں گے کہ اس مسئلہ میں حکم شریعت کیا ہے؟

جواب اگر آپ کے لیے صورت حال کی اصلاح اور اس خرابی کا ازالہ ممکن نہیں ہے تو آپ کے لیے واجب ہے کہ اس گھر سے نکل جائیں کیونکہ قدرت کے باوجود اس گھر میں رہنا جائز نہیں۔ آپ کی والدہ کے لیے بھی واجب یہ ہے کہ وہ آپ کے ساتھ نکل آئیں کیونکہ کسی بھی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ برائی کا ارتکاب کرنے والے کے ساتھ رہے جب کہ اسے چھوڑ دینے کی اسے قدرت حاصل ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

غیراللہ کے لیے رکوع اور سجود جائز نہیں

سوال کیا کسی کے لیے مثلاً والدین کے لیے رکوع جائز ہے؟

جواب جائز نہیں ہے' بلکہ یہ تو شرک ہے کیونکہ رکوع بھی سجدہ کی طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت ہے' لہٰذا یہ غیراللہ کے لیے جائز نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

وہ مسلمان ہو کر نماز نہیں پڑھتا

سوال ایک انسان جو ماں باپ کی طرف سے مسلمان ہے مگر وہ نماز' روزہ اور دیگر شعائر اللہ کو ادا نہیں کرتا تو کیا اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کرنا جائز ہے یعنی کوئی مسلمان اس کے ساتھ مل کر کھا سکتا ہے؟

جواب جب اس شخص کا یہ حال ہے کہ وہ نماز' روزہ اور دیگر شعائر اسلام کو ادا نہیں کرتا تو علماء کے صحیح قول کے مطابق وہ ایسے کفر کا ارتکاب کر رہا ہے جس کی وجہ سے وہ دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس سے تین دن تک توبہ کا مطالبہ کیا جائے اگر توبہ کر لے تو الحمد للہ ورنہ مسلمان حاکم اس پر وہ حد نافذ کرے گا جو شریعت نے واجب قرار دی ہے کہ مرتدین کو قتل کر دیا جائے۔ مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس سے دوستی اور میل جول رکھیں' البتہ اسے وعظ و نصیحت کرنے کے لیے میل جول رکھ سکتے ہیں' شاید یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور توبہ کر لے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

افضل یہ ہے کہ والدین کے لیے دعا کرو

سوال اگر میں اپنی ماں کی طرف سے نیت کر کے صدقہ کروں تو کیا یہ جائز ہے؟ کیا اس صدقہ کا اسے ثواب پہنچے گا؟

جواب ہاں یہ جائز ہے کہ انسان اپنے فوت شدہ والدین کی طرف سے صدقہ کرے جس کی طرف سے صدقہ کیا جائے اسے اس کا ثواب پہنچ جاتا ہے۔ اس کی دلیل صحیح بخاری کی یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا' یا رسول اللہ! میری والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا ہے' انہیں اگر بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ ضرور صدقہ کرتیں۔ کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا' ہاں۔ [1] اس طرح نبی ﷺ نے سعد بن

---

[1] صحیح البخاری' الوصایا' باب ما یستحب لمن توفی فجأۃ ان یتصدقوا عنہ --- الخ' حدیث: 2760

عبادہ رضی اللہ عنہ کو اجازت دی تھی کہ وہ مدینہ میں اپنے کھجور کے باغ کو اپنی ماں کی وفات کے بعد ان کی طرف سے صدقہ کر دیں۔ [1] لیکن افضل یہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ کے لیے دعا کرے اور نیک اعمال اپنے ثواب کے لیے کرے کیونکہ سلف سے یہی منقول ہے' بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اس پر دلالت کرتا ہے:

«إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثَةٍ: إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»(صحيح مسلم، الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ح: ١٦٣١)

"انسان جب فوت ہو جاتا ہے تو تین کے سوا اس کا ہر عمل منقطع ہو جاتا ہے (ا) جو اس نے صدقہ جاریہ کیا ہو (۲) یا اس نے جو علم نافع چھوڑا ہو (۳) یا اس کا نیک بیٹا جو اس کے لیے دعا کرتا ہو۔"

لیکن اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ انسان اپنے ماں باپ کی وفات کے بعد کچھ نیک اعمال ان کی طرف سے نیت کرتے ہوئے ادا کرے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

اپنی بیوی کے ساتھ رہو اور اپنے اہل سے تعلق قطع نہ کرو

سوال چار ماہ ہوئے میں نے اپنے چچا کی بیٹی سے شادی کی اور ہم اپنے خاندان کے گھر میں اکٹھے رہ رہے ہیں۔ ایک دن میری بیوی اور دیگر گھر والوں میں کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی' جس کی وجہ سے وہ اپنے باپ کے گھر چلی گئی اور اب اس نے یہ مطالبہ شروع کر دیا ہے کہ ہم اپنی رہائش الگ کر لیں تاکہ مشکلات سے بچ سکیں۔ یا پھر ہم اس کے باپ کے گھر میں سکونت اختیار کر لیں اور میں اپنے گھر والوں سے بھی تعلقات قائم رکھوں اور ہمیشہ ان کی خبر گیری بھی کرتا رہوں۔ میں نے اس تجویز کو جب اپنے گھر والوں کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اسے مسترد کر دیا اور اصرار کیا کہ میں ان کے ساتھ ہی رہوں۔ اگر میں ان کے اس اصرار کے باوجود انکار کر دوں اور اپنی بیوی کے ساتھ اس کے باپ کے گھر کے ایک حصہ میں سکونت اختیار کر لوں تو کیا اس میں گناہ ہو گا؟

جواب آدمی کے گھر والوں اور اس کی بیوی کے درمیان اس طرح کے اختلافات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اس صورت حال میں چاہیے کہ آدمی اپنے گھر والوں اور بیوی کے مابین مقدور بھر کوشش کر کے صلح کرا دے اور جو شخص ظلم و زیادتی کرنے والا ہو اسے سرزنش کرے اور احسن انداز میں سمجھا دے تاکہ فریقین میں الفت و محبت پیدا ہو جائے' کیونکہ الفت و محبت ہی سراپا خیر ہے۔ اگر صلح کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکے تو پھر الگ سکونت اختیار کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ بلکہ اس میں سب کے لیے اصلاح اور منفعت ہوتی ہے کہ اس سے ایک دوسرے کے دل سے کدورت جاتی رہتی ہے۔ الگ سکونت اختیار کرنے کی صورت میں انسان کو اہل خانہ سے قطع تعلق نہیں کرنا بلکہ ان سے ملتے جلتے رہنا چاہیے۔ بلکہ وہ جس گھر میں اپنی بیوی کے ساتھ سکونت پذیر ہو اگر وہ اس کے اہل خانہ کے گھر سے قریب ہو تو زیادہ موزوں ہے کیونکہ اس سے ملنے

[1] صحیح البخاری' الوصایا' باب الاشهاد فی الوقف والصدقة' حدیث: 2762

جلنے اور ان سے تعلق رکھنے میں سہولت ہو گی۔ اگر ایک ہی جگہ سکونت رکھنے میں سب کے لیے دشواری ہو تو پھر الگ رہائش اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے' بشرطیکہ وہ اپنی بیوی اور اپنے تمام اہل خانہ کے حقوق ادا کرتا رہے۔

—————— شیخ ابن عثیمین ——————

مذاق اڑانے والے بھائی سے معاملہ

سوال میرا ایک بڑا بھائی ہے جو میرا بہت مذاق اڑاتا رہتا ہے۔ وہ میرے بارے میں کہتا ہے کہ میں منافق ہوں کیونکہ میں تنہائی میں اپنے کمرے میں گانے سنتا ہوں۔ کچھ مدت کے بعد میں وسوسے میں مبتلا ہو کر اس دین سے دور ہو جاؤں گا۔ میں نے اسے بہت سمجھایا کہ وہ ان باتوں سے باز آ جائے مگر وہ نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ میری راہنمائی فرمائیں کہ میں کیا کروں؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب واجب یہ ہے کہ آپ اس کے راہ راست پر آنے سے مایوس نہ ہوں۔ (دیکھا گیا ہے کہ) بہت سے لوگ ایسے تھے جن کے اعمال درست نہ تھے مگر پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انہیں ہدایت سے سرفراز فرما دیا' لہٰذا اپنے بھائی کو کثرت سے سمجھاتے رہیں۔ انہیں دینی موضوع پر کچھ کیسٹیں اور کتابیں بھی بطور تحفہ دے دیں' شائد آپ کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت فرما دے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

«لأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلاً وَّاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ»(صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب على بن أبي طالب ... الخ، ح:٣٧٠١ وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب، ح:٢٤٠٦)

"اگر آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ایک شخص کو بھی ہدایت عطا فرما دے تو یہ آپ کے لیے سرخ اونٹوں (کی دولت) سے بھی زیادہ بہتر ہے۔"

آپ انہیں بار بار سمجھاتے رہیں اور اس کی طرف سے پہنچنے والی اذیت پر صبر کریں جس طرح کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا:

﴿ يَٰبُنَيَّ أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ وَأْمُرْ بِٱلْمَعْرُوفِ وَٱنْهَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَٱصْبِرْ عَلَىٰ مَآ أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ ٱلْأُمُورِ ﴿١٧﴾ ﴾ (لقمان٣١/ ١٧)

"پیارے بیٹے! نماز کی پابندی رکھنا اور (لوگوں کو) اچھے کاموں کے کرنے کا امر اور بری باتوں سے منع کرتے رہنا اور جو مصیبت تجھ پر واقع ہو اس پر صبر کرنا۔ بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔"

—————— شیخ ابن عثیمین ——————

تارک نماز کا روزہ اور حج قبول نہیں

سوال میری والدہ کا کچھ عرصہ پہلے انتقال ہو گیا تھا' انہوں نے کبھی بھی رمضان کے روزے نہیں رکھے تھے۔ اور نماز بھی انہوں نے اپنی عمر کے صرف آخری سال میں شروع کی تھی۔ انہوں نے حج کی بھی نیت کی تھی مگر موسم حج سے پہلے ہی

ان کا قضائے الٰہی سے انتقال ہو گیا تو کیا یہ جائز ہے کہ میں ان کی طرف سے ان مہینوں کے روزے رکھوں جو انہوں نے نہیں رکھے تھے؟ یاد رہے انہوں نے وفات سے پہلے نماز شروع کر دی تھی' کیا میں ان کی طرف سے حج بھی کر سکتا ہوں؟ امید ہے جواب عطا فرمائیں گے' اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر سے نوازے۔ کیا کوئی ایسے طریقے یا ایسی عبادات ہیں جن کو میں ادا کر کے ان کا ثواب اپنی والدہ کو پہنچا دوں؟

جواب ترک نماز کے ساتھ ساتھ آپ کی والدہ نے جن روزوں کو ترک کیا' آپ ان کی قضا نہیں دے سکتے کیونکہ ترک نماز ایک کفر ہے جس سے عمل رائیگاں ہو جاتا ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ ومسند أحمد:٥/٣٤٦، ٣٥٥)

"ہمارے اور ان کے مابین عہد نماز ہے جس نے اسے ترک کر دیا اس نے کفر کیا۔"

اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ اور اہل سنن نے حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس موضوع سے متعلق اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تارک نماز کافر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں نماز ادا کرنے کی توفیق عطا فرما دی' اس کے بعد انہوں نے جن روزوں کو ترک کیا' آپ ان کی قضا دے سکتے ہیں' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ، صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ»(صحيح البخاري، الصوم، باب من مات وعليه صوم، ح:١٩٥٢ وصحيح مسلم، الصوم، باب قضاء الصوم عن الميت، ح:١١٤٧)

"جو شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے۔"

اگر آپ یا اس کے رشتہ داروں میں سے کوئی اور روزے نہ رکھ سکے تو آپ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو نصف صاع کھجور یا چاول یا جو آپ کے شہر میں خوراک کھائی جاتی ہو' دے دیں۔ آپ کے لیے مشروع ہے کہ ان کے لیے کثرت سے دعا اور صدقہ اس امید سے کریں کہ اس سے اللہ تعالیٰ اسے نفع پہنچاوے گا بشرطیکہ انہوں نے وفات سے پہلے کوئی ایسا کام نہ کیا ہو جو اسلام سے ارتداد کا موجب ہو۔ آپ ان کی طرف سے حج کر سکتے ہیں۔ اگر وہ اپنی زندگی میں دولت مند تھیں تو پھر واجب یہ ہے کہ آپ ان کے لیے ان کے مال سے حج کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر نیکی کی توفیق اور اعانت عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

یہ ہبہ جائز ہے

سوال میری والدہ کو اپنے والد کی وفات کے بعد وراثت سے جو حصہ ملا' وہ انہوں نے اپنے بھائی کو دے دیا حالانکہ ان کے اپنے آٹھ بچے اور بچیاں ہیں' تو کیا اس طرح کا ہبہ شرعاً جائز ہے؟ ان کی وراثت میں سے ان کی اولاد کو کتنا حصہ ملے گا؟

جواب جیسا کہ سائل نے پوچھا ہے اس عورت نے اپنے والد کی وراثت سے ملنے والا حصہ اپنے بھائی کو ہبہ کر دیا تو کیا یہ عطیہ جائز ہے؟ ہم عرض کریں گے کہ اگر اس عورت نے اپنی صحت کی حالت میں یہ عطیہ دیا ہو تو یہ جائز ہے کیونکہ وہ اپنے مال میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتی ہے' البتہ اسے چاہیے کہ وہ اپنی اولاد میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ

دے۔ اولاد کے علاوہ اگر اپنے بھائی یا کسی اور رشتہ دار کو کوئی عطیہ دینا چاہے تو اسے اس کا حق حاصل ہے اور اسے اس حق کے استعمال سے کوئی منع نہیں کر سکتا۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ اس کی وراثت سے ان کا کتنا حصہ ہے؟ اگر سائل کا مقصود یہ ہے کہ اس عورت کو اپنے باپ سے جو وراثت ملی ہے' اس میں ان کا کتنا حصہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک ان کی ماں بقید حیات ہے ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ البتہ اس کی وفات کے وقت حالات کے مطابق انہیں وراثت سے ضرور حصہ ملے گا' اس پر ابھی سے حکم لگانا ممکن نہیں۔

اگر اس عورت نے اپنے باپ کی طرف سے ملنے والی وراثت اپنے بھائی کو اپنے مرض موت میں یا اس بیماری میں جو اس کے حکم میں ہو' عطیہ کی ہے تو اس حالت میں اسے اپنے مال کے ایک تہائی سے زیادہ حصہ میں تصرف کا حق حاصل نہیں ہے' لہٰذا اگر باپ سے ملنے والی وراثت اس کے کل مال کے ایک تہائی حصہ سے زیادہ ہو تو یہ عطیہ وارثوں کی اجازت پر موقوف ہے اور اگر یہ عطیہ اس کے کل مال کے ایک تہائی حصہ سے کم ہو تو پھر یہ جائز ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اس کی بیوی کی بہن اس سے کینہ رکھتی ہے

سوال ایک آدمی نے ایک عورت سے شادی کی مگر اس عورت کی بہن اس مرد کو ناپسند کرتی اور اس سے کینہ رکھتی ہے۔ اس نے مختلف طریقوں سے بڑی کوشش کی کہ یہ شادی سرانجام نہ پائے مگر اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ یہ شادی ہو جائے۔ اب آدمی نے اپنی بیوی سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنی بہن سے تعلق نہ رکھے تاکہ اختلافات اور مشکلات سے بچ سکے' لیکن بیوی اس بات پر مصر ہے کہ وہ اپنی بہن سے ترک تعلق نہیں کرے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس نے ایسا کیا تو یہ قطع رحمی ہو گی اور قطع رحمی دین و شریعت کے خلاف ہے مگر شوہر اپنی بیوی سے اس مقاطعہ کے لیے اصرار کر رہا ہے۔ راہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے؟

جواب اس آدمی کو چاہیے کہ پہلے اپنی نیت اور اپنے قصد و عمل کی اصلاح کرے' عبادات کو پابندی سے ادا کرے' محرمات سے دور رہے اور ان امور سے اجتناب کرے جو اس کی بدنامی اور رسوائی کا سبب بنیں اور دوسری بات یہ ہے کہ اسے چاہیے کہ اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرے' دستور کے مطابق اس کے ساتھ زندگی بسر کرے' اس کے لیے اسباب راحت اور خوش گوار زندگی کے تقاضوں کو فراہم کرے اور لڑائی جھگڑے اور اختلافات کے اسباب سے دور رہے اور ان باتوں سے بچے جو ناراضی' حسد' کینہ اور نفرت کو جنم دینے والے ہوں۔ جب وہ ایسا سب کچھ کرے گا تو اس کی بیوی اس کی صحبت میں رغبت رکھے گی' اس کے کردار کی تعریف کرے گی اور اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے میں راحت محسوس کرے گی۔ جو اس پر تنقید کرے گا اسے سختی سے رد کر دے گی اور اس کی تردید کرے گی جو اس پر ایسی بہتان طرازی کرے گا جس سے یہ بری ہو' خواہ وہ اس کی بہن ہو یا کوئی اور ہو' لہٰذا اسے اپنی بیوی کو بہن سے ملنے جلنے سے منع نہیں کرنا چاہیے اور نہ اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ کوئی اختلاف یا بغض پیدا کرے گی۔ بلکہ اس کی بیوی کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے مل جل کر رہے اور ان سے قطع تعلق نہ کرے کیونکہ قطع رحمی کے بارے میں بہت زیادہ وعید آئی ہے۔ ملنے جلنے سے ہو سکتا ہے کہ اس کی بہن کے دل میں اس کے شوہر کے بارے میں جو عداوت اور کراہت ہے وہ ختم ہو جائے۔ اس کی

بیوی کو چاہیے کہ وہ اپنی بہن کو توبہ کرنے اور اس کے شوہر کے بارے میں حسن ظن رکھنے کی ترغیب دے۔ اس کے سامنے اپنے شوہر کے حسن اخلاق‘ اس کی شریفانہ عادتوں اور نیک خصلتوں کا تذکرہ کرے۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

آنے والے کے لیے کھڑے ہونے کا حکم

سوال ایک شخص اندر داخل ہوا جب کہ میں بھی وہاں مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ حاضرین اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے لیکن میں کھڑا نہ ہوا۔ کیا کھڑا ہونا میرے لیے لازم تھا؟ کیا کھڑا ہونے والوں کو گناہ ہو گا؟

جواب آنے والے کے لیے کھڑا ہونا لازم تو نہیں ہے لیکن یہ مکارم اخلاق میں سے ہے۔ جو شخص آنے والے کے لیے کھڑا ہو تاکہ اس سے مصافحہ کرے اور اس کے ہاتھ کو پکڑ لے‘ خصوصاً اگر صاحب خانہ کھڑا ہو تو یہ مکارم اخلاق میں سے ہے۔ نبی ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے لیے کھڑی ہوتی تھیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کے حکم سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے کھڑے ہوئے تھے‘ جب کہ وہ بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے لیے کھڑے ہوئے جب اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرما لیا تھا۔ حضرت طلحہ کھڑے ہوئے تاکہ ان سے مصافحہ کریں اور انہیں توبہ کی قبولیت پر مبارک باد پیش کریں۔ اس کے بعد وہ مجلس میں بیٹھ گئے تھے۔ بہرحال اس بات کا تعلق مکارم اخلاق سے ہے اور اس میں توسع ہے۔

غلط بات یہ ہے کہ کوئی کسی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو لیکن مہمان کے استقبال‘ اس کی عزت افزائی یا اس سے مصافحہ و سلام کے لیے کھڑا ہونا تو ایک امر مشروع ہے۔ لوگ بیٹھے ہوں اور کسی کا تعظیم کے لیے کھڑا ہونا یا داخل ہوتے وقت سلام و مصافحہ کے بغیر کھڑا ہونا درست نہیں ہے اور اس سے بھی زیادہ غلط بات یہ ہے کہ کسی کی تعظیم کے لیے کھڑا ہوا جائے جب کہ وہ خود بیٹھا ہو اور یہ حفاظت وغیرہ نہیں بلکہ صرف تعظیم کے لیے کھڑا ہو۔ جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے کہ کھڑے ہونے کی تین قسمیں ہیں:

① کسی کی تعظیم کے لیے کوئی کھڑا ہو جب کہ وہ بیٹھا ہو جیسا کہ عجمی لوگ اپنے بادشاہوں اور بڑے لوگوں کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں‘ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے بھی بیان فرمایا ہے‘ تو یہ قیام جائز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب بیٹھ کر نماز پڑھائی تو آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں اور جب وہ کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ قریب تھا کہ تم بھی میری اس طرح تعظیم کرتے جس طرح عجمی لوگ اپنے سرداروں کی تعظیم کرتے ہیں۔

② کسی کے آنے یا جانے کے وقت کھڑا ہو اور اس سے مقصود سلام یا مصافحہ کے لیے کھڑا ہونا نہ ہو بلکہ محض تعظیم کے لیے کھڑا ہونا ہو۔ اس صورت کے بارے میں کم سے کم جو بات کہی جا سکتی ہے‘ وہ یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ نبی ﷺ جب تشریف لاتے تو حضرات صحابہ کرام کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ نبی ﷺ اس کو پسند نہیں فرماتے۔

③ آنے والے کے سامنے اس لیے کھڑا ہو تاکہ اس سے مصافحہ کرے یا اس کے ہاتھ کو پکڑ کر اسے اس کی جگہ بٹھا دے یا اس طرح کا کوئی اور مقصد ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اکابر اور ان مہمانوں کے لیے کھڑا ہونا تو سنت ہے‘ جن کے لیے کھڑے ہونے کی (ان کی مجبوری و معذوری کی وجہ سے) ضرورت ہو۔ واللہ الموفق۔

شیخ ابن باز

اگر آپ برائی کو ختم کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو---

سوال ہماری خاندانی مجلسوں میں غیبت، تمباکو نوشی، تاش کھیلنا اور فلم بینی ہوتی ہے۔ میں لوگوں کو اس برائی سے منع تو نہیں کر سکتا کیونکہ اس طرح اندیشہ ہے کہ وہ مزید سرکش ہو جائیں گے اور علماء و دعاۃ کو برا بھلا کہنے لگ جائیں گے جیسا کہ مجلسوں میں ان کی عادت ہے۔ تو کیا میں ان لوگوں کی ہم نشینی چھوڑ کر ان سے قطع تعلق کر لوں یا کیا کروں؟ راہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

جواب اگر آپ اس برائی کو ختم کر دینے کی طاقت نہیں رکھتے، جس میں یہ لوگ مبتلا ہو چکے ہیں، تو پھر آپ کے لیے واجب ہے کہ ان کی مجلسوں سے تعلق ختم کر لیں کیونکہ جو شخص کسی برائی کے مرتکب کے ساتھ بیٹھے تو اسے بھی اتنا ہی گناہ ہوتا ہے جتنا برائی کا ارتکاب کرنے والے کو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي ٱلْكِتَٰبِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا۟ مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا۟ فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِۦٓ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ﴾ (النساء٤/ ١٤٠)

"اور اللہ نے تم (مومنوں) پر اپنی کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے تو جب تک وہ لوگ اور باتیں (نہ) کرنے لگیں ان کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔"

اگر ان بری مجلسوں کے مقاطعہ کی وجہ سے مستقبل میں وہ بھی آپ سے تعلق ختم کر کے قطع رحمی کر لیں گے تو اس میں نقصان کی کوئی بات نہیں۔ جب وہ آپ کے ساتھ قطع رحمی کریں تب بھی آپ مقدور بھر ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتے رہیں۔ انہیں قطع رحمی کی وجہ سے گناہ اور آپ کو صلہ رحمی کی وجہ سے اجر و ثواب ملتا رہے گا۔

شیخ ابن عثیمین

میری جماعت کی مجلس غیبت پر مبنی ہوتی ہے

سوال میری جماعت کی مجلس غیبت، چغلی اور تاش کے کھیل وغیرہ پر مبنی ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس مجلس میں بیٹھنا جائز ہے؟ یاد رہے کہ اس مجلس کے اکثر لوگوں کے ساتھ میرے اخوت، محبت اور دوستی وغیرہ کے تعلقات ہیں۔

جواب یہ جماعت جس کی مجلس میں اپنے مردہ بھائیوں کا گوشت کھایا جاتا ہے، اس جماعت کے لوگ در حقیقت بڑے ہی بے وقوف ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿ وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ ﴾

(الحجرات٤٩/ ١٢)

"اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے؟ اسے تو تم ناپسند کرتے ہو۔"

یہ لوگ جو اپنی مجلسوں میں لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں والعیاذ باللہ' یہ ایک کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں' لہٰذا آپ کے لیے یہ واجب ہے کہ انہیں نصیحت کریں۔ اگر یہ آپ کی بات کو قبول کر کے اس گناہ کو ترک کر دیں تو بہت خوب! ورنہ آپ کے لیے یہ واجب ہو گا کہ ان لوگوں کی مجلس سے اٹھ جائیں' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي ٱلْكِتَٰبِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا۟ مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا۟ فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِۦٓ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ جَامِعُ ٱلْمُنَٰفِقِينَ وَٱلْكَٰفِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿١٤٠﴾ ﴾

(النساء٤/ ١٤٠)

"اور اللہ نے تم (مومنوں) پر اپنی کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے تو جب تک وہ لوگ اور باتیں (نہ) کرنے لگیں ان کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ بلاشبہ اللہ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں اکٹھا کرنے والا ہے۔"

جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنے والوں کو جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو سن کر انکار کرتے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں' انہی کے حکم میں کر دیا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ غیبت کی جگہ بیٹھنے والے کو' بھی اتنا گناہ ہوتا ہے جتنا کہ غیبت کرنے والے کو اور پھر یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ انسان اس کی وجہ سے ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے لہٰذا آپ پر واجب یہ ہے کہ ان مجلسوں کو چھوڑ دیں' ان مجلسوں میں نہ بیٹھیں' ان لوگوں کے ساتھ دنیوی تعلقات کی مضبوطی روز قیامت آپ کے کسی کام نہ آئے گی۔ قبر میں جب آپ تنہا ہوں گے ان لوگوں کی دوستی کسی کام نہ آئے گی۔ عنقریب ایک دن آپ ان کو چھوڑ ہی جانے والے ہیں یا وہ آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں گے اور پھر ہر شخص سے الگ الگ اس کے عمل کے مطابق معاملہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ ٱلْأَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا ٱلْمُتَّقِينَ ﴿٦٧﴾ ﴾ (الزخرف٤٣/ ٦٧)

"(جو آپس میں) دوست (ہیں) اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیز گار (کہ باہم دوست ہی رہیں گے۔)"

—— شیخ ابن عثیمین ——

بے نماز دوست سے معاملہ

سوال میرا ایک بہت ہی عزیز دوست ہے جو بہت اعلیٰ اخلاق کا مالک ہے' لیکن اس میں ایک خرابی یہ ہے کہ نماز نہیں پڑھتا۔ اس دوست کے بلند اخلاق کی وجہ سے مجھے اس سے محبت ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ اس سے دوستی رکھوں یا نہ رکھوں؟ سماحۃ الشیخ! راہنمائی فرمائیں کہ اسے کس طرح قائل کروں کہ وہ نماز ادا کرنے لگ جائے؟ اور اگر وہ ترک نماز ہی کو اپنا معمول بنائے رکھے تو کیا میرے لیے لازم ہے کہ اس کی دوستی ترک کر دوں؟

جواب نماز اسلام کا ستون اور شہادتین کے بعد عظیم ترین رکن ہے۔ جس نے اس کی حفاظت کی اس نے اپنے دین کی حفاظت کی اور جس نے اسے ضائع کر دیا وہ باقی باتوں کو اور زیادہ ضائع کرنے والا ہو گا۔ صحیح حدیث میں ہے' نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلاَةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ ومسند أحمد:٥/ ٣٤٦، ٣٥٥)

"وہ عہد جو ہمارے اور ان لوگوں کے مابین ہے' وہ نماز ہے۔ جس نے اسے ترک کر دیا اس نے کفر کیا۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكَ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح: ٨٢)

"بے شک آدمی اور شرک و کفر کے درمیان فرق ترک نماز ہے۔"

عبداللہ بن شقیق عقیلی جو کہ ثقہ تابعین میں سے ہیں' بیان فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اعمال میں سے نماز کے سوا اور کسی چیز کے ترک کرنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔ ① یہی وجہ ہے کہ اہل علم کی ایک بہت بڑی جماعت کے نزدیک ترک نماز کفر اکبر ہے خواہ وہ اس کے وجوب کا انکار نہ بھی کرے' جیسا کہ ان اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے اور بلا شک و شبہ یہی بات حق ہے۔ کچھ دیگر اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ ترک نماز کفر اصغر ہے' مگر یہ بہت بڑا جرم ہے حتیٰ کہ زنا اور چوری وغیرہ سے بھی بڑا جرم۔ اگر کوئی شخص نماز کے واجب ہونے کا منکر ہو تو وہ بالاجماع کافر ہے۔ اے سائل! اس سے آپ کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ آپ کے لیے مذکورہ بالا شخص کو نصیحت کرنا اور اسے ترک نماز سے ڈرانا واجب ہے۔ اگر وہ توبہ کر لے تو الحمد للہ! اور اگر توبہ نہ کرے تو پھر آپ کے لیے واجب ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے بغض رکھیں اور براءت کا اظہار کر دیں اور اس کی دوستی ترک کر دیں حتیٰ کہ وہ اپنے اس کفر سے اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کر لے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِىٓ إِبْرَٰهِيمَ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ إِذْ قَالُوا۟ لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءَٰٓؤُا۟ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةُ وَٱلْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَحْدَهُۥٓ ﴾ (الممتحنة ٦٠/ ٤)

"تمہیں ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کے رفقاء کی نیک چال چلنی (ضروری) ہے جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو' بے تعلق ہیں (اور) تمہارے (معبودوں کے کبھی) قائل نہیں (ہو سکتے) اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی۔"

ہر مسلمان کے لیے واجب ہے کہ تمام کافروں کے ساتھ وہ اسی قسم کا سلوک کرے' خواہ کفر ترک نماز کی صورت میں ہو یا انکار وجوب کی صورت میں یا دین اسلام کو گالی دینے یا اس کا مذاق اڑانے کی شکل میں یا کسی اور انداز میں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں' آپ کو اور تمام مسلمانوں کو ہر اس چیز سے بچائے جو اسے ناراض کرنے والی ہو۔ انه خير مسئول۔

——— شیخ ابن باز ———

رزق کمانا شرعاً مستحسن ہے

سوال میں پچیس سال کا ایک نوجوان ہوں اور اللہ کے احکام کا پابند۔ میرے کچھ یتیم بھائی بھی ہیں اور اکثر و بیشتر ہمارا گزارا مخیر لوگوں کی خیرات پر ہے۔ میں جہاد کے لیے افغانستان بھی گیا اور وہاں تین سال تک رہا۔ اب واپس آیا ہوں تو مجھے ایک کام کی پیشکش ہوئی ہے لیکن میرا دل کام کرنے اور دوسروں کے احکام کی پابندی کرنے کو نہیں چاہتا۔ سوال یہ ہے کہ

---

① جامع الترمذی' الایمان' باب ماجاء فی ترک الصلاۃ' حدیث: 2622

اگر میں کوئی کام نہ کروں تو کیا مجھے گناہ ہے؟ کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں اپنے بھائیوں کے مال کو لے کر اس سے اپنے دوستوں کی مہمان نوازی کروں؟ امید ہے شافی جواب عطا فرمائیں گے کیونکہ میرے علاوہ یہ مسئلہ کئی اور نوجوانوں کا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

جواب آپ کو چاہیے کہ رزق کمائیں اور اپنی اور اپنے بھائیوں کی بھی ضروریات کو---اگر وہ خود رزق کمانے سے قاصر ہوں--- پورا کریں۔ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلسَّاعِي عَلَى الأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ»(صحيح البخاري، الأدب، باب الساعي علي الأرملة، ح:٦٠٠٦ وصحيح مسلم، الزهد، باب فضل الإحسان إلى الأرملة والمسكين واليتيم، ح: ٢٩٨٢)

''بیوہ اور مسکین کے لیے کوشش کرنے والا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔''

راوی کا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا:

«وَكَالْقَائِمِ لاَ يَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لاَ يُفْطِرُ»(صحيح مسلم، الزهد، باب فضل الإحسان إلى الأرملة والمسكين واليتيم، ح: ٢٩٨٢)

''وہ اس قیام کرنے والے کی طرح ہے جو کبھی اکتاہٹ محسوس نہ کرے اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو کبھی روزے کا ناغہ نہ کرے۔''

آپ کے لیے یہ حلال نہیں کہ اپنے اور اپنے مہمانوں پر خرچ کرنے کے لیے اپنے یتیم بھائیوں کے مال کو استعمال کریں اِلّا یہ کہ آپ عاجز و قاصر ہوں کہ کچھ کما نہ سکیں' یا آپ کے بھائی بڑے ہو کر سمجھ دار ہو جائیں اور آپ کو اپنا مال استعمال کرنے کی اجازت دے دیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

میرے والد کی کمائی حرام ہے

سوال اگر میرے والد کی کمائی حرام ہو تو کیا اسے کھانا ہمارے لیے جائز ہے؟ اور اگر جائز نہیں تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

جواب اگر والد کی کمائی حرام ہو تو واجب ہے کہ اسے سمجھایا جائے' لہٰذا اگر ممکن ہو تو خود اسے سمجھاؤ یا ان اہل علم سے مدد لے لو جن کے لیے اسے قائل کرنا ممکن ہو یا ان کے دوستوں اور ساتھیوں سے مدد لے لو شاید وہ انہیں قائل کر سکیں اور وہ حرام کمائی سے اجتناب کرنے لگ جائیں اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو بقدر ضرورت کھاسکتے ہو اور اس حالت میں تمہیں کوئی گناہ نہیں ہو گا' لیکن تمہارے لیے ضرورت سے زیادہ مال لینا جائز نہیں ہو گا۔ کیونکہ جس شخص کی کمائی حرام ہو اس کے مال کے کھانے کے جواز میں شبہ موجود ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

میں دینی علم حاصل کرنا چاہتا ہوں مگر---

سوال میں دینی علم حاصل کرنا چاہتا ہوں جب کہ میرے والد کا اصرار ہے کہ میں عصری علوم حاصل کروں تو اس سلسلہ

میں میرے لیے کیا واجب ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب آپ کو چاہیے کہ دینی علوم ہی حاصل کریں اور خوب محنت کریں اور اپنے والد کو قائل کریں کہ آپ کے لیے دینی علوم ہی کو حاصل کرنا واجب ہے۔ علماء شرع کے نزدیک دین کا علم سیکھنا اور اس میں فقاہت حاصل کرنا واجب ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»(صحيح البخاري، أخبار الآحاد، باب ماجاء في اجازة خبر الواحد ... الخ، ح:٧٢٥٧ وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية ... الخ، ح:١٨٤٠)

"اطاعت نیکی میں ہے۔" اور فرمایا:

«لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ» (شرح السنة للبغوي: ١٠/ ٤٤، ح:٢٤٥٥ والمعجم الكبير للطبراني: ١٨/ ١٧٠، ح: ٣٨١)

"خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔"

(یہی وجہ ہے کہ) اللہ کی نافرمانیوں میں اور حق کے خلاف والدین کی اطاعت نہیں کی جاتی' یعنی نیکی کے کام میں تو والدین کی اطاعت کی جاتی ہے مگر برائی کے کام میں ان کی اطاعت نہیں کی جا سکتی۔

—— شیخ ابن باز ——

انہوں نے اپنی حق تلفی کی وجہ سے اس سے قطع تعلق کیا

سوال میری تین پھوپھیاں ہیں' ان میں سے بڑی ہمارے گھر میں' دوسری اپنے داماد کے ساتھ اور تیسری اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہے۔ ان سب نے مل کر مجھ سے تعلق منقطع کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے کیونکہ یہ ہماری مشترکہ جائیداد کو میری اجازت کے بغیر فروخت کرنا چاہتی تھیں حالانکہ میں بھی اس جائیداد میں ان کے ساتھ شریک ہوں اور پھر ابھی تک ہم میں سے کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کا حصہ کتنا ہے' اس لیے میں نے خریدار کو نہ صرف اس جائیداد کے خریدنے سے منع کر دیا' بلکہ اس رقم کو بھی واپس کر دیا جو اس نے انہیں ادا کی تھی۔ میں اس جائیداد یا اس کی قیمت سے کوئی استفادہ نہیں کرنا چاہتا' اس لیے میں نے جائیداد کو انہی کے پاس رہنے دیا اور خود سفر پر چلا گیا۔ میں چاہتا یہ تھا کہ اس زمین کی پیداوار پر گزارہ کریں اور گھر پر رہیں مگر اس میں از خود کوئی تصرف نہ کریں۔ ان کے قطع تعلق کے بعد میں نے بھی اپنے آپ کو ان سے الگ کر لیا ہے اور اب میں تن تنہا رہ رہا ہوں' لیکن ڈرتا ہوں کہ قطع رحمی کی سزا کا مستحق قرار نہ پاؤں تو سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب آپ کا اپنی پھوپھیوں کو اپنے اس حق کے فروخت کرنے سے منع کرنا جو انہیں باپ کی وراثت سے ملا ہے' ظلم و زیادتی ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو اپنے حصہ میں تصرف کا شرعاً حق حاصل ہے اور کسی کو (اس وقت تک) یہ حق حاصل نہیں کہ وہ انہیں تصرف سے منع کرے' جب تک کہ وہ شرعاً اس میں تصرف کی اہل ہوں۔ آپ کے اور ان کے درمیان تعلق کے منقطع ہونے کا سبب آپ ہیں' لہٰذا اس عظیم گناہ سے اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کریں۔ آپ ان سے معافی طلب کریں اور ان سے ملاقات کریں کیونکہ اللہ بزرگ و برتر نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ﴾ (النساء٤/ ١)

"اور اللہ سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور (قطع مودت) ارحام سے بچو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ ﴾ (الإسراء١٧/ ٢٦)

"اور رشتہ دار کو اس کا حق ادا کرو۔"

علماء کا اجماع ہے کہ صلہ رحمی واجب اور قطع رحمی حرام ہے۔ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ»(صحيح البخاري، الأدب، باب إكرام الضيف ... الخ، ح:٦١٣٨)

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———
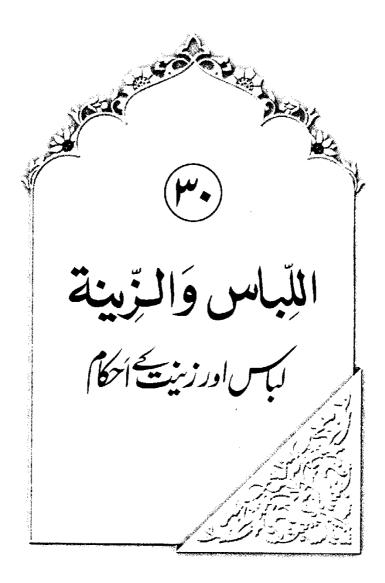
ان کی یہ ناراضی بلاوجہ ہے

سوال میرا ایک بچہ ہے اور اب میری بیوی حاملہ ہے۔ میں نے اپنی والدہ کو بلایا تاکہ وہ ہمارے پاس رہے لیکن وہ اپنے ساتھ میرے بھائی کے تین بچوں کو بھی لے آئی' جس کی وجہ سے ہمارا بجٹ بہت متاثر ہوا حتیٰ کہ مجھے قرض لینا پڑ گیا ہے۔ اگر میں اپنی والدہ کی ضروریات کو تو پورا کروں مگر اپنے بھائی کے بچوں کو واپس کر دوں تو کیا اس سے اپنی والدہ کا نافرمان بن جاؤں گا؟ یاد رہے! والدہ یہ چاہتی ہیں کہ میں ان کے ان پوتوں کو بھی خوش رکھوں۔ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ قول صحیح ہے کہ "جس نے اپنے والدین کو ناراض کیا وہ نافرمان ہے"؟

جواب اگر آپ کا بجٹ قلیل ہے اور وہ آپ کے بھتیجوں پر خرچ کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا' تو ان پر خرچ کرنا آپ کے لیے واجب نہیں ہے۔ آپ اس سلسلہ میں اپنی والدہ کو قائل کر سکتے ہیں' ان کے سامنے یہ بات واضح کر دیں کہ اگر آپ ان پر خرچ نہ کر سکیں تو آپ معذور ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان پر اس کی طاقت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا اور اللہ تعالیٰ اس پر اسی قدر بوجھ ڈالتا ہے جس قدر اس نے اسے دیا ہوتا ہے مجھے نہیں معلوم کہ اس صورت حال میں آپ کی ماں آپ سے ناراض ہوں گی کیونکہ اس حال میں ان کی ناراضی بلاوجہ ہے' لہٰذا آپ کو کوئی گناہ بھی نہیں ہوگا۔ جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب مذکورہ بالا قول کا تعلق ہے تو مجھے نہیں معلوم کہ ان کی طرف اس کا انتساب صحیح ہے یا نہیں؟ البتہ اس کے معنی صحیح ہیں کہ انسان جب کسی شرعی عذر کے بغیر اپنے والدین کو ناراض کرتا ہے تو وہ ان کا نافرمان ہے کیونکہ والدین کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا تقاضا یہ ہے کہ آپ انہیں راضی رکھیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کریں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

۳۰
اللِّبَاس وَالزِّينة
لباس اور زینت کے احکام

لباس اور زینت کے احکام

ٹخنوں سے نیچے کپڑے لٹکانے کا حکم

شیخ علامہ محمد صالح عثیمین فرماتے ہیں: اگر ٹخنوں سے نیچے تہہ بند لٹکانے سے مقصود تکبر ہو تو اس کی سزا یہ ہے کہ روز قیامت ایسے شخص کی طرف اللہ تعالیٰ (نظر رحمت سے) نہ دیکھے گا' نہ کلام کرے گا' نہ اسے پاک کرے گا' بلکہ اسے دردناک عذاب دے گا اور اگر اس سے مقصود تکبر نہ ہو تو اس کی سزا یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے کے حصہ کو آگ کے ساتھ عذاب دے گا' جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلاَ يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: اَلْمُسْبِلُ [إِزَارَهُ] وَالْمَنَّانُ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية ... الخ، ح:١٠٦)

"تین شخص ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ کلام فرمائے گا' نہ ان کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا (ا) کپڑے کو لٹکانے والا (۲) احسان جتلانے والا اور (۳) جھوٹی قسم کے ساتھ اپنے سودے کو بیچنے والا۔"

اور فرمایا:

«مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاَءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من جر إزاره من غير خيلاء، ح:٥٧٨٤ وصحيح مسلم، باب تحريم جر الثوب خيلاء ... الخ، ح:٢٠٨٥)

"جو شخص اپنے کپڑے کو تکبر سے لٹکائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نہیں دیکھے گا۔"

یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے' جو اپنے کپڑے کو از راہ تکبر لٹکائے اور جس کا مقصد تکبر نہ ہو تو صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

"تہہ بند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ آگ میں ہو گا۔"

اس حدیث میں تکبر کی قید نہیں ہے اور سابقہ حدیث کے پیش نظر یہ صحیح بھی نہیں کہ اسے تکبر کے ساتھ مقید کیا جائے کیونکہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِزْرَةُ الْمُسْلِمِ إِلَى نِصْفِ السَّاقِ وَلاَ حَرَجَ ـ أَوْ: لاَ جُنَاحَ ـ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ، مَا كَانَ أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ فَهُوَ فِي النَّارِ. وَمَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا لَّمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ»(سنن أبي داود، اللباس، باب في قدر موضع الإزار، ح:٤٠٩٣ وسنن ابن ماجه، ح:٣٥٧٣ والسنن الكبرى

للنسائي: ٥/ ٤٩٠، ح: ٩٧١٦ والموطأ للإمام مالك: ٢/ ٩١٤، ٩١٥)

''مسلمان کا تہ بند نصف پنڈلی تک ہونا چاہیے' اس میں کوئی حرج نہیں یا یہ فرمایا کہ اس میں کوئی گناہ نہیں جو نصف پنڈلی اور ٹخنوں کے درمیان ہو اور جو ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ آگ میں ہو گا اور جو شخص از راہ تکبر کپڑا نیچے لٹکائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا بھی نہیں۔''

اس حدیث کو امام مالک' ابو داود' نسائی' ابن ماجہ اور ابن حبان نے ''صحیح'' میں بیان کیا ہے۔ ''الترغیب والترھیب'' کے باب ''الترغیب فی القمیص'' ص: ۸۸' ج: ۳ میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔

یہ دو مختلف عمل اور دو مختلف سزائیں ہیں اور جب حکم اور سبب مختلف ہوں تو مطلق کو مقید پر محمول کرنا ممنوع ہوتا ہے کیونکہ اس سے تناقض لازم آتا ہے۔ اس مسئلہ میں جو لوگ حدیث ابی بکر رضی اللہ عنہ سے استدلال کرتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ یہ حدیث تمہارے لیے حجت نہیں بن سکتی اور اس کے دو اسباب ہیں: (۱) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ میرے کپڑے کی ایک جانب ڈھیلی ہو جاتی ہے الا یہ کہ میں اسے اوپر اٹھا لوں۔ یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے کپڑے کو از راہ تکبر ڈھیلا نہیں چھوڑا تھا بلکہ وہ ڈھیلا پڑ جاتا تھا اور اس کے باوجود آپ اسے اوپر اٹھا لیتے تھے لیکن جو لوگ کپڑے کو لٹکائے رکھتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کا مقصد تکبر کرنا نہیں ہے' وہ گویا قصد و ارادہ سے کپڑے کو لٹکاتے ہیں تو ہم ان سے کہیں گے کہ اگر تم بغیر قصد کے اپنے کپڑوں کو ٹخنوں سے نیچے لٹکاؤ گے تو جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا صرف اسے جہنم کی آگ میں عذاب دیا جائے گا اور اگر تم از راہ تکبر کپڑے کو نیچے لٹکاؤ گے تو تمہیں اس سے بھی زیادہ عذاب دیا جائے گا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت تم سے کلام بھی نہیں کرے گا' نہ تمہاری طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا اور نہ تمہیں پاک کرے گا اور تمہارے لیے دردناک عذاب ہو گا۔

(۲) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا تزکیہ تو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دیا تھا اور آپ کے حق میں یہ شہادت دی تھی کہ آپ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں' جو از راہ تکبر ایسا کرتے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا ان لوگوں میں سے بھی کسی کو ایسا تزکیہ اور ایسی شہادت حاصل ہے؟ شیطان کچھ لوگوں کے لیے یہ راستہ کھول دیتا ہے کہ وہ کتاب و سنت کے متشابہ نصوص کی پیروی کرتے ہیں تاکہ اپنے عمل کا جواز فراہم کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں ہدایت عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کپڑا لٹکانے کے حدود

سوال کپڑا لٹکانے کے کیا حدود ہیں اور کپڑے لٹکانے کی آخر حد کہاں تک ہے؟

جواب مردوں کے لیے کپڑا لٹکانا حرام ہے اور جو شخص باز نہ آئے اسے تعزیری سزا دی جائے گی۔ مومن کا تہ بند نصف پنڈلیوں تک ہوتا ہے۔ کپڑا اگر پنڈلیوں اور ٹخنوں کے درمیان ہو تو جائز ہے' البتہ ٹخنوں کے نیچے ہو تو حرام ہے۔ ایسا کرنے والے کو دنیا میں تعزیری سزا اور آخرت میں عذاب ہو گا کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

''جو تہ بند ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔'' (نیز دیگر بہت سی صحیح احادیث سے بھی یہ ثابت ہے۔)

فتویٰ کمیٹی

تکبر نہیں بلکہ عادت

سوال رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اپنے کپڑے کو لٹکائے گا' وہ جہنم میں جائے گا۔ ہمارے کپڑے ٹخنوں سے نیچے ہوتے ہیں۔ ہمارا قصد تکبر اور فخر نہیں ہوتا بلکہ اسے بس عادت سمجھئے تو کیا پھر بھی یہ فعل حرام ہو گا؟ جو شخص اپنا کپڑا لٹکاتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے تو کیا وہ بھی جہنم میں جائے گا؟ امید ہے راہنمائی فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

''جو تہ بند ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔'' (اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' میں بیان فرمایا ہے)

نیز نبی ﷺ نے فرمایا:

«ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلاَ يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: اَلْمُسْبِلُ إِزَارَهُ، وَالْمَنَّانُ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ» (صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية ... الخ، ح:١٠٦)

''تین شخص ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ کلام فرمائے گا' نہ ان کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا (۱) کپڑے کو لٹکانے والا (۲) احسان جتلانے والا اور (۳) اپنے سودے کو جھوٹی قسم کے ساتھ بیچنے والا۔''

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں بیان فرمایا ہے۔ اس مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں' جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا مطلقاً حرام ہے' خواہ لٹکانے والا یہ گمان کرے کہ اس کا مقصد تکبر اور غرور نہیں ہے' کیونکہ یہ تکبر کا وسیلہ ہے۔ اس میں اسراف اور فضول خرچی بھی ہے اور پھر اس سے کپڑے میلے اور ناپاک بھی ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی از راہ تکبر ایسا کرے تو اس سے معاملہ سنگین اور گناہ اور بھی شدید ہو جائے گا' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاَءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من جر إزاره

من غير خيلاء، ح: ٥٧٨٤ وصحيح مسلم، باب تحريم جر الثوب خيلاء ... الخ، ح: ٢٠٨٥)

''جو شخص از راہ تکبر کپڑا لٹکائے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا بھی نہیں۔''

کپڑا لٹکانے کی حد ٹخنے ہیں۔ کسی بھی مسلمان مرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے کپڑے ٹخنوں سے نیچے لٹکائے' کیونکہ مذکورہ بالا احادیث سے اس کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ البتہ عورتوں کے کپڑے اس قدر لمبے ہونے چاہئیں جو ان کے پاؤں کو چھپالیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کوشش کے باوجود میرا کپڑا نیچے لٹک جاتا ہے تو آپ نے ان سے فرمایا:

«لَسْتَ مِمَّنْ يَصْنَعُهُ خُيَلَاءَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من جر إزاره من غير خيلاء ... الخ، ح: ٥٧٨٤ وسنن أبي داود، ح: ٤٠٨٥)

''آپ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو از راہ تکبر ایسا کرتے ہیں۔''

تو اس سے مراد یہ ہے کہ جس کا کپڑا قصد و ارادہ کے بغیر لٹک جاتا ہے اور وہ اسے اونچا اٹھائے رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہے' کیونکہ اس نے قصداً ایسا نہیں کیا اور نہ اس کا مقصد تکبر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص جان بوجھ کر کپڑا لٹکاتا ہے تو اس پر فخر و غرور کا الزام لگایا جائے گا کیونکہ اس کا یہ عمل فخر و غرور کا وسیلہ ثابت ہوتا ہے اور یہ تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ دلوں میں کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا لٹکانے کی سزا سے ڈرانے کی احادیث کو مطلق بیان فرمایا ہے' ان میں یہ نہیں فرمایا کہ جس کا مقصد تکبر نہیں ہوگا اسے سزا نہیں ملے گی۔ مسلمان کے لیے واجب ہے کہ ہر اس چیز سے اجتناب کرے' جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے' اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے اسباب سے دور رہے' اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کے پاس رک جائے۔ اللہ سے ثواب کی امید رکھے' اس کے عذاب سے ڈرے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرے:

﴿ وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ﴿٧﴾ ﴾
(الحشر ٥٩/ ٧)

''جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا (عذاب) دینے والا ہے۔''

اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ تِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ يُدْخِلْهُ جَنَّـٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَـٰرُ خَـٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَن يَعْصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُۥ يُدْخِلْهُ نَارًا خَـٰلِدًا فِيهَا وَلَهُۥ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٤﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٣-١٤)

''(تمام احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرماں برداری کرے گا' اللہ اس کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے نکل جائے گا' اس کو اللہ دوزخ میں

ڈال دے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلت کا عذاب ہو گا۔"

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہر اس چیز کی توفیق عطا فرمائے' جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہو اور مسلمانوں کے دین و دنیا کے تمام معاملات کی بہتری و بھلائی ہو۔ انه خير مسؤول۔

——— شیخ ابن باز ———

تکبر کے بغیر کپڑے لٹکانا

سوال کیا تکبر کے بغیر کپڑے لٹکانا بھی حرام ہے یا نہیں؟

جواب مردوں کے لیے کپڑے لٹکانا حرام ہے' خواہ یہ تکبر کے لیے ہو یا کسی اور مقصد کے لیے' البتہ اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو پھر اس کی سزا زیادہ سنگین اور شدید ہے' جیسا کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث صحیح مسلم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلاَ يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ، قَالَ فَقَرَأَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ ثَلاَثَ مِرَّاتٍ قَالَ أَبُوذَرٍّ: خَابُوا وَخَسِرُوا، مَنْ هُمْ يَارَسُولَ اللهِ ! قَالَ: اَلْمُسْبِلُ إِزَارَهُ وَالْمَنَّانُ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية ... الخ، ح:١٠٦)

"تین شخص ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ کلام فرمائے گا' نہ ان کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا (۱) کپڑے کو لٹکانے والا (۲) احسان جتلانے والا اور (۳) جھوٹی قسم کے ساتھ اپنے سودے کو بیچنے والا۔"

یہ حدیث اگرچہ مطلق ہے لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی وجہ سے مقید ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاَءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من جر إزاره من غير خيلاء، ح:٥٧٨٤ وصحيح مسلم، باب تحريم جر الثوب خيلاء ... الخ، ح:٢٠٨٥)

"جس نے تکبر کرتے ہوئے اپنے کپڑے کو لٹکایا' اللہ تعالیٰ اس کی طرف نہیں دیکھے گا۔"

یعنی یہ کام جب از راہ تکبر ہو گا تو پھر اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف (نظر رحمت سے) نہ دیکھے گا' نہ اسے پاک کرے گا اور اس کے لیے دردناک عذاب ہو گا اور یہ سزا اس شخص کی سزا سے بڑھ کر ہے' جو اپنے کپڑے کو تکبر کے بغیر اپنے ٹخنوں سے نیچے لٹکائے اور اس کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

"تہ بند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔"

جب یہ دو مختلف سزائیں ہیں تو پھر مطلق کو مقید پر محمول کرنا ممنوع ہے کیونکہ مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے قاعدہ کے لیے شرط یہ ہے کہ دونوں نصوص کا حکم ایک ہو اور جب حکم مختلف ہو تو پھر ایک کو دوسرے کے ساتھ مقید نہیں کیا جا

سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آیت تیمم کو جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ﴾ (المائدة٥/ ٦)

"منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کرلو۔" کو اس آیت وضو کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ﴾ (المائدة٥/ ٦)

"منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو۔"

لہٰذا تیمم کہنیوں تک نہیں ہو گا۔ اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جسے امام مالک رحمہ اللہ اور کئی دیگر محدثین نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِزْرَةُ الْمُسْلِمِ إِلَى نِصْفِ السَّاقِ وَلاَ حَرَجَ ۔ أَوْ: لاَ جُنَاحَ ۔ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ، مَا كَانَ أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ فَهُوَ فِي النَّارِ، وَمَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا لَّمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ»(سنن أبي داود، اللباس، باب في قدر موضع الإزار، ح:٤٠٩٣ وسنن ابن ماجه، ح:٣٥٧٣ والسنن الكبرى للنسائي: ٥/ ٤٩٠، ح:٩٧١٦ والموطأ لإمام مالك: ٢/ ٩١٤، ٩١٥)

"مومن کا تہ بند نصف پنڈلی تک ہوتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں --یا یہ فرمایا کہ اس میں کوئی گناہ نہیں-- جو نصف پنڈلی اور دونوں ٹخنوں کے درمیان ہو اور جو ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم کی آگ میں ہو گا اور جس شخص نے از راہ تکبر اپنا کپڑا لٹکایا' اللہ تعالیٰ اس کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا بھی نہیں۔"

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو صورتیں بیان فرمائی ہیں اور ان کی سزاؤں کے مختلف ہونے کی وجہ سے ان کا حکم بھی مختلف بیان فرمایا ہے' تو گویا یہ دو مختلف فعل ہیں جن کا حکم اور سزا بھی مختلف ہے۔ اس تفصیل سے اس شخص کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ((مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ)) کو فرمان نبوی ((مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاَءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ)) کے ساتھ مقید کرتا ہے۔ جب ان بعض لوگوں کو سمجھایا جاتا ہے' جنہوں نے اپنے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکا رکھا ہوتا ہے' تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے از راہ تکبر ایسا نہیں کیا تو ان سے ہم یہ عرض کریں گے کہ کپڑا نیچے لٹکانے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو وہ ہے جس میں انسان کو صرف مخالفت کے مقام یعنی ٹخنوں سے نیچے کی جگہ پر عذاب دیا جائے گا اور اس سے مراد وہ ہے جو اپنے کپڑے کو تکبر کے بغیر ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس کی سزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص سے نہ کلام فرمائے گا' نہ اس کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا' نہ اسے پاک کرے گا' بلکہ اس کے لیے دردناک عذاب ہو گا اور یہ سزا اس شخص کے لیے ہو گی جو اپنے کپڑے کو از راہ تکبر لٹکائے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

تکبر کے بغیر کپڑا نیچے لٹکانے کا حکم اور---

سوال تکبر کی وجہ سے یا بغیر تکبر کے کپڑا لٹکانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی انسان اس کے لیے مجبور ہو جائے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے' خواہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے اسے گھر والے مجبور کریں یا یہ عادت بن چکی ہو؟

جواب اس کا حکم یہ ہے کہ مردوں کے لیے ایسا کرنا حرام ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

''تہ بند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم کی آگ میں جائے گا۔''

اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''صحیح'' میں روایت کیا ہے اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''صحیح'' میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلاَ يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: اَلْمُسْبِلُ إِزَارَهُ، وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ» (صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية ... الخ، ح:١٠٦)

''تین شخص ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ کلام فرمائے گا' نہ ان کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا (۱) کپڑے کو لٹکانے والا (۲) احسان جتلانے والا اور (۳) اپنے سودے کو جھوٹی قسم کے ساتھ بیچنے والا۔''

یہ دونوں حدیثیں اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث عام ہیں اور یہ ہر اس شخص کے لیے ہیں۔

جو اپنے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکائے' خواہ تکبر کی وجہ سے یا بغیر تکبر کے کیونکہ نبی ﷺ نے ان احادیث کو عام اور مطلق بیان فرمایا ہے' انہیں مقید بیان نہیں فرمایا' لہٰذا اگر کپڑا از راہ تکبر لٹکایا گیا ہو تو گناہ زیادہ بڑا اور وعید زیادہ شدید ہو گی' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاَءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من جر إزاره من غير خيلاء، ح:٥٧٨٤ وصحيح مسلم، باب تحريم جر الثوب خيلاء ... الخ، ح:٢٠٨٥)

''جو شخص از راہ تکبر اپنا کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکائے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔''

یہ گمان کرنا جائز نہیں ہے کہ کپڑا نیچے لٹکانے کی یہ وعید تکبر کے ساتھ مقید ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ بالا دونوں حدیثوں میں اسے تکبر کے ساتھ مقید نہیں کیا' جیسا کہ آپ نے دوسری حدیث میں بھی اسے مقید نہیں کیا جس میں آپ نے بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ فرمایا تھا:

«إِيَّاكَ وَإِسْبَالَ الإِزَارِ فَإِنَّهَا مِنَ الْمَخِيلَةِ»(سنن أبي داود، اللباس، باب ماجاء في إسبال الإزار، ح:٤٠٨٤)

''کپڑے کو نیچے لٹکانے سے اجتناب کرو کیونکہ یہ تکبر ہے۔''

اس حدیث میں آپ نے کپڑے کو نیچے لٹکانے کی تمام صورتوں کو تکبر قرار دیا ہے کیونکہ اکثر و بیشتر صورتوں میں یہ تکبر ہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور جس کا مقصد تکبر نہ بھی ہو تو یہ تکبر کا وسیلہ ضرور ہے اور وسائل کا حکم نتائج ہی کا ہوتا ہے اور پھر اس میں اسراف بھی ہے اور اس سے کپڑے بھی میلے اور ناپاک ہو جاتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک نوجوان کا کپڑا زمین کو چھو رہا ہے تو آپ نے فرمایا:

«اِرْفَعْ ثَوْبَكَ، فَإِنَّهُ أَنْقَىٰ لِثَوْبِكَ، وَأَتْقَىٰ لِرَبِّكَ»(صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب قصة البيعة والاتفاق على عثمان بن عفان، ح: ٣٧٠٠)

"اپنے کپڑے کو اونچا اٹھاؤ' اس سے کپڑا صاف رہے گا اور رب راضی ہو جائے گا۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب یہ عرض کیا تھا یا رسول اللہ! میرا تہ بند لٹک جاتا ہے حالانکہ میں اسے اونچا اٹھائے رکھنے کی کوشش کرتا ہوں تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَسْتَ مِمَّنْ يَصْنَعُهُ خُيَلاَءَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من جر إزاره من غير خيلاء، ح: ٥٧٨٤ وسنن أبي داود، ح: ٤٠٨٥)

"آپ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو از راہ تکبر ایسا کرتے ہیں۔" تو رسول اللہ ﷺ کی اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اپنے لٹکے ہوئے کپڑوں کو اونچا اٹھالے تو وہ ان میں سے نہیں ہے' جو از راہ تکبر اپنے کپڑے لٹکاتے ہیں' کیونکہ اس نے انہیں خود نہیں لٹکایا بلکہ جب کپڑا لٹک جاتا ہے تو وہ اسے اٹھالیتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ نہ لٹکے اور بلا شبہ ایسا شخص معذور ہے۔ لیکن جو شخص قصد و ارادہ سے اپنے کپڑے لٹکائے' خواہ وہ پاجامہ ہو یا شلوار یا ازار یا قمیص' تو وہ اس وعید میں شامل ہے اور کپڑے لٹکانے کے سلسلہ میں معذور نہیں ہے' کیونکہ کپڑا لٹکانے سے ممانعت کی یہ صحیح احادیث اپنے منطوق' معنی اور قصد کے اعتبار سے عام ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ کپڑے لٹکانے سے اجتناب کرے' اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اپنے کپڑوں کو ٹخنوں سے نیچے نہ لٹکائے تاکہ ان صحیح احادیث پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب سے بچ جائے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

کپڑوں کا اٹھانا اور شلوار کو لٹکانا

سوال بعض لوگ اپنے دوسرے کپڑوں کو تو ٹخنوں سے اوپر اٹھائے رکھتے ہیں مگر ان کی شلواریں نیچے لٹکی ہوتی ہیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب کپڑے کو نیچے لٹکانا حرام اور منکر ہے خواہ وہ قمیص ہو یا تہ بند یا شلوار یا پاجامہ اور لٹکانے سے مراد یہ ہے کہ اسے ٹخنوں سے نیچے لٹکایا جائے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، ح: ٥٧٨٧)

"تہ بند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔" (اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت فرمایا ہے)

اور نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلاَ يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ:

اَلْمُسْبِلُ إِزَارَہُ، وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَہُ بِالْحَلِفِ الْکَاذِبِ» (صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان غلظ تحریم إسبال الإزار والمن بالعطیة ... الخ، ح:١٠٦)

"تین شخص ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ کلام فرمائے گا' نہ ان کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا (۱) کپڑے کو لٹکانے والا (۲) احسان جتلانے والا اور (۳) جھوٹی قسم کے ساتھ اپنے سودے کو بیچنے والا۔"

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں بیان فرمایا ہے۔ نبی ﷺ نے بعض صحابہ کرام ؓ سے یہ بھی فرمایا تھا:

«إِیَّاکَ وَإِسْبَالَ الإِزَارِ فَإِنَّھَا مِنَ الْمَخِیلَةِ»(سنن أبي داود، اللباس، باب ماجاء في إسبال الإزار، ح:٤٠٨٤)

"اپنے آپ کو کپڑے لٹکانے سے بچاؤ کیونکہ یہ تکبر ہے۔"

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کپڑا نیچے لٹکانا کبیرہ گناہ ہے' خواہ ایسا کرنے والا یہ گمان کرے کہ اس کا مقصد تکبر نہیں ہے' کیونکہ احادیث کے عموم و اطلاق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے اور جس کا مقصد تکبر ہو تو پھر یہ گناہ اور بھی شدید اور سنگین ہو جائے گا' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«مَنْ جَرَّ ثَوْبَہُ خُیَلَاءَ لَمْ یَنْظُرِ اللّٰہُ إِلَیْہِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ»(صحیح البخاري، اللباس، باب من جر إزاره من غیر خیلاء، ح:٥٧٨٤ وصحیح مسلم، باب تحریم جر الثوب خیلاء ... الخ، ح:٢٠٨٥)

"جو شخص از راہ تکبر اپنے کپڑے کو لٹکائے' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔"

اور یہ گناہ (شدید اور سنگین) اس لیے ہے کہ اس شخص نے بہ یک وقت دو جرم کیے ہیں' یعنی کپڑے کو لٹکانا اور تکبر کرنا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس سے بچائے۔ حضرت ابوبکر ؓ نے جب عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کوشش کے باوجود میرا کپڑا لٹک جاتا ہے تو آپ نے فرمایا:

«لَسْتَ مِمَّنْ یَصْنَعُہُ خُیَلَاءَ»(صحیح البخاري، اللباس، باب من جر إزاره من غیر خیلاء، ح:٥٧٨٤ وسنن أبي داود، ح:٤٠٨٥)

"آپ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو از راہ تکبر ایسا کرتے ہیں۔"

تو یہ حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا اس شخص کے لیے جائز ہے' جس کا مقصد تکبر نہ ہو بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس شخص کا تہ بند یا شلوار تکبر و فخر کے قصد کے بغیر لٹک گیا اور اس نے اسے اوپر اٹھایا اور کپڑے کو درست کر لیا تو اسے گناہ نہیں ہو گا۔ جو لوگ شلواروں کو ٹخنوں سے نیچے لٹکا لیتے ہیں تو یہ جائز نہیں ہے' بلکہ تمام احادیث پر عمل کے پیش نظر سنت یہ ہے کہ قمیص ہو یا کوئی اور کپڑا' وہ نصف پنڈلی اور ٹخنے کے درمیان ہونا چاہیے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

کیا آستین کو لٹکانا بھی منع ہے؟

سوال کیا کپڑے کو اُس وقت لٹکانا بھی حرام ہے' جب مقصد تکبر اور غرور نہ ہو' نیز کیا آستین کو لٹکانا بھی منع ہے؟

جواب کپڑوں کو لٹکانا مطلقاً جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

"تہ بند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔" (اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے)

جابر بن سُلیم سے مروی حدیث میں نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«إِيَّاكَ وَإِسْبَالَ الإِزَارِ فَإِنَّهَا مِنَ الْمَخِيلَةِ»(سنن أبي داود، اللباس، باب ماجاء في إسبال الإزار، ح:٤٠٨٤)

"کپڑا لٹکانے سے پرہیز کرو کیونکہ یہ تکبر ہے۔"

امام مسلم رحمہ اللہ نے نبی ﷺ کی یہ حدیث بیان کی ہے:

«ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلاَ يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: اَلْمُسْبِلُ إِزَارَهُ، وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ» (صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية ... الخ ح:١٠٦)

"تین شخص ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کلام فرمائے گا' نہ ان کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا' نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہو گا۔ (۱) کپڑے کو نیچے لٹکانے والا (۲) احسان جتلانے والا اور (۳) اپنے سودے کو جھوٹی قسم کے ساتھ بیچنے والا۔"

عموم احادیث کے پیش نظر اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ اس سے کسی کا مقصد تکبر ہو یا نہ ہو لیکن اکثر و بیشتر تکبر اور غرور ہی کی وجہ سے ایسا کیا جاتا ہے۔ اور اگر کسی کا یہ مقصد نہ بھی ہو تو یہ تکبر اور غرور کا وسیلہ ضرور ہے۔ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت بھی ہے' اس سے کپڑے میلے اور ناپاک بھی ہوتے ہیں اور اس میں اسراف بھی ہے۔ جس شخص کا مقصد تکبر ہو گا تو اسے گناہ بھی زیادہ ہو گا کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلاَءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من جر إزاره من غير خيلاء، ح:٥٧٨٤ وصحيح مسلم، باب تحريم جر الثوب خيلاء ... الخ، ح:٢٠٨٥)

"جس نے تکبر کی وجہ سے اپنے کپڑے کو لٹکایا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا بھی نہیں۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا کپڑا لٹک جاتا ہے مگر میں کوشش کر کے اسے اٹھا لیتا ہوں تو آپ نے فرمایا:

«لَسْتَ مِمَّنْ يَصْنَعُهُ خُيَلاَءَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من جر إزاره من غير خيلاء، ح:٥٧٨٤ وسنن أبي داود، ح:٤٠٨٥)

"بلاشبہ آپ ان لوگوں میں سے نہیں جو از راہ تکبر ایسا کرتے ہیں۔"

تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسی صورت حال کا سامنا ہو تو اس کے لیے کوئی حرج نہیں' یعنی وہ اپنے کپڑے کی حفاظت کرتا ہو اور جان بوجھ کر اسے ٹخنوں سے نیچے نہ چھوڑتا ہو۔ آستین کے بارے میں یہ سنت ہے کہ وہ کلائی یعنی ہاتھ اور ہتھیلی کے جوڑ سے تجاوز نہ کرے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

چھوٹے اور باریک کپڑے

سوال آج کل مسلمانوں میں خاص طور پر موسم گرما میں چھوٹے اور باریک کپڑے پہننے کا رواج بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے نمازی بھی چھوٹے اور باریک کپڑے پہنتے ہیں اور نیچے نصف یا ثلث ران تک نیکر وغیرہ پہن لیتے ہیں اور کچھ لوگ چھوٹے انڈر ویئر پہن لیتے ہیں جس کی وجہ سے کپڑے سے ناف کے نیچے کا حصہ نظر آتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ شرم گاہ کو چھپانا نماز کی صحت کی شرائط میں سے ہے' لہٰذا نماز کی اہمیت اور اس کے دین کے ستون ہونے کی وجہ سے امید ہے کہ آپ مساجد کے ائمہ و خطباء کی توجہ اس طرف مبذول کرائیں گے کہ وہ نمازیوں کو اس طرح کثرت کے ساتھ رواج پا جانے والے باریک کپڑوں کے استعمال سے منع کریں؟

جواب ہم آپ کے شعور اور نماز کے لیے' جو کہ بدنی عبادات میں سے سب سے اہم ہے' اس قدر اہتمام کے لیے شکر گزار ہیں۔ ہم اس مسئلہ کو بیان کرنے کی حتی المقدور کوشش کریں گے' جیسا کہ ہمارا خیال ہے کہ باریک کپڑے بھی ان شاء اللہ پردہ پوشی کا کام دیتے ہیں۔ البتہ شرط یہ ہے کہ کپڑا اس قدر باریک نہ ہو کہ اس سے جسم کی سفید یا سیاہ رنگت بھی نظر آئے' تاہم افضل یہی ہے بہت باریک لباس استعمال نہ کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

کیا باریک کپڑے سے ستر پوشی ہو جاتی ہے؟

سوال کیا بہت زیادہ باریک کپڑے سے بھی ستر پوشی ہو جاتی ہے یا نہیں؟ مسلمان نے جب باریک کپڑا زیب تن کیا ہو تو کیا اس میں نماز ہو جائے گی؟

جواب جب کپڑا اس قدر باریک ہو کہ وہ بدن کو نہ چھپائے تو اس میں نماز نہیں ہو گی الاّ یہ کہ مرد نے ایسے لباس کے نیچے شلوار یا تہ بند بھی پہن رکھا ہو جو ناف سے لے کر گھٹنے تک کے حصے کو چھپائے ہوئے ہو۔ عورت کے لیے بھی ایسے کپڑے میں نماز صحیح نہیں الاّ یہ کہ اس نے نیچے ایسا لباس پہنا ہوا ہو جو اس کے سارے بدن کو چھپائے ہوئے ہو۔ ایسے کپڑے کے نیچے محض چھوٹی سی شلوار پہن لینا عورتوں کے لیے کافی نہیں ہو گا۔ مرد کو چاہیے کہ وہ جب اس طرح کے باریک کپڑے میں نماز پڑھے تو اپنے اوپر ایک کپڑا ڈال لے جو اس کے دونوں یا ایک کندھے کو ڈھانپ لے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يُصَلِّي أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلٰى عَاتِقَيْهِ شَيْءٌ»(صحيح البخاري، الصلاة، باب إذا صلى في الثوب الواحد فليجعل على عاتقيه، ح:٣٥٩ وصحيح مسلم، الصلاة، باب الصلاة في

الثوب الواحد، ح:٥١٦)

”تم میں سے کوئی ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھوں پر کوئی چیز نہ ہو۔“

شیخ ابن باز

زہد کی وجہ سے لباس کا اہتمام ترک کر دینا

سوال ہم دیکھتے ہیں کہ بعض نوجوان لباس کے بارے میں اہتمام نہیں کرتے اور دنیا کے لباس کو اہمیت نہ دینے کو وہ زہد خیال کرتے ہیں اور اس کے اہتمام کو وقت کا ضیاع سمجھتے ہیں' جبکہ بعض دیگر نوجوان ان کی تردید میں نبی ﷺ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

«إِنَّ اللهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم الكبر وبيانه، ح:٩١)

”اللہ جمیل ہے اور وہ جمال کو پسند فرماتا ہے۔“ آپ کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو جب انعام سے نوازتا ہے' تو وہ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اپنے بندے پر نعمت کے اثر کو دیکھے' نبی ﷺ نے جو فرمایا ہے:

«اِزْهَدْ فِي الدُّنْيا، يُحِبَّكَ اللهُ»(سنن ابن ماجه، الزهد، باب الزهد في الدنيا، ح:٤١٠٢)

”دنیا میں زہد اختیار کرو' اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔“

تو اس زہد کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی مال جمع کرنے کی حرص نہ کرے اور مال کی اس قدر کثرت طلب نہ کرے جو اسے آخرت سے غافل کر دے لیکن اگر اللہ تعالیٰ بندے کو مال حلال عطا فرمائے اور اسے نعمتوں کی فراوانی سے نوازے تو پھر نعمت کا حق یہ ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے اور اسے وہاں خرچ کیا جائے جہاں خرچ کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی پاکیزہ چیزوں کو جائز قرار دیا ہے اور زینت اختیار کرنے یعنی اچھا لباس پہننے کا حکم دیا ہے تو ظاہری لباس کی طرف توجہ نہ دینا اور اپنے آپ کو اس طرح کی گھٹیا صورت میں ظاہر کرنا جسے دیکھنے والے ناپسند کریں درست نہیں ہے۔ افضل صورت یہ ہے کہ آدمی لباس وغیرہ میں میانہ روی کو اختیار کرے کہ نہ اسراف اور فضول خرچی ہو اور نہ بخل اور کنجوسی۔ واللہ الموفق۔

شیخ ابن جبرین

ریشم سے مشابہ لباس

سوال جس طرح ریشم کے کپڑے مردوں کے لیے حرام ہیں کیا اس طرح وہ نرم و ملائم کپڑے بھی حرام ہیں جو مصنوعی ریشوں سے بنائے جاتے ہیں؟

جواب ریشم کا حکم ریشم ہی کے ساتھ خاص ہے۔ یہ حکم دوسرے کپڑوں کے لیے نہیں ہے' خواہ وہ کتنے ہی نرم اور ملائم کیوں نہ ہوں' لیکن مردوں کے لیے ایسے کپڑوں کا استعمال زیادہ موزوں ہے' جن کی ریشم اور عورتوں کے کپڑوں سے مشابہت نہ ہو۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

خنزیر کی کھال سے بنے ہوئے کوٹ

سوال پچھلے دنوں کھال سے بنے ہوئے کوٹ استعمال کرنے کے موضوع پر ہماری بہت گرم گرم گفتگو ہوئی' کچھ بھائیوں کا خیال تھا کہ یہ کوٹ عموماً خنزیر کی کھال سے بنائے جاتے ہیں' لٰہذا یہ جائز نہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ واقعی خنزیر کی کھال کے بنے ہوں تو پھر ان کے استعمال کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے' کیا انہیں استعمال کرنا شرعاً جائز ہے؟ بعض دینی کتابوں مثلاً قرضاوی کی "الحلال والحرام" اور عبدالرحمٰن الجزیری کی "کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه" میں اس مسئلہ کی طرف اشارہ تو کیا گیا ہے مگر اس کو واضح طور پر بیان نہیں کیا گیا؟

جواب حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا دُبِغَ الإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ»(صحيح مسلم، الحيض، باب طهارة جلود الميتة بالدباغ، ح:٣٦٦)

"جب کھال کو رنگ دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔"

نیز آپ نے فرمایا:

«دِبَاغُ جُلُودِ الْمَيْتَةِ طُهُورُهَا»(ابن حبان (الموارد) باب في جلود الميتة تدبغ، ح:١٢٣ وسنن النسائي: ٧/ ١٧٤، ح: ٤٢٤٩)

"مردہ جانوروں کی کھالوں کو رنگنا انہیں پاک کرنا ہے۔"

اس مسئلہ میں علماء میں اختلاف ہے کہ کیا اس حدیث کے عموم میں تمام کھالیں شامل ہیں یا اس میں بطور خاص صرف ان مردہ جانوروں کی کھالوں کا حکم بیان کیا گیا ہے جو ذبح کرنے سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ ذبح کرنے سے پاک ہو جانے والے جانوروں مثلاً اونٹ' گائے اور بکری میں سے مردہ جانوروں کی کھالوں کو جب رنگ لیا جائے تو وہ علماء کے صحیح قول کے مطابق پاک ہو جاتی ہیں اور ہر چیز میں ان کا استعمال کرنا جائز ہے۔ باقی رہے خنزیر اور کتے وغیرہ جیسے وہ جانور جو ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتے' ان کے بارے میں اہل علم میں یہ اختلاف ہے کہ کیا ان کی کھالیں رنگنے سے پاک ہو جاتی ہیں یا نہیں' زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ ان کے استعمال کو ترک کر دیا جائے تاکہ نبی ﷺ کے حسب ذیل ارشادات پر عمل ہو سکے:

«فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ»(صحيح مسلم، المساقاة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ح:١٥٩٩)

"جو شخص شبہات سے بچ گیا' اس نے اپنے دین و عزت کو بچا لیا۔" اور:

«دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لاَ يَرِيبُكَ» (جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث اعقلها وتوكل ... الخ، ح:٢٥١٨ وسنن النسائي، ح:٥١١٤)

"جس میں شک ہو اسے چھوڑ دو اور جس میں شک نہ ہو' اسے اختیار کر لو۔"

——— شیخ ابن باز ———

تیراکی وغیرہ کے وقت مختصر لباس پہننے کا حکم

سوال الحمد للہ وحدہ و بعد: بحوث علمیہ و افتاء کمیٹی نے اس سوال کو ملاحظہ کیا جو محترم چیئرمین صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا کہ بہت سے لوگ جن میں فوج کے لوگ بھی شامل ہیں کھیلوں وغیرہ کے وقت بہت مختصر لباس استعمال کرتے ہیں' جس سے ناف کے نیچے کا حصہ نظر آتا ہے اور ران کا بھی نصف حصہ یا بعض اوقات اس سے بھی زیادہ حصہ نظر آتا ہے' اس طرح کے لباس کا چونکہ آج کل بہت عام رواج ہو گیا ہے' اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق حکم شرعی کے بارے میں اپنی رائے سے مطلع فرمائیں کیونکہ کچھ عرصہ سے اس قسم کے لباس کا رواج اس قدر عام ہو گیا ہے گویا یہ ایک مباح لباس ہے۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ستر عورہ واجب ہے۔ عورت کا تو سارا جسم ہی عورہ ہے' جبکہ مرد کا آگے پیچھے کا مقام خاص تو بالاجماع عورہ ہے' بلکہ علماء کے صحیح قول کے مطابق مرد کا ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ پردہ ہے' کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تُبْرِزْ فَخِذَكَ، وَلاَ تَنْظُرْ إِلَى فَخِذِ حَيٍّ وَّلاَ مَيِّتٍ»(سنن أبي داود، الجنائز، باب في ستر الميت عند غسله، ح:٣١٤٠ وسنن ابن ماجه، ح:١٤٦٠)

"اپنی ران کو ننگا نہ کرو اور نہ کسی زندہ یا مردہ کی ران کو دیکھو۔" (اسے امام ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔)

محمد بن جحش سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمر کے پاس سے گزر ہوا تو ان کے ننگے ران دیکھ کر آپ نے فرمایا:

«يَا مَعْمَرُ! غَطِّ فَخِذَيْكَ فَإِنَّ الْفَخِذَيْنِ عَوْرَةٌ»(مسند أحمد:٥/ ٢٩٠ والمستدرك على الصحيحين للحاكم:٤/ ١٨٠، ح:٧٣٦١، البخاري قبل ح:٣٧١ تعليقًا)

"اے معمر! اپنے دونوں رانوں کو ڈھانپ لو کیونکہ دونوں ران بھی پردہ ہیں۔" (اسے امام احمد رحمہ اللہ نے "مسند" میں' امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح میں تعلیقاً اور امام حاکم رحمہ اللہ نے "مستدرک" میں روایت کیا ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْفَخِذُ عَوْرَةٌ»(جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء أن الفخذ عورة، ح:٢٧٩٧ ومسند أحمد:١/ ٢٧٥)

"ران پردہ ہے۔" (اسے امام ترمذی اور امام احمد رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے)

مسند احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شخص کے پاس سے گزر ہوا' جس کے ران ننگے تھے تو آپ نے فرمایا:

«غَطِّ فَخِذَيْكَ فَإِنَّ الْفَخِذَيْنِ عَوْرَةٌ»(مسند أحمد:٥/ ٢٩٠، والمستدرك على الصحيحين للحاكم:٤/ ١٨٠، ح:٧٣٦١)

"اپنے دونوں ران ڈھانپ لو کیونکہ ران بھی پردہ ہے۔"

جَرہد اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میرے پاس سے گزر ہوا تو میں نے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی اور میری ران ننگی تھی تو آپ نے فرمایا:

«غَطِّ فَخِذَكَ فَإِنَّهَا مِنَ الْعَوْرَةِ» (جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء أن الفخذ عورة، ح:٢٧٩٨ ومسند أحمد:٣/ ٤٧٨)

”اپنی ران کو ڈھانپ لو کیونکہ ران بھی پردہ ہے۔“ (اسے امام مالک رحمہ اللہ نے ”موطا“ میں، امام احمد، امام ابوداود اور امام ترمذی رحمہم اللہ نے روایت کیا اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے)

یہ احادیث ایک دوسری کے لیے باعث تقویت ہیں، جس کی وجہ سے ان سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ مرد کے لیے اپنی رانوں کو چھپانا بھی فرض ہے۔ و صلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نیکر پہننے کے بارے میں حکم

سوال اوقات نماز کے علاوہ کھیلوں وغیرہ کے وقت نیکر پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے، جب کہ اس سے کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا بھی کوئی اندیشہ نہ ہو؟ امید ہے دلائل کے ساتھ اس سوال کا جواب عطا فرمائیں گے، راہنمائی فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے؟

جواب ہماری رائے میں ان نیکروں مثلاً کچھے وغیرہ کا پہننا جائز نہیں ہے، جن سے صرف مقام خاص ہی چھپتا ہو اور دونوں رانوں کے اکثر حصے ننگے رہتے ہوں خواہ اسے کھیل میں استعمال کیا جائے یا بازار میں، خواہ نماز کا وقت نہ بھی ہو۔ البتہ اس وقت اس قسم کے لباس کا استعمال قابل معافی ہے، جب انسان اپنے گھر میں کسی پرائیویٹ کام میں مصروف ہو اور اسے کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جَرہد اسلمی کو دیکھا کہ ان کا تہبند ان کی ران کے کچھ حصے سے ڈھلک گیا ہے تو آپ نے فرمایا:

«غَطِّ فَخِذَكَ فَإِنَّهَا مِنَ الْعَوْرَةِ» (جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء أن الفخذ عورة، ح:٢٧٩٨ ومسند أحمد: ٣/ ٤٧٨)

”اپنی ران کو ڈھانپ لو کیونکہ ران بھی پردہ ہے۔“

——— شیخ ابن جبرین ———

عقال پہننے کے بارے میں حکم

سوال عقال پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے، میں نے دیکھا ہے کہ (مساجد کے) ائمہ اور مؤذن یہ نہیں پہنتے؟

جواب عقال پہننے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ لباس کے بارے میں اصول یہ ہے کہ ہر قسم کا لباس حلال ہے سوائے اس کے جس کے حرام ہونے کی کوئی دلیل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کی ہے جو کسی شرعی دلیل کے بغیر لباس یا کھانے کی کسی چیز کو حرام قرار دے دیتے ہیں اور فرمایا ہے:

﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ ٱللَّهِ ٱلَّتِىٓ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِۦ وَٱلطَّيِّبَٰتِ مِنَ ٱلرِّزْقِ ۚ﴾ (الأعراف٧/ ٣٢)

”پوچھو تو کہ جو زینت (و آرائش) اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں ان کو حرام کس نے کیا ہے۔“

البتہ اگر یہ لباس کسی شرعی دلیل کی وجہ سے حرام ہو، خواہ یہ حرام بعینہٖ ہو، مثلاً مردوں کے لیے ریشم یا مردوں اور

عورتوں کے لیے کوئی کپڑا جس میں تصویریں بنی ہوں اور خواہ یہ حرام بجنسہ ہو مثلاً یہ کہ یہ کفار کا کوئی مخصوص لباس ہو تو پھر یہ لباس حرام ہو گا ورنہ لباس کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ حلال ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

وہ ہار جس پر اللہ تعالیٰ کا اسم پاک لکھا ہوا ہو

سوال الحمد للہ وحدہ و بعد: بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی نے محمد عبدالعزیز کی طرف سے بھیجے جانے والے اس استفتاء کا جائزہ لیا' جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ ہم اپنے اس خط کے ساتھ سونے کا وہ ہار بھی بھیج رہے ہیں' جس پر لفظ جلالہ (اللہ) لکھا ہوا ہے۔ اس ہار کو ہم مسلمانوں کی عورتیں زیور اور زینت کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے ادارہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے وابستہ بھائیوں نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ اس زیور کا استعمال حرام ہے کیونکہ اس پر لفظ جلالہ لکھا ہوا ہے۔ یاد رہے کہ اس زیور کو مسلمان خواتین محض اظہار زیب و زینت اور یہود و نصاریٰ کی عورتوں کی مخالفت ہی کے لیے استعمال کرتی ہیں' کیونکہ عیسائی ایسے زیور استعمال کرتے ہیں' جن پر صلیب اور بتوں کی تصویریں ہوتی ہیں اور یہودی ایسے زیور استعمال کرتے ہیں جن پر ستارۂ داؤد کندہ ہوتا ہے۔ امید ہے اس مسئلہ سے متعلق راہنمائی فرمائیں گے؟

جواب یہ دیکھتے ہوئے کہ اس زیور پر لفظ جلالہ لکھا ہوا ہے تاکہ مسلمان عورتیں اسے اپنے سینہ پر لٹکا لیں' جس طرح عیسائی عورتیں ایسے زیور کو اپنے سینہ پر لٹکاتی ہیں' جس پر صلیب بنی ہوتی ہے اور یہودی عورتیں ایسے زیور کو اپنے سینہ پر لٹکاتی ہیں جس پر ستارۂ داؤد کندہ ہوتا ہے اور یہ دیکھتے ہوئے کہ جس چیز پر اللہ تعالیٰ کا اسم پاک لکھا ہوا ہو اسے نقصان کے ازالہ' نفع کے حصول اور اس طرح کے دیگر مقاصد کے لیے لٹکایا جاتا ہے اور اس طرح کی چیز کے سینہ اور گلے وغیرہ میں لٹکانے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے اسم پاک کی بے حرمتی بھی ہے کہ لٹکانے والا حالت نیند میں بھی اسے لٹکائے رکھتا ہے یا اس کے ساتھ ایسی جگہوں پر بھی چلا جاتا ہے' جہاں کسی ایسی چیز کے ساتھ جانا مکروہ ہے' جس میں کلام اللہ کا کوئی حصہ یا اللہ تعالیٰ کا اسم پاک لکھا ہو۔ کمیٹی کی رائے یہ ہے کہ کسی ایسے زیور کا استعمال جائز نہیں جس پر اسم جلالہ لکھا ہو تاکہ یہودیوں اور عیسائیوں کی مشابہت سے اجتناب کیا جا سکے کہ مسلمانوں کو ان کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ نیز سد ذریعہ' اللہ تعالیٰ کے اسم پاک کی بے حرمتی سے حفاظت اور تعویذ لٹکانے کی ممانعت کے عموم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس طرح کا زیور استعمال نہ کیا جائے۔ وباللہ التوفیق و صلی اللہ علی محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

مردوں کے لیے سونے کا استعمال

سوال الحمد للہ و بعد: بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی نے اس استفتاء کا جائزہ لیا' جو علی بن عبداللہ کی طرف سے پیش کیا گیا ہے کہ ہمارے کچھ دوستوں کے مابین مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی' گھڑی اور بٹن وغیرہ استعمال کرنے کے موضوع پر گفتگو ہوئی' تو بعض نے اسے حرام قرار دیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ جس طرح سونے کے دانت استعمال کرنا جائز ہیں' اسی طرح مردوں کے لیے سونے کی یہ چیزیں استعمال کرنا بھی جائز ہے۔ اگر سونا مردوں کے لیے حرام ہوتا تو بہت

سے لوگ سونے کے دانت استعمال نہ کرتے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سونے کے دانت تو حلال ہوں مگر سونا پہننا حرام ہو؟ اس گفتگو کی وجہ سے یہ مسئلہ ہمارے لیے مشتبہ ہو گیا ہے لہٰذا امید ہے کہ فتویٰ عطا فرمائیں گے' جس سے اس کی حلت و حرمت واضح ہو جائے۔ جزاکم اللہ عنا و عن المسلمین کل خیر

جواب کمیٹی نے اس کا حسب ذیل جواب دیا: مردوں کے لیے سونا پہننا حرام ہے خواہ وہ انگوٹھی ہو یا گھڑی کا چین یا بٹن یا دانت یا اس طرح کی کوئی اور چیز کیونکہ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے صحیحین میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

«أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ، . . . وَنَهَانَا عَنْ خَوَاتِيمَ، أَوْ عَنْ تَخَتُّمٍ بِالذَّهَبِ، وَعَنْ شُرْبٍ بِالْفِضَةِ. . . . الحديث»(صحيح البخاري، اللباس، باب خواتيم الذهب، ح:٥٨٦٣ وصحيح مسلم، اللباس، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة.. الخ، ح:٢٠٦٦ واللفظ له)

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا اور سات سے منع فرمایا--- آپ نے ہمیں سونے کی انگوٹھی اور چاندی کے برتن میں پینے سے منع فرمایا---" (الحدیث)

امام احمد' ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيرُ لإِنَاثِ أُمَّتِي، وَحُرِّمَ عَلَى ذُكُورِهَا»(سنن النسائي، الزينة، باب تحريم الذهب على الرجال، ح:٥١٥١ وجامع الترمذي، ح:١٧٢٠ ومسند أحمد:٤/ ٣٩٤، ٤٠٧)

"سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال اور مردوں کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے۔"

صحیحین میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«لاَ تَشْرَبُوا فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَلاَ تَأْكُلُوا فِي صِحَافِهَا فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَنَا فِي الآخِرَةِ»(صحيح البخاري، الأطعمة، باب الأكل في إناء مفضض، ح:٥٤٢٦ وصحيح مسلم، اللباس، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة... الخ، ح:٢٠٦٧)

"سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو اور نہ ان سے بنی ہوئی پلیٹوں میں کھاؤ کہ یہ برتن کافروں کے لیے دنیا میں اور ہمارے لیے آخرت میں ہوں گے۔"

صحیح مسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الَّذِي يَشْرَبُ فِي إِنَاءِ الْفِضَّةِ إِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب آنية الفضة، ح:٥٦٣٤ وصحيح مسلم، اللباس، باب تحريم استعمال أواني الذهب والفضة ... الخ، ح:٢٠٦٥)

"جو شخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے' وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔"

البتہ بوقت ضرورت سونے کا دانت یا ناک استعمال کرنا جائز ہے یعنی جب کوئی اور چیز اس کے قائم مقام نہ ہو سکتی ہو تو پھر یہ جائز ہے' لیکن انگوٹھی' چین یا بٹن وغیرہ کا استعمال قطعاً جائز نہیں ہے' کیونکہ اس کی ضرورت نہیں۔ مردوں کے لیے سونے کی گھڑی یا سونے کا قلم استعمال کرنا بھی جائز نہیں۔ وباللہ التوفیق و صلی اللہ علی محمد و آلہ و صحبہ۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

مردوں کے لیے سونے کا استعمال اور ---

سوال مردوں کے لیے کسی بھی قسم کا سونا پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اگر منگنی کی انگوٹھی اتار دی جائے جو کہ سونے کی ہوتی ہے تو اس سے انسان بیوی سے محروم ہو جاتا ہے؟

جواب مردوں کی لیے سونا پہننا جائز نہیں ہے بلکہ یہ منکرات میں سے ہے خواہ سونا انگوٹھی ہو یا گھڑی یا زنجیر وغیرہ کیونکہ نبی ﷺ کے حسب ذیل ارشاد کے عموم کا یہی تقاضا ہے:

«أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيرُ لإِنَاثِ أُمَّتِي، وَحُرِّمَ عَلَى ذُكُورِهَا»(سنن النسائي، الزينة، باب تحريم الذهب على الرجال، ح:٥١٥١ وجامع الترمذي، ح:١٧٢٠ ومسند أحمد:٤/ ٣٩٤، ٤٠٧)

"سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال مگر مردوں کے لیے حرام قرار دے دیا گیا ہے۔"

نیز اس لیے بھی کہ نبی ﷺ نے "مردوں کو سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا ہے۔" اسے امام بخاری اور امام مسلم نے "صحیحین" میں بروایت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے۔ [1]

اسی طرح نبی ﷺ نے جب ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ نے اسے اتار کر زمین پر پھینک دیا اور فرمایا:

«يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِّنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ»(صحيح مسلم، اللباس، باب تحريم خاتم الذهب على الرجال ... الخ، ح:٢٠٩٠)

"تم میں سے ایک شخص آگ کے انگارے کا قصد کرتا اور اسے اپنے ہاتھ میں پہن لیتا ہے۔" (اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" میں بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کیا ہے)

منگنی کی سونے کی انگوٹھی بھی سونے کی دوسری انگوٹھیوں ہی کی طرح ہے۔ اگر یہ انگوٹھی سونے ہی کی ہو تو اسے اتار دینا واجب ہے' اس کے اتار دینے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اس کے اتار دینے سے نکاح پر اثر ہوتا ہے' وہ غلط کہتا ہے کیونکہ اس انگوٹھی کا استعمال ایک نیا رواج ہے' جس کی کوئی اصل نہیں ہے' لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسے ترک کر دیں۔ اس کے بارے میں کم سے کم جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ یہ ایک مکروہ رواج ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو ہدایت عطا فرمائے اور ہر اس چیز سے بچنے کی توفیق دے جو اس کی شریعت مطہرہ کے خلاف ہو۔

—— شیخ ابن باز ——

مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی

سوال مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے' خصوصاً اس انگوٹھی کے بارے میں جسے شادی کی انگوٹھی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے؟

---

[1] صحيح البخاري' اللباس' باب خواتيم الذهب' حديث : 5863 و صحيح مسلم' اللباس' باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة... الخ' حديث : 2066

جواب مرد کے لیے سونے کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں ہے' نہ شادی سے پہلے اور نہ شادی کے بعد' کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا ہے اور جب آپ نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو اسے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا:

«يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِّنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ»(صحیح مسلم، اللباس، باب تحریم خاتم الذهب علی الرجال ... الخ، ح: ۲۰۹۰)

"تم میں سے ایک شخص آگ کے انگارے کا قصد کرتا اور اسے اپنے ہاتھ میں ڈال لیتا ہے۔" (اسے امام مسلم نے "صحیح" میں بیان فرمایا ہے۔)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی استعمال کرنا حرام ہے اور یہ مطلقا جائز نہیں ہے خواہ شادی ہی کے لیے کیوں نہ ہو۔

——— شیخ ابن باز ———

منگنی کی انگوٹھی

سوال اس انگوٹھی کے پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے' جو منگنی کرنے والے کے دائیں ہاتھ اور شادی کرنے والے کے بائیں ہاتھ میں پہنائی جاتی ہے اور یہ سونے کی نہ ہو؟

جواب شریعت میں اس عمل کی کوئی اصل نہیں ہے لہذا افضل یہ ہے کہ اس رسم کو ترک کر دیا جائے خواہ یہ انگوٹھی سونے کی ہو یا چاندی کی۔ ہاں اگر یہ انگوٹھی سونے کی ہو تو پھر یہ مردوں کے لیے حرام ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے "مردوں کو سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا ہے۔"[1]

——— شیخ ابن باز ———

شادی کی انگوٹھی

سوال مردوں کے لیے شادی کے موقع پر چاندی کی انگوٹھی پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب مردوں یا عورتوں کے لیے اس انگوٹھی کا پہننا بدعت ہے اور بعض صورتوں میں یہ حرام بھی ہو سکتی ہے' کیونکہ بعض لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ انگوٹھی میاں اور بیوی کے درمیان محبت کا سبب ہے' یہی وجہ ہے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ بعض مرد اپنی انگوٹھی پر اپنی بیوی کا نام اور بعض عورتیں اپنی انگوٹھی پر اپنے شوہر کا نام لکھ لیتی ہیں اور اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان تعلق قائم دائم رہے تو یہ شرک کی ایک قسم ہے کیونکہ ان دونوں نے ایک ایسے سبب کا عقیدہ رکھا جو قدراً یا شرعاً سبب ہے ہی نہیں' اس بے چاری انگوٹھی کا مودت یا محبت سے کیا تعلق؟ کتنے ہی جوڑے ہیں' جنہوں نے اس انگوٹھی کو استعمال نہیں کیا مگر ان میں نہایت شدید مودت و محبت ہے اور کتنے ہی جوڑے ہیں' جنہوں

---

[1] صحیح البخاری' اللباس' باب خواتیم الذهب' حدیث : 5863 و صحیح مسلم' اللباس' باب تحریم استعمال إناء الذهب والفضة---الخ' حدیث : 2066

نے اس انگوٹھی کو استعمال کیا مگر وہ محرومی' بدقسمتی اور بدبختی میں مبتلا ہیں۔ یعنی اس فاسد عقیدہ کی وجہ سے یہ شرک کی ایک قسم ہے اور یہ عقیدہ نہ ہو تو پھر غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت' کیونکہ یہ رسم عیسائیوں سے لی گئی ہے' لہٰذا مومن کو چاہیے کہ وہ ہر اس چیز سے اجتناب کرے جو اس کے دین میں خلل ڈالے۔

جہاں تک مرد کے لیے چاندی کی انگوٹھی پہننے کا تعلق ہے' محض انگوٹھی کی حیثیت سے نہ کہ اس عقیدہ کی حیثیت سے کہ یہ انگوٹھی میاں بیوی میں تعلقات کو مضبوط و مستحکم رکھے گی' تو اس میں کوئی حرج نہیں' کیونکہ مردوں کے لیے چاندی کی انگوٹھی استعمال کرنا جائز ہے اور سونے کی انگوٹھی استعمال کرنا حرام ہے' اس لیے کہ نبی ﷺ نے جب ایک صحابی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ نے اسے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا:

«يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلٰى جَمْرَةٍ مِّنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ»(صحيح مسلم، اللباس، باب تحريم خاتم الذهب على الرجال . . . الخ، ح:٢٠٩٠)

"تم میں سے ایک شخص آگ کے انگارے کا قصد کرتا اور اسے اپنے ہاتھ میں پہن لیتا ہے۔"

—— شیخ ابن عثیمین ——

مردوں کے لیے سونے کے استعمال کی حرمت کی حکمت

سوال مردوں کے لیے سونے کے استعمال کے حرام ہونے کا کیا سبب ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ دین اسلام مسلمانوں کے لیے صرف اسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے' جو اس کے لیے نقصان دہ ہو تو سوال یہ ہے کہ مردوں کے لیے سونے کے زیورات کے استعمال میں کیا نقصان ہے؟

جواب سائل کو معلوم ہونا چاہیے کہ احکام شرعیہ میں ہر مومن کے لیے بس یہی بات کافی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا فرمان ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ ٱلْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٣٦)

"اور کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کردیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔"

لہٰذا جب ہم سے کوئی شخص یہ سوال کرے گا کہ یہ چیز واجب کیوں ہے اور یہ حرام کیوں ہے تو ہم کہیں گے اس لیے کہ اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے واجب یا حرام قرار دیا ہے اور ایک مومن کے لیے بس یہی بات کافی ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب یہ پوچھا گیا کہ اس کا سبب کیا ہے کہ حائضہ عورت روزے کی قضا تو دیتی ہے مگر نماز کی قضا نہیں دیتی تو انہوں نے فرمایا:

«كَانَ يُصِيبُنَا ذٰلِكَ فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلاَ نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلاَةِ»(صحيح مسلم، الحيض، باب وجوب قضاء الصوم على الحائض دون الصلاة، ح:٣٣٥)

"ہمیں یہ عارضہ لاحق ہوتا تھا تو اس حالت میں ہمیں روزے کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا مگر نماز کی قضا کا حکم نہیں

دیا جاتا تھا۔"

کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ کی نص ہر مومن کے لیے علت موجبہ ہے' تاہم اس بات میں بھی کوئی حرج نہیں کہ انسان حکمت کو معلوم کرے۔ اس سے طمانینت میں اضافہ ہو گا اور احکام کو علل و اسباب کے ساتھ ملانے سے اسلامی شریعت کی عظمت بھی واضح ہو گی اور پھر علت کے معلوم ہونے سے قیاس بھی ممکن ہو گا' یعنی جب کسی منصوص علیہ حکم کی علت کسی دوسرے غیر منصوص امر میں موجود ہو تو دونوں کا حکم یکساں ہو گا اور ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا ممکن ہو گا۔

گویا شرعی حکمت معلوم کرنے کے یہ تین فائدے ہیں۔ اس تمہید کے بعد ہم اس بھائی کے سوال کے جواب میں کہیں گے کہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ سونا پہننا مردوں کے لیے حرام ہے' عورتوں کے لیے حرام نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سونا وہ سب سے اعلیٰ چیز ہے' جسے انسان جمال اور زینت کے لیے استعمال کرتا ہے گویا سونا زینت بھی ہے اور زیور بھی اور مرد کو اس چیز کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ رجولیت کی وجہ سے وہ فی نفسہ کامل ہے۔ مرد کو ضرورت نہیں کہ وہ کسی دوسرے شخص کے لیے زینت اختیار کرے تاکہ اس کی طرف اس کی رغبت ہو' جب کہ عورت کو اس بات کی ضرورت ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کے زیورات کے ساتھ حسن و جمال اختیار کرے تاکہ اس سے اس کے اور اس کے شوہر کے درمیان معاشرت کے لیے کشش پیدا ہو سکے' یہی وجہ ہے عورت کے لیے سونے کے زیورات کو جائز مگر مرد کے لیے ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کی بارے میں فرمایا ہے:

﴿ أَوَمَن يُنَشَّؤُا۟ فِى ٱلْحِلْيَةِ وَهُوَ فِى ٱلْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ﴿١٨﴾ ﴾ (الزخرف ۴۳/۱۸)

"کیا وہ جو زیور میں پرورش پائے اور جھگڑے کے وقت بات نہ کر سکے (اللہ کی بیٹی ہو سکتی ہے؟)"

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ شریعت میں مردوں کے لیے سونے کے استعمال کو حرام قرار دینے میں حکمت کیا ہے۔

چنانچہ اس مناسبت سے میں ان مردوں کو بھی نصیحت کروں گا جو سونے کے زیورات استعمال کرنے میں مبتلا ہو چکے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو عورتوں کی صف میں شامل کر لیا ہے اور اپنے ہاتھوں میں وہ سونے کے زیور نہیں بلکہ در حقیقت آگ کے انگارے پہن رہے ہیں' جیسا کہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے' لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے آگے توبہ کریں اور اگر وہ چاہیں تو حدود شرعیہ کے اندر رہتے ہوئے چاندی کی انگوٹھی استعمال کریں کیونکہ اس میں کوئی حرج نہیں' نیز سونے کے علاوہ دیگر معدنیات کی انگوٹھیاں استعمال کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس میں اسراف یا فتنہ کا کوئی پہلو نہ ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

چاندی کی انگوٹھی پہننے کے بارے میں حکم ---

سوال چاندی کی انگوٹھی پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے اور اگر یہ جائز ہے تو اسے دائیں ہاتھ میں پہنا جائے یا بائیں ہاتھ میں؟

جواب مردوں اور عورتوں کے لیے چاندی کی انگوٹھی پہننے میں کوئی حرج نہیں اور دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں میں پہننا جائز اور دائیں ہاتھ میں افضل ہے' کیونکہ دایاں ہاتھ اشرف ہے۔ نبی ﷺ کبھی دائیں ہاتھ میں اور کبھی بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہن لیا کرتے تھے اور آپ ہی کی ذات گرامی ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ سونے کی انگوٹھی یا گھڑی مردوں کے لیے

جائز نہیں' یہ صرف عورتوں کے لیے جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ سونا اور ریشم مردوں کے لیے حرام مگر عورتوں کے لیے حلال ہے۔[1] واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

مردوں کے لیے سونے سے مزین گھڑی اور قلم---

سوال میں نے ۷۵۰ ریال کی ایک گھڑی خریدی ہے' جو ۱۸ قیراط کے سونے سے مزین ہے۔ جب میں نے دوکان دار سے بات کی کہ سونے کی گھڑیاں استعمال کرنا تو مردوں کے لیے جائز نہیں ہے' تو اس نے کہا کہ اسے سونے کی گھڑی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اگر یہ سونے کی گھڑی ہوتی' تو اس کی قیمت اس سے زیادہ ہوتی لیکن اکثر گھڑیوں کو زنگ سے بچانے کے لیے سونے کے پانی سے مزین کر دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کی گھڑی استعمال کرنا جائز ہے؟ اگر جائز نہیں تو میں کیا کروں؟ اس طرح اس قلم کے استعمال کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے کہ جس کی نب پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہو؟

جواب اسے پہننا ناجائز ہے کیونکہ سونے یا سونے سے مزین گھڑی یا سونے کی انگوٹھی پہننا جائز نہیں' یہ سب کچھ مردوں کے لیے حرام ہے۔ یہ گھڑی اپنی بیوی یا کسی اور محرم عورت کو دے دو' آپ اسے بیچ بھی سکتے ہیں۔ آپ کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيرُ لإِنَاثِ أُمَّتِي، وَحُرِّمَ عَلَى ذُكُورِهَا»(سنن النسائي، الزينة، باب تحريم الذهب على الرجال، ح: ٥١٥١ وجامع الترمذي، ح: ١٧٢٠ ومسند أحمد: ٤/ ٣٩٤، ٤٠٧)

"سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال مگر مردوں کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے۔"

نبی ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا ہے' تو سونے کی گھڑی کے استعمال کی ممانعت تو اور بھی شدید ہو گی۔ باقی رہے وہ قلم جن کی نب پر سونے کا پانی چڑھا ہو تو مومن مردوں کے لیے زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ وہ انہیں بھی استعمال نہ کریں' کیونکہ یہ بھی بعض وجوہ سے انگوٹھی سے مشابہت رکھتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

ایسی گھڑی جس پر سونے کا پانی چڑھا ہو

سوال میرے پاس ہاتھ کی ایک ایسی گھڑی ہے' جس پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہے تو کیا میرے لیے اسے پہننا یا استعمال کرنا جائز ہے؟

جواب یہ بات معلوم ہے کہ مردوں کے لیے سونا پہننا حرام ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے جب ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ نے اسے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا:

«يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِّن نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ»(صحيح مسلم، اللباس، باب تحريم خاتم الذهب على الرجال ... الخ، ح: ٢٠٩٠)

---

[1] سنن النسائی الزینة' باب تحریم الذهب علی الرجال' حدیث: 5151 و جامع الترمذی' حدیث: 1720 و مسند احمد: 4/394' 407

"تم میں سے ایک شخص آگ کے انگارے کا قصد کرتا ہے اور اسے اپنے ہاتھ میں ڈال لیتا ہے۔"

جب نبی ﷺ تشریف لے گئے' تو اس شخص سے کہا گیا کہ اپنی انگوٹھی پکڑ لو اور اس سے فائدہ اٹھاؤ تو اس نے کہا' اللہ کی قسم! میں اس انگوٹھی کو نہیں پکڑوں گا جسے رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا تھا۔ نبی ﷺ نے سونے اور ریشم کے بارے میں فرمایا ہے:

«هٰذَانِ حَرَامٌ عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي حِلٌّ لِإِنَاثِهَا»(سنن أبي داود، اللباس، باب في الحرير للنساء، ح:٤٠٥٧ وسنن النسائي، ح:٥١٤٧ وسنن ابن ماجه، ح:٣٥٩٥ مختصرا وشرح معاني الآثار:٤/ ٢٥٠ واللفظ له)

"یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں کے لیے حرام اور عورتوں کے لیے حلال ہیں۔"

مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ سونے کی انگوٹھی یا بٹن یا کوئی بھی اور چیز استعمال کرے۔ سونے کی گھڑی استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے' اگر پالش سونے کی ہو یا گھڑی کی سوئیاں سونے کی ہوں یا اس میں سونے کے جیولز ہوں تو یہ اگرچہ جائز ہے لیکن پھر بھی ہم یہ نہیں کہیں گے کہ آپ سونے کی پالش والی گھڑی استعمال کریں کیونکہ اکثر لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ گھڑی پر صرف سونے کے پانی کی پالش ہے یا اس کے میٹریل میں سونے کی آمیزش ہے۔ لوگ ایسی گھڑی استعمال کرنے والے کے بارے میں بدگمانی کا اظہار کرتے ہیں یا پھر لوگ اس کی اقتداء کرنے لگ جاتے ہیں بشرطیکہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جن کی اقتداء کی جاتی ہے اور لوگ خالص یا ملے جلے سونے کو استعمال کرنے لگ جاتے ہیں۔ اگرچہ اس طرح کی پالش والی گھڑیاں استعمال کرنا حلال ہے مگر میری نصیحت یہ ہے کہ انہیں استعمال نہ کیا جائے' کیونکہ ایسی گھڑیوں کی وجہ سے جن کے استعمال میں کوئی شک و شبہ نہیں انسان ان سے بے نیاز ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ»(صحيح مسلم، المساقاة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ح:١٥٩٩)

"جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین و عزت کو بچا لیا۔"

اگر محض رنگ یا پالش نہ ہو بلکہ دھات میں سونے کی آمیزش ہو تو پھر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ایسی گھڑی کو مردوں کے لیے استعمال کرنا حرام ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

سونے کا دانت لگانا یا اس پر خول چڑھانا

سوال بیان کیا جاتا ہے کہ مرد کے لیے دانت کو سونے یا چاندی سے باندھنا جائز ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر سونے یا چاندی کا دانت لگوا لیا جائے یا اس پر سونے یا چاندی کا خول چڑھا لیا جائے تو کتاب و سنت کی دلیل کی روشنی میں بتائیں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز؟

جواب قولاً اور عملاً اصل ثابت یہ ہے کہ مردوں کے لیے سونے یا چاندی کے برتنوں کو استعمال کرنا یا ان چیزوں کو استعمال کرنا جنہیں سونے چاندی سے بنایا گیا ہو یا جن پر ان کی پالش کی گئی ہو حرام ہے۔ ان میں سے صرف وہ چیز جائز ہے

جس کے جواز کی کوئی دلیل ہو' مثلاً چاندی کی انگوٹھی یا سونے چاندی کے تار کے ساتھ ٹوٹے ہوئے برتن کو باندھنا۔ سونے اور چاندی کے دانت یا ناک لگوانا یا ان پر خول چڑھانا ممانعت سے مستثنیٰ نہیں ہے' لہٰذا اصل یہ ہے کہ یہ حرام ہے الّا یہ کہ اس کی ضرورت ہو تو پھر ضرورت کی وجہ سے یہ جائز ہو گا (یعنی جب سونے اور چاندی کے استعمال کے بغیر اور کوئی چارۂ کار ہی نہ ہو تو پھر نظریۂ ضرورت کے تحت جائز ہے۔) وباللہ التوفیق' و صلی اللہ علی محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

———— فتویٰ کمیٹی ————

ہاتھ میں گھڑی پہننا

سوال ہاتھ میں گھڑی پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے' بعض لوگ اس کی مخالفت کرتے ہوئے دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے؟

جواب ہماری رائے میں اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے کیونکہ عورتوں کی گھڑیاں الگ ہیں اور مردوں کی الگ ہیں اور اگر ایک جیسی بھی ہوں تو پھر بھی کوئی حرج نہیں جیساکہ چاندی کی انگوٹھی مردوں اور عورتوں سب کے لیے استعمال کرنا جائز ہے اور گھڑی سے مقصود اسے زینت یا زیور کے طور پر استعمال کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس سے مقصود تو اوقات کو معلوم کرنا ہوتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

———— شیخ ابن باز ————

گھڑی اور لوہے کی انگوٹھی پہننے کے بارے میں حکم

سوال کیا گھڑی کو پہننا اس لوہے کو پہننے کی طرح ہے' جس کی ممانعت ہے؟ دائیں ہاتھ میں گھڑی پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب انگوٹھی کی طرح گھڑی کے بھی دائیں یا بائیں ہاتھ میں پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نبی ﷺ کے بارے میں ثابت ہے کہ آپ نے دائیں ہاتھ میں بھی انگوٹھی پہنی ہے اور بائیں میں بھی۔[1] لوہے کی گھڑی اور انگوٹھی پہننے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ "صحیحین" میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شادی کرنے والے سے فرمایا تھا:

«اِلْتَمِسْ وَلَوْ كَانَ خَاتَمًا مِّنْ حَدِيدٍ»(صحيح البخاري، النكاح، باب السلطان ولي لقول النبي ﷺ زوجناكها بما معك من القرآن، ح:٥١٣٥ وصحيح مسلم، النكاح، باب الصداق وجواز كونه تعليم قرآن وخاتم حديد... الخ، ح:١٤٢٥)

"تلاش کرو خواہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔"

نبی ﷺ سے جو یہ روایت کیا جاتا ہے کہ آپ نے لوہے کے استعمال سے نفرت دلائی ہے تو یہ ایک شاذ اور اس حدیث صحیح کے مخالف روایت ہے۔

———— شیخ ابن باز ————

[1] صحیح مسلم' اللباس والزینۃ' باب فی خاتم الورق فصہ حبشی' حدیث:2094 و باب فی لبس الخاتم فی الخنصر ---' حدیث:2095

مردوں کے لیے زنجیریں استعمال کرنے کے بارے میں حکم

سوال: بعض لوگ جو گلے میں زنجیریں استعمال کرتے ہیں' ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: مردوں کے لیے زینت کے طور پر زنجیریں استعمال کرنا حرام ہے' کیونکہ یہ زنجیریں استعمال کرنا عورتوں کی عادت ہے اور اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے' صحیح بخاری میں ہے:

«لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب المتشبهين بالنساء والمتشبهات بالرجال، ح: ٥٨٨٥)

"رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر لعنت فرمائی ہے۔"

اور اگر یہ زنجیریں سونے کی ہوں تو حرمت اور گناہ میں اور بھی اضافہ ہو جائے گا کیونکہ ایک تو یہ سونے کی وجہ سے اور دوسرے عورتوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے حرام ہوں گی اور اگر زنجیر کے ساتھ کسی حیوان یا انسان کی تصویر بھی ہو تو قباحت میں اور بھی اضافہ ہو جائے گا اور اگر اس کے ساتھ صلیب ہو تو پھر گناہ کی شدت اور خباثت میں مزید اضافہ ہو جائے گا کیونکہ یہ حرام ہے حتیٰ کہ عورت کے لیے بھی کہ وہ کوئی ایسا زیور استعمال کرے جس پر انسان یا حیوان یا پرندے یا کسی اور جاندار چیز کی تصویر ہو یا جس پر صلیب کی تصویر ہو۔ یعنی جس چیز پر تصویر ہو تو وہ مردوں اور عورتوں سب کے لیے حرام ہے' کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ کوئی ایسی چیز پہنے جس پر کسی انسان یا حیوان یا صلیب کی تصویر ہو۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

سونے کے تمغے پہننے کے بارے میں حکم

سوال: میں نے بہادری کے بعض کارناموں میں شرکت کی جس کی وجہ سے مجھے سونے کا تمغہ' گھڑی اور قلم انعام کے طور پر ملے۔ سوال یہ ہے کہ سونے کی بنی ہوئی ان اشیاء کے استعمال کے بارے میں کیا حکم ہے؟ میں ان اشیاء کو کس طرح استعمال کر سکتا ہوں؟ کیا ان میں زکوٰۃ واجب ہے' زکوٰۃ کی مقدار کیا ہو گی؟ یاد رہے کہ مجھے یہ علم نہیں ہے کہ ان اشیاء میں سونے کی مقدار کتنی ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب: مردوں کے لیے سونے کا تمغہ' گھڑی یا قلم استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ عورتوں کے لیے سونے کے زیورات استعمال کرنا جائز ہے' لہٰذا آپ یہ اشیاء اپنی کسی قریبی رشتہ دار عورت کو دے دیں یا ان اشیاء کو استعمال کرنے سے پہلے ان سے سونا اتار دیں' دیگر زیورات کی طرح سونے کی ان اشیاء کی قیمت میں بھی زکوٰۃ ڈھائی فی صد ہو گی۔

——— شیخ ابن جبرین ———
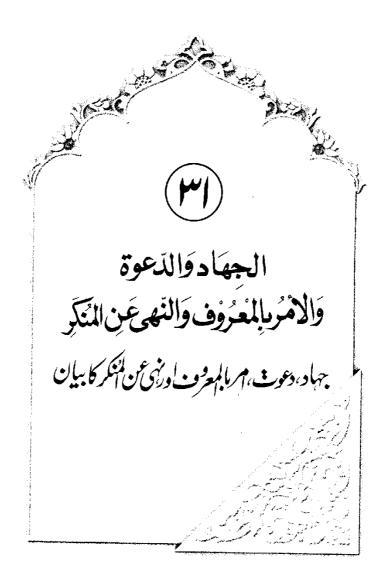
۳۱

الجهاد والدعوة والامر بالمعروف والنهي عن المنكر

جہاد، دعوت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بیان

جہاد' دعوت' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بیان

مسلمانوں کے لیے اپنے ملکوں کا دفاع جہاد ہے

سوال محاذ جنگ پر ڈیوٹی دینے والے آپ کے بیٹے آپ سے یہ پوچھتے ہیں کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کی طرح اجر و ثواب ملے گا--- آپ جانتے ہیں کہ انہیں ایک ایسے دشمن کا سامنا ہے جسے نہ کسی عہد کا پاس ہے اور نہ کسی حق کی حفاظت کا خیال؟ وہ آپ سے یہ پوچھتے ہیں کیا وطن' عزت اور مال کا دفاع بھی جہاد میں داخل ہے؟

جواب کتاب و سنت سے یہ ثابت ہے کہ جس شخص کی نیت نیک ہو اس کے لیے دشمن کی سرحد کے پاس ہمیشہ قیام رکھنا بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے' کیونکہ اللہ جل و علا کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱصْبِرُوا۟ وَصَابِرُوا۟ وَرَابِطُوا۟ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٢٠٠﴾ ﴾

(آل عمران۳/ ۲۰۰)

"اے اہل ایمان! (کفار کے مقابلے میں) ثابت قدم رہو اور استقامت رکھو اور (مورچوں پر) جمے (ڈٹے) رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ مراد حاصل کرو۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ خَيْرٌ مِّنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ، وَإِنْ مَاتَ، جَرٰى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِي كَانَ يَعْمَلُهُ، وَأُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ، وَأَمِنَ الْفَتَّانَ»(صحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الرباط في سبيل الله عزوجل، ح: ١٩١٣)

"(اللہ تعالیٰ کے راستہ میں) ایک دن ثابت قدم ہو کر جمے (ڈٹے) رہنا ایک ماہ کے روزوں اور قیام سے بہتر ہے' اگر وہ اس حال میں فوت ہو گیا تو اس کا وہ عمل جاری رہے گا جو وہ کیا کرتا تھا' اس کا اسے رزق بھی جاری کر دیا جائے گا اور وہ فتنے میں مبتلا کر دینے والے (شیطان) سے بھی محفوظ رہے گا۔" (اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں روایت کیا ہے)

"صحیحین" میں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا، وَمَوْضِعُ سَوْطِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا، وَالرَّوْحَةُ يَرُوحُهَا الْعَبْدُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوِ الْغَدْوَةُ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا»(صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب فضل رباط يوم في سبيل الله، ح: ٢٨٩٢ وصحيح مسلم، الإمارة، فضل الغدوة والروحة في سبيل الله، ح: ١٨٨١ مختصراً)

"اللہ کے راستہ میں ایک دن کا قیام دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے۔ جنت میں تم میں سے کسی

ایک کی ایک کوڑے کے برابر جگہ تمام دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سے بہتر ہے اور ایک شام یا ایک صبح جسے بندہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں بسر کرتا ہے وہ بھی دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے۔''

صحیح البخاری میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللهِ حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ»(صحيح البخاري، الجمعة، باب المشي إلى الجمعة، ح:٩٠٧)

''جس کے دونوں پاؤں اللہ کے راستہ میں غبار آلود ہو گئے' تو اسے اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ پر حرام قرار دے دیا ہے۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ دین' جان' اہل' مال' ملک اور اہل ملک کا دفاع جہاد ہے اور جو مسلمان اس راہ میں قتل ہو جائے' وہ شہید شمار ہو گا کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دَمِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ أَهْلِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ»(جامع الترمذي، الديات، باب ماجاء فيمن قتل دون ماله فهو شهيد، ح:١٤٢١ وسنن أبي داود، ح:٤٧٧٢ وسنن النسائي، ح:٤١٠٠ وسنن ابن ماجه:٢٥٨٠)

''جو مال کے دفاع میں قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے' جو دین کی وجہ سے قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے' جو اپنی جان کے دفاع میں قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کر دیا گیا تو وہ بھی شہید ہے۔''

محاذ جنگ پر دشمن کی سرحد کے پاس قیام کرنے والو! ہم آپ کو نصیحت کرتے ہیں کہ تقویٰ اختیار کرو' اپنے تمام اعمال کو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے اخلاص کے ساتھ سرانجام دو' نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرو' اللہ عزوجل کا ذکر کثرت سے کرو' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت استقامت کے ساتھ بجا لاؤ' اتفاق کو اختیار کرو اور اختلاف سے اجتناب کرو' اس سلسلہ میں نفس مطمئنہ کے ساتھ خود بھی صبر کرو اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرو' اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ حسن ظن رکھو اور اس کی تمام نافرمانیوں سے بچو۔ اس سلسلہ میں سورۃ الانفال کی حسب ذیل آیات بہت جامع ہیں:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا لَقِيتُمۡ فِئَةٗ فَٱثۡبُتُواْ وَٱذۡكُرُواْ ٱللَّهَ كَثِيرٗا لَّعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ ﴿٤٥﴾ وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَا تَنَٰزَعُواْ فَتَفۡشَلُواْ وَتَذۡهَبَ رِيحُكُمۡۖ وَٱصۡبِرُوٓاْۚ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿٤٦﴾ ﴾

(الأنفال٨/ ٤٥-٤٦)

''اے مومنو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم مراد حاصل کرو اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا کہ (ایسا کرو گے تو) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا اور صبر سے کام لو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

اللہ تعالیٰ آپ کو راہ راست پر رکھے' اپنے دین پر ثابت قدم رکھے' آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ حق کی مدد کرے اور آپ کی بدولت باطل اور اہل باطل کو ذلیل و رسوا کرے۔ انه ولی ذلک والقادر علیه۔

—— شیخ ابن باز ——

نماز خوف کب پڑھی جاتی ہے؟

سوال وہ سپاہی جن کی سرحدوں پر نصب اسلحہ پر ڈیوٹی ہے کیا وہ نماز خوف پڑھ سکتے ہیں؟ ان کے لیے جنگ نہ ہونے کی وجہ سے نماز خوف پڑھنا کیونکر جائز ہو گا؟

جواب مجاہدین کے لیے نماز خوف اس وقت ہے' جب وہ دشمن کے بالمقابل صف آرا ہوں یا جس وقت وہ دشمن کی طرف سے حملے کا خطرہ محسوس کرتے ہوں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً﴾ (النساء٤/ ١٠٢)

"اور (اے پیغمبر!) جب تم ان (مجاہدین کے لشکر) میں ہو اور ان کو نماز پڑھانے لگو تو چاہیے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ مسلح ہو کر کھڑی رہے' جب وہ سجدہ کر چکیں تو پرے ہو جائیں۔ پھر دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی' (ان کی جگہ) آئے اور ہوشیار اور مسلح ہو کر تمہارے ساتھ نماز ادا کرے۔ کافر اس گھات میں ہیں کہ تم ذرا اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ کہ تم پر یکبارگی حملہ کر دیں۔"

"صحیحین" میں صالح بن خوات سے روایت ہے انہوں نے ان صحابہ سے بیان کیا ہے' جنہوں نے غزوۂ ذات الرقاع کے دن نبی ﷺ کے ساتھ نماز خوف ادا کی تھی' وہ بیان کرتے ہیں:

«عَمَّنْ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلَاةَ الْخَوْفِ، أَنَّ طَائِفَةً صَفَّتْ مَعَهُ، وَطَائِفَةٌ وُجَاهَ الْعَدُوِّ، فَصَلَّى بِالَّذِينَ مَعَهُ رَكْعَةً، ثُمَّ ثَبَتَ قَائِمًا وَأَتَمُّوا لأَنْفُسِهِمْ، ثُمَّ انْصَرَفُوا فَصَفُّوا وُجَاهَ الْعَدُوِّ، وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الأُخْرَىٰ فَصَلَّى بِهِمُ الرَّكْعَةَ الَّتِي بَقِيَتْ، ثُمَّ ثَبَتَ جَالِسًا، وَأَتَمُّوا لأَنْفُسِهِمْ، ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ»(صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة ذات الرقاع، ح:٤١٢٩ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، ح:٨٤٢ واللفظ له)

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے نبی ﷺ کے ساتھ صف باندھی اور ایک جماعت دشمن کے بالمقابل تھی' آپ نے ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ تھے ایک رکعت نماز پڑھائی' آپ کھڑے رہے مگر انہوں نے اپنی نماز کو پورا کر لیا اور پھر جا کر دشمن کے بالمقابل صف آراء ہو گئے۔ پھر دوسری جماعت آگئی تو نبی ﷺ نے انہیں وہ رکعت پڑھا دی جو آپ کی باقی رہ گئی تھی۔ آپ یہ رکعت پڑھ کر بیٹھ گئے اور انہوں نے اپنی نماز کو پورا کر لیا تو آپ نے ان کے ساتھ سلام پھیر دیا۔" (یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں)

"صحیحین" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَاهُمْ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي لَنَا، فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَعَهُ وَأَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ، فَرَكَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِمَنْ مَعَهُ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ انْصَرَفُوا مَكَانَ الطَّائِفَةِ الَّتِي لَمْ تُصَلِّ فَجَاؤُوا فَرَكَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ

بِهِمْ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ، فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهِ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ»(صحيح البخاري، صلاة الخوف، باب صلاة الخوف، ح:٩٤٢ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، ح:٨٣٩)

"میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں شرکت کی' ہم نے دشمن کے سامنے ہو کر صفیں باندھیں تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی۔ ایک جماعت آپ کے ساتھ نماز میں شریک تھی' جب کہ دوسری جماعت دشمن کے سامنے صف آرا تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ جو آپ کے ساتھ تھے رکوع کیا اور دو سجدے کیے اور پھر یہ جماعت اس جماعت کی جگہ چلی گئی جس نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی تھی' وہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھی ایک رکوع اور دو سجدوں کے ساتھ ایک رکعت پڑھا دی اور پھر سلام پھیر دیا تو ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک رکوع اور دو سجدوں کے ساتھ ایک رکعت اپنے طور پر پڑھ لی۔" (یہ الفاظ صحیح بخاری کی روایت کے ہیں)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ صَلَاةَ الْخَوْفِ، فَصَفَّنَا صَفَّيْنِ: صَفٌّ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَالْعَدُوُّ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ، فَكَبَّرَ النَّبِيُّ ﷺ وَكَبَّرْنَا جَمِيعًا، ثُمَّ رَكَعَ وَرَكَعْنَا جَمِيعًا، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَرَفَعْنَا جَمِيعًا، ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُودِ وَالصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ، وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِي نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ ﷺ السُّجُودَ، وَقَامَ الصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ، وَانْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُودِ، وَقَامُوا، ثُمَّ تَقَدَّمَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ، وَتَأَخَّرَ الصَّفُّ الْمُقَدَّمُ، ثُمَّ رَكَعَ النَّبِيُّ ﷺ وَرَكَعْنَا جَمِيعًا، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَرَفَعْنَا جَمِيعًا، ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُودِ وَالصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ الَّذِي كَانَ مُؤَخَّرًا فِي الرَّكْعَةِ الْأُولٰى، وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِي نُحُورِ الْعَدُوِّ، فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ ﷺ السُّجُودَ وَالصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ، انْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُودِ، فَسَجَدُوا، ثُمَّ سَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ وَسَلَّمْنَا جَمِيعًا»

(صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، ح:٨٤٠)

"میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز خوف میں حاضر تھا' ہم نے دو صفیں باندھیں۔ ایک صف تو رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھی اور دشمن ہمارے اور قبلہ کے مابین تھا۔ نبی ﷺ نے اللہ اکبر کہا تو ہم سب نے بھی اللہ اکبر کہا' پھر آپ نے رکوع کیا تو ہم سب نے بھی رکوع کیا' پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو ہم سب نے بھی رکوع سے سر اٹھایا' پھر آپ نے سجدہ کیا اور اس جماعت نے سجدہ کیا جو آپ کے ساتھ ملی ہوئی تھی' جب کہ پچھلی صف دشمن کے سامنے کھڑی رہی' نبی ﷺ نے جب سجدے کو پورا کر لیا اور آپ کے ساتھ والی صف کھڑی ہو گئی تو پھر پچھلی صف نے سجدہ کیا اور پھر وہ کھڑے ہو گئے پھر پچھلی صف آگے آ گئی اور اگلی صف پیچھے چلی گئی' پھر نبی ﷺ نے رکوع کیا اور ہم سب نے رکوع کیا' پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو ہم سب نے بھی رکوع سے سر اٹھایا پھر آپ سجدہ میں چلے گئے تو وہ اگلی صف بھی سجدہ میں چلی گئی' جو آپ کے ساتھ تھی

یعنی جو پہلی رکعت کے وقت پیچھے تھی اور اب پچھلی صف دشمن کے سامنے کھڑی تھی۔ جب نبی ﷺ اور آپ کے ساتھ والی صف نے سجدہ پورا کر لیا تو پھر دوسری صف نے سجدہ کیا‘ پھر نبی ﷺ نے سلام پھیر دیا تو ہم سب نے بھی سلام پھیر دیا۔" (اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" میں روایت کیا ہے)

——— شیخ ابن باز ———

سب سے بڑا جہاد

سوال کیا جہاد فی سبیل اللہ کی تمام صورتیں ایک درجہ کی ہیں یعنی خواہ جہاد جان کے ساتھ ہو یا مال کے ساتھ یا دعا کے ساتھ جب کہ جان کے ساتھ جہاد کی قدرت بھی ہو؟

جواب جہاد کی کئی قسمیں ہیں‘ جان کے ساتھ‘ مال کے ساتھ‘ دعا کے ساتھ‘ رہبری و راہنمائی کے ساتھ‘ کسی بھی طریقے سے نیکی کے کام میں اعانت کے ساتھ لیکن سب سے بڑا جہاد جان کے ساتھ جہاد کرنا ہے‘ پھر مال کے ساتھ‘ رائے اور راہنمائی کے ساتھ‘ دعوت الی اللہ بھی جہاد ہے بہر حال جہاد بالنفس سب سے اعلیٰ درجے کا جہاد ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

مرحوم اور شہید

سوال مجھے معلوم ہوا ہے کہ میت کے لیے مرحوم اور شہید کے الفاظ استعمال کرنا جائز نہیں ہے‘ تو سوال یہ ہے کہ صحافی‘ ذرائع ابلاغ کے نمائندے اور عام لوگ ان کی بجائے کون سے الفاظ استعمال کریں؟

جواب ان میں سے پہلے لفظ یعنی مرحوم کے استعمال سے مقصود اگر خبر ہو تو یہ جائز نہیں‘ کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ اس پر رحم کیا گیا ہے یا نہیں اور اگر اس لفظ کے استعمال سے مقصود دعا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کسی کے لیے یہ کہیں کہ رَحِمَهُ اللهُ (اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے) یا یہ کہیں کہ غَفَرَ اللهُ لَهُ (اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے) تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

جہاں تک دوسرے لفظ "شہید" کے استعمال کا مسئلہ ہے‘ تو کسی کو شہید کہنے کے معنی یہ ہیں کہ آپ اس کے لیے شہادت کے حکم کا اثبات کر رہے ہیں اور یہ جائز نہیں ہے کیونکہ کسی شخص کے لیے یہ شہادت دینا کہ وہ شہید ہے‘ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ اس کے لیے حکم شہادت ثابت کر رہے ہیں اور حکم شہادت یہ ہے کہ وہ جنتی ہے‘ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَالشُّهَدَآءُ عِندَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ﴾ (الحدید ٥٧/ ١٩)

"اور جو اپنے پروردگار کے نزدیک شہید ہیں‘ ان کیلئے ان (کے اعمال) کا صلہ ہوگا اور ان (کے ایمان) کی روشنی۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿١٦٩﴾ ﴾ (آل عمران ٣/ ١٦٩)

"جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے‘ ان کو مرے ہوئے نہ سمجھنا (وہ مرے ہوئے نہیں ہیں) بلکہ اللہ کے

نزدیک زندہ ہیں اور ان کو رزق مل رہا ہے۔"

لہٰذا کسی شخص کے بارے میں نص یا مسلمانوں کے اجماع کے بغیر پورے وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ شہید ہے' اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک باب کا عنوان اس طرح قائم فرمایا ہے کہ (بَابٌ لَا يُقَالُ فُلَانٌ شَهِيدٌ) "یہ نہ کہا جائے کہ فلاں شخص شہید ہے" البتہ اگر کوئی شخص ایسی موت مرا جس کے بارے میں شارع نے حکم یہ بیان فرمایا ہو کہ جو شخص اس طرح کی موت مرے گا وہ شہید ہے' تو اس صورت میں بطور عموم یہ کہا جائے گا کہ جو شخص اس سبب سے مرے وہ شہید ہے لہٰذا امید ہے کہ یہ شخص بھی شہید ہو گا۔

اخبارات و رسائل میں اس طرح کے القاب ان لوگوں کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں' جن کے بارے میں وثوق سے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مومن ہیں' شہید ہونا تو بہت دور کی بات ہے' ہر انسان کو چاہیے خواہ وہ صحافی ہو یا غیر صحافی کہ وہ جو بات بھی کرے احتیاط سے کرے' کیونکہ اس نے جو کچھ بھی کہا ہو گا' اس کے بارے میں سوال ہو گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾ ﴾ (ق: ۵۰/ ۱۸)

"کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان (اس کو محفوظ کرنے کیلئے) اس کے پاس تیار رہتا ہے۔"

اگر کوئی کسی ایسے شخص کے بارے میں گفتگو کرے' جو کسی ایسے سبب سے فوت ہوا ہو' جس کے بارے میں گمان یہ ہوتا ہے کہ جو اس طرح فوت ہو تو وہ شہید ہے' تو اس طرح کہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو اس سبب سے فوت ہو گا تو وہ شہید شمار ہو گا لیکن اس طرح کے کسی معین شخص کے بارے میں یہ نہ کہے کہ وہ شہید ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

منشیات کے خلاف مقابلہ میں قتل ہونے والا شہید ہے

سوال اس میں کوئی شک نہیں کہ منشیات کے مقابلے کا ادارہ ان راستوں کے بند کرنے کے لیے جہاد کر رہا ہے' جن سے منشیات کا زہر اس پاک سرزمین میں آتا ہے۔ ان زہروں کو رواج دینے والے اگرچہ بڑے ہوشیار ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد اور پھر منشیات کے مقابلہ کے ادارہ کے کارکنوں کی قوت و عزیمت سے منشیات کے سمگلروں کی کوششیں ناکام ہو گئی ہیں۔ سماحۃ الشیخ! میرا سوال یہ ہے کہ منشیات کے سمگلروں سے مقابلہ کرتے ہوئے اس ادارے کا جو شخص قتل ہو جائے' کیا وہ شہید شمار ہو گا؟ اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو اس ادارہ کے کارکنوں کو منشیات کے سمگلروں کے اڈوں کے بارے معلومات فراہم کرے تاکہ وہ ان پر چھاپہ مار سکیں؟ فتویٰ عطا فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے۔

جواب بے شک مسکرات اور منشیات کی روک تھام عظیم ترین جہاد ہے اور یہ بہت اہم فریضہ ہے کہ ان اشیاء کی روک تھام کے لیے معاشرے کے افراد آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں کیونکہ ان کی روک تھام میں سب کی مصلحت اور ان کے پھیلانے اور رواج دینے میں سب کا نقصان ہے۔ جو شخص اس شر کا مقابلہ کرتے ہوئے قتل ہو جائے اور اس کی نیت بھی اچھی ہو تو وہ شہید ہے۔ جو شخص ان کے اڈوں کے بارے میں ذمہ دار لوگوں تک معلومات پہنچائے تو

اسے بھی یقیناً اجر و ثواب ملے گا اور وہ اس کی وجہ سے راہ حق' مسلمانوں کی مصلحت اور معاشرے کو نقصان دہ امور سے بچانے والا مجاہد شمار ہو گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ منشیات کے رواج دینے والوں کو ہدایت دے' انہیں رشد و بھلائی عطا فرمائے' انہیں اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے دشمن شیطان کی چالوں سے بچائے' ان کا مقابلہ کرنے والوں کو حق تک پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے' اپنے فرض کو ادا کرنے کے لیے ان کی اعانت کرے' انہیں ثابت قدمی عطا فرمائے اور شیطان کی پارٹی کے خلاف انہیں نصرت و اعانت سے سرفراز فرمائے۔ انہ خیر مسئوول۔

——— شیخ ابن باز ———

اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے زیادہ طاقت ور ہونے کا سبب

سوال ہم یہ بات تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم سب اور تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار اور فرماں بردار اور اس پر ایمان رکھنے والے ہیں لیکن ہماری معیشت اور ہماری زندگی کی چابیاں ہمارے ان دشمنوں کے ہاتھوں میں ہیں جو مشرک اور ملحد ہیں تو اس میں کیا راز ہے؟

جواب مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے اور کائنات میں صرف وہی ہوتا ہے جس کا وہ ارادہ فرمائے' جو اللہ تعالیٰ چاہے' وہ ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے' منع کرتا اور عطا فرماتا ہے' بیمار کرتا اور شفا دیتا ہے' جو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو وہ روک لے اسے کوئی دینے والا نہیں۔ انسان کو جن آلام و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ اس کی تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں' یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں لوح محفوظ میں لکھا ہوتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ ہی اپنے مومن' مصلح اور اہل صدق و اخلاص بندوں کی حفاظت کرتا ہے اور انہیں نصرت و اعانت سے سرفراز فرماتا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِن تَنصُرُوا۟ ٱللَّهَ يَنصُرْكُمْ ﴾ (محمد ۴۷/ ۷)

''اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا۔''

اللہ تعالیٰ قوت کے ساتھ ان کی مدد فرماتا ہے' فرشتوں کو نازل فرماتا ہے تاکہ وہ ان کے ساتھ مل کر لڑیں' نیز اللہ تعالیٰ ان سے دشمنوں کی چالوں کو دور فرماتا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ۞ إِنَّ ٱللَّهَ يُدَٰفِعُ عَنِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ ﴾ (الحج ۲۲/ ۳۸)

''اللہ تو مومنوں سے ان کے دشمنوں کو ہٹاتا رہتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کافروں کے ان حیلوں کو باطل کرتا رہتا ہے' جن کے ساتھ وہ مسلمانوں کو ڈراتے رہتے ہیں' خواہ یہ حیلے اور اسباب ایٹمی اور کیمیاوی بموں ہی کی صورت میں کیوں نہ ہوں۔ یہ تمام اسباب و وسائل اللہ تعالیٰ کے غلبہ و قدرت کے تحت ہیں۔ یہ لوگ بندوں پر اسی وقت غالب آتے ہیں' جب بندگان الٰہی حق کی مخالفت اور نافرمانی کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ شرک کرتے ہیں' کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کوئی سند نازل نہیں کی' فسق و فجور کا اظہار کرتے ہیں' عبادات کو ترک کر دیتے ہیں' مسجدوں میں جانا چھوڑ دیتے ہیں' جمعہ و جماعت سے پیچھے رہتے ہیں' زنا اور بدکاری کا ارتکاب کرتے ہیں' شرابیں پیتے ہیں اور منشیات استعمال کرتے ہیں' نمازوں کو ضائع کرتے اور خواہشات نفسانی کی پیروی کرتے

ہیں' تو ان حالات میں اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیتا ہے' جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر فرعون کو مسلط کر دیا تھا اور فرعونیوں نے بنی اسرائیل کو بدترین قسم کے عذاب میں مبتلا کر دیا تھا۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِذَا عَصَانِي مَنْ يَعْرِفُنِي سَلَّطْتُ عَلَيْهِ مَنْ لاَ يَعْرِفُنِي»(البداية والنهاية: ١٣/ ٨٨)

"جب کوئی ایسا شخص میری نافرمانی کرتا ہے' جو مجھے پہچانتا ہے تو میں اس پر کسی ایسے شخص کو مسلط کر دیتا ہوں جو مجھے نہیں پہچانتا۔"

ان ایام میں بھی یہ لوگ ان پر مسلط ہیں' جنھوں نے احکام شرعیہ کو معطل کر دیا ہے' ان کی بجائے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کو اختیار کر لیا ہے' بہت سی حرام اشیاء کو حلال قرار دے لیا ہے اور فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی کر رہے ہیں تو ان پر اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلط کر دیا ہے کہ وہ انہیں قتل کر رہے ہیں' قیدی بنا رہے ہیں اور لوٹ رہے ہیں۔ جب بھی اہل اسلام اپنے صحیح دین کی طرف رجوع کر لیں گے' تو اللہ تعالیٰ بھی انہیں ان کی عظمت رفتہ واپس لوٹا دے گا اور اپنی نصرت و توفیق سے سرفراز فرما دے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَهِنُوا۟ وَلَا تَحْزَنُوا۟ وَأَنتُمُ ٱلْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾ ﴾ (آل عمران ٣/ ١٣٩)

"اور (دیکھو) دل شکستہ نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔"

—— شیخ ابن جبرین ——

مجاہدین کے یتیم بچوں کی کفالت

سوال یتیم کی کفالت کا کیا اجر و ثواب ملتا ہے؟ کیا افغان مجاہدین کے یتیم بچوں کی کفالت سے بھی اجر و ثواب ملے گا یا نہیں؟

جواب نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا»(صحيح البخاري، الأدب، باب فضل من يعول يتيمًا، ح: ٦٠٠٥)

"میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ان (دو انگلیوں) کی طرح ہوں گے۔"

آپ ﷺ نے یہ انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ یتیم کی کفالت' تربیت' اس پر خرچ کرنا اور اس کی بہتری کے لیے کوشش کرنا' یہ سب اجر و ثواب کے کام ہیں اور افغان مجاہدین کے یتیم بچوں کی کفالت کی وجہ سے بھی یہ اجر و ثواب ضرور ملے گا۔

—— شیخ ابن جبرین ——

منافقوں اور کافروں سے جہاد میں فرق

سوال اس جنگ میں مقابلہ کے لیے سب سے بہترین طریقہ کیا ہے' جو بعض نام نہاد مسلمانوں ہی کی طرف سے اسلام کے خلاف برپا کی جا رہی ہے' خواہ یہ نام نہاد مسلمان سیکولر ہوں یا کوئی اور؟

جواب امت اسلامیہ کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ ہر اس ہتھیار کا مناسب طریقے سے مقابلہ کرے' جس کا رخ اسلام کی طرف ہو۔ جو لوگ اپنے افکار و اقوال کے ساتھ اسلام کے ساتھ جنگ کرتے ہیں' تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ نظری' عقلی اور شرعی دلائل کے ساتھ ثابت کریں کہ ان کے یہ افکار و اقوال باطل ہیں۔ جو لوگ اقتصادی پہلو سے اسلام کے ساتھ جنگ کرتے ہیں' تو ان سے بھی اس پہلو سے مقابلہ کرنا چاہیے اور ان کے سامنے یہ حقیقت واضح کر دینی چاہیے کہ اقتصادیات کی اصلاح اور بہتری کیلئے بھی سب سے بہترین طریقہ اسلام کا عادلانہ معاشی نظام ہے اور جو لوگ اسلحہ کے ساتھ اسلام سے جنگ کرتے ہیں' تو واجب ہے کہ اسی طرح کے اسلحہ کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا جائے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ جَـٰهِدِ ٱلْكُفَّارَ وَٱلْمُنَـٰفِقِينَ وَٱغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ ٱلْمَصِيرُ ﴿٩﴾ ﴾

(التحريم٦٦/ ٩)

"اے نبی! کافروں اور منافقوں سے لڑو اور ان پر سختی کرو' ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔"

یاد رہے کہ منافقوں کے ساتھ جہاد کافروں سے جہاد کی طرح نہیں ہے' کیونکہ منافقوں سے تو علم و بیان مگر کافروں سے جہاد شمشیر و سناں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مسلمان نوجوانوں میں بیداری کی تحریک

سوال اس وقت سارے عالم اسلام کے نوجوانوں میں بیداری کی جو تحریک ہے' اس کے بارے میں آپ کے کیا ارشادات ہیں؟

جواب یہ تحریک ہر مومن کے لیے باعث مسرت ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اسے اسلامی تحریک یا اسلامی تجدید و نشاط کی تحریک کے نام سے موسوم کرنا چاہیے۔ اس تحریک کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے اور اسے کتاب و سنت کے دامن سے وابستہ رہنے کی تلقین کی جانی چاہیے اور قائدین اور کارکنوں کو نصیحت کی جائے کہ وہ غلو اور افراط سے اجتناب کریں تاکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل ہو سکے:

﴿ يَـٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَـٰبِ لَا تَغْلُوا۟ فِى دِينِكُمْ ﴾ (النساء٤/ ١٧١)

"اے اہل کتاب! اپنے دین (کی بات) میں ناحق مبالغہ نہ کرو۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّينِ»(سنن النسائي، مناسك الحج، باب التقاط الحصى، ح:٣٠٥٩)

"دین میں ناحق مبالغہ سے بچو' کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو دین میں ناحق مبالغہ نے ہی تباہ و برباد کر دیا تھا۔"

نیز نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ، قَالَهَا ثَلَاثًا»(صحيح مسلم، العلم، باب هلك المتنطعون، ح:٢٦٧٠)

"غلو کرنے والے ہلاک ہو گئے' آپ نے یہ بات تین بار ارشاد فرمائی۔"

واجب یہ ہے کہ یہ نوجوان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ رکھیں اور اس سے ہمیشہ توفیق' دلوں اور عملوں کی درستی اور حق پر ثابت قدمی طلب کرتے رہیں' قرآن کریم کی گہرے تدبر اور غور و فکر سے تلاوت کرتے رہیں اور دین کے دوسرے بڑے ماخذ سنت مطہرہ پر عمل کرتے رہیں' کیونکہ سنت مطہرہ کتاب اللہ کی تفسیر ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴾ (النحل١٦/ ٤٤)

"اور ہم نے تم پر بھی یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوتے ہیں وہ ان کے لیے بیان کر دو اور تاکہ وہ غور کریں۔"

نیز اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ وَمَآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ ٱلَّذِى ٱخْتَلَفُوا۟ فِيهِ ۙ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴾

(النحل١٦/ ٦٤)

"اور ہم نے جو تم پر کتاب نازل کی ہے تو اس لیے کہ جس امر میں ان لوگوں کو اختلاف ہے تم اس کا فیصلہ کر دو اور (یہ) مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دینے والوں پر بھی واجب ہے کہ وہ اس اسلامی تحریک کے ساتھ تعاون کریں' تحریک سے وابستہ لوگوں سے تبادل افکار کرتے رہیں اور ان شکوک و شبہات کو دور کرنے کی کوشش کرتے رہیں' جو تحریک سے وابستہ بعض لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے رہتے ہیں' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تم ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔"

——— شیخ ابن باز ———

دعوت الی اللہ کا کام کس پر واجب ہے؟

سوال کیا دعوت الی اللہ کا کام ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب ہے یا یہ صرف علماء اور طلبہ کا کام ہے؟

جواب جب انسان کو اس چیز کی بصیرت حاصل ہو' جس کی طرف وہ دعوت دے رہا ہو تو پھر اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ وہ کوئی بہت بڑا اور ممتاز عالم ہے یا کوئی طالب علم یا ایک عام مسلمان' لیکن شرط یہ ہے کہ اسے مسئلہ کا یقینی علم ہو' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً»(صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، ح:٣٤٦١)

"میری طرف سے (آگے) پہنچاؤ خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔"

داعی کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ اس کے پاس بہت زیادہ علم ہو' البتہ یہ شرط ہے کہ وہ جس بات کی طرف دعوت دے رہا ہو اس کا اسے ضرور علم ہو' جہالت یا محض جذبات کی بنیاد پر دعوت دینا جائز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے وہ بھائی جو دعوت الی اللہ کا کام کرتے ہیں اور ان کے پاس علم کی کمی ہوتی ہے تو وہ محض اپنی خواہش سے کئی

ایسی چیزوں کو حرام قرار دے دیتے ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار نہیں دیا ہوتا اور کئی ایسی چیزوں کو واجب قرار دے دیتے ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب قرار نہیں دیا ہوتا اور یہ بہت خطرناک بات ہے' کیونکہ حلال کو حرام قرار دینا بھی اسی طرح ہے جس طرح حرام کو حلال قرار دیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باتوں کو ایک جیسا قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿١١٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١٧﴾ ﴾ (النحل١٦/ ١١٦-١١٧)

"اور یونہی جھوٹ سے جو تمہاری زبان پر آ جائے مت کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنے لگو۔ بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ (جھوٹ کا) فائدہ تو تھوڑا سا ہے مگر (اس کے بدلے) ان کو عذاب دردناک ہو گا۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

دعوت الی اللہ کے کامیاب طریقے

سوال آپ کی نظر میں اس دور میں دعوت الی اللہ کے لیے کامیاب طریقے کیا ہیں؟

جواب اس دور میں سب سے کامیاب اور مفید طریقہ یہ ہے کہ ذرائع ابلاغ کو استعمال کیا جائے' کیونکہ یہ اسباب و ذرائع بہت کامیاب ہیں' یہ دو دھار والے ہتھیار ہیں۔ اگر ریڈیو' صحافت اور ٹیلی وژن وغیرہ ذرائع و اسباب کو دعوت الی اللہ اور اس دین کی طرف لوگوں کی راہنمائی کے لیے استعمال کیا جائے' جسے رسول اللہ ﷺ لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے تو یہ ایک بہت بڑی بات ہو گی۔ امت کے افراد جہاں جہاں بھی ہوں گے اللہ تعالیٰ انہیں اس سے نفع پہنچائے گا بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ غیر مسلموں کو بھی فائدہ پہنچائے گا' وہ بھی دین اسلام کو سمجھنے' اس کے محاسن کو جاننے اور دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی کے راستہ کو پہچاننے لگیں گے۔

مبلغین اور مسلمان حکمرانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ دعوت الی اللہ کے کام میں ریڈیو' صحافت' ٹیلی وژن اور محفلوں میں خطابت کے طریقے سے جس طرح بھی ممکن ہو مقدور بھر حصہ لیں' جمعہ اور دیگر مواقع پر خطاب بھی دعوت الی اللہ کا ایک طریقہ ہے۔ الغرض ان طریقوں کو بھی اور ان کے علاوہ دیگر طریقے جو ممکن ہوں' ان سب کو استعمال کریں اور لوگوں تک دین حق کو تمام زبانوں میں پہنچائیں جو آج دنیا میں استعمال ہو رہی ہیں تاکہ دنیا کے تمام لوگوں تک ان کی اپنی زبان میں دعوت اور نصیحت پہنچ جائے۔ اس بات کی قدرت رکھنے والے تمام علماء' مسلمان حکمران اور مبلغین پر یہ واجب ہے تاکہ دنیا کے تمام اطراف و اکناف میں دنیا بھر میں بولی جانے والی بولیوں میں پیغام حق کو پہنچایا جا سکے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھی اس بات کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا:

﴿ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ﴾ (المائدۃ٥/ ٦٧)

"اے نبی! جو ارشادات اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب (لوگوں کو) پہنچا دو۔"

رسول اللہ ﷺ پر واجب تھا کہ آپ دین کو دوسرے لوگوں تک پہنچائیں بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر یہ واجب تھا'

اسی طرح حضرات انبیاء کرام کے پیروکاروں پر بھی یہ واجب ہے' اسی لیے تو نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

«بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً»(صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، ح: ٣٤٦١)

"میری طرف سے آگے پہنچاؤ خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔" جب آپ ﷺ لوگوں کو خطبہ دیتے تو ارشاد فرماتے:

«فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ»(صحيح البخاري، الحج، باب الخطبة أيام منى، ح:١٧٤١ وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها ... الخ، ح: ١٣٥٤ مختصرا)

"جو شخص یہاں حاضر ہے' وہ (یہ بات) اس تک بھی پہنچا دے' جو یہاں موجود نہیں ہے' ہو سکتا ہے کہ وہ شخص جس تک بات پہنچائی جائے وہ سننے والے سے بھی اسے زیادہ یاد رکھنے والا ہو۔"

تمام امت کے لیے یہ واجب ہے' خواہ وہ حکام ہوں یا علماء یا تجار یا دوسرے لوگ کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اس دین کو آگے پہنچائیں اور دنیا میں استعمال ہونے والی مختلف زندہ زبانوں میں واضح اسلوب کے ساتھ لوگوں کے سامنے دین کی تشریح کریں اور احسن انداز میں اسلام کے محاسن' حکمتوں اور فوائد کو اجاگر کریں تاکہ دین کی حقیقت کو دشمن بھی جان جائیں اور ناواقف اور دلچسپی رکھنے والے لوگ بھی پہچان جائیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

کامیاب دعوت کی شرطیں اور کتابیں

سوال کامیاب دعوت کون سی ہے' کس طرح معلوم کیا جائے کہ یہ دعوت کامیاب ہے؟ اللہ کے دین کی تبلیغ کرنے والوں میں کیا شرطیں ہونی چاہئیں؟ اس موضوع کی چند کتب کی بھی نشان دہی فرمائیں؟

جواب 1 سب سے کامیاب دعوت تو یہ ہے کہ علم و بصیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دی جائے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَآ إِلَى ٱللَّهِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا وَقَالَ إِنَّنِى مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ ﴿٣٣﴾ ﴾
(حم السجدة٤١/ ٣٣)

"اور اس شخص سے بات کا اچھا کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور عمل نیک کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔"

اور فرمایا:

﴿ قُلْ هَٰذِهِۦ سَبِيلِىٓ أَدْعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِى ﴾ (يوسف١٢/ ١٠٨)

"کہہ دیجئے میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں (از روئے یقین و برہان) سمجھ بوجھ کر میں بھی (لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں) اور میرے پیرو بھی۔"

2 کامیاب دعوت وہ ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ماخوذ ہو اور اس پر اسانید صحیحہ سے صحابہ' تابعین اور تبع تابعین کا عمل ثابت ہو۔

3 اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دینے والے میں‘ جو شرطیں ہونی چاہئیں تو وہ اس طرح کی ہونی چاہئیں جس طرح کی اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کے قصے میں درج ذیل آیت میں بیان فرمائی ہیں:

﴿ قَالَ يَٰقَوْمِ أَرَءَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ ۚ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿٨٨﴾ ﴾

(ہود ۱۱/ ۸۸)

”انہوں نے کہا اے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنے ہاں سے مجھے نیک روزی دی ہو (تو کیا میں ان کے خلاف کروں گا؟) اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں‘ میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے (تمہارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں اور (اس بارے میں) مجھے توفیق کا ملنا اللہ ہی (کے فضل) سے ہے‘ میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔“

اس آیت میں علم اور کسب حلال کی شروط کا بیان ہے اور اس بات کا ذکر کہ انسان جس کی دعوت دے اس پر خود بھی عمل کرے‘ جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس سے اجتناب کرے‘ جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اسے بجالائے‘ نیت کو نیک رکھے‘ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے‘ اس کی ذات گرامی پر توکل کرے کہ اسی کے ہاتھ میں توفیق دینا اور رشد و بھلائی کا الہام کرنا ہے۔

دعوت الی اللہ کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے‘ جو حسب ذیل آیت میں مذکور ہے:

﴿ ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ ﴾ (النحل۱۶/ ۱۲۵)

”(اے پیغمبر!) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔“

داعی کو صبر کے زیور سے بھی آراستہ ہونا چاہیے‘ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ ﴾ (النحل۱۶/ ۱۲۷)

”(اے نبی!) صبر کیجئے‘ اور تمہارا یہ صبر بھی اللہ ہی (کی توفیق) سے ہے۔“

اور فرمایا:

﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ﴿٢٨﴾ ﴾

(الکہف۱۸/ ۲۸)

”اور جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں ان کے ساتھ صبر کرتے رہو اور تمہاری نگاہیں ان میں سے (گزر کر اور طرف) نہ دوڑیں کہ تم آرائش زندگانی دنیا کے خواستگار ہو جاؤ اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے اس کا کہنا نہ ماننا۔“

4 اس موضوع سے متعلق کتب میں سرفہرست تو قرآن کریم ہے لہٰذا اسے حفظ کر لو، کثرت کے ساتھ اور گہرے غور و فکر اور تدبر کے ساتھ تلاوت کرو، اس کے مطابق عمل کرو اور لوگوں کو بھی اس کی دعوت دو اور اس کے ساتھ ہی سنت رسول اللہ ﷺ کو بھی ملالو، کیونکہ سنت رسول اللہ ﷺ ہی قرآن مجید کی تفسیر و تشریح ہے۔ کتب سنت میں سے اہم کتابیں صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطا مالک، مسند امام احمد، سنن ابی داود، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور دیگر کتب سنت بطور خاص قابل ذکر ہیں، علاوہ ازیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ان کے شاگرد رشید امام ابن قیم اور ائمہ دعوت شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیروکاروں کی کتب کا مطالعہ بھی ضرور فرمائیں۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

اختلاف رحمت نہیں ہے

سوال آپ نے اپنی کتاب "زاد الداعية الى الله عزو جل" میں لکھا ہے کہ "فرقہ بندی اور گروہ بندی سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن کے سوا اور کسی کی آنکھ ٹھنڈی نہیں ہو سکتی" جب کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ "میری امت کا اختلاف رحمت ہے" تو اس اختلاف سے جو رحمت ہے، کیا مراد ہے اور آپ نے اپنی کتاب میں جس تفرقہ بازی کی طرف اشارہ کیا ہے، اس سے کیا مقصود ہے؟ حفظکم اللہ۔

جواب یہ حدیث جس کا سائل نے ذکر کیا ہے ضعیف ہے۔ صحیح سند سے یہ نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ۝١١٨ إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ ﴾ (هود١١/١١٨۔١١٩)

"اور وہ ہمیشہ (باہم) اختلاف کرتے رہیں گے سوائے ان لوگوں کے جن پر رحم کیا آپ کے رب نے اور اسی لیے اس نے پیدا کیا ان کو۔"

اللہ تعالیٰ نے اختلاف کو ان لوگوں کی صفت قرار دیا ہے جن پر وہ رحم نہیں فرماتا، لہٰذا امت کو اختلاف نہیں کرنا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ ہے کہ اختلاف نہ کرے۔ میرے کہنے کا یہ مقصد نہیں کہ اقوال مختلف نہ ہوں کیونکہ اقوال تو مختلف ہوتے ہیں، بلکہ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ دلوں میں اختلاف نہ ہو۔

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ حدیث صحیح یا حجت ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ امت کی آراء میں جو اختلاف ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے تحت داخل ہے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ مجتہدین پر رحم فرمائے گا خواہ اجتہاد میں ان کے مابین اختلاف ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی اگر مجتہد اجتہاد سے کام لے اور اس کا اجتہاد غلط بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے سزا نہیں دے گا جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ، ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ» (صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، ح:٧٣٥٢ وصحيح مسلم، الأقضية، باب بيان أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، ح:١٧١٦)

"جب کوئی حاکم فیصلہ کرے اور اجتہاد سے کام لے اور اس کا اجتہاد درست ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور

جب وہ کوئی فیصلہ کرے اور اجتہاد سے کام لے اور اس کا اجتہاد غلط ہو تو پھر بھی اس کے لیے ایک اجر ہے۔“
اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس کے یہ معنی ہیں ورنہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے‘ لہٰذا ”زاد الداعیة“ میں جو کچھ ذکر کیا (لکھا) گیا ہے اس میں اور صحیح حدیث میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مختلف جماعتوں میں تعاون کے ضابطے

سوال بلاشک و شبہ دعوت کی کامیابی اور لوگوں کے ہاں اس کے قابل ہونے کے لیے یہ ازبس ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دینے والوں کا آپس میں تعاون ہو۔ سوال یہ ہے کہ اسلامی دنیا میں بہت سی جماعتیں دعوت کا کام کر رہی ہیں۔ ہر جماعت کا اسلوب اور طریقہ مختلف ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عقیدہ جیسے بہت سے اہم مسائل میں آپس میں اختلاف بھی ہے‘ تو آپ کے نزدیک ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرنے اور تعاون کرنے کے لیے کیا ضابطے ہو سکتے ہیں؟ اس مسئلہ میں آپ کی راہنمائی کی ضرورت ہے۔ وفقکم اللہ

جواب اس قسم کے اختلاف کی موجودگی میں ضابطہ یہ ہے کہ ہم اس کی طرف رجوع کریں‘ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت کریمہ میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡۖ فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلًا ۝٥٩﴾ (النساء ٤/ ٥٩)

”اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو‘ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔“

اور فرمایا:

﴿ وَمَا ٱخۡتَلَفۡتُمۡ فِيهِ مِن شَيۡءٖ فَحُكۡمُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِۚ ﴾ (الشوری ٤٢/ ١٠)

”اور تم جس بات میں اختلاف کرو تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف سے ہوگا۔“

جو شخص عقیدہ یا عمل میں یعنی علمی یا عملی امور میں راہ راست سے بھٹک جائے‘ واجب ہے کہ اس کے سامنے حق کو واضح کر دیا جائے۔ اگر وہ حق کی طرف رجوع کر لے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے بہت بڑی نعمت ہوگی اور اگر وہ رجوع نہ کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی آزمائش ہوگی۔ ہم پر واجب یہ ہے کہ ہم اس کی اس غلطی کو واضح کر دیں‘ جس میں وہ واقع ہو چکا ہے اور مقدور بھر اسے اس غلطی سے بچائیں اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس بھی نہ ہوں‘ بلاشبہ اس نے بڑی بڑی بدعات کا ارتکاب کرنے والے کئی لوگوں کو حق کی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور پھر وہ اہل سنت میں شامل ہو گئے۔

ہم میں سے بہت سے لوگوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ چالیس سال تک فرقہ معتزلہ سے وابستہ رہے‘ پھر کچھ عرصہ تک قدرے ان سے ہٹے رہے‘ اور بالآخر تاویل اور اعتزال کے تمام راستوں کو چھوڑ کر سب

سے سیدھے راستہ یعنی اہل سنت والجماعت کے مذہب سے وابستہ ہو گئے۔ فالحمدلله علی ذلک. حاصل کلام یہ کہ عقیدہ سے متعلق مسائل بہت اہم ہیں۔ اگر ان میں کوئی کمی ہو تو واجب ہے کہ نصیحت کی جائے جیسا کہ علمی امور میں نصیحت کرنا بھی واجب ہے' اگرچہ اہل علم میں زیادہ تر اختلاف عملی مسائل میں ہے' علمی اور عقیدہ سے متعلق مسائل میں اختلاف زیادہ نہیں ہے۔ البتہ بعض مسائل میں بہت اختلاف ہے مثلاً آگ کے فنا ہونے کا مسئلہ' عذاب برزخ کا مسئلہ' میزان کا مسئلہ' یہ مسئلہ کہ کس چیز کا وزن ہو گا اور اس طرح کے دیگر مسائل میں کافی اختلاف ہے لیکن ان مسائل میں اختلاف کا اگر آپ عملی مسائل میں اختلاف سے مقابلہ کریں تو یہ بہت معمولی اختلاف معلوم ہو گا وللہ الحمد! بہرحال ہم پر واجب ہے کہ جو شخص بھی علمی یا عملی مسائل میں اختلاف کرے' ہم از راہ نصیحت و ہمدردی حق کو اس کے سامنے بالکل واضح کر دیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نوجوانان دعوت کے لیے نصیحتیں ---

سوال اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہُ وَالصَّلاَۃُ وَالسَّلاَمُ عَلٰی مَنْ لاَّ نَبِیَّ بَعْدَہُ وَبَعْد:

ہم ایک بستی میں ان بدعات کی وجہ سے بے حد قلق و اضطراب کی زندگی بسر کر رہے ہیں' جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ امید ہے کہ ان بدعات سے متعلق ہمیں شافی جواب عطا فرما کر راہنمائی فرمائیں گے تاکہ ہم فتنہ و فساد میں مبتلا ہونے کی بجائے اسلام کی صحیح تعلیمات پر عمل کریں' بدعات کو ترک کر دیں اور اپنی بستی کے لوگوں کو بھی سمجھائیں۔ براہ کرم اس موضوع کی اچھی اچھی کتب کی طرف بھی راہنمائی فرمائیں --اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو خیر و ہدایت سے سرفراز فرمائے--!

ثانیا: ہم نوجوان تو بحمد اللہ دین کی طرف مائل ہیں مگر ہمیں اپنے آباء کی طرف سے سختیوں اور مشکلات کا سامنا ہے کیونکہ وہ مادیت میں مبتلا اور دینی امور سے یکسر غافل ہو چکے ہیں' لہٰذا کچھ ایسی بہترین کتب کی بھی نشان دہی فرمائیں جو بدعات سے پاک ہوں اور راہ راست کی طرف راہنمائی کرنے میں مفید ثابت ہوں۔ ہمارے آباء دین کی طرف متوجہ ہونے اور جہالت' خرافات اور بدعات کے انکار کی وجہ سے ہمیں ہماری ضروریات سے بھی محروم کر رہے ہیں' لہٰذا کچھ کتابوں کی فہرست ضرور ارسال فرمائیں تاکہ اگر ہمارے لیے ممکن ہو تو ہم ان میں سے کچھ خرید لیں اور علم و بصیرت کی بنیاد پر اپنے رب کی عبادت کریں۔ کیا یہ بات صحیح ہے کہ کچھ احادیث موضوع اور ضعیف بھی ہیں' سوال یہ ہے کہ ہم انہیں کس طرح پہچانیں خصوصاً جب کہ یہ بعض ائمہ کی زبان پر بھی عام ہیں؟

ثالثا: یہ جو شاذلیہ' احمدیہ' سعدیہ اور برہانیہ وغیرہ مختلف طریقے ہیں' ان کی کیا حقیقت ہے؟ ہم ان کی کس طرح تردید کریں؟ اس موضوع پر شافی کتب کون کون سی ہیں؟ کیا ان طریقوں سے وابستہ لوگ حق پر ہیں جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے؟

رابعا: ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مذہب کے ائمہ دوسروں کی مخالفت کرتے ہیں' جو بالآخر لڑائی جھگڑے کی صورت اختیار کر لیتی ہے' جس کی وجہ سے بعض نمازی نماز پڑھنا ہی چھوڑ دیتے ہیں تو اس کے بارے میں بھی ہم شافی جواب معلوم کرنا چاہتے ہیں؟ کیا یہ ضروری ہے کہ ہم کسی ایک مذہب کی پیروی کریں' مختلف مذاہب میں کس طرح تطبیق دی جائے تاکہ

اختلاف ختم ہو جائے؟

خامسًا: کچھ لوگ کتاب اللہ پر بھی دست درازی کرتے اور آیات کی اپنی خواہش کے مطابق تفسیر کرنے لگتے ہیں تاکہ لوگوں کو گمراہ کر سکیں مثلاً کچھ لوگ سورۂ آل عمران کی آیت کریمہ:

﴿ ٱلَّذِينَ يَذْكُرُونَ ٱللَّهَ قِيَٰمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۹۱)

"جو کھڑے' بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں۔"

کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کرتے وقت رقص کیا جائے اور پھر اس انداز سے ذکر کرتے وقت وہ کئی ایسے الفاظ منہ سے نکالتے ہیں جن کا مفہوم واضح نہیں ہوتا اور دائیں بائیں جھکتے ہوئے عجیب طریقے سے اللہ ہو' اللہ ہو کی آوازیں نکالتے ہیں' اس طرح اپنی خواہش نفس سے تفسیر کی اور بھی کئی مثالیں ہیں' مثلاً یہ لوگ خاندانی منصوبہ بندی کو' عشقیہ اشعار کو اور موسیقی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی نعت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ امید ہے کہ ان تمام دینی امور میں آپ ہماری رہنمائی فرمائیں گے' حق بات سمجھائیں گے' دین میں بدعات ایجاد کرنے والوں کی تردید فرمائیں گے اور اس موضوع سے متعلق بہترین کتب کی نشان دہی بھی فرمائیں گے؟

جواب اولاً: اگر آپ ان بدعات کا بھی ذکر کر دیتے جن کے بارے میں آپ جواب چاہتے ہیں' تو ہمیں جواب دینے میں آسانی ہوتی' تاہم اس سلسلہ میں ہم آپ کو ایک بہت عظیم اصول بتا دیتے ہیں اور وہ یہ کہ عبادات کے بارے میں اصل یہ ہے کہ تمام عبادات ممنوع ہیں سوائے ان کے جن کے بارے میں کوئی شرعی دلیل موجود ہو' یعنی کسی شرعی دلیل کے بغیر کسی عبادت' یا اس کی تعداد یا ادا کرنے کے لیے اس کی کیفیت کو شرعی قرار نہیں دیا جا سکتا' لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کرے' جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہ دیا ہو تو وہ مردود ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، ح:١٧١٨)

"جو شخص کوئی ایسا عمل کرے' جس کے بارے میں ہمارا امر نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

اور دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، ح:٢٦٩٧ وصحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، ح:١٧١٨ واللفظ له)

"جو شخص ہمارے اس امر (دین) میں کوئی ایسی بات ایجاد کرے' جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

ثانیا: ہم آپ کو یہ نصیحت کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو سیکھو' غور و فکر کے ساتھ کثرت سے تلاوت کرو' اس کے مطابق عمل کرو' نیز رسول اللہ ﷺ کی سنت کا علم حاصل کرو اور صحیح بخاری' صحیح مسلم اور دیگر کتب سنت کا مطالعہ کرو اور اگر کسی بات کے سمجھنے میں کوئی اشکال محسوس ہو تو اہل علم سے پوچھ لو۔

ثالثا: شاذلیہ' احمدیہ' سعدیہ اور برہانیہ وغیرہ یہ سب گمراہ طریقے ہیں۔ مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان میں سے کسی ایک طریقہ کی بھی پیروی کرے بلکہ ہر مسلمان کے لیے واجب ہے کہ وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی

پیروی کرے اور آپ کے خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلے اور ان لوگوں کی اتباع کرے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کیا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

«لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي قَائِمَةً بِأَمْرِ اللهِ لاَ يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ أَوْ خَالَفَهُمْ، حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ عَلَى النَّاسِ»(صحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خالفهم، ح:١٠٣٧ بعد، ح:١٩٢٣)

"میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم رہے گا' انہیں پریشان کرنے والا یا ان کی مخالفت کرنے والا انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا حتی کہ اللہ تعالیٰ کا امر آ جائے اور یہ گروہ لوگوں میں ظاہر ہے۔"

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب لا يشهد على شهادة جور إذا اشهد، ح:٢٦٥٢ وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة ... الخ، ح:٢٥٣٣)

"سب سے بہترین لوگ میرے زمانہ کے لوگ ہیں' پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے اور پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے۔" آپ نے یہ بھی فرمایا تھا:

"یہودی اکہتر اور عیسائی بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے مگر میری یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ ایک کے سوا تمام فرقے جہنم رسید ہوں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا' یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا' وہ لوگ جو اس طرح کے دین پر ہوں گے' جس طرح کے دین پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں۔" [1]

ان کی تردید کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ ان کے عقائد' ان کی بدعات اور ان کے شبہات کی تفصیلات معلوم کریں' کتاب و سنت کی روشنی میں ان کا جائزہ لیں اور سنن و بدعات کے موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں' ان سے بھی مدد لیں۔ اس سلسلہ میں عبدالرحمن وکیل کی "مصرع التصوف" امام شاطبی رحمہ اللہ کی "الاعتصام" شیخ علی محفوظ کی "الابداع فی مضار الابتداع" علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی "إغاثة اللهفان من مصائد الشيطان" اور اس طرح کی دیگر کتب کافی مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔

رابعًا: مذاہب اربعہ کے ائمہ کے درمیان فقہی فروع میں جو اختلاف ہے' تو اس کے کئی اسباب ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ ایک حدیث بعض ائمہ کے نزدیک صحیح ہوتی ہے اور بعض کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی' یا ایک کو حدیث پہنچ گئی ہوتی ہے اور دوسرے کو پہنچی نہیں ہوتی' یا اس طرح کے کچھ اور اسباب ہیں۔ بہرحال مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ان ائمہ کے بارے میں حسن ظن رکھے' ان میں سے ہر ایک اپنے فقہی موقف میں مجتہد اور طالب حق ہے۔ اگر اجتہاد صحیح ہو تو اسے دوگنا اجر ملے گا' ایک اجر اجتہاد کرنے کا اور دوسرا صحیح اجتہاد کرنے کا اور اگر اجتہاد غلط ہو تو پھر بھی اجتہاد کرنے کا ایک اجر ضرور ملے گا اور غلطی معاف ہے۔ جہاں تک ان ائمہ اربعہ کی تقلید کا سوال ہے' تو جس شخص کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ حق کو دلیل کے ساتھ اخذ کر سکے تو اس کے لیے دلیل کے ساتھ اخذ کرنا واجب ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو وہ حسب امکان اہل علم میں سے جو اس کے نزدیک قابل اعتماد ہو اس کی تقلید کرے اور یہ اختلاف (اصول میں نہیں بلکہ) فروع میں ہے۔

---

[1] جامع الترمذی' الایمان' باب ماجاء فی افتراق هذه الامة' حدیث: 2641

اس اختلاف کا نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اختلاف کرنے والے ایک دوسرے کے پیچھے نماز ہی نہ پڑھیں' بلکہ واجب یہ ہے کہ یہ سب لوگ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ لیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' تابعین کرام اور تبع تابعین کا بھی آپس میں فروعی مسائل میں اختلاف تھا مگر اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

خامسًا: قرآن مجید کی تفسیر کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی قرآن مجید' سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام و تابعین کے اقوال کے ساتھ تفسیر کی جائے اور اس سلسلہ میں اسالیب لغت اور مقاصد شریعت سے بھی مدد لی جائے۔ آپ نے بعض حضرات کے حوالہ سے اپنے سوال میں ﴿ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ ﴾ کی جو تفسیر ذکر کی ہے تو یہ باطل تفسیر ہے' اس کی مطلقاً کوئی اصل نہیں ہے۔ ہم آپ کو وصیت کریں گے کہ اس آیت کی صحیح تفسیر معلوم کرنے کے لیے تفسیر ابن جریر' تفسیر ابن کثیر' تفسیر بغوی اور اس طرح کی دیگر کتب تفسیر کا مطالعہ کریں تاکہ قابل اعتماد ائمہ تفسیر کے کلام کی روشنی میں حق بات کو معلوم کر سکیں۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

داعی کی صفات

سوال اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دینے والے کی آپ کی نظر میں کیا صفات ہونی چاہئیں؟

جواب اسے علم حاصل کرنے کا شائق ہونا چاہیے' ادلہ شرعیہ کے پہچاننے میں کوشش کرے' مقدور بھر طاقت کے مطابق لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید' اس کی شریعت کے اتباع اور امر و نہی کے مطابق عمل کی دعوت دے اور جس چیز کی دعوت دے پہلے خود اس پر عمل کرے اور اپنے آپ پر احکام شریعت نافذ کرنے میں خوب محنت کرے تاکہ اپنے اقوال' اعمال اور اپنے سیرت و اخلاق سے اللہ تعالیٰ کے دین کا سچا داعی بن جائے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

مسلم داعی کی شروط

سوال ایک مسلمان داعی میں کیا شرطیں ہونی چاہئیں؟ میں نے سارا قرآن مجید حفظ نہیں کیا تو کیا میں داعی بن سکتا ہوں؟

جواب واجب ہے کہ داعی جس کا حکم دے' اسے اس کا علم ہو۔ جس بات کی طرف دعوت دے اسے وہ جانتا ہو' حلیم اور بردبار ہو۔ داعی کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ سارے قرآن مجید اور باقی تمام علوم کا حافظ ہو بلکہ اسے ان دینی واجبات کا علم ہونا چاہیے جن کی طرف وہ دعوت دے رہا ہو۔ اسی طرح اسے محرمات کا علم ہونا چاہیے اور دلائل یاد ہونے چاہئیں تاکہ ان لوگوں کو مطمئن کر سکے' جن کو وہ دعوت دے رہا ہو' نیز اسے دعوت کے اس طریقے اور اسلوب کا علم ہونا چاہیے جس سے سامعین اس کی بات کو سمجھ لیں۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

دعوت کے لیے گھر سے باہر نکلنا

سوال جب میرے گھر والے دعوت الی اللہ کو قبول نہ کریں تو کیا میرے لیے دعوت کے سلسلہ میں گھر سے باہر نکلنا جائز ہے؟ امید ہے حدیث شریف کے ساتھ مدلل جواب عطا فرمائیں گے؟

جواب دعوت الی اللہ کا میدان بہت وسیع ہے اور والدین کی اطاعت ہر انسان پر واجب ہے۔ اس زمانے میں دعوت کی حیثیت نفل عبادت کی ہے کیونکہ دعوت کا کام کرنے والے بہت سے لوگ موجود ہیں لہٰذا اپنے والدین کی اطاعت کرو‘ ان کے ساتھ رہو اور مقدور بھر ان کی خدمت کرو اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے شہر میں افراد اور جماعتوں کے ساتھ مل کر (لوگوں کو) دین کی دعوت بھی دیتے رہو‘ اس طرح والدین کے ساتھ رہ کر دعوت کے اجروثواب کو بھی حاصل کر لو گے‘ لیکن پہلے خود شریعت کے پابند ہو کر نیکی میں نمونہ بن جاؤ‘ گناہوں اور معصیت کے کاموں سے دور رہو تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعوت کو مفید بنا دے اور آپ کے ہاتھوں ان لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے‘ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا خیر و بھلائی کا ارادہ ہو۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اس کا علم لے لو اور عمل چھوڑ دو

سوال ان بعض مبلغین کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے‘ جن کے تصرفات اور عمل سے تو صدق کا اظہار ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ بعض گناہوں اور اللہ اور اس کے رسول کی مخالفتوں کا ارتکاب بھی کرتے ہیں؟ تو کیا اس صورت میں ان سے اور ان کے علم اور دعوت الی اللہ سے استفادہ کرنا ممنوع ہے؟

جواب معلم اور داعی کی بات سننے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ ہر اعتبار سے کامل ہو بلکہ اس سے ہر حال میں استفادہ کیا جائے گا خواہ اس کے اخلاق میں کچھ کمی ہی کیوں نہ ہو۔ کمی ہو تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ شائستہ گفتگو اور احسن انداز میں لوگوں کو نیکی اور خیر و بھلائی کی دعوت بھی نہ دے۔ بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ معلم خود تو نماز با جماعت ادا نہیں کرتا لیکن اپنے شاگردوں کو اس کی نصیحت ضرور کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے کپڑے ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہو مگر دوسروں کو نصیحت کرتا ہے کہ اپنے کپڑے اونچے رکھو۔ ہو سکتا ہے کہ خود داڑھی منڈاتا ہو مگر دوسروں کو داڑھی رکھنے کی نصیحت کرتا ہو اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سناتا ہو:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَوَفِّرُوا اللِّحٰى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»(صحیح البخاري، اللباس، باب تقلیم الأظافر، ح: ۵۸۹۲ مسند أحمد: ۲/ ۲۲۹)

”مشرکوں کی مخالفت کرو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو منڈواؤ۔“

——— شیخ ابن باز ———

قطع تعلق یا دعوت

سوال یہ تو معلوم ہے کہ گناہ کا ارتکاب کرنے والے سے تعلق قطع کرنا واجب ہے‘ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر ہم اسے دعوت دینا چاہیں تو کیا کریں؟ کیا ہم اس سے محبت کریں اور ہم نشینی اختیار کریں یا ہم کیا کریں؟ فتویٰ عطا فرمائیں‘ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب عطا فرمائے!

جواب یہ درست نہیں ہے کہ گناہ گار سے تعلق قطع کرنا واجب ہے‘ جیسا کہ سائل نے کہا‘ البتہ گناہ سے قطع تعلق کرنا

ضرور واجب ہے۔ گناہ گار اگر گناہ کا ارتکاب نہ کر رہا ہو تو اس سے نہ مقاطعہ کیا جائے اور نہ اسے چھوڑا جائے گا الاّ یہ کہ اس سے تعلقات ترک کرنے میں کوئی فائدہ ہو مثلاً یہ کہ ترک تعلق کی صورت میں وہ گناہ سے باز آ جائے' تو اس صورت میں ترک تعلق مطلوب ہو گا ورنہ ترک تعلق درست نہ ہو گا۔ تالیف قلب اور ہدایت و تقویٰ کی دعوت دینے کے لیے اس کے پاس بیٹھنا اور اس سے باتیں کرنا ایک امر مطلوب ہے لیکن مداہنت یا اس کے گناہوں سے بے پروائی برتتے ہوئے اس کے پاس بیٹھنا جائز نہیں بہرحال ہر حالت سے متعلق حکم الگ ہوتا ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

دعوت کا آغاز کیسے کیا جائے؟

سوال جب کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو دعوت دے تو وہ کیسے آغاز کرے اور اس سے کس طرح گفتگو کرے؟

جواب سائل کی مراد شائد دعوت الی اللہ سے ہے' تو دعوت الی اللہ حکمت' اچھی وعظ و نصیحت اور نرمی سے ہونی چاہیے اور اس میں سختی' ملامت اور سرزنش نہیں ہونی چاہیے اور جو بات زیادہ اہم ہو اس سے آغاز کرنا چاہیے' جیسا کہ نبی ﷺ جب مختلف علاقوں میں اپنے قاصد روانہ فرماتے تو آپ حکم دیتے کہ وہ اپنی دعوت کا آغاز زیادہ اہم باتوں سے کریں' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے وقت آپ نے فرمایا تھا:

«فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَى أَنْ يُوَحِّدُوا اللهَ تَعَالَى فَإِذَا عَرَفُوا ذٰلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ فَإِذَا صَلَّوا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ غَنِيِّهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فَقِيرِهِمْ»(صحيح البخاري، التوحيد، باب ماجاء في دعاء النبي ... الخ، ح:٧٣٧٢ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام، ح:١٩)

"سب سے پہلے انہیں یہ دعوت دو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو اختیار کریں' جب وہ اسے پہچان لیں تو پھر انہیں یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض قرار دی ہیں اور جب وہ نماز پڑھنا شروع کر دیں تو پھر انہیں یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال پر زکوٰۃ کو فرض قرار دیا ہے' جسے ان کے دولت مند سے وصول کر کے فقیر میں تقسیم کر دیا جائے گا۔"

الغرض! جو بات زیادہ اہم ہو اس سے آغاز کیا جائے گا۔ داعی کو چاہیے کہ وہ موقع اور مناسب وقت کو پیش نظر رکھے اور دعوت دینے کے لیے مناسب جگہ کا بھی انتظام کرے کیونکہ کبھی یہ مناسب ہوتا ہے کہ اسے اپنے گھر دعوت دے اور اس سے گفتگو کرے اور کبھی یہ مناسب ہوتا ہے کہ خود اس آدمی کے گھر چلا جائے اور اسے دعوت دے۔

یہ بھی مناسب ہے کہ وقت کی نزاکت کو پیش نظر رکھے کیونکہ کسی وقت دعوت دینا مناسب ہوتا ہے اور کسی وقت مناسب نہیں ہوتا۔ بہرحال ہر عقل مند اور صاحب بصیرت مسلمان کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ وہ لوگوں کو حق کی دعوت کس طرح دے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

علماء پر تنقید

سوال آنجناب کی ان بعض نوجوانوں خصوصاً دینی طالب علموں کے بارے میں کیا رائے ہے' جن کا شیوہ ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ بعض علماء پر تنقید کرتے' لوگوں کو ان سے متنفر کرتے اور ان سے الگ تھلگ رکھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں؟ کیا یہ عمل شرعی طور پر درست ہے' ایسا کرنے والے کو ثواب ملے گا یا عذاب؟

جواب میری رائے میں ایسا کرنا حرام ہے' کیونکہ کسی انسان کے لیے جب یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی غیبت کرے خواہ وہ عالم نہ بھی ہو تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کی غیبت کرے جو علماء ہیں لہٰذا ہر مسلمان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اپنی زبان کو اپنے مسلمان بھائیوں کی غیبت سے روکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱجْتَنِبُوا۟ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا۟ وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾ ﴾

(الحجرات٤٩/ ١٢)

''اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے' (تو غیبت نہ کرو) اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

اس مصیبت میں مبتلا انسان کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب وہ کسی عالم کو تنقید کا نشانہ بنائے گا' تو وہ گویا اس عالم کی حق باتوں کی تردید کا بھی سبب بنے گا تو حق کی تردید اور اس کی عدم قبولیت کا گناہ بھی اس کے ذمہ ہو گا کیونکہ ایک عالم پر تنقید ایک شخص پر تنقید نہیں بلکہ یہ حضرت محمد ﷺ کی میراث پر تنقید ہے۔

علمائے کرام انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں' لہٰذا جب علماء پر طعن و تشنیع کی جائے تو لوگ اس علم پر بھی اعتماد نہیں کریں گے' جو ان کے پاس ہے حالانکہ وہ علم تو رسول اللہ ﷺ کی میراث ہے اور اس طرح وہ گویا شریعت کی کسی بھی ایسی چیز کو قابل اعتماد نہیں سمجھیں گے جس کو یہ عالم بیان کرتا ہو' جسے طعن و تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہر عالم معصوم ہے' بلکہ ہر انسان خطاء کا پتلا ہے۔ اگر آپ اپنے زعم میں کسی عالم کو غلطی پر دیکھیں تو اس سے ملیں اور تبادلۂ خیال کریں۔ اگر یہ بات واضح ہو جائے کہ اس عالم کا موقف حق پر مبنی ہے' تو آپ پر واجب ہے کہ اس کی اتباع کریں' اگر یہ واضح نہ ہو کہ اس کا موقف حق پر مبنی ہے لیکن اس کی بات کی بھی گنجائش ہو تو آپ کے لیے واجب ہے کہ رک جائیں اور اگر اس کی بات کی کوئی گنجائش ہی نہ ہو تو پھر اس کی بات کو قبول کرنے سے اجتناب کریں کیونکہ غلطی کو برقرار رکھنا جائز نہیں ہے' لیکن آپ اس پر جرح نہ کریں' خصوصاً جب کہ وہ عالم حسن نیت میں معروف ہو۔ اگر ہم حسن نیت میں معروف علماء پر مسائل فقہ میں کسی غلطی کی وجہ سے جرح کرنے لگیں گے' تو ہم بڑے بڑے علماء پر جرح کر بیٹھیں گے لہٰذا واجب وہی ہے' جو میں نے ذکر کر دیا ہے۔ اگر آپ کسی عالم کی کوئی غلطی محسوس کریں اور گفتگو اور افہام و تفہیم سے واضح ہو جائے کہ ان کا موقف درست ہے تو آپ کو ان کی بات مان لینی چاہیے اور اگر آپ کا موقف درست ثابت ہو تو پھر انہیں آپ کی بات تسلیم کر لینی چاہیے اور اگر بات واضح نہ ہو اور اختلاف کی گنجائش موجود ہو تو پھر آپ ان کو نظر انداز کر دیں

کہ وہ اپنی بات کہتے رہیں اور آپ اپنی بات کہتے رہیں۔

اختلاف صرف اسی زمانہ میں نہیں ہے بلکہ اختلاف تو حضرات صحابہ کرام کے زمانہ سے آج تک چلا آ رہا ہے۔ اگر غلطی واضح ہونے کے بعد بھی کوئی عالم اپنی ہی بات پر اصرار کرے تو آپ کے لیے واجب ہے کہ آپ غلطی کو واضح کریں اور اس سے الگ ہو جائیں مگر توہین و تذلیل اور ارادۂ انتقام کی بنیاد پر نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس اختلافی مسئلہ کے سوا دیگر مسائل میں وہ حق بات کہتا ہو۔

بہرحال میں اپنے بھائیوں کو اس مصیبت اور اس بیماری سے بچنے کی تلقین کرتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور انہیں ہر اس چیز سے شفا عطا فرمائے جو ہمارے لیے دین و دنیا کے اعتبار سے باعث عار اور موجب نقصان ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

متعدد اسلامی جماعتیں اور ان کا اختلاف

سوال آج کل ان اسلامی جماعتوں کے بارے میں بہت گفتگو ہوتی ہے، جو دعوت الی اللہ کا کام کرتی ہیں کہ ہم ان میں سے کس جماعت کی پیروی کریں؟ ان جماعتوں کے اختلاف کے بارے میں ایک مسلمان کا موقف کیا ہونا چاہیے؟

جواب اس کے بارے میں میرا موقف یہ ہے کہ یہ ایک بہت دردناک اور افسوس ناک بات ہے۔ ڈر ہے کہ یہ اسلامی تحریک ختم ہی نہ ہو جائے اور اپنے اختلاف و انتشار کی وجہ سے مٹ ہی نہ جائے کیونکہ لوگ جب مختلف فرقوں میں بٹ جائیں تو پھر وہ اس طرح ہو جاتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَنَـٰزَعُواْ فَتَفۡشَلُواْ وَتَذۡهَبَ رِيحُكُمۡ ﴾ (الأنفال٨/ ٤٦)

"اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا کہ (ایسا کرو گے تو) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا۔"

یعنی جب لوگ فرقہ بندیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور آپس میں جھگڑنے لگتے ہیں، تو وہ بزدل ہو جاتے ہیں، خائب و خاسر ہو جاتے ہیں، ان کا اقبال ختم ہو جاتا ہے اور ان کا کوئی وزن باقی نہیں رہتا۔ دشمنان اسلام اس انتشار اور خلفشار سے خوش ہوتے ہیں اور اختلافات کی ہوا کو بھڑکاتے ہیں، ایک دوسرے کے پاس آ کر ان کے خلاف باتیں کرتے، مسلمان بھائیوں اور اللہ تعالیٰ کے دین کے داعیوں میں عداوت اور بغض پیدا کرتے ہیں۔

ہم پر واجب ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اس کے دین کے ان دشمنوں کی چالوں کو ناکام و نامراد بنا دیں اور امت واحدہ بن جائیں۔ ہم ایک دوسرے سے مل جل کر رہیں، ایک دوسرے سے استفادہ کریں، اپنے آپ کو داعی کے طور پر پیش کریں۔ اس کے لیے طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر شہر کے زعماء جن کا اپنے بھائیوں میں اثر و رسوخ ہو، صورت حال کا جائزہ لیں اور بالاتفاق ایک ایسا لائحہ عمل تشکیل دیں، جو سب کے لیے قابل قبول ہو۔ دعوت الی اللہ کا انداز اور اسلوب مختلف بھی ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ ہم نے کیا اسلوب اختیار کیا ہے، بلکہ اہمیت تو اس بات کی ہے کہ ہم سب بھائی بھائی بن کر حق پر جمع ہو جائیں اور پیکر مہر و وفا بن جائیں۔

سائل نے جو یہ پوچھا ہے کہ ان جماعتوں اور گروہوں میں سے اچھا کون ہے؟ تو اس کے جواب میں اگر میں یہ کہوں

کہ فلاں جماعت یا فلاں گروہ افضل ہے' تو یہ تو گویا اس فرقہ بندی کو تسلیم کرنے والی بات ہوئی حالانکہ میں اسے تسلیم نہیں کرتا۔ میری رائے میں واجب یہ ہے کہ ہم اپنے اس معاملہ کا صدق اور اللہ عز و جل' اس کی کتاب' اس کے رسول' مسلمان حکمران اور مسلمان عوام کے لیے اخلاص کے ساتھ جائزہ لیں اور آپس میں ایک ہی جسم کے مانند ہو جائیں کیونکہ الحمد للہ! حق بالکل واضح ہے۔ حق صرف اسی سے مخفی رہ سکتا ہے جو منکر ہو یا متکبر اور جو شخص حق کے آگے سر تسلیم خم کرنے والا ہو تو اسے بلاشک و شبہ حق کی توفیق مل ہی جاتی ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

گمراہوں سے لوگوں کو خبردار کرنے میں کوئی حرج نہیں

سوال جب انسان کچھ لوگوں اور ان کے افکار پر تنقید کرنا چاہتا ہے تو کیا ان کا نام لے کر تنقید کرنا جائز ہے؟

جواب اگر کسی شخص نے کوئی ایسی چیز لکھی ہو جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہو اور وہ اسے لوگوں میں پھیلا رہا یا ذرائع ابلاغ کے ذریعے سے اسے نشر کر رہا ہو' تو ایسے شخص اور اس کے باطل افکار کی تردید کرنا واجب ہے۔ لوگوں کو اس سے خبردار کرنے کے لیے اس کا نام لے کر تردید کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں' مثلاً شرک و بدعات کے داعیوں یا اللہ تعالیٰ نے جن گناہوں کو حرام قرار دیا ہے' ان کی دعوت دینے والوں کے نام لے کر تردید کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اہل علم و ایمان' داعیان حق اور حاملین شریعت اس فرض کو ہمیشہ ادا کرتے رہے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کی خیر خواہی کر سکیں' منکرات کی تردید کر سکیں' حق کی دعوت دے سکیں اور لوگوں کو باطل کی دعوت دینے والوں اور ان کے ملحدانہ افکار و نظریات سے فریب خوردہ ہونے سے بچا سکیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

اسلامی کیسٹ

سوال ان اسلامی کیسٹوں کی خرید و فروخت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے' جو علمی تقریروں اور دینی مجلسوں پر مشتمل ہوں؟ نیز اسلامی نظمیں جو نوجوان پڑھتے ہیں' ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب اسلامی کیسٹ جو علمی تقریروں' دینی مجلسوں اور بامقصد نظموں پر مشتمل ہوں' ان میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ تو ایک امر مطلوب ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

مسلمان اپنے علم کے مطابق دعوت کا کام کرے

سوال امریکہ میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران ہمارے سامنے دین عیسائیت و یہودیت کے کئی ایک پہلو واضح ہوئے ہیں تو کیا ان کے بارے میں گفتگو کرنا ہمارے لیے جائز ہے؟

جواب ہاں! آپ کے لیے جائز ہے کہ اس موضوع کے بارے میں اپنے علم کے مطابق گفتگو کریں' جب کہ علم کے بغیر

اس موضوع یا کسی بھی دوسرے موضوع کے بارے میں گفتگو کرنا جائز نہیں ہے۔ یاد رہے کہ تورات اور انجیل کی شریعتیں بھی ان شریعتوں میں سے ہیں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر' اس دور کے لوگوں کے لیے' ان کے زمانے اور حالات کے مطابق نازل فرمایا تھا اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی حکمت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ میں تورات' انجیل اور قرآن مجید کے نازل کرنے کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ﴾ (المائدة٥/ ٤٨)

''ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔''

اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٨٣﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ٨٣)

''بے شک تمہارا پروردگار خوب حکمت والا (سب کچھ) جاننے والا ہے۔''

پھر یہ بھی یاد رہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی شریعتوں میں تحریف اور تبدیلی کر کے ایسی ایسی باتوں کو داخل کر دیا تھا' جن کا ان شریعتوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ پھر تمام انبیائے کرام کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو تمام روئے زمین کے جنوں اور انسانوں کے لیے ایک عالمگیر نبوت و رسالت اور ایک جامع شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا اور اس شریعت کے ساتھ تورات و انجیل کی شریعتوں کو منسوخ کر دیا اور تمام روئے زمین کے لوگوں کے لیے اس بات کو واجب قرار دے دیا کہ اب وہ اس شریعت کے مطابق فیصلے کریں' جسے لے کر حضرت محمد ﷺ دنیا میں تشریف لائے ہیں اور اب صرف اور صرف اسی شریعت کے دامن سے وابستہ ہو جائیں اور باقی تمام شریعتیں چھوڑ دیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر سورۃ المائدہ میں فرمایا ہے:

﴿ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ بِٱلْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلْكِتَـٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ۖ فَٱحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ ٱلْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَآءَ ٱللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَلَـٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِى مَآ ءَاتَىٰكُمْ ۖ فَٱسْتَبِقُوا۟ ٱلْخَيْرَٰتِ ۚ إِلَى ٱللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٤٨﴾ ﴾ (المائدة٥/ ٤٨)

''اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ ہے تو جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان کا فیصلہ کرنا اور حق جو تمہارے پاس آ چکا ہے' اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا' ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن اس کی چاہت ہے کہ جو تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے' تم نیکیوں کی طرف جلدی کرو' تم سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے پھر وہ تمہیں ہر وہ چیز بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو۔''

اور فرمایا:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا۟ فِىٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾ ﴾ (النساء٤/ ٦٥)

''تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ تب تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں، پھر جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر تسلیم خم کر لیں۔''

اور فرمایا:

﴿ أَفَحُكْمَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ ٱللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿٥٠﴾ ﴾ (المائدۃ٥/ ٥٠)

''کیا یہ زمانۂ جاہلیت کے حکم کے خواہش مند ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لیے اللہ سے اچھا حکم کس کا ہے۔''

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں، جو شخص بھی قرآن کریم میں تدبر کرے اور استفادہ و عمل کے لیے کثرت سے تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ اسے راہ حق کی ہدایت فرما دے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانَ يَهْدِى لِلَّتِى هِىَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ ٱلْمُؤْمِنِينَ ٱلَّذِينَ يَعْمَلُونَ ٱلصَّٰلِحَٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴿٩﴾ ﴾ (بني إسرائيل١٧/ ٩)

''یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور ایمان والوں کو، جو نیک اعمال کرتے ہیں، اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔''

——— شیخ ابن باز ———

جو شخص دعوت دیتا لیکن خود عمل نہ کر سکتا ہو

سوال ایک داعی دعوت تو دیتا ہے لیکن کوشش کے باوجود خود عمل کی طاقت نہیں رکھتا، لیکن اس خیال سے وہ دعوت دیتا ہے کہ شائد مدعو اس پر عمل کر لے تو کیا اس صورت میں وہ دعوت دے یا نہیں؟

جواب جب نیکی کے کسی کام کی طرف دعوت دینے والا خود عمل نہ کر سکتا ہو، تو اسے دوسرے کو دعوت ضرور دینی چاہیے مثلاً ایک شخص تہجد پڑھنے کی دعوت دیتا ہو لیکن خود تہجد پڑھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، یا صدقہ دینے کی دعوت دیتا ہو لیکن خود صدقہ کرنے کے لیے اس کے پاس مال نہ ہو تو ہم کہیں گے کہ اسے دوسروں کو دعوت ضرور دینی چاہیے۔ لیکن اگر کوئی شخص دوسروں کو دعوت دیتا ہو لیکن خود طاقت کے باوجود عمل نہ کرتا ہو تو بلاشبہ یہ بے وقوفی اور گمراہی کی بات ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

داعی کو نرم اور ہنس مکھ ہونا چاہیے

سوال بعض لوگ جن کو ہم دینی احکام کا پابند خیال کرتے ہیں، وہ لوگوں سے بہت سختی اور درشتی سے معاملہ کرتے ہیں اور ہمیشہ منقبض اور ترش رو نظر آتے ہیں، تو ان لوگوں کے لیے آپ کی کیا نصیحت ہے؟ مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی سے کس طرح معاملہ کرنا چاہیے خصوصاً جب وہ دینی احکام کی پابندی میں کوتاہی کر رہا ہو؟

جواب نبی ﷺ کی سنت مطہرہ سے ہمیں یہ راہنمائی ملتی ہے کہ انسان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف حکمت، نرمی اور شائستگی کے ساتھ دعوت دے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ سے بھی فرمایا:

﴿ ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ ۖ وَجَٰدِلْهُم بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ۚ ﴾ (النحل١٦/ ١٢٥)

"اے پیغمبر! لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔"

اور فرمایا:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلْقَلْبِ لَٱنفَضُّوا۟ مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَٱعْفُ عَنْهُمْ وَٱسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ (آل عمران ۳/ ۱۵۹)

"(اے محمد ﷺ !) اللہ کی مہربانی سے تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو اور اگر تم سخت خو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے تو ان کو معاف کر دو اور ان کے لیے (اللہ سے) مغفرت مانگو۔"

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ و ہارون کو فرعون کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا:

﴿ فَقُولَا لَهُۥ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُۥ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ﴿٤٤﴾ ﴾ (طه ۲۰/ ٤٤)

"اور اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے۔"

نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَالاَ يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل الرفق، ح: ۲۵۹۳)

"بے شک اللہ تعالیٰ نرم ہے، نرمی کو پسند فرماتا ہے اور نرمی کے ساتھ وہ عطا فرما دیتا ہے جو وہ سختی کے ساتھ عطا نہیں فرماتا۔"

آپ جب مبلغین کو روانہ کرتے تو انہیں ہدایت فرماتے:

«يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلاَ تُنَفِّرُوا»(صحيح البخاري، العلم، باب ما كان النبي ﷺ يتخولهم بالموعظة ... الخ، ح: ٦٩ وصحيح مسلم، الجهاد، باب في الأمر بالتيسير وترك التنفير، ح: ۱۷۳۲)

"آسانی پیدا کرو اور مشکل میں نہ ڈالو، خوش خبری سناؤ اور نفرت نہ دلاؤ۔"

داعی کو چاہیے کہ وہ نرم، ہنس مکھ اور کھلے دل کا مالک ہو تاکہ یہ بات اس شخص کو دعوت قبول کرنے کے لیے اپیل کرے، جسے وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دے رہا ہو۔ واجب ہے کہ یہ اپنے نفس کی طرف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے کیونکہ جب وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف دعوت دے گا، تو اس طرح وہ مخلص بن جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا اور اس کے ہاتھوں اپنے جن بندوں کو چاہے گا ہدایت عطا فرما دے گا اور اگر وہ اپنے نفس کی طرف دعوت دے یعنی اس کا ارادہ یہ ہو کہ اسے فتح و نصرت حاصل ہو یا وہ اس طرح دعوت دے کہ گویا اسے اپنا دشمن سمجھ رہا ہو اور اس سے انتقام لینا چاہتا ہو تو اس طرح دعوت ناقص ہو گی اور ممکن ہے کہ برکت سے بھی محروم ہو، لہٰذا داعی بھائیوں کو میری نصیحت ہے کہ وہ اس بات پر توجہ فرمائیں کہ وہ اللہ کی مخلوق کو اس طرح دعوت دیں کہ ان کے پیش نظر مخلوق پر رحمت، اللہ عزوجل کے دین کی تعظیم اور اس کی نصرت و اعانت ہو۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

اصول دعوت ناقابل تبدیل ہیں

سوال کیا اسلامی دعوت کے اصول زمانے اور معاشرے کی تبدیلی کی وجہ سے بدل جاتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز جو عقیدہ کی اصلاح سے کیا تو کیا ہر زمانے کے داعیوں کو بھی اسی سے اپنی دعوت کا آغاز کرنا چاہیے؟

جواب بے شک رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے لے کر قیامت تک اسلامی دعوت کی روایات اور اصول ایک ہی ہیں' جو زمانے کے بدل جانے کی وجہ سے تبدیل نہیں ہوتے البتہ یہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ بعض اصولوں پر کسی کمی بیشی کے بغیر عمل پیرا ہوں' تو اس صورت میں داعی بعض ان امور کی طرف متوجہ ہو گا' جن میں یہ کوتاہی کرتے ہوں لیکن جہاں تک اسلام کی طرف اصول دعوت کا تعلق ہے' تو ان میں کبھی بھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اہل یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا:

«فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَى أَنْ يُوَحِّدُوا اللهَ تَعَالَى فَإِذَا عَرَفُوا ذٰلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ فَإِذا صَلَّوْا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ غَنِيِّهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فَقِيرِهِمْ»(صحيح البخاري، التوحيد، باب ماجاء في دعاء النبي ﷺ ... الخ، ح:٧٣٧٢ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام، ح:١٩)

''انہیں سب سے پہلے یہ دعوت دو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو اختیار کریں' جب وہ اسے پہچان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دن رات میں ان پر پانچ نمازیں فرض قرار دی ہیں۔ جب وہ نماز پڑھنے لگ جائیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال میں زکوٰۃ فرض کی ہے' جو ان کے غنی سے لے کر ان کے فقیر میں تقسیم کر دی جائے گی۔''

یہ ہیں وہ اصول دعوت جن کی اس ترتیب کو پیش نظر رکھنا واجب ہے بشرطیکہ ہم کافروں کو دعوت دے رہے ہوں اور جب ہم مسلمانوں کو دعوت دیں اور انہوں نے دین کے اصل اول توحید کو کسی کمی بیشی کے بغیر اختیار کر لیا ہو تو پھر ہم انہیں دوسری باتوں کی دعوت دیں گے جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

دعوت علم و بصیرت کی بنیاد پر ہونی چاہیے

سوال ایک خاتون نے یہ سوال پوچھا ہے کہ میں بسا اوقات بعض لوگوں کو ایک غلط کام کرتے ہوئے دیکھتی ہوں اور جب انہیں سمجھانے کا ارادہ کرتی ہوں' تو دل میں خیال آنے لگتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کسی دن میں بھی ان جیسی نہ ہو جاؤں کیونکہ ایک قول ہے کہ اپنے بھائی کو مشکل میں نہ ڈالو' ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بچا لے اور تمہیں اس گناہ میں مبتلا کر دے؟

جواب آپ کے دل میں جو یہ خیال آتا ہے' تو یہ ایک شیطانی چال ہے تاکہ وہ تمہیں نصیحت کرنے سے روک سکے لہٰذا اللہ سے ڈرو' اللہ کے دشمن کی بات نہ مانو۔ اگر کسی کے قول یا عمل کو شریعت مطہرہ کے خلاف دیکھو تو اسے سمجھاتی رہو بشرطیکہ تمہیں علم اور بصیرت حاصل ہو کہ یہ قول یا عمل خلاف شریعت ہے تاکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل ہو سکے:

﴿ قُلْ هَٰذِهِۦ سَبِيلِىٓ أَدْعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِى ۖ وَسُبْحَٰنَ ٱللَّهِ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٨﴾ ﴾ (یوسف۱۲/ ۱۰۸)

"اے پیغمبر! کہہ دیجئے: میرا راستہ تو یہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں (از روئے یقین و برہان) سمجھ بوجھ کر میں بھی (لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں) اور میرے پیرو بھی اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ ۖ وَجَٰدِلْهُم بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِۦ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِٱلْمُهْتَدِينَ ﴿١٢٥﴾ ﴾ (النحل۱۶/ ۱۲۵)

"(اے پیغمبر!) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو یقیناً آپ کا رب اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی پورا واقف ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَيُطِيعُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ ٱللَّهُ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾ ﴾ (التوبۃ۹/ ۷۱)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ وہ اچھے کام کرنے کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا، بے شک اللہ غالب خوب حکمت والا ہے۔"

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو حق پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور شیطان کے وسوسوں سے بچائے۔ انہ خیر مسؤول۔

——— شیخ ابن باز ———

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی مدد کا ذمہ اٹھایا ہے لیکن ---

سوال بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی مدد کا ذمہ اٹھایا ہے، تو پھر خدمت اسلام کی خاطر مبلغین جو کام کرتے ہیں تو یہ عبث ہے، اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کو کس طرح جواب دیا جائے؟

جواب ان لوگوں کا جواب بہت آسان ہے کیونکہ ان کا سوال انکار اسباب پر مبنی ہے اور اسباب کا انکار دین کے اعتبار سے گمراہی اور عقل کے اعتبار سے بے وقوفی کی دلیل ہے۔ بے شک اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس دین کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا

ہے لیکن یہ ذمہ اسباب کے ساتھ مشروط ہے اور مبلغین کی دین کی نشر و اشاعت' تبلیغ اور اس کی طرف دعوت کے لیے یہ سرگرمیاں اسباب ہی تو ہیں۔ ان لوگوں کی یہ بات اسی طرح ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ شادی نہ کرو' اگر تمہارے مقدر میں بیٹا ہوا تو وہ تمہیں مل جائے گا یا کوئی یہ کہے کہ محنت و مشقت اور کوئی کام نہ کرو' اگر تمہارے مقدر میں رزق ہوا تو وہ تمہیں ضرور مل جائے گا۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جب یہ فرمایا ہے:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا ٱلذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَـٰفِظُونَ ﴿٩﴾ ﴾ (الحجر ۱۵/ ۹)

"بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔"

تو اس نے یہ اس لیے فرمایا ہے کہ وہ حکیم ہے اور اسے یہ علم ہے کہ اشیاء' اسباب ہی کے ساتھ ہوتی ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا فرماتا رہے گا جن کی وجہ سے یہ دین محفوظ رہے گا۔

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ علمائے سلف نے' جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو عقائد اور اعمال کی بدعات سے محفوظ رکھا' تبلیغ بھی کی' کتابیں بھی لکھیں اور لوگوں کے سامنے دین کو بیان بھی کیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ہم پر جو یہ فرض عائد کیا ہے کہ ہم دین کا دفاع اور اس کی حمایت کریں اور اسے بندگان الٰہی تک پہنچائیں' تو ہمیں بھی اس فرض کو ادا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہیے تاکہ ہمارا یہ دین محفوظ رہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کتابوں اور مفید کیسٹوں کی اشاعت بھی دعوت الی اللہ ہے

سوال میں ایک نوجوان ہوں اور دین کا داعی بننے کا ارادہ رکھتا ہوں' لیکن مجھے دعوت دین کا مناسب اسلوب نہیں آتا۔ اگر میں اسلامی کیسٹوں اور مفید کتابوں کی نشر و اشاعت اور توزیع و تقسیم کا کام کروں تو کیا یہ عمل دعوت الی اللہ کے لیے کافی ہو گا؟ راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب ہاں اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ بعض لوگ خود دعوت نہیں دے سکتے' تو ان کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ مفید کتابوں اور کیسٹوں کی نشر و اشاعت کے ذریعہ دعوت کا کام کریں۔ اس صورت میں دعوت کا کام کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کتابوں اور کیسٹوں کو کسی عالم دین سے چیک کرا لے تاکہ وہ غیر شعوری طور پر کسی غلط چیز کی اشاعت نہ کر سکے۔ دعوت دین کے لیے ایک یہ اسلوب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کسی عالم دین کے ساتھ مل جائے' عالم دین کتابیں لکھیں اور یہ ان کی طباعت و اشاعت کے لیے مالی طور پر تعاون کریں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

تمہارا رونا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے

سوال جب بھی میں لوگوں کے سامنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام کے لیے کھڑا ہوتا ہوں' تو غیر طبعی رقت طاری ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے رونے بھی لگتا ہوں لیکن جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو اس وقت مجھے رونا نہیں آتا۔ تو کیا میرا یہ طرز عمل ریا اور نفاق شمار ہو گا؟ کیا ریاکاری اور عمل کے رائیگاں ہو جانے کے ڈر کی

وجہ سے مجھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام ترک کر دینا چاہیے؟

جواب آپ کو چاہیے کہ دعوت الی اللہ' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام میں خوب محنت کریں اور اسے قطعاً ترک نہ کریں کیونکہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ آپ اس کام کو چھوڑ دیں اور اسی وجہ سے وہ آپ کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ آپ کا یہ عمل اس لیے ہے کہ لوگ آپ کی تعریف کریں۔ آپ اللہ سے ڈر جائیں' دعوت الی اللہ کا کام جاری رکھیں' اخلاص کے ساتھ کام کریں اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کے لیے یہ دعا کریں: ((اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَ شُکْرِكَ)) "اے اللہ! میری مدد فرما تا کہ تیرا ذکر اور شکر کر سکوں۔"

اس سلسلہ میں شیطان کی بات نہ مانو۔ اگر آپ کی یہ رقت اور گریہ زاری غیر ارادی طور پر ہو اور اس لیے نہ ہو کہ لوگ آپ کی تعریف کریں تو یہ اللہ کا فضل ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

سلف اور عصر حاضر کی کتابوں کا مطالعہ

سوال اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے' جو ہم عصر مبلغین کی کتابوں سے نفرت کرتا اور سلف کی کتابوں کے مطالعہ اور ان سے پروگرام اخذ کرنے پر ہی اکتفاء کرتا ہے؟ کتب سلف اور ہم عصر مبلغین و مفکرین کی کتب کے بارے میں صحیح نقطۂ نظر کیا ہونا چاہیے؟

جواب میری رائے میں ہر چیز سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ دعوت کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے اخذ کیا جائے' بلا شک و شبہ ہم سب کی یہی رائے ہونی چاہیے۔ پھر اس کے بعد اس کا درجہ ہے جو خلفائے راشدین' صحابہ کرام اور اسلام کے ائمہ سلف سے منقول ہو۔

متاخرین اور معاصرین جن امور کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں' تو یہ وہ امور ہیں جو انہی کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور یہی لوگ ان کے بارے میں زیادہ جانتے ہیں لہٰذا اگر اس پہلو سے انسان ان کی کتابوں سے استفادہ کرے' تو وہ اپنے وافر حصہ کو حاصل کر لیتا ہے' لیکن ہم سب یہ جانتے ہیں کہ معاصرین نے بھی سابقہ لوگوں سے علم حاصل کیا ہے۔ تو ہم بھی اسی جگہ سے کیوں نہ لیں' جہاں سے انہوں نے حاصل کیا ہے البتہ جدید امور کے بارے میں یہ زیادہ بہتر جانتے ہیں اور پھر سلف کے زمانہ میں تو یہ جدید امور بالکل اسی شکل و صورت میں معروف نہ تھے' اس لیے میری رائے یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ دونوں خوبیوں کو یکجا کرے' یعنی اولاً تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر اعتماد کرے اور ثانیاً سلف صالح' خلفائے راشدین' صحابہ کرام اور مسلمانوں کے ائمہ کے کلام سے استفادہ کرے اور پھر معاصر علماء نے ان جدید مسائل کے بارے میں جو لکھا ہے' اسے بھی پڑھے کیونکہ یہ مسائل اپنی اسی شکل و صورت میں سلف کے زمانے میں معروف نہ تھے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ہاتھ سے منع کرنا حکمران کا کام ہے

سوال کچھ لوگ سختی کے بغیر باز نہیں آتے تو ایسے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے؟

جواب ہاں کچھ لوگ سختی کے بغیر باز نہیں آتے لیکن ایسی سختی جو مصلحت کے خلاف ہو یا جس کا نتیجہ اس سے بھی برا نکلتا ہو تو وہ جائز نہیں ہے کیونکہ واجب یہ ہے کہ حکمت و دانش کو اختیار کیا جائے' سختی یعنی مارنا' ادب سکھانا اور قید کرنا تو حکمرانوں کا کام ہے۔ عام لوگوں کا فرض یہ ہے کہ وہ حق کو بیان کردیں اور برے کاموں کی تردید کردیں' باقی رہا برائی کو ہاتھ سے مٹانا تو یہ حکمرانوں کا منصب ہے' یہ ان پر فرض ہے کہ وہ بقدر استطاعت برائی کو ختم کریں کیونکہ وہ اس کے ذمہ دار ہیں۔

اگر انسان اپنے ہاتھ سے اس برائی کو مٹانا چاہے جو وہ دیکھے تو اس سے ایسی خرابی پیدا ہو سکتی ہے' جو اس برائی سے بھی بڑھ کر ہو لہٰذا اس معاملہ میں حکمت و دانش سے کام لینا چاہیے۔ آپ برائی کو اپنے ہاتھ سے اپنے گھر میں تو مٹا سکتے ہیں لیکن اگر اس برائی کو بازار میں اپنے ہاتھ سے روکنے کی کوشش کریں تو ہو سکتا ہے کہ اس کا نتیجہ اس برائی سے بھی زیادہ برا ثابت ہو' اس صورت میں آپ کے لیے واجب یہ ہے کہ بات اس شخص تک پہنچا دیں' جسے بازار میں اپنے ہاتھ سے برائی ختم کر دینے کی قدرت حاصل ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دعوت کے مختلف طریقے نعمت ہیں

سوال دعوت کے لیے کچھ دعاۃ تعلیم و تربیت کے اسلوب کو اختیار کرتے ہیں' جب کہ کچھ لوگ عام لوگوں کے مجمعوں میں وعظ و نصیحت اور تقریر کے انداز کو اختیار کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے' دعوت کے لیے کون سا اسلوب زیادہ کامیاب ہے؟

جواب میری رائے میں دعوت کے یہ مختلف اسلوب بھی بندوں پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نعمت ہیں کہ مثلاً ایک شخص واعظ ہے' اللہ تعالیٰ نے اسے قدرت کلام اور بیان و تاثیر سے نوازا ہے تو اس کے لیے وعظ کے اسلوب کو اختیار کرنا ہی زیادہ موزوں ہو گا۔ اسی طرح ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے نرمی' شائستگی اور ایسی لطافت سے نوازا ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں اتر جاتا ہے' اس طرح کے داعی کا اسلوب پہلے سے زیادہ بہتر ہوتا ہے خصوصاً جب کہ وہ بات اچھے طریقے سے نہ کر سکتا ہو' کیونکہ بعض داعیوں کے پاس علم تو ہوتا ہے لیکن وہ دوسروں سے بات اچھے طریقے سے نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل اپنے بندوں میں تقسیم فرما رکھا ہے' اس نے درجات میں بعض کو بعض پر سربلندی عطا فرمائی ہے۔ میری رائے میں ہر انسان کو وہ اسلوب اختیار کرنا چاہیے' جو اس کے خیال میں زیادہ نافع' مفید اور مؤثر ہو' اسے کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے' جس کے سرانجام دینے سے وہ عاجز و قاصر ہو۔ اسے چاہیے کہ اپنے آپ پر اعتماد کرے اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا رہے' اس طرح اسے جب بھی کوئی مشکل پیش آئے گی وہ اس سے نجات حاصل کر لے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مسلمانوں پر اللہ کے دین کی تبلیغ واجب ہے

سوال کیا روز قیامت بارگاہ الٰہی میں ہم مسلمانوں سے دنیا بھر کے غیر مسلموں کے انجام کے بارے میں سوال نہیں ہو گا

کیونکہ ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اللہ کے دین' دین حق کی دعوت دیں اور مخلوق کو پیدا کرنے کی حکمت کی بابت بندگان الٰہی کے سامنے اس کے صراط مستقیم کو واضح کریں' سوال یہ ہے کہ کل قیامت کے دن اگر انہوں نے دربار الٰہی میں یہ کہا کہ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا آیا تھا نہ ہمیں کوئی دعوت پہنچی تھی تو ہمارا موقف کیا ہوگا؟

جواب اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو تمام لوگوں تک پہنچائیں' لیکن اس کی کسے طاقت ہے۔ تمام لوگوں تک پہنچانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی قدرت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جن باتوں کو واجب قرار دیا ہے' انہیں قدرت کے ساتھ مشروط کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح البخاري، ، الاعتصام بالكتاب السنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح:٧٢٨٨ وصحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ح: ١٣٣٧)

"جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اس کی اطاعت بجالاؤ۔"

ہم مسلمانوں پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین و شریعت کو تمام مخلوق تک پہنچائیں لیکن یہ بقدر استطاعت ہی واجب ہے۔ تمام مخلوق تک اللہ تعالیٰ کی شریعت کو کون پہنچا سکتا ہے' جو پہنچا سکتا ہو اس پر یہ واجب ہے اور جسے اس کی استطاعت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جو شخص برائی کو نیکی اور نیکی کو برائی سمجھتا ہو

سوال ان لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے' جن کے تصورات ہی بدل گئے ہوں اور وہ نیکی کو برائی اور برائی کو نیکی تصور کرنے لگ گئے ہوں؟

جواب ان لوگوں کے بارے میں میری رائے یہ ہے جن لوگوں کے تصورات ہی بدل گئے ہوں اور انہوں نے نیکی کو برائی اور برائی کو نیکی سمجھنا شروع کر دیا ہو اور اب وہ نہ برائی کی تردید کرتے ہوں اور نہ نیکی کی ستائش تو ان کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ یہ لوگ دائرۂ دین ہی سے خارج ہو گئے ہیں۔ والعیاذ باللہ! اس لیے کہ جس نے نیکی کو جو کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت ہے' برائی سمجھ لیا تو اس نے شریعت کا انکار کیا' اسی طرح جس نے برائی کو نیکی سمجھنا شروع کر دیا تو وہ گویا شیطان پر ایمان لے آیا ہے اور حقیقی ایمان تو اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا' جب تک شیطان کے ساتھ کفر نہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر ایمان نہ لایا جائے۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ اپنے گریبان میں جھانکیں' اپنے معاملے پر غور کریں' اپنی اصل کو پہچانیں اور اپنے انجام کو پیش نظر رکھیں' ان کا اصل عدم ہے یعنی کبھی ان کا ذکر تک مذکور نہ تھا اور ان کا انجام یہ ہے کہ ایک نہ ایک دن موت کا جام پی کر فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا ﴾ (الدهر۷۶/ ۱)

"بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔"

اور فرمایا:

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ ﴾ (الرحمن۵۵/ ۲۶-۲۷)

"جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکت) جو صاحب جلال و عظمت ہے باقی رہے گی۔"

اور فرمایا:

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۸۵)

"ہر نفس (جان) کو موت کا مزا چکھنا ہے اور تم کو قیامت کے دن تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔"

ان کو چاہیے کہ اپنی اصلیت پر غور کریں' اگر اس سے فائدہ نہ ہو تو پھر اپنے انجام کے بارے میں نظر عمیق کے ساتھ سوچیں۔ یہ روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ کچھ لوگ دنیا میں آرہے ہیں اور کچھ جا رہے ہیں' یہ پیدا ہو رہا ہے اور وہ فوت ہو رہا ہے' یہ بیمار ہو رہا ہے اور وہ تندرست' کسی کے مال کو نقصان پہنچ رہا ہے اور کسی کے اہل کو اور وہ خوب جانتے ہیں کہ اس دنیا میں کسی کو بھی بقائے دوام حاصل نہیں ہے لہٰذا ان کو چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں' نیکی کو نیکی سمجھیں اور برائی کو برائی سمجھیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

برائی سے خاموشی

سوال مجھے یہ پیشکش کی گئی ہے کہ میں جمعہ کا خطبہ دوں لیکن شرط یہ ہے کہ سود' پردہ' اظہار زیب و زینت اور بے پردگی کو موضوع سخن نہ بناؤں تو کیا میں اس پیشکش کو قبول کر لوں؟

جواب اگر یہ برائیاں اس معاشرہ میں پھیلی ہوئی ہیں' جس میں آپ رہ رہے ہیں تو پھر ان سے خاموش رہنے کی شرط کو قبول نہ کرو کیونکہ ان برائیوں سے خاموشی کے یہ معنی ہوں گے کہ آپ ان کو صحیح سمجھتے ہیں جب کہ واجب یہ ہے کہ برائی کی تردید کی جائے اور پھر یہ برائیاں تو ایسی ہیں کہ شریعت نے انہیں حرام قرار دیا ہے۔ اگر کوئی حکومت انہیں صحیح سمجھے اور ان کو جائز قرار دے تو پھر ان افراد کے لیے ان برائیوں سے خاموشی جائز نہیں جو یہ جانتے ہوں کہ یہ برائیاں ہیں۔ ان کے لیے لازم ہے کہ ان کی تردید کریں' خطیب کو جب بھی موقع ملے اسے ان کی تردید کرنی چاہیے' ان کی خرابی کو واضح کرنا چاہیے اور اس سلسلہ میں درج ذیل آیات کو پیش کرنا چاہیے:

﴿ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ۚ ﴾ (البقرة۲/ ۲۷۵)

"اور اللہ نے سودے کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔"

﴿ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ۖ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۳۳)

''اور جس طرح (پہلے) جاہلیت (کے دنوں) میں اظہار تجمل کرتی تھیں' اس طرح زینت نہ دکھاؤ۔''

اور اس طرح کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ کوئی شخص بھی کتاب و سنت کے ان دلائل کو رد نہیں کر سکتا جن کی دلالت واضح ہو۔ اگر بازاروں میں اور اس معاشرے میں جس میں آپ رہ رہے ہوں' یہ چیزیں موجود نہ ہوں تو پھر لوگوں میں ان کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

برائی کو دل سے برا جاننے کی کیفیت

سوال برائی کو مٹا دینے والی حدیث سے کیا یہ مقصود ہے کہ جب تک برائی کا خاتمہ نہیں ہوتا ہم اس جگہ کو ترک کر دیں' جہاں وہ برائی موجود ہو یا وہاں موجود تو رہیں مگر اسے ناپسند کریں اور اپنے دلوں میں برا جانتے رہیں؟

جواب برائی کے انکار کے حوالہ سے مسلمانوں کے کئی درجے ہیں۔ کچھ تو وہ ہیں جن کے لیے برائی کو ہاتھ سے مٹانا واجب ہے' مثلاً حکمران اور ان کے نائب جن کو یہ صلاحیت حاصل ہوتی ہے' یا مثلاً والد کا اپنی اولاد سے' آقا کا غلام سے اور شوہر کا اپنی بیوی سے معاملہ جب کہ برائی کا مرتکب اس کے بغیر باز ہی نہ آتا ہو اور کچھ لوگ وہ ہیں جن کے لیے واجب ہے کہ برائی کی تردید کے لیے نصیحت و ارشاد' ممانعت اور احسن انداز میں دعوت کے طریق کار کو اختیار کریں اور ہاتھ اور قوت کو استعمال نہ کریں تاکہ فتنہ و فساد اور انارکی نہ پھیلے اور کچھ لوگ وہ ہیں جن کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ برائی کو صرف دل سے برا جانیں کیونکہ انہیں اثر و رسوخ حاصل ہوتا ہے نہ وہ زبان ہی سے سمجھا سکتے ہیں۔ یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان ... الخ، ح: ٤٩)

''تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے' اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے سمجھا دے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

اور اگر اس معاشرے میں جس میں وہ برائی پھیلی ہوئی ہو' موجود رہنے کی مصلحت اسے چھوڑ جانے کے مفاسد سے زیادہ راجح ہو اور برائی کا ارتکاب کرنے والے لوگوں میں موجود رہنے کی صورت میں اس کے فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا بھی کوئی خدشہ نہ ہو تو وہ اسی معاشرے میں موجود رہے اور حسب استطاعت برائی کی تردید کرتا رہے' بصورت دیگر اپنے دین کو بچانے کے لیے ان لوگوں کو چھوڑ دے۔ و صلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی برائے بحوث علمیہ و افتاء ———

عبدالعزیز عبداللہ بن باز (چیئرمین) عبدالرزاق عفیفی (وائس چیئرمین)

عبداللہ بن قعود (رکن) عبداللہ بن غدیان (رکن)

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کا بہترین طریقہ

سوال ایک سائل نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مراتب کے بارے میں پوچھا ہے اور یہ کہ بعض لوگوں کے بقول بسا اوقات اس کا نتیجہ زیادہ بڑی خرابی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے' کیا انسان قہوہ خانوں اور ہوٹلوں وغیرہ میں بھی دعوت الی اللہ کا کام کر سکتا ہے؟ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بہترین طریقہ کیا ہے؟

جواب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب اور اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم واضح فرمایا دیا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۱۰)

"(مومنو!) جتنی امتیں لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾ ﴾ (التوبۃ۹/ ۷۱)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں' یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا۔ بے شک اللہ غالب خوب حکمت والا ہے۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ رَأَى مِنكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان ... الخ، ح:٤٩)

"تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے سمجھا دے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں اور واجب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں نرمی اور اچھے اسلوب کو اختیار کیا جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ ﴾ (النحل۱۶/ ۱۲۵)

"(اے پیغمبر!) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔"

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے والے کے لیے واجب ہے کہ وہ یہ کام علی وجہ البصیرت (دلیل کی بنیاد پر)

سرانجام دے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ هَٰذِهِۦ سَبِيلِىٓ أَدْعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِى ۖ وَسُبْحَٰنَ ٱللَّهِ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٨﴾ ﴾ (یوسف ۱۲/ ۱۰۸)

"(اے پیغمبر!) کہہ دیجئے میرا راستہ تو یہ ہے' میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں' (از روئے یقین و برہان) سمجھ بوجھ کر میں بھی (لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں) اور میرے پیرو بھی اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے کو چاہیے کہ وہ صبر سے کام لے' اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھے' اللہ کے لیے اخلاص کے ساتھ یہ کام کرے' ریاکاری' شہرت اور ان تمام مقاصد سے بچے جو اخلاص کے منافی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَآ إِلَى ٱللَّهِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا وَقَالَ إِنَّنِى مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ ﴿٣٣﴾ ﴾

(حم السجدة ۴۱/ ۳۳)

"اور اس شخص سے بات کا اچھا کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور عمل نیک کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ ﴾ (البينة ۹۸/ ۵)

"اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں۔ (بالکل یک سو ہو کر)"

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو یہ وصیت کی تھی:

﴿ يَٰبُنَىَّ أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ وَأْمُرْ بِٱلْمَعْرُوفِ وَٱنْهَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَٱصْبِرْ عَلَىٰ مَآ أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ ٱلْأُمُورِ ﴿١٧﴾ ﴾ (لقمان ۳۱/ ۱۷)

"پیارے بیٹے! نماز قائم کر اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دے' بدی سے منع کر اور جو مصیبت بھی تجھ پر پڑے اس پر صبر کرنا۔ بے شک یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔"

ہم آپ کو اور دوسروں کو بھی یہ نصیحت کرتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام میں ان لوگوں کی بات نہ مانو جو پسپائی اختیار کرنے والے اور بری بری خبریں اڑانے والے ہوں بشرطیکہ آپ خود بھی صبر' نرمی اور علم کے زیور سے آراستہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق بخشے اور صبر' اخلاص اور بصیرت عطا فرمائے۔ انہ جواد کریم۔

داعی الی اللہ اور نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے منع کرنے والے کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ وہ ان مقامات پر بھی جائے جہاں برائی کا ارتکاب کیا جا رہا ہو تاکہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر سکے اور حکمت' شائستگی اور نرمی کے ساتھ حق کی طرف ان کی راہنمائی کر سکے اور اس اعتبار سے قہوہ خانوں' بازاروں اور برائی کی دیگر جگہوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

جدید وسائل دعوت

سوال اسباب و وسائل دعوت کے بارے میں مبلغین میں اختلاف ہے‘ کچھ لوگ تو اسے توقیفی عبادت قرار دیتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں مختلف ثقافتی سرگرمیوں‘ کھیلوں اور ڈراموں وغیرہ کی مخالفت کرتے ہیں کہ نوجوانوں کو مائل کرنے اور دعوت دینے کے لیے اس طرح کے وسائل اختیار نہ کیے جائیں‘ جب کہ کچھ لوگوں کا موقف یہ ہے کہ نئے زمانے میں وسائل بھی نئے ہوتے ہیں لہٰذا مبلغین کو چاہیے کہ وہ دعوت الی اللہ کے لیے ہر مباح وسیلے کو استعمال کریں‘ امید ہے آپ واضح فرمائیں گے کہ ان میں سے صحیح موقف کون سا ہے؟

جواب الحمد للہ رب العالمین ! اس میں کچھ شک نہیں کہ دعوت الی اللہ عبادت ہے‘ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل آیت کریمہ میں اس کا حکم دیا ہے:

﴿ ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ ۖ وَجَـٰدِلْهُم بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ۚ ﴾ (النحل ١٦/ ١٢٥)

”(اے پیغمبر!) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔“

اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دینے والا انسان دعوت دیتے ہوئے یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت بجا لاتے ہوئے اس کا تقرب حاصل کر رہا ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سب سے بہترین چیز جس کی طرف دعوت دی جائے‘ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب انسانیت کے لیے سب سے بڑا واعظ ہے‘ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى ٱلصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ ﴾

(یونس ١٠/ ٥٧)

”اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے۔“

نبی ﷺ وعظ کے لیے بے حد بلیغ الفاظ استعمال فرمایا کرتے تھے۔ کبھی کبھی آپ اس انداز سے وعظ فرماتے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ اس سے دل فگار اور آنکھیں اشکبار ہو جاتیں جب انسان کے لیے یہ ممکن ہو کہ اس کا وعظ اس کے وسیلہ یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (مزین) ہو تو بلاشبہ یہ ایک بہترین وسیلہ ہے اور اگر اس کے ساتھ وہ کبھی کبھی ایسے وسائل کو بھی استعمال کر لے‘ جن کو اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں‘ بشرطیکہ یہ وسائل کسی حرام چیز مثلاً جھوٹ یا کافرانہ ڈرامے وغیرہ پر مشتمل نہ ہوں۔ یعنی ایسے ڈرامے جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا صحابہ کرام کے بعد کے مسلمانوں کے ائمہ کا کردار ادا کیا گیا ہو یا اس طرح کا کوئی اور ایسا ڈرامہ ہو جس سے یہ خدشہ ہو کہ کوئی اداکاری کے روپ میں ان ائمہ فضلاء کی توہین کر رہا ہے‘ نیز اس قبیل میں سے یہ بھی ہے کہ ڈرامہ میں مرد کی عورت کے ساتھ یا عورت کی مرد کے ساتھ مشابہت نہ ہو کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے رسول اللہ ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والی ہوں اور ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے کہ جو عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والے ہوں۔

بہرحال اگر کبھی کبھی ان وسائل میں سے کوئی وسیلہ تالیف قلب کے لیے اختیار کر لیا جائے اور وہ کسی حرام چیز پر مشتمل نہ ہو تو میری رائے میں اس میں کوئی حرج نہیں لیکن ان وسائل کو کثرت سے استعمال کرنا، انہیں ہی دعوت الی اللہ کے لیے استعمال کرنا اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے اعراض کرنا کہ مدعو صرف انہی وسائل ہی سے اثر قبول کرتا ہو تو میں اسے جائز نہیں سمجھتا بلکہ میری رائے میں یہ طریقہ حرام ہے کیونکہ دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں لوگوں کو کتاب و سنت سے ہٹا کر کسی اور چیز کی طرف متوجہ کرنا ایک امر منکر ہے البتہ کبھی کبھی ان وسائل کے استعمال میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ یہ کسی حرام چیز پر مشتمل نہ ہوں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

وہ حیا جو حق بات سے روکے ضعف و ناتوانی ہے

سوال کسی برائی سے انکار یا کوئی علمی سوال پوچھتے وقت مجھ پر خوف اور ہیبت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اس کا علاج کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔

جواب یہ خوف اور ہیبت شیطان کی طرف سے (حق اور علم سے) روکنا ہے، لہٰذا شیطان سے بچ جاؤ، طاقت ور بن جاؤ اور شرماؤ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی حق بیان کرنے سے عار محسوس نہیں فرماتا۔ سوال کرو اور شرماؤ نہیں، برائی سے بھی منع کرو اور شرماؤ نہیں بشرطیکہ آپ کو علم و بصیرت حاصل ہو۔ آپ اچھے اسلوب میں دعوت الی اللہ دیں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور ان کاموں میں شرمانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ جو حیا حق بات سے روکے وہ حیا نہیں بلکہ ضعف اور ناتوانی ہے۔ شرعی حیا وہ ہے جو آپ کو باطل سے روکے، اسی حیا کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلْحَيَاءُ مِنَ الإِيمَانِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب الحياء من الإيمان، ح:٢٤ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان ... الخ، ح:٣٦)

"حیا ایمان میں سے ہے۔" اور فرمایا:

«اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّـهُ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان وافضلها وأدناها ... الخ، ح:٣٧)

"حیا سارے کا سارا خیر ہے۔"

یہ وہ حیا ہے جو آپ کو باطل سے روکتا ہے، یعنی جو حیا تمہیں بدکاری، شراب، دشمنوں کی صحبت اور ہر قسم کی برائی سے روکے وہ شرعی حیا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

دعوت کی وجہ سے سنتوں کو ترک کر دینا

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ (الأنعام٦/ ١٠٨)

"اور جن لوگوں کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں' ان کو برا نہ کہنا کہ یہ بھی کہیں اللہ کو بے ادبی سے بے سمجھے برا (نہ) کہہ بیٹھیں۔"

کیا اس آیت سے یہ مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے کہ داعی کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اس وقت سنت کو ترک کر دے جب اس پر عمل کرنے کی وجہ سے سنت کو گالی دی جاتی ہو مثلاً چھوٹے کپڑوں کے پہننے کی سنت کو ترک کر کے لمبے کپڑے (جو ٹخنوں سے نیچے ہوں) پہننا شروع کر دے وغیرہ؟

جواب سنت پر عمل کرنے میں دوسروں کے لیے گالی نہیں ہے' لہٰذا مذکورہ بالا آیت اس پر منطبق نہیں ہوتی' لیکن ترک سنت کی دلیل ایک دوسری سنت ہی سے لی جا سکتی ہے اور وہ یہ کہ نبی ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر بیت اللہ شریف کو از سر نو تعمیر کرنے کے اپنے ارادے کو ترک فرما دیا تھا کیونکہ آپ کو اندیشہ تھا کہ کہیں لوگ فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں کیونکہ انہوں نے کفر کو ابھی نیا نیا چھوڑا تھا۔

اگر کوئی سنت ایسی ہو کہ عوام اسے نادر یا عجیب و غریب تصور کرتے ہوں اور اس سنت پر عمل کرنے والے انسان پر وہ ایسے الزام لگاتے ہوں' جن سے وہ پاک ہو تو پھر زیادہ بہتر اور افضل بات یہ ہے کہ اس سنت پر عمل کرنے سے پہلے انسان گفتگو کے ذریعہ سے سمجھا کر فضا ہموار کرے۔ یعنی مجلسوں میں' مسجدوں میں یا اسے جہاں بھی مناسب موقع ملے لوگوں کے سامنے حق بات کو واضح کرے تاکہ جب خود اس سنت پر عمل کرے تو لوگوں نے جان پہچان لیا ہو کہ یہ سنت ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ ایک آدمی کے عمل کرنے کی وجہ سے لوگ سنت کو ناپسند کرتے ہیں مگر ایک دوسرے آدمی کے عمل کرنے کی وجہ سے اسے ناپسند نہیں کرتے مثلاً اگر کوئی ایسی علمی شخصیت جو عوام میں بھی معتبر اور معروف ہو' اپنے کپڑے کو ٹخنوں سے اونچا رکھے تو لوگ اس عمل کو نامناسب خیال نہیں کریں گے' لیکن اس وقت اسے ضرور نامناسب خیال کریں گے جب کسی ایسے شخص کو یہ عمل کرتے ہوئے دیکھیں گے جس کو یہ ثقہ عالم خیال نہ کرتے ہوں' جب صورت حال اس طرح ہو تو پھر افضل یہ ہے کہ ہم عوام کو تدریجاً سنت پر عمل کرنے کی دعوت دیں تاکہ جس فعل کو وہ ناپسند سمجھتے ہوں' اس کے بارے میں انہیں علم حاصل ہو جائے کہ یہ عمل ناپسندیدہ نہیں بلکہ یہ تو سنت ہے۔ خالی دلوں پر جب علم کی دستک ہو گی تو وہ اسے یقیناً قبول کر لیں گے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

منشیات کا کاروبار کرنے والوں سے جان کا خطرہ

سوال ایک شخص بعض لوگوں کو جانتا ہے' جو منشیات کا کاروبار کرتے ہیں۔ لیکن ان کی طرف سے جان کے خطرے یا ان سے رشتہ داری کی وجہ سے حکمرانوں کو ان کے بارے میں بتا نہیں سکتا تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حکمرانوں کو بتانے کی وجہ سے اگر وہ اسے ماریں یا قتل کر دیں تو کیا یہ آزمائش اللہ کی راہ میں شمار ہو گی؟

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ حکمرانوں کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ یہ بتائیں کہ ان تک یہ خبر کس نے پہنچائی ہے' بلکہ حکمرانوں کے لیے تو یہ واجب ہے کہ وہ یہ نہ بتائیں کہ ان تک کس نے خبر پہنچائی ہے بلکہ انہیں جب کسی جرم کے بارے میں یقین حاصل ہو جائے کہ اس کا ارتکاب کیا جا رہا ہے تو پھر وہ اپنے اس یقین کے مطابق عمل کریں اور اگر انہیں

یقین حاصل نہ ہو تو پھر بات کرنے والے شخص کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ دیں کیونکہ اگر ہم ہر اس شخص کے نام کے اعلان کا دروازہ کھول دیں، جو کسی برائی کے بارے میں حکمرانوں کو بتائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ حکمرانوں کے پاس کوئی شخص بھی خبر نہیں پہنچائے گا کیونکہ اس طرح تو ہر شخص اپنے بارے میں قولی یا فعلی ایذاء سے ڈرے گا لہٰذا حکمرانوں کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اس شخص کے نام کا اعلان نہ کریں، جو ان تک خبر پہنچائے اور جیسا کہ میں نے کہا اگر کسی شخص کی خبر کے بارے میں تحقیق سے انہیں یقین حاصل ہو جائے تو وہ کارروائی کریں اور اگر یقین حاصل نہ ہو تو پھر اس خبر کی طرف کوئی توجہ نہ دیں اور اگر اس خبر دینے والے شخص کے بارے میں بتایا گیا تو شدید اندیشہ ہے کہ اسے قولی و فعلی طور پر ایذاء پہنچائی جائے گی اور اس میں اس کا نقصان ہے اور اگر دلوں میں قوی اور مضبوط ایمان نہ ہو تو پھر خوف کی وجہ سے انسان حکمرانوں تک بات نہیں پہنچا سکتا البتہ اگر اطلاع دینے والے شخص کا نام صیغۂ راز میں رکھا جائے تو پھر وہ متعلقہ حکام تک اطلاع پہنچا سکتا ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

اسباب و وسائل دعوت

سوال کیا دعوت الی اللہ کے اسباب و وسائل توقیفی ہیں کہ دعوت کے لیے جدید وسائل مثلاً ذرائع ابلاغ وغیرہ سے استفادہ کرنا جائز نہیں ہے اور صرف انہی وسائل پر اکتفاء کرنا چاہیے، جنہیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں استعمال کیا گیا تھا؟

جواب سب سے پہلے یہ قاعدہ معلوم کرنا چاہیے کہ وسائل، مقاصد کے مطابق ہیں جیسا کہ اہل علم کے ہاں یہ قاعدہ طے شدہ ہے کہ وسیلہ کے احکام وہی ہیں، جو مقصد کے ہوں بشرطیکہ وسیلہ بجائے خود حرام نہ ہو اور اگر یہ خود حرام ہو تو پھر اس میں کوئی اچھائی نہیں ہے، اگر وسیلہ مباح ہو اور وہ ایسے نتیجہ تک پہنچاتا ہو جو شرعاً مقصود ہو تو پھر اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں کہ ہم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مواعظ سے روگردانی کر لیں اور صرف اسی کو اختیار کر لیں جسے ہم دعوت الی اللہ کا وسیلہ سمجھتے ہوں۔ وسیلہ کے بارے میں تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اسے وسیلہ سمجھتے ہوں جب کہ بعض لوگ اسے وسیلہ نہ سمجھتے ہوں لہٰذا انسان کو چاہیے کہ دعوت الی اللہ کے لیے وہ وسیلہ اختیار کرے جو بالاتفاق وسیلہ ہو تاکہ مختلف فیہ وسیلہ کو اختیار کرنے کی وجہ سے اس کی دعوت الی اللہ مخدوش نہ ہو۔

مزید برآں یہ بھی واجب ہے کہ ہم تالیف اور دعوت کے فرق کو بھی ملحوظ رکھیں۔ کبھی کبھی مصلحت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ہم ان نوجوانوں کی تالیف قلب کے لیے جنہوں نے کتاب و سنت کی دعوت کو قبول کر کے اس دعوت سے وابستگی اختیار کر لی ہو، جائز امور میں سے ایسی اشیاء کو استعمال کر لیں، جو دین اور دعوت الی اللہ کے لیے نقصان دہ بھی نہ ہوں اور ان سے ان نوجوانوں کی تالیف قلب بھی ہو جائے تاکہ یہ دین سے متنفر بھی نہ ہوں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

کیسٹوں کے ساتھ دعوت

سوال میں یہ جانتا ہوں کہ ہم سے یہ تقاضا ہے کہ ہم دعوت الی اللہ کا کام کریں، سوال یہ ہے کہ جس کو میرا دعوت

دینے کا ارادہ ہو اور میں اسے کیسٹ بطور تحفہ دے دوں تو کیا یہ کافی ہو گا خصوصا جب کہ مجھے نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے منع کرنے کے لیے مناسب اسلوب بھی نہیں آتا؟

جواب بے شک بالمشافہ نیکی کی دعوت دینا اور برائی سے منع کرنا کتابوں اور کیسٹوں کے تحفہ دینے سے زیادہ مؤثر ہے' کیونکہ کتابوں اور کیسٹوں کا تحفہ کبھی مفید ثابت ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔

یہ تحفہ تو صرف اسی صورت میں مفید ہو سکتا ہے کہ جب وہ شخص جسے تحفہ دیا گیا ہو صدق و عزم کے ساتھ' طلب حق کی خاطر اسے پڑھے اور اس وقت یہ تحفہ مفید ثابت نہیں ہو سکتا جب اسے بادل نخواستہ پڑھے' بسا اوقات وہ کتاب کو پڑھتا اور کیسٹ کو سنتا ہی نہیں بلکہ انہیں یوں ہی رکھ دیتا ہے۔ کتابوں اور کیسٹوں کا تحفہ تو بوقت ضرورت ہوتا ہے یعنی اس وقت جب کسی کو بالمشافہ نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے روکنے کی استطاعت نہ ہو مثلاً وقت تنگ ہو یا مدعو کا مکان بہت بلندی (مثلاً پہاڑی کی چوٹی وغیرہ) پر ہو اور داعی کے لیے وہاں تک پہنچنے کی طاقت نہ ہو' یا اس طرح کا کوئی اور سبب ہو بہرحال اہم بات یہ ہے کہ دعوت بالمشافہ دی جائے اور دعوت کے لیے کتابوں اور کیسٹوں کو صرف بوقت ضرورت ہی استعمال کیا جائے۔
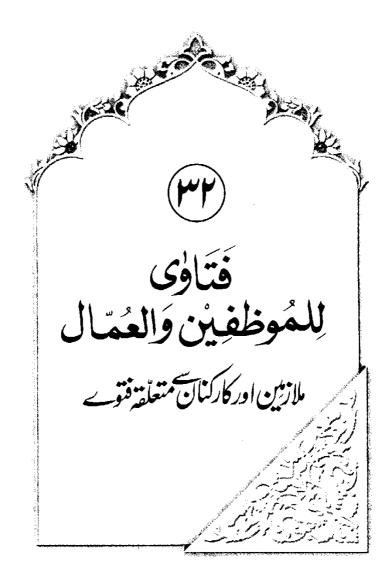
——— شیخ ابن عثیمین ———

٣٢
فتاویٰ
للموظفین والعمال
ملازمین اور کارکنان سے متعلق فتوے

ملازمین اور کارکنان سے متعلقہ فتوے

کیا کوئی پیشہ غیر شریفانہ بھی ہے؟

سوال بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کچھ پیشے غیر شریفانہ ہیں اور وہ ان پیشوں کے کرنے والوں مثلاً نانبائیوں' حجاموں' موچیوں اور صفائی کا کام کرنے والوں کو اچھا نہیں سمجھتے۔ کیا کوئی ایسی شرعی دلیل ہے جس سے معلوم ہو کہ یہ خیال صحیح ہے؟ کیا عربی عادات و طبائع ان پیشوں سے نفرت کرتی ہیں؟ راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب ان پیشوں اور ان جیسے دیگر جائز پیشوں میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان پیشوں سے وابستہ شخص اپنے رب سے ڈرے' ہمدردی و خیر خواہی سے کام کرے اور اپنے ساتھ معاملہ کرنے والوں کو دھوکہ نہ دے جیسا کہ ادلہ شرعیہ کے عموم کا تقاضا ہے مثلاً جب نبی ﷺ سے یہ سوال پوچھا گیا کہ کون سی کمائی زیادہ پاکیزہ ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا:

«عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ»(مسند أحمد: ١٤١/٤، والمستدرك على الصحيحين: ٢/ ٢٠ ومسند البزار: ٢/ ٨٣)

''آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر جائز بیع۔''

اس حدیث کو بزار نے روایت کیا اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے' اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ»(صحيح البخاري، البيوع، باب كسب الرجل عمله بيده، ح: ٢٠٧٢)

''کسی نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا اور کوئی نہیں کھایا' اللہ تعالیٰ کے نبی داؤد علیہ السلام' بھی اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔'' (اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''صحیح'' میں روایت فرمایا ہے)

پھر لوگوں کو ان اور ان جیسے دیگر پیشوں کی ضرورت بھی ہے' ان کو ترک کر دینے سے مسلمانوں کو نقصان ہو گا کیونکہ ان کاموں کے لیے پھر انہیں اپنے دشمنوں کا دست نگر ہونا پڑے گا۔ جو شخص صفائی کے کام سے وابستہ ہو' اسے چاہیے کہ اپنے جسم اور کپڑوں کو نجاست سے محفوظ رکھنے کے لیے پوری پوری کوشش کرے اور اگر کوئی نجاست وغیرہ لگ جائے تو جسم اور کپڑوں کو پاک کرنے کا خوب اہتمام کرے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

سفارش

سوال سفارش کے بارے میں کیا حکم ہے' کیا یہ حرام ہے؟ مثلاً جب میں کوئی ملازمت حاصل کرنا چاہوں یا سکول میں داخلے کا

مسئلہ درپیش ہو یا اس طرح کا کوئی اور معاملہ ہو اور میں کسی سے سفارش کرالوں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اولاً: حصول ملازمت کے سلسلہ میں سفارش سے اگر کسی ایسے انسان کی حق تلفی ہوتی ہو' جو اس ملازمت کے لیے تم سے زیادہ بہتر اور زیادہ حق دار ہو مثلاً یہ کہ متعلقہ ملازمت کے حوالہ سے اس کی علمی استعداد زیادہ ہو یا وہ اس کام کو تم سے زیادہ بہتر انداز میں سرانجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہو تو پھر سفارش کرانا حرام ہے' کیونکہ اس شخص پر بھی ظلم ہے جو تم سے زیادہ حق دار ہے اور یہ حکمرانوں پر بھی ظلم ہے کہ انہیں زیادہ قابل' مستعد اور باصلاحیت لوگوں سے محروم کرنا ہے اور یہ امت کے ساتھ بھی زیادتی ہے کہ اسے ان لوگوں کی خدمات سے محروم کرنا ہے جو کام کو زیادہ بہتر اور موزوں طور پر سرانجام دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور پھر اس سے عداوت' کینے' نفرتیں اور بدگمانیاں بھی جنم لیتی ہیں' جس سے معاشرہ خراب ہوتا ہے اور اگر سفارش سے کسی کا حق ضائع نہ ہوتا ہو یا کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو تو پھر یہ جائز ہے بلکہ شرعاً اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے اور سفارش کرنے والے کو ان شاء اللہ اجر و ثواب بھی ملے گا کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اِشْفَعُوا تُؤْجَرُوا، وَيَقْضِي اللهُ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ مَا شَاءَ»(صحيح البخاري، الزكاة، باب التحريض على الصدقة والشفاعة فيها، ح:١٤٣٢ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب الشفاعة فيما ليس بحرام، ح:٢٦٢٧)

"سفارش کرو تمہیں اجر و ثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبانی جو چاہتا ہے فیصلہ فرما دیتا ہے۔"

ثانیاً: مدارس' دینی ادارے اور یونیورسٹیاں امت کی فلاح و بہبود کے ادارے ہیں' ان اداروں میں وہ تعلیم دی جاتی ہے' جو دین و دنیا کے اعتبار سے منفعت بخش ہے' لہٰذا امت کے کسی فرد کو ان اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کا دوسروں سے زیادہ حق حاصل نہیں ہے' لہٰذا ان میں داخلہ سفارش کی بجائے دیگر امور مثلاً میرٹ وغیرہ کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ سفارش کرنے والے کو اگر یہ معلوم ہو کہ اس کی سفارش کی وجہ سے کوئی ایسا شخص داخلہ سے محروم ہو سکتا ہے' جو اہلیت یا عمر یا اسبقیت کے اعتبار سے مقدم ہو تو پھر سفارش ممنوع ہو گی کیونکہ اس میں محروم رہ جانے والے پر ظلم ہو گا یا وہ کسی دور دراز سکول میں داخلہ لینے پر مجبور ہو جائے گا' جس کی وجہ سے اسے بہت تکلیف ہو گی اور دوسرے کو راحت اور پھر اس سے معاشرے میں کدورتیں' نفرتیں اور خرابیاں بھی پیدا ہوتی ہیں لہٰذا ان حالات میں سفارش جائز نہیں۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

دھوکے سے ڈگری حاصل کرنے والے کا کام

سوال ایک طالب علم نے یونیورسٹی سے ڈگری تو حاصل کر لی' جب کہ تعلیمی مراحل پاس کرنے کے دوران میں کبھی وہ نقل سے کام لیتا یا کبھی اپنے ساتھیوں سے امتحان میں مدد لے لیتا تھا اور اس طرح ناجائز طریقے اختیار کر کے بالآخر یونیورسٹی کی ڈگری حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور پھر اپنی اس ڈگری کے مطابق وہ ملازمت حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا اور اب اسے ملازمت کی ماہوار تنخواہ بھی ملنے لگی ہے' تو سوال یہ ہے کہ کیا اس کی یہ تنخواہ حلال ہے یا حرام لیکن یاد رہے

کہ اس ملازمت کی وجہ سے اس کے سپرد جو کام ہے اسے وہ اچھے طریقے سے سرانجام دے رہا ہے' بلکہ وہ مقررہ وقت سے بھی زیادہ وقت دے دیتا ہے' اگر اس کی یہ تنخواہ حرام ہے تو پھر اس مشکل کا حل کیا ہے' فتویٰ عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے گا؟

جواب اس شخص نے جو کچھ کیا اس پر اس کو اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنی چاہیے اور اپنے فعل پر نادم ہونا چاہیے۔ اس کی ملازمت صحیح ہے اور تنخواہ لینا بھی درست ہے بشرطیکہ اس کام کو صحیح طریقے سے سرانجام دے' جو اس کے سپرد کیا گیا ہے لیکن جیسا کہ ہم نے کہا ہے' اسے اپنے اس غلط اور برے کام سے توبہ ضرور کرنی چاہیے' توبہ سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

یہ دھوکا اور فریب ہے

سوال میں ایک سرکاری ادارے میں ملازم ہوں۔ ملازمت کے حصول کے وقت اس ادارے نے مجھے طبی معائنہ کے لیے کاغذات دیے تو میں نے نظر کے سوا تمام امور کا معائنہ خود کروایا اور نظر کا معائنہ اپنے بجائے اپنے کسی عزیز کا کروایا' اب یہ ملازمت کرتے ہوئے مجھے دس سال ہو گئے ہیں' راہنمائی فرمائیں کہ میں کیا کروں؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ آنکھ یا کسی اور چیز کے طبی معائنہ میں دھوکے یا فریب سے کام لیں اور اپنے بجائے کسی اور کو معائنہ کے لیے پیش کر دیں۔ آپ کو چاہیے کہ متعلقہ ادارے کو اس کے بارے میں بتا دیں اور اگر آپ اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں' تو اللہ تعالیٰ ماضی کی غلطی کو معاف فرمائے' آئندہ ایسا نہ کرنا اور ماضی میں جو دھوکا اور فریب دیا ہے' اس سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کریں۔

——— شیخ ابن باز ———

اپنے حق کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا

سوال میں ایک ایسے تاجر کے پاس کام کرتا ہوں' جو رشوت کے بغیر کام کرتا ہی نہیں۔ میں اس کا حساب کتاب کرتا ہوں' اس کے کام کی نگرانی کرتا اور اس کی تنخواہ لیتا ہوں تو کیا ایسے تاجر کے پاس کام کرنے کی وجہ سے گناہ ہے یا نہیں؟

جواب اولاً: اس بات کو اچھی طرح جان لیجیے کہ وہ رشوت حرام ہے' جسے انسان کسی باطل کام کے لیے دے مثلاً قاضی کو رشوت دے تاکہ وہ اس کے حق میں ناجائز فیصلہ کر دے یا کسی سرکاری ملازم کو رشوت دے تاکہ وہ اس کے کسی کام کو معاف کر دے' جو حکومت کے نزدیک ناقابل معافی ہو تو ان جیسے امور کے لیے رشوت دینا حرام ہے۔

جس رشوت کے ذریعے سے انسان اپنے حق کو حاصل کرنا چاہے کہ اس کے بغیر اس کے لیے اپنے حق کو حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں لینے والے کے لیے رشوت بلاشبہ حرام ہوگی مگر دینے والے کے لیے نہیں کیونکہ دینے والا تو اپنے حق کو حاصل کرنے کے لیے دے رہا ہے' البتہ لینے والا ضرور گناہ گار ہے کیونکہ وہ ناحق مال لے رہا ہے۔

بہر حال اس مناسبت سے میں یہ ضرور کہوں گا کہ اس بہت گھٹیا اور شرعاً حرام کام سے اجتناب کرنا چاہیے' جسے عقل بھی پسند نہیں کرتی۔ بعض لوگ ۔۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت بخشے ۔۔ لوگوں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے معاملات کو آسان

بنانے کے سلسلہ میں اس وقت تک اپنے فرائض ادا ہی نہیں کرتے' جب تک انہیں مال نہ دیا جائے حالانکہ یہ ان کے لیے حرام ہے۔ اس میں حکومت کی بھی خیانت ہے اور جو ان کے سپرد امانت ہے اس کی بھی' نیز باطل طریقے سے مال کھانا اور اپنے بھائیوں پر ظلم کرنا بھی ہے' لہٰذا انہیں چاہیے کہ اللہ عزوجل سے ڈریں اور جس بار امانت کو انہوں نے اٹھایا ہوا ہے اس کے بارے میں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں۔

اس اصول کی بنیاد پر رشوت کا معاملہ کرنے والے اس تاجر شخص کے پاس کام کرنا حرام ہے کیونکہ حرام کام کرنے والے کے پاس کام کرنے میں اس کی اعانت ہے اور حرام کام میں اعانت کرنا حرام اور گناہ کے کام میں شرکت ہے لہٰذا آپ بغور جائزہ لیں کہ اگر یہ شخص اپنے حق کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دیتا ہے تو پھر اس کے پاس کام کرنے میں آپ کو کوئی گناہ نہیں ہوگا بصورت دیگر گناہ اور اس کے پاس کام کرنا حرام ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اس نے گاڑی اپنے نام سے خرید لی

سوال ایک آدمی نے کسی دوسرے شخص کو قرآن کریم کے حفظ کے مدرسہ پر خرچ کرنے کے لیے رقم دی اور اس شخص نے اور بھی مال جمع کیا اور اس سے ایک بڑی گاڑی خرید لی اور وہ کہتا ہے کہ یہ گاڑی مدرسہ کے لیے ہے لیکن اس نے اس کی اپنے نام پر رجسٹریشن کروالی ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس شخص کا اپنے نام پر گاڑی کی رجسٹریشن کرانا بہت بڑی غلطی اور مدرسہ تحفیظ قرآن کے ساتھ زیادتی ہے' کیونکہ اگر اس شخص اور اس مدرسہ میں اختلاف ہو جائے اور معاملہ عدالت تک چلا جائے تو عدالت تو کاغذات دیکھ کر اسی کے حق میں فیصلہ کرے گی' جس کے نام پر گاڑی کی رجسٹریشن ہوگی لہٰذا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ گاڑی یا کوئی اور چیز جو کسی ادارے کی ہو' اسے اپنے نام لکھوائے' الّا یہ کہ وضاحت کر دی جائے کہ یہ گاڑی وغیرہ اس کی نہیں بلکہ ادارے کی ہے اور وہ محض اس ادارے کے سرپرست یا وکیل کی حیثیت سے اپنے نام لکھوا رہا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسے خرچ کرنے کے لیے جو مال دیا گیا ہے' اگر وہ مدرسہ کی عمومی ضروریات کے لیے ہے تو اس سے مدرسہ کے لیے گاڑی وغیرہ خریدی جا سکتی ہے اور اگر یہ مال اساتذہ اور طلبہ کے لیے خاص ہو تو پھر اسے ان کے علاوہ دیگر امور پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

برے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا بھی گناہ ہے

سوال میرے کچھ دوست ہیں جو میرے ساتھ ایک ہی دفتر میں کام کرتے ہیں اور جس دن سے ان سے تعارف ہوا ہے' میں نے دیکھا ہے کہ وہ جنسی امور اور فحش رسالوں کے بارے میں گفتگو کرتے رہتے ہیں' جب کہ میں ان کی باتوں کو قطعاً پسند نہیں کرتا لیکن ایک ہی دفتر میں کام کرنے کی وجہ سے ان کے ساتھ بیٹھنے پر مجبور ہوں' بعض اوقات اس قسم کی گفتگو پر

اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے میں دفتر سے باہر بھی نکل جاتا ہوں' لیکن اس میں مشکل یہ ہے کہ اگر مالک آجائے اور مجھے اپنے کام کی جگہ پر بیٹھا ہوا نہ دیکھے تو وہ مجھے برا بھلا کہے گا اور اگر انہیں اس قسم کی گفتگو کرتے ہوئے دیکھے تو وہ بھی کسی شرم و حیا کے بغیر ان کے ساتھ شریک گفتگو ہو جائے گا کیونکہ ایسا کئی دفعہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔ اس صورت حال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب اگر یہ لوگ حرام گفتگو کرتے ہیں اور وعظ و نصیحت کی صورت میں ان کی اصلاح ممکن نہیں' تو آپ کے لیے یہ واجب ہے کہ اس ملازمت کو ترک کر کے کوئی اور ملازمت اختیار کر لیں کیونکہ علیحدگی اختیار کرنے کی قدرت کے باوجود گناہ گاروں کے ساتھ بیٹھنا ان کے گناہ میں شریک ہونا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي ٱلْكِتَٰبِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا۟ مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا۟ فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِۦٓ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ﴾ (النساء٤/ ١٤٠)

"اور اللہ نے تم (مومنوں) پر اپنی کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جا رہی ہے تو جب تک وہ لوگ اور باتیں (نہ) کرنے لگ جائیں ان کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔"

اگر ان لوگوں کے حالات میں تبدیلی نہیں آسکتی تو پھر آپ کے لیے یہ واجب ہے کہ آپ کوئی دوسری ملازمت تلاش کر لیں تاکہ ان کے گناہ میں شریک نہ ہوں۔ اگر آپ صدق دل سے اس حرام کام سے بھاگنے کی نیت کر لیں تو اللہ تعالیٰ بھی آپ کے لیے یقیناً آسانی پیدا فرما دے گا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ﴿٤﴾ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٤)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ﴿٢﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢۔٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن) سے مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔"

شیخ ابن عثیمین

یہ کام جائز نہیں ہے

سوال میرا ایک قریبی عزیز ہے جو مرکزی ٹیلی فون ایکسچینج کے ایک ادارے میں کام کرتا ہے اور مجھے بعض حکومتی عہدے داروں کی گفتگو سنوا دیتا ہے تو کیا اس کی وجہ سے مجھے کوئی گناہ تو نہیں ہو گا؟

جواب متعلقہ حکومتی عہدے داروں کی اجازت کے بغیر ان کی گفتگو سننا جائز نہیں ہے۔ آپ کے اس قریبی عزیز کا یہ عمل خیانت پر مبنی ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں' تمہیں اور تمہارے اس عزیز کو ہدایت عطا فرمائے۔

شیخ ابن باز

بے نماز ملازم کو فارغ کر دینا

سوال ایک مسلمان مگر بے نماز ملازم اگر میرے ماتحت کام کرتا ہو تو کیا میں اسے فارغ کر دینے کے لیے کوشش کروں؟ فتویٰ عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے۔

جواب سب سے پہلے تو آپ پر یہ واجب ہے کہ اسے سمجھائیں' ہو سکتا ہے کہ آپ کے سمجھانے سے اللہ تعالیٰ اسے ہدایت عطا فرما دے اور اگر اس طرح وہ نہ سمجھے تو معاہدۂ ملازمت ختم کر دیں کیونکہ اگر وہ نماز نہیں پڑھتا تو وہ کافر اور مرتد ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کام میں تفریق کرنا

سوال جہاں میں کام کرتا ہوں وہاں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں' جن کے عمل اور نصیحت میں فرق ہے لیکن وہ اس بات سے بے خبر ہیں' کیا یہ جائز ہے' مجھے اس صورت حال میں کیا کرنا چاہیے؟

جواب کام میں تفریق سے کیا مراد ہے؟ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک شخص کو دوسرے سے مقدم قرار دیتے ہیں اور یہ ظلم ہے کیونکہ کام کرنے والے تمام لوگوں سے مساوی سلوک کرنا واجب ہے اور اگر کام میں فرق کرنے سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے کام کی نگرانی کر رہا ہو تو وہ خلوص اور ہمدردی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص نگرانی نہ کر رہا ہو تو پھر سستی و کوتاہی سے کام لیتے ہیں تو یہ حرام اور اس کام میں خیانت ہے جو ان کے سپرد کیا گیا ہو اور جس کے بارے میں انہیں امین سمجھا گیا ہو۔ اس صورت حال میں واجب ہے کہ انہیں صحیح طریقے سے کام کرنے کی تلقین کی جائے اور اگر وہ باز نہ آئیں تو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ان کا معاملہ متعلقہ حکام تک پہنچایا جائے۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

صحیح صورت حال معلوم کریں

سوال میں اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مل کر ایک جگہ سکونت پذیر ہوں۔ ان میں سے ایک شخص کے بارے میں اچانک یہ تبدیلی آئی ہے کہ وہ بہت جلد امیر ہوتا جا رہا ہے حالانکہ اس کے اخراجات اس کی آمدنی سے کہیں زیادہ ہیں' اس سے میرے دل میں اس کے بارے میں شک پیدا ہو گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس صورت حال میں میں اس کے ساتھ رہوں یا اس سے علیحدگی اختیار کر لوں؟

جواب واجب یہ ہے کہ آپ اپنے اس دوست سے اس جلد اور اچانک حاصل ہونے والی دولت کے بارے میں پوچھیں' ہو سکتا ہے کہ کسی نے اسے دولت ہبہ کر دی ہو یا اسے اپنے ہاتھ کی کمائی ہی سے حاصل ہوئی ہو یا اسے بطور میراث ملی ہو' لہٰذا پہلے آپ اس سے پوچھیں تاکہ صحیح صورت حال معلوم ہو جائے۔ اگر معلوم ہو کہ یہ دولت جائز طریقے سے حاصل ہوئی ہے تو اس سے اشکال دور ہو جائے گا اور اگر معلوم ہو کہ یہ دولت ناجائز طریقے سے حاصل ہو رہی ہے تو آپ پر واجب ہے کہ اسے سمجھائیں اور اگر وہ سمجھانے سے بھی باز نہ آئے تو پھر اس سے علیحدگی اختیار کر لیں تاکہ آپ اس کے ساتھ حرام مال کھانے میں شریک نہ ہوں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

سرکاری چیزوں کا ذاتی کاموں کے لیے استعمال

سوال ایک سرکاری ملازم کے لیے دفتر کی بعض چھوٹی چھوٹی اشیاء مثلاً قلم' لفافہ اور پیمانہ وغیرہ ذاتی کاموں کے لیے استعمال کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب سرکاری دفتروں کی چیزوں کا ذاتی کاموں کے لیے استعمال حرام ہے' کیونکہ یہ اس امانت و دیانت کے خلاف ہے جس کی حفاظت کو اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے' البتہ کسی ایسی چیز کو استعمال کیا جا سکتا ہے' جس کے استعمال سے حکومت کو کوئی نقصان نہ ہو' مثلاً پیمانہ وغیرہ کا استعمال کیونکہ اس کے استعمال سے نہ پیمانہ پر ہی کوئی اثر پڑتا ہے اور نہ اس کے استعمال سے حکومت ہی کو کوئی نقصان ہوتا ہے لیکن سرکاری دفتروں کے قلم' کاغذات' ٹائپ رائیٹر اور فوٹو سٹیٹ مشین وغیرہ کا ذاتی کاموں کے لیے استعمال جائز نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں صرف سرکاری استعمال کے لیے ہوتی ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

سرکاری گاڑی کا ذاتی ضرورت کے لیے استعمال

سوال کیا کسی حکومتی ادارے میں کام کرنے والے مسلمان ملازم کے لیے سرکاری گاڑی کا ذاتی ضرورت کے لیے استعمال جائز ہے خصوصاً جب کہ اس کے پاس اپنی ذاتی گاڑی بھی موجود ہو؟

جواب حکومت کے ملازم کی مثال اجرت پر کام کرنے والے مزدور کی سی ہے' جو کام اس کے سپرد کیا گیا ہو وہ اس کے بارے میں امین ہے' نیز سرکاری کام کے لیے اسے جو آلات اور جو اشیاء دی جائیں' ان کے استعمال میں بھی اسے امانت و دیانت کا ثبوت دینا چاہیے کہ انہیں صرف سرکاری کاموں ہی کے لیے استعمال کرے لہٰذا اسے چاہیے کہ ذاتی کام کے لیے نہ سرکاری گاڑی استعمال کرے اور نہ ٹیلی فون' نوٹ بکس' کاغذات' قلم اور دیگر اشیاء استعمال کرے' تقویٰ اور امانت و دیانت کا تقاضا یہی ہے کہ سرکاری اشیاء کو ذاتی استعمال میں نہ لایا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿٣٢﴾ ﴾ (المعارج ۷۰/ ۳۲)

"اور جو امانتوں اور اقراروں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔"

——— شیخ ابن جبرین ———

چوکیدار کی نماز

سوال ایک سپاہی کی ایک جگہ چوکیداری کے لیے ڈیوٹی لگائی گئی' اسی دوران میں نماز کا وقت ہو گیا تو اس نے اسے نماز مغرب کے بعد ادا کیا کیونکہ کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو اس کے قائم مقام ہو کر ڈیوٹی دیتا اور یہ نماز پڑھ لیتا' تو کیا اس صورت میں نماز عصر تاخیر سے ادا کرنے کی وجہ سے اسے گناہ ہوگا؟ جو شخص ایسی صورت حال سے دوچار ہو' وہ کیا کرے؟

جواب چوکیدار یا کسی بھی دوسرے شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے ادا کرے

کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ كَانَتۡ عَلَى ٱلۡمُؤۡمِنِينَ كِتَٰبٗا مَّوۡقُوتٗا ﴾ (النساء٤/ ١٠٣)

"بے شک نماز کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔"

کتاب و سنت کے دیگر دلائل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا اوقات مقررہ میں ادا کرنا فرض ہے لہٰذا اسے چاہیے کہ چوکیداری کے فرائض سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ نماز بھی اسی طرح ادا کرے' جس طرح مسلمانوں نے دشمن کے بالمقابل صف آرا ہونے کی حالت میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مل کر نماز خوف ادا کی تھی۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

دفتروں میں قرآنی آیات کا لٹکانا

سوال کیا دفتروں میں بعض قرآنی آیات کا لٹکانا جائز ہے؟ کیا یہ بات صحیح ہے کہ آیات لٹکانے کا حکم بھی وہی ہے جو تصویریں لٹکانے کا ہے؟

جواب تصویروں کا لٹکانا تو جائز نہیں ہے البتہ دفتروں میں نصیحت کے لیے آیات و احادیث کے لٹکانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا یہ کام جائز ہے؟

سوال میں ایک نوجوان ہوں' ابھی تک کوئی ملازمت حاصل نہیں کر سکا البتہ ایک مسجد میں اذان دے رہا ہوں تو امام مسجد نے مجھ سے کہا ہے کہ میں محکمہ اوقاف میں تمہارا نام لکھوا دیتا ہوں تاکہ تم تنخواہ حاصل کر سکو اور بطور مؤذن کسی اور شخص کا فرضی نام لکھوا دیتا ہوں تاکہ تم تنخواہ بھی اور اذان کا معاوضہ بھی حاصل کر سکو تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ جائز ہے کہ میں کسی اور شخص کے نام پر تنخواہ اور اذان کا معاوضہ وصول کروں' کیا یہ جھوٹ ہے یا نہیں؟ اور اگر اس طرح میں نے جھوٹی تنخواہ لے لی ہو تو اس کا کیا کروں یعنی اسے صدقہ کر دوں یا کیا کروں؟

جواب یہ ایک غلط اور جھوٹا کام ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔ آپ کو چاہیے کہ اوقاف سے لی ہوئی تنخواہ واپس کر دیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر اسے فقراء وغیرہ میں تقسیم کر دیں کیونکہ یہ مال ناحق لیا گیا ہے' اسے مستحق لوگوں پر صرف نہیں کیا گیا' لہٰذا اسے نیکی کے کاموں مثلاً فقراء کے لیے یا باتھ رومز وغیرہ کی اصلاح کے لیے خرچ کرنا واجب ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

ایسے ہوٹلوں میں کام' جن میں شراب اور سور کا گوشت پیش کیا جاتا ہو

سوال اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَ بَعْد: بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی نے اس سوال کا جائزہ لیا' جو جناب چیئرمین کی خدمت میں نبیل بن عبداللہ شاہین کی طرف سے حوالہ نمبر ۲۰۴ مورخہ ۹/ ۲/ ۱۴۰۲ھ کو پیش

کیا گیا تھا اور جس میں لکھا ہے:

میں یہاں ہالینڈ میں کام کرتا ہوں اور الحمد للہ ایک مسلمان اور دیندار نوجوان ہوں لیکن یہاں اکثر و بیشتر ایسے کام ملتے ہیں، جن کا تعلق شراب سے ہے یا ایسے ہوٹلوں سے جن میں دوسرے گوشت کے ساتھ خنزیر کا گوشت بھی پکایا جاتا ہے۔ کیا ایسے ہوٹلوں میں ان برتنوں کے دھونے کا کام کیا جا سکتا ہے، جن میں خنزیر کا گوشت تیار کیا جاتا ہو؟ راہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق عطا فرمائے اور جزائے خیر سے نوازے۔

جواب کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا: آپ کے لیے ایسے مقامات پر کام کرنا جائز نہیں ہے، جہاں شرابیں بیچی جاتی یا پینے والوں کو پیش کی جاتی ہوں اور نہ ان ہوٹلوں میں کام کرنا جائز ہے، جہاں کھانے والوں کو خنزیر کا گوشت پیش کیا جاتا ہو یا آپ اسے خریداروں کو فروخت کریں خواہ اس کے ساتھ دوسرے گوشت اور دوسرے کھانے بھی موجود ہوں اور خواہ آپ کا کام بیچنے کا ہو یا کھانے والوں کی خدمت میں صرف پیش کرنے کا یا برتنوں کو دھونے کا کیونکہ یہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ نے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"اور تم گناہ اور ظلم کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔"

اور ایسی بات بھی نہیں کہ آپ اس کے لیے مجبور اور مضطر ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی زمین بہت وسیع ہے، مسلمانوں کے بہت سے ملک ہیں لہٰذا مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مل کر کسی ایسے ملک میں کام کریں، جہاں جائز کام میسر ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ﴿٢﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُۥٓ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ بَٰلِغُ أَمْرِهِۦ ۚ قَدْ جَعَلَ ٱللَّهُ لِكُلِّ شَىْءٍ قَدْرًا ﴿٣﴾ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسہ رکھے گا تو وہ اس کو کفایت کرے گا۔ اللہ اپنے کام کو (جو وہ کرنا چاہتا ہے) پورا کر دیتا ہے، اللہ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ﴿٤﴾ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٤)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔"

و صلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

شراب کی فیکٹریوں میں کام کرنا

سوال جو مسلمان شراب یا منشیات بیچتا ہو، کیا ہم اسے مسلمان کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ جو مسلمان کسی شراب کی فیکٹری میں کام کرتا ہو، کیا اس کے لیے واجب ہے کہ وہ اس کام کو چھوڑ دے خواہ اسے اس کے سوا کوئی دوسرا کام نہ بھی ملے؟

جواب شراب اور دیگر تمام محرمات کو فروخت کرنا بہت بڑا گناہ ہے' اسی طرح شراب کی فیکٹری میں کام کرنا بھی حرام اور منکر کام ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (المائدة٥/ ٢)

''(اور دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔''

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شراب' منشیات اور سگریٹ کی فروخت گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے' اسی طرح شراب کی فیکٹریوں میں کام کرنا بھی گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾ ﴾ (المائدة٥/ ٩٠-٩١)

''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان (شیطانی کام) میں سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔''

صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب پر' اس کے پینے والے پر' پلانے والے پر' نچوڑنے والے پر' جس کے لیے نچوڑی گئی ہو' اس کے اٹھانے والے پر اور جس کے لیے اٹھا کر لے جائی گئی ہو' اس کے بیچنے اور خریدنے والے پر اور اس کی قیمت کھانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔[1] رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث سے یہ بھی ثابت ہے:

«إِنَّ عَلَى اللهِ عَهْدًا، لِمَنْ يَشْرَبُ الْمُسْكِرَ، أَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِينَةِ الْخَبَالِ قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ! وَمَا طِينَةُ الْخَبَالِ؟ قَالَ: عَرَقُ أَهْلِ النَّارِ أَوْ عُصَارَةُ أَهْلِ النَّارِ»(صحيح مسلم، الأشربة، باب بيان أن كل مسكر خمر، وأن كل خمر حرام، ح:٢٠٠٢)

''اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ذمہ لے رکھا ہے کہ جو شخص کوئی نشہ آور مشروب پیئے گا تو وہ اسے ''طینة الخبال'' پلائے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ''طینة الخبال'' سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: اس سے مراد جہنمیوں کا پسینہ ہے یا آپ نے یہ فرمایا کہ اس سے مراد جہنمیوں کی پیپ ہے۔''

شراب بیچنے والے کے بارے میں حکم یہ ہے کہ وہ نافرمان' فاسق اور ناقص الایمان ہے۔ قیامت کے دن اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے' وہ چاہے تو اسے معاف فرما دے یا اسے سزا دے' جب کہ وہ توبہ کرنے سے پہلے مرجائے۔ اہلسنّت و الجماعت کا یہی عقیدہ ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ﴾ (النساء٤/ ١١٦)

''اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کردے۔''

---

[1] سنن ابی داود' الاشربه' باب العصیر للخمر' حدیث: 3674

یہ حکم اس صورت میں ہے' جب وہ شراب بیچنے کو حلال نہ سمجھتا ہو اور اگر وہ اسے حلال سمجھتا ہو تو پھر وہ کافر ہے اور اس صورت میں اگر وہ مرجائے تو تمام علماء کے نزدیک نہ اسے غسل دیا جائے گا اور نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے گا کیونکہ اس صورت میں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنے والا ہے۔

اس طرح جو شخص زنا یا لواطت یا سود یا دیگر متفق علیہ محرمات مثلاً والدین کی نافرمانی' قطع رحمی اور ناحق قتل کو حلال سمجھے تو اس کے بارے میں بھی یہی حکم ہے اور اگر کوئی شخص ان میں سے کسی کام کو کرے اور یہ سمجھے کہ یہ حرام ہے اور اس کے کرنے سے وہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے' اس سے وہ کافر نہیں ہو گا بلکہ وہ فاسق ہو گا اور اگر موت سے پہلے توبہ نہ کرے تو آخرت میں اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہو گا جیسا کہ قبل ازیں شرابی کے بارے میں حکم بیان کیا جا چکا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

مضطر کے بارے میں ایک فتویٰ

سوال رسالہ "المسلمون" میں مغرب کے شیخ احمد الکتانی کا ایک فتویٰ شائع ہوا ہے' جس میں انہوں نے اس شخص کے کام کو جائز قرار دیا ہے' جو کسی قہوہ خانہ میں شراب پیش کرتا ہو اور دلیل یہ دی ہے کہ یہ شخص مضطر ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس میں کیا اضطرار ہے؟ میں چاہتا ہوں کہ اس مسئلہ کی وضاحت فرما دیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تو شراب کے سلسلہ میں کام کرنے والے ہر شخص پر لعنت فرمائی ہے۔

جواب ہاں یہ صحیح ہے کہ نبی ﷺ نے شراب' اس کے پینے والے' پلانے والے' بیچنے والے' خریدنے والے' قیمت کھانے والے' اٹھانے والے' جس کی طرف اٹھا کر لے جائی جائے' کشید کرنے والے اور جس کے لیے اسے کشید کیا جائے' سب پر لعنت فرمائی ہے۔ [1] لہٰذا جو شخص کسی قہوہ خانہ میں شراب سے متعلق کوئی بھی کام کرتا ہو تو اس کا یہ کام اس حدیث کی رو سے حرام ہے اور اگر وہ اس قہوہ خانہ میں کوئی اور ایسا کام کرتا ہو جس کا شراب سے کوئی تعلق نہ ہو مثلاً کھانا تیار کرتا ہو یا قہوہ بناتا ہو یا قہوہ کے برتن دھوتا ہو تو پھر اسے کوئی گناہ نہیں ہو گا لیکن اس صورت میں بھی افضل یہ ہے کہ وہ ایسے قہوہ خانہ سے دور ہی رہے۔ جواز صرف ایسی ضرورت کے وقت ہو گا' جب اسے حلال کمائی کے لیے کوئی اور کام نہ ملے اور اس قہوہ خانہ میں شراب یا اس کے پینے والوں سے اس کا قطعاً کوئی تعلق نہ ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

سگریٹ وغیرہ جیسی حرام چیزیں بنانے والی فیکٹریوں میں کام

سوال میں ایک بہت زیادہ سخت کام کرتا تھا' جسے میرے لیے جاری رکھنا ناممکن تھا لہٰذا میں نے ایک آسان کام تلاش کرنا چاہا تو وہ مجھے سگریٹ بنانے والی ایک فیکٹری میں ملا ہے۔ اب میں چند ماہ سے اس فیکٹری میں کام کر رہا ہوں لیکن میں خود سگریٹ استعمال نہیں کرتا' سوال یہ ہے کہ اس کام کی وجہ سے مجھے جو اجرت ملتی ہے کیا وہ حلال ہے یا حرام' یاد رہے میں اپنے کام میں بحمد اللہ مخلص ہوں؟

---

[1] سنن ابی داود [illegible] 3674

جواب اس فیکٹری میں آپ کے لیے کام کرنا حلال نہیں ہے' جو سگریٹ بناتی ہے کیونکہ سگریٹ بنانا اور اس کی خرید و فروخت کرنا حرام ہے اور اس فیکٹری میں کام کرنا ایک حرام کام میں تعاون کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ﴾ (المائدۃ۵/ ۲)

"اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔"

اس فیکٹری میں آپ کا کام کرنا اور اس کام کی اجرت لینا حرام ہے لہٰذا آپ کو توبہ کرنی چاہیے اور اس فیکٹری میں کام چھوڑ دینا چاہیے' حلال کی تھوڑی تنخواہ حرام کی زیادہ تنخواہ سے بہتر ہے کیونکہ انسان کی کمائی اگر حرام ہو تو اللہ تعالیٰ اسے برکت سے محروم کر دیتا ہے' اگر اسے صدقہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں فرماتا اور اگر مرنے کے بعد اسے اپنے پیچھے چھوڑ جائے تو وارثوں کے لیے اگرچہ یہ مال غنیمت ہو گا لیکن اسے اس کا گناہ ہو گا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لاَ يَقْبَلُ إِلاَّ طَيِّبًا، وَإِنَّ اللهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ، فَقَالَ: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَٰلِحًا ۖ إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾ ﴾ (المؤمنون۲۳/ ۵۱) وَقَالَ ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُلُوا۟ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ ﴾(البقرۃ۲/ ۱۷۲) ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ، يُطِيلُ السَّفَرَ، أَشْعَثَ أَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ، يَارَبِّ! يَارَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ؟»(صحیح مسلم، الزکاۃ، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، ح:۱۰۱۵)

"بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک مال ہی کو قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو بھی وہی حکم دیا ہے' جو اس نے اپنے رسولوں کو حکم دیا تھا کہ "اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور عمل نیک کرو' جو عمل تم کرتے ہو بلاشبہ میں ان سے واقف ہوں۔" اور فرمایا: "اے اہل ایمان! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں انہیں کھاؤ۔" پھر نبی ﷺ نے ایک ایسے شخص کا بھی ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے' پراگندہ حال اور غبار آلود ہے' آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے یارب! یارب! مگر اس کا کھانا حرام ہے' اس کا لباس حرام ہے اور حرام ہی سے اس نے پرورش پائی ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ "اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔"

قبولیت دعا کے اسباب کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے اس کی دعا کو قبولیت سے محروم قرار دیا تو وہ محض اس وجہ سے کہ اس کا کھانا' اس کا لباس اور اس کا پینا حرام ہے اور مال حرام سے اس نے پرورش پائی ہے لہٰذا انسان کے لیے واجب ہے کہ وہ مال حرام سے بچے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ﴿٢﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ﴾ (الطلاق۶۵/ ۲۔۳)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ﴿٤﴾ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٤)

"اور جو اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔"

لہٰذا اے بھائی! آپ کے لیے میری نصیحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں' اس فیکٹری میں کام کرنا چھوڑ دیں اور رزق حلال تلاش کریں تاکہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

کام کے بغیر اوور ٹائم کا معاوضہ وصول کرنا

سوال میں ایک سرکاری ادارے میں ملازمت کرتا ہوں اور بعض اوقات کام کے بغیر ہی ہمیں اوور ٹائم کا معاوضہ ادا کیا جاتا ہے حالانکہ ہم نے اوور ٹائم کام کیا ہی نہیں ہوتا (بلکہ) ہم تو (اس وقت) ادارے میں موجود ہی نہیں ہوتے۔ اسے ملازمین کا معاوضہ قرار دیا جاتا ہے اور ادارے کے سربراہ کو بھی اس کا علم ہوتا ہے اور وہ اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ آپ راہنمائی فرمائیں کیا ہمارے لیے یہ مال لینا جائز ہے اور اگر جائز نہیں تو ماضی میں میں نے اس طرح جو مال وصول کر لیا اور خرچ کر لیا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسے آپ نے ذکر کیا ہے تو یہ ایک منکر اور ناجائز کام بلکہ خیانت ہے' اس طرح سرکاری خزانے سے آپ نے جو مال لیا ہے' واجب ہے کہ وہ سرکاری خزانے میں واپس لوٹائیں اور اگر اسے واپس کرنا ممکن نہ ہو تو مسلمان فقیروں اور فلاح و بہبود عامہ کے کاموں میں خرچ کر دیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور صدق دل سے توبہ کریں اور عزم صادق کریں کہ آئندہ اس طرح نہیں کریں گے کیونکہ کسی بھی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مسلمانوں کے بیت المال میں سے شرعی طریقے کے بغیر کچھ بھی وصول کرے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

سوال ایک کمپنی اپنے بجٹ کا ایک خطیر حصہ اس لیے رکھتی ہے تاکہ ملازمین کو اوور ٹائم کی اجرت ادا کی جا سکے' ملازمین بھی دستخط کر کے ہر سال باری باری اوور ٹائم کی اجرت وصول کر لیتے ہیں حالانکہ انہوں نے قطعاً اوور ٹائم نہیں لگایا ہوتا' تو کیا اس طرح یہ مال وصول کرنا جائز ہے؟

جواب اس کمپنی کے ملازمین کو چاہیے کہ وہ اس مال کو ناجائز طور پر حاصل نہ کریں بلکہ جو مال بچا ہوا سے خزانہ میں جمع کرا دیں اور ان لوگوں کو نہ دیں جنہوں نے کام کیا ہی نہیں خواہ وہ آئندہ سال یا آنے والے سالوں میں بھی اگر زائد از وقت کام نہ کریں تو انہیں یہ مال بالکل نہ دیں کیونکہ وہ اس مال کے امین قرار دیئے گئے ہیں اور امین کو چاہیے کہ وہ اس مال کے بارے میں پوری پوری امانت و دیانت کا ثبوت دے' جو اس کے پاس بطور امانت ہو اور اگر مقررہ وقت سے زائد کام کی ضرورت ہو تو پھر ان کے کام کے بقدر جس اجرت کے وہ مستحق ہوں' وہ انہیں ادا کر دی جائے اور اگر ملازمین اسی نظم و نسق کے مطابق کام کریں اور کمپنی از خود انہیں کچھ دینا چاہے' تو اسے وہ لے سکتے ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

«وَمَا جَاءَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ شَيْءٌ وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَلاَ سَائِلٍ فَخُذْهُ، وَمَا لاَ فَلاَ تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ»(صحيح البخاري، الزكاة، باب من أعطاه الله شيئا من غير مسألة ... الخ، ح:١٤٧٣ وصحيح مسلم، الزكاة، باب جواز الأخذ بغير سؤال ولا تطلع، ح:١٠٤٥ واللفظ له)

"تمہارے پاس جو مال اس طرح آئے کہ تم اس کے بارے میں حریص و لالچی نہ ہو اور نہ تم نے اس کے بارے میں سوال کیا ہو تو اسے لے لو اور جو اس طرح نہ ہو تو اس کا پیچھا نہ کرو۔"

—— شیخ ابن جبرین ——

کیا میرے لیے یہ مال جائز ہے؟

سوال میں ایک سرکاری ادارے میں کام کرتا ہوں۔ مجھے ایک سرکاری کام کے سلسلہ میں ایک دوسرے شہر میں بیس دن کے لیے بھیجا گیا مگر میرے سپرد جو کام کیا گیا تھا' میں نے وہ سات دن میں مکمل کر لیا اور اپنے ادارے میں واپس آ گیا' کچھ عرصہ بعد مجھے بیس دن کا معاوضہ ادا کیا گیا تو کیا میرے لیے یہ معاوضہ جائز ہے' اس ادارے کو اور ادارے کے مدیر کو یہ بات معلوم ہے کہ میں نے بیس دن کی بجائے سات دن میں ہی اپنا کام مکمل کر لیا تھا مگر یہ مدیر کی نیکی ہے کہ اس نے مجھے بیس دن کا معاوضہ ادا کیا اور اگر میرے لیے یہ جائز نہیں تو میں اس رقم کا کیا کروں؟

جواب جو کام آپ کے سپرد کیا گیا تھا اگر وہ بہت زیادہ اور مشکل کام تھا اور عموماً بیس دنوں سے پہلے اسے ختم کرنا ممکن نہیں مگر آپ نے اس قدر زبردست محنت کی اور معمول سے زیادہ وقت لگایا اور اسے سات دن میں ختم کر لیا تو پھر آپ بیس دن کے معاوضے کے مستحق ہیں خصوصاً جب کہ اس ادارہ اور اس کی انتظامیہ کے علم میں بھی یہ بات ہے' جو آپ نے ذکر کی ہے۔ واللہ الموفق۔

—— شیخ ابن جبرین ——

وہ کاغذات جن میں اللہ کا ذکر (اور اس کا نام) ہو

سوال میرے کام کی نوعیت کے اعتبار سے میرے ہاتھ میں ایسے کاغذات آتے رہتے ہیں' جن میں اللہ کا نام لکھا ہوتا ہے تو ان کاغذات کے بارے میں کیا کیا جائے؟

جواب یہ اوراق جن میں اللہ کا ذکر ہو' واجب ہے کہ ان کی حفاظت کی جائے اور انہیں بے حرمتی سے بچایا جائے اور جب مقصد پورا ہو جائے اور ان کی ضرورت باقی نہ رہے تو پھر واجب یہ ہے کہ انہیں کسی پاک جگہ میں دفن کر دیا جائے یا انہیں جلا دیا جائے یا ایسی الماریوں وغیرہ میں انہیں سنبھال کر رکھ دیا جائے جہاں بے حرمتی سے محفوظ رہیں۔

—— شیخ ابن باز ——

اعزازیہ کے لیے شرعی شرائط

سوال کسی ادارے کا سربراہ کسی کارکن کو اس کی مخلصانہ جدوجہد کی وجہ سے اس کی اصلی تنخواہ کے علاوہ جو اعزازیہ

دیتا ہے کیا یہ رشوت ہے؟

جواب نہیں یہ رشوت نہیں ہے جب کہ مقصود کام کی ترغیب دینا ہو الاّ یہ کہ یہ کارکن اس اعزازیہ کے بغیر اپنے فرائض کو ادا ہی نہ کرتا ہو تو اس حال میں یہ رشوت اور حرام ہو گا۔ کیونکہ اس صورت میں یہ اس کے فرض و واجب کام کے بالمقابل ہو گا اور فرض و واجب ادا کرنے پر اعزازیہ لینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس بات میں فرق ہے کہ اپنے فرض کو ادا کرنے پر حوصلہ افزائی کے لیے اعزازیہ دیا جائے یا اعزازیہ دیا ہی اس لیے جائے کہ وہ اپنے فرض کو ادا کرے کیونکہ فرض کو ادا کرنا تو واجب ہے خواہ اعزازیہ ملے یا نہ ملے لیکن فرض کو ادا کرنے پر حوصلہ افزائی کے لیے اعزازیہ دینا رشوت نہیں ہے بلکہ یہ جائز ہے الاّ یہ کہ مستقبل میں اس کا کوئی منفی نتیجہ نکلتا ہو کہ کارکن کو اس کا لالچ ہو اور اگر اسے اعزازیہ نہ دیا جائے تو وہ کام میں کوتاہی کرے تو اس صورت میں اسے کوئی اعزازیہ نہ دیا جائے کیونکہ وسائل کے وہی احکام ہوتے ہیں جو مقاصد کے ہوتے ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

علاج کے اخراجات کی تنخواہ سے کٹوتی ہونی چاہیے

سوال مجھے اپنے کام کی جگہ سے باہر حادثہ پیش آیا اور جب میں اپنے علاج کے اخراجات برداشت نہ کر سکا تو میں نے اسے کام کے دوران میں حادثہ قرار دے دیا اور اس طرح جس کمپنی میں میں کام کرتا تھا اس نے علاج کے اخراجات ادا کر دیے لیکن اب میں اس پر نادم ہوں' سوال یہ ہے کہ کیا میں نے یہ حرام کام کیا ہے؟

جواب آپ کے لیے لازم ہے کہ کمپنی والوں کو حقیقت حال کے بارے میں بتائیں اور انہیں پیش کش کریں کہ انہوں نے جو اخراجات کیے ہیں' وہ آپ سے واپس لے لیں یا آپ کی تنخواہ میں سے کٹوتی کر لیں۔ اگر وہ آپ کو معاف کر دیں اور اس کا انہیں اختیار بھی ہو تو آپ سے تاوان ساقط ہو جائے گا ورنہ جب تک آپ ان سے معاف نہ کروائیں یا اخراجات واپس نہ کریں آپ بریٔ الذمہ نہیں ہوں گے۔ آپ نے جھوٹ اور ظلم سے جو کام لیا ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے معافی بھی طلب کریں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اپنی تنخواہ لو اور یہ اخراجات نہ لو---

سوال کام کی ذمہ داری کی وجہ سے مجھے ایسی جگہوں پر جانے کے اخراجات بھی ملتے ہیں' جہاں میں حقیقت میں گیا ہی نہیں ہوتا۔ مجھے ادارے کے سربراہ کی بھی تائید حاصل ہوتی ہے' سوال یہ ہے کہ کیا ان فرضی اخراجاتِ سفر کا لینا جائز ہے؟

جواب جس شخص کے کوئی کام سپرد کر دیا جائے اور اسے سرانجام دینے کی وجہ سے اسے معاوضہ ملے' تو اس کے لیے اس وقت تک معاوضہ لینا حلال نہیں جب تک وہ اس کام کو سرانجام نہ دے خصوصاً جب کہ اس کام کا تعلق بھی ملک کی مصلحتوں سے ہو خواہ ادارے کے سربراہ کی تائید بھی حاصل ہو' البتہ کام کے عوض تنخواہ یا ترقی وغیرہ دی جا سکتی ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

آپ اس مال کے مستحق نہیں ہیں

سوال مجھے اور میرے ایک رفیق کار کو دفتر کی طرف سے ایک علاقے میں چار دن کے لیے بھیجنے کا فیصلہ ہوا۔ میرا یہ دوست تو چلا گیا لیکن میں نہیں گیا اور اپنی جگہ پر کام کرتا رہا لیکن کچھ عرصہ بعد میں نے اس کا معاوضہ وصول کر لیا تو کیا اسے اپنے لیے استعمال کرنا جائز ہے اور اگر جائز نہیں تو کیا اسے اس دفتر کی ضروریات پر خرچ کرنا جائز ہے' جس میں میں کام کرتا ہوں؟

جواب آپ کے لیے واجب یہ ہے کہ اس رقم کو واپس کر دیں کیونکہ ڈیوٹی سرانجام نہ دینے کی وجہ سے آپ اس کے مستحق ہی نہیں ہیں اور اگر اسے واپس کرنا ممکن نہیں تو اسے نیکی کے بعض کاموں میں صرف کر دیں مثلاً فقراء پر صدقہ کر دیں یا رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کر دیں اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کریں اور آئندہ کے لیے احتیاط کریں کہ ایسا کام نہیں کریں گے۔

—— شیخ ابن باز ——

اسے نمائندگی دی گئی مگروہ مندوب بن کر نہیں گیا

سوال مجھے نمائندگی کرنے کے معاوضے کے طور پر مال دیا گیا لیکن میں اپنے کام کی جگہ سے باہر گیا ہی نہیں اور معاوضہ حق اسی کا ہوتا ہے جو نمائندگی کے لیے باہر جائے تو میں اس مال کا کیا کروں' کیا اسے زیر تعمیر مسجد کے لیے خرچ کر سکتا ہوں یا کیا کروں؟

جواب ان جیسے مسائل میں میری رائے یہ ہے کہ جب ایک شخص کو نمائندگی دی جائے اور وہ نمائندگی کے لیے نہ جائے تو چاہیے کہ اس کے سینئر افسر سے اوپر جو سینئر اور ذمہ دار ہو اس تک صورت حال کو پہنچایا جائے اور اسے بتایا جائے کہ اس نے نمائندگی کے لیے جانے کے بغیر ہی مجھے نمائندہ مقرر کر دیا تھا تاکہ زیادہ سینئر ذمہ دار کو اس دوسرے سینئر افسر کی خیانت کا علم ہو سکے اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جا سکے جس کے خیانت کرنے والے مستحق ہوں' اس لیے کہ اگر ذمہ دار لوگ ہی عام لوگوں کو اس قسم کی حیلہ سازیوں کا عادی بنائیں جس سے معاشرہ خراب ہو' خیانت کا چلن عام ہو اور ہم آلام و مصائب میں مبتلا ہوں تو اصلاح کون کرے گا' اس لیے میری رائے میں زیادہ سینئر ذمہ داروں تک صورت حال کو پہنچانا چاہیے اور اس طرح لیے ہوئے پیسے حکومت کو واپس کر دینے چاہئیں۔ بعض لوگ اس طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہو گئے کہ وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو ناجائز طور پر نوازنے کے لیے حکومت کا مال ناحق کھاتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ کام جو آپ نے سرانجام دیا ہی نہیں تو حکومت سے اس کا معاوضہ کیوں وصول کرتے ہیں اور اس سینئر افسر کے لیے یہ کس طرح حلال ہے کہ وہ جونیئر لوگوں کے لیے اس طرح کے مواقع فراہم کرے۔

میرے سامنے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہم ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ بسا اوقات ایک شخص بہت زیادہ محنت کر کے بڑے اچھے نتائج پیش کرتا ہے مگر قوانین میں اس طرح کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس کی اس زائد محنت کا اسے صلہ دیا جائے لہٰذا اسے اس کی محنت کا صلہ دینے کے لیے اس طرح حیلہ بازی سے کام لیا جاتا ہے لیکن میرے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے اس لیے کہ جو شخص محنت سے کام کر کے اچھے نتائج پیش کرتا ہے تو اس نے تو اپنے کھانے پینے کو حلال کر لیا' اللہ تعالیٰ

اسے جزائے خیر سے نوازے۔ اگر اس نے اپنی ذمہ داری سے زیادہ کام کیا ہے تو اسے تعریفی سرٹیفکیٹ دیا جا سکتا ہے جو اس کے پاس رہے گا اور آئندہ اس کے کام آ سکتا ہے یا اس کا افسر زیادہ سینئر افسر کو اپنے فرض سے زیادہ کام کرنے پر اسے معاوضہ دینے کے لیے لکھے لیکن کوئی ایسی صورت حال جائز نہیں جس میں ہم کسی بھی شخص کو یا اپنے آپ کو یا حکومت کو دھوکا دیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

حجاموں کا مشغلہ

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو داڑھیوں اور سر کے بالوں کو مونڈتا ہو اور اس حجام کے بارے میں کیا حکم ہے جو داڑھیوں کو مونڈتا ہو؟

جواب داڑھی مونڈنا حرام ہے اور داڑھی مونڈنے کے مشغلہ کو اختیار کرنا بھی حرام ہے۔ کیونکہ یہ اس گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون کے قبیل سے ہے' جس سے منع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۲)

"اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔"

سر کے بالوں کو مونڈنا شرعاً جائز ہے لہٰذا جو شخص کسی دوسرے کا سر مونڈے تو اسے کوئی گناہ نہیں یا سر مونڈنے کا پیشہ روزی کمانے کے لیے اختیار کرے تو اسے کوئی گناہ نہیں۔ و باللہ التوفیق' و صلی اللہ وسلم علی عبدہ و رسولہ محمد و آلہ و صحبہ۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

اپنے مدیر سے شائستہ انداز میں گفتگو کرو

سوال اگر ایک شخص اپنے مدیر سے اچھے انداز میں گفتگو کرتا ہے' اسے کوئی اچھا تحفہ بھی دیتا ہے اور بظاہر احترام سے پیش آتا ہے لیکن دل سے اسے پسند نہیں کرتا اور چاہتا ہے کہ اس کا تبادلہ ہو جائے تو کیا یہ بھی نفاق ہے؟ یاد رہے کہ یہ مدیر اچھے صفات کا مالک ہے؟

جواب بسم اللہ والحمد للہ! واجب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی خیر خواہی کرے' اس کی عدم موجودگی میں اس کے لیے یہ دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت اور توفیق دے اور ہدیہ دینا ترک کر دے کیونکہ ہدیہ کسی ایسی جگہ نہیں دینا چاہیے جہاں وہ رشوت بن سکتا ہو لیکن اس کی ہمدردی و خیر خواہی کرنا چاہیے اور سجدہ میں اور نماز کے آخر میں اس کے لیے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے امانت کے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے' مومن اپنے بھائی کا آئینہ ہے' نفاق اور رشوت سے اجتناب کرو البتہ اچھے اور شائستہ انداز میں گفتگو کرنا عین مطلوب ہے مثلاً آپ اسے السلام علیکم کہہ سکتے ہیں یہ پوچھ سکتے ہیں کہ آپ کا کیا حال ہے؟ آپ کے اہل و عیال کا کیا حال ہے؟ وغیرہ

ـــــــــــ شیخ ابن باز ـــــــــــ

اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے

سوال میں نے ایک خیراتی سکیم کے لیے اس کے سربراہ کے خوف اور خجالت کی وجہ سے چندہ دیا کہ اگر میرا بس چلتا تو میں ایک پیسہ بھی چندہ نہ دیتا تو کیا میرے اس عمل کا مجھے اس طرح پورا ثواب ملے گا جس طرح میں نے بطیب خاطر اور اپنی مرضی سے خرچ کیا ہو' امید ہے دلیل کے ساتھ جواب دیں گے؟

جواب اگر صورت حال اسی طرح ہے جیسے آپ نے ذکر کی ہے' تو اس رقم کے خرچ کرنے کی وجہ سے آپ کو کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا کیونکہ آپ کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنا نہیں تھا' بلکہ آپ نے تو اپنے اس ساتھی کے خوف کی وجہ سے خرچ کیا ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى»(صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

"تمام اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی ہے جو وہ نیت کرے۔"

ـــــــــــ فتویٰ کمیٹی ـــــــــــ

برائی کے بدلے برائی

سوال ایک ملازم نے اپنے رفیق کار کے بارے میں جھوٹ بولا اور اس کی چغلی کر کے اسے نقصان پہنچایا تو اس نے بھی اس کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کیا اور جواب میں اسے بھی نقصان پہنچا دیا تو اس صورت حال کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ان دونوں میں سے ہر ایک نے بہت برا کیا ہے۔ دونوں میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اپنے ساتھی سے اس ظلم کی معافی مانگے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو پھر اللہ تعالیٰ ہی روز قیامت اپنے بندوں کے مابین فیصلہ فرمائے گا۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے یہ بھی واجب ہے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور فوراً توبہ کرے۔

ـــــــــــ فتویٰ کمیٹی ـــــــــــ

اضافی مال کو قبول نہ کرو

سوال میں ایک کمپنی میں ماہانہ مقررہ تنخواہ پر کام کرتا ہوں اور مجھے لوگوں کے بعض آلات درست کرنے کے لیے ان کے گھروں میں بھی جانا پڑتا ہے اور بعض لوگ مجھے کچھ اضافی رقم دینے پر بھی اصرار کرتے ہیں' میں اس رقم کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہوں لیکن وہ مجھے دینے پر اصرار کرتے ہیں' تو میں کیا کروں؟

جواب تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اسے قبول نہ کریں اور اسے ترک کر دیں کیونکہ نبی ﷺ نے صدقہ کی وصولی کے لیے اپنے ایک کارکن کو بھیجا تھا' جن کا نام عبداللہ بن لتبیہ تھا' جب وہ صدقہ وصول کر کے واپس آیا تو اس نے کہا کہ یہ

مال تمہارے لیے ہے اور یہ مجھے بطور ہدیہ دیا گیا ہے' تو نبی ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے اس کی تردید کی اور فرمایا:

«فَهَلاَّ جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ أَوْ بَيْتِ أُمِّهِ فَيَنْظُرَ أَيُهْدٰى لَهُ أَمْ لاَ؟»(صحيح البخاري، الهبة، باب من لم يقبل الهدية لعلة، ح:٢٥٩٧ وصحيح مسلم، الإمارة، باب تحريم هدايا العمال، ح:١٨٣٢)

"یہ شخص اپنے باپ اور ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ رہا پھر دیکھتا کہ اسے ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں؟"

اس تعبیر سے کہ "یہ شخص اپنے باپ اور ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ رہا" وہ سبب معلوم ہوا کہ جس کی وجہ سے آپ نے اعمال عامہ سرانجام دینے والوں کو ہدیہ قبول کرنے سے منع فرمایا کہ اگر یہ شخص اپنے گھر میں ہوتا تو اسے قطعاً یہ ہدیہ نہ دیا جاتا لہٰذا ورع اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اپنی تنخواہ کے علاوہ کچھ اور قبول نہ کریں۔ واللہ اعلم۔

———— شیخ ابن عثیمین ————

سگریٹ نوشی کی ممانعت کے بارے میں حکمران کے فیصلے کو---

سوال حکمرانوں نے ایک حکیمانہ فیصلہ یہ فرمایا ہے کہ سرکاری اداروں میں سگریٹ نوشی کی ممانعت کر دی ہے۔ اب کچھ ملازمین تو اس فیصلہ کی پابندی کرتے ہیں اور کچھ پابندی نہیں کرتے تو کیا یہ لوگ خائن تصور ہوں گے' جو حکمرانوں کے اس فیصلہ پر عمل پیرا نہیں ہوتے؟

جواب جو لوگ اس فیصلہ کی پابندی نہیں کریں گے' وہ امانت میں خیانت کریں گے اور دو گناہوں کے مرتکب قرار پائیں گے (ا) سگریٹ پینا بجائے خود ایک حرام اور منکر کام ہے کیونکہ اس کے بہت زبردست نقصانات ہیں اور بعض اوقات نشہ تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے (۲) حکمرانوں نے انہیں اس معصیت کے ترک کرنے اور ملازمین کو اس سے اجتناب کرنے کا جو حکم دیا ہے' وہ اس کی بھی نافرمانی کر رہے ہیں جب کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡۖ ﴾ (النساء٤/ ٥٩)

"اے مومنو! اللہ اس کے رسول کی فرماں برداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللهَ وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ عَصَى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي»(صحيح البخاري، الجهاد، باب يقاتل من وراء الإمام ويتقى به، ح:٢٩٥٧ وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية ... الخ، ح:١٨٣٥ واللفظ له)

"جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔" (یہ حدیث متفق علیہ ہے اور یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق ہیں۔)

اطاعت سے مراد امیر کی نیکی کے کام میں اطاعت ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»(صحيح البخاري، أخبار الآحاد، باب ما جاء في اجازة خبر الواحد ... الخ، ح:٧٢٥٧ وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية ... الخ، ح:١٨٤٠)

"اطاعت صرف نیکی کے کام میں ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

ماتحت ملازمین کی ذمہ داری

سوال جو شخص کسی ادارے کا سربراہ ہو اور اس کے ماتحت ملازمین ہوں تو کیا اس کے لیے یہ واجب ہے کہ نماز میں کوتاہی کرنے والے کو وہ نماز ادا کرنے اور دیگر امور شریعت کی پابندی کرنے کا حکم دے اور کیا وہ بھی حدیث «كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ» میں داخل ہے؟

جواب ہر ذمہ دار شخص کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ اپنے ماتحت ملازمین کو ان تمام امور کے ادا کرنے کا حکم دے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے مثلاً نماز باجماعت ادا کرنا اور دیانت داری سے اپنی ڈیوٹی ادا کرنا اور اس طرح ان تمام امور کے ترک کرنے کا حکم دے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے مثلاً دھوکا، خیانت، ایذاء اور ظلم وغیرہ کیونکہ ہر ذمہ دار شخص نبی ﷺ کے اس فرمان میں داخل ہے:

«كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»(صحيح البخاري، الجمعة، باب في القرى والمدن، ح:٨٩٣ وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل ... الخ، ح:١٨٢٩)

"تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر ایک اپنی رعایا کے بارے میں ذمہ دار ہے۔" (اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی "صحیح" میں بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرمایا ہے)

——— شیخ ابن باز ———

کام کو چھوڑ دو مگر داڑھی نہ منڈاؤ

سوال اگر میں کوئی ایسا کام کرنا چاہوں، جس میں مجھ سے داڑھی منڈانے کا تقاضا ہو تو پھر کیا کروں؟

جواب حدیث صحیح میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»(صحيح البخاري، أخبار الآحاد، باب ماجاء في اجازة خبر الواحد ... الخ، ح:٧٢٥٧ وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية ... الخ، ح:١٨٤٠)

"اطاعت صرف نیکی کے کام میں ہے۔"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ»(شرح السنة للبغوي:١٠/ ٤٤، ح:٢٤٥٥ والمعجم الكبير للطبراني:١٨/ ١٧٠، ح:٣٨١)

"خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جا سکتی۔"

لہٰذا اللہ سے ڈرو اور اس شرط کو قبول نہ کرو۔ بحمد اللہ رزق کے دروازے بہت ہیں جو بند نہیں ہیں بلکہ کھلے ہوئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝٢ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا۔"

کسی بھی ایسے کام کو اختیار نہ کرو' جس میں اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی کی شرط عائد کی گئی ہو' خواہ اس کام کا تعلق فوج سے ہو یا کسی اور ادارے سے' لہٰذا اس طرح کے کام کو چھوڑ کر کوئی اور ایسا کام اختیار کر لو' جسے اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون نہ کرو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ ﴾ (المائدۃ٥/ ٢)

"اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔"

ہم آپ کے لیے اور اپنے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے اس کی توفیق کی تمنا کرتے ہیں۔ تمام حکمرانوں اور مسلمان ملکوں کے تمام اصحاب اقتدار پر بھی یہ واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور لوگوں کے لیے ایسے امور کو لازم قرار نہ دیں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حرام قرار دیا ہے اور وہ اپنے تمام اوامر و احکام میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کی پابندی کریں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا۟ فِىٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا ۝٦٥ ﴾ (النساء٤/ ٦٥)

"تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور پھر جو فیصلہ تم کرو اس سے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں' بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں۔"

اور فرمایا:

﴿ أَفَحُكْمَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ ٱللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝٥٠ ﴾ (المائدۃ٥/ ٥٠)

"کیا یہ زمانہ جاہلیت کے حکم کے خواہش مند ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں' ان کے لیے اللہ سے اچھا حکم کس کا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝٥٩ ﴾ (النساء٤/ ٥٩)

"اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی' اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔"

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت واجب ہے اور لوگوں کے امور و معاملات میں جو مشکل پیش آئے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دیا جائے' جس چیز کا اللہ تعالیٰ کی کتاب کریم یا اس کے رسول ﷺ کی سنت مطہرہ میں حکم ہو تو اسے اخذ کرنا اور نافذ کرنا واجب ہے۔

مسئلہ داڑھی کا ہو یا سود کا یا لوگوں کے درمیان معاملات کے تصفیہ کا' ان تمام امور میں مسلمان حکمرانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں اور واللہ! اسی میں ان کی عزت' ان کی نجات اور دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کا راز مضمر ہے اور جب تک یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت نہ بجا لائیں اور اس کی شریعت کی اتباع نہ کریں' کبھی بھی کامل عزت اور اللہ تعالیٰ کی مکمل خوش نودی حاصل نہیں کر سکتے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بھی اور انہیں بھی اپنی رضا کے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

سکاؤٹ کا عہد

سوال محکمہ ڈاک ریاض کے ہائی سکول نے درج ذیل عبارت کو ملاحظہ کیا ہے: "سکاؤٹ کا عہد--- میں اپنی عزت و ناموس کی قسم کے ساتھ یہ عہد کرتا ہوں کہ اپنے وطن اور ملک کی خاطر اپنے فرائض سرانجام دینے کے لیے میں پوری پوری کوشش کروں گا' ہر وقت لوگوں کی مدد کروں گا اور سکاؤٹنگ کے قانون کے مطابق عمل کروں گا۔"

یہ عبارت سکاؤٹنگ سے متعلق اس کتابچے میں لکھی ہوئی ہے' جو عربی سکاؤٹنگ تنظیم کے سیکرٹری جنرل کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ اس کتابچے کے ٹائٹل' مقدمہ اور اس کے صفحہ ۲۳ جس میں مذکورہ بالا عبارت درج ہے' کی فوٹو کاپی ارسال خدمت ہے' امید ہے موصول ہونے پر مطلع فرمائیں گے اور فتویٰ سے بھی نوازیں گے کہ سکاؤٹنگ کے اس حلف کے بارے میں کیا حکم ہے تاکہ ہم اسے برقرار رکھیں یا شرعی فتویٰ کے مطابق اس کی اصلاح کر دیں؟

جواب پہلی بات تو یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے' خواہ وہ باپ ہو یا کوئی لیڈر یا شرف یا عزت و جاہ وغیرہ کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللهِ أَوْ لِيَصْمُتْ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب كيف يستحلف؟، ح:٢٦٧٩ وصحيح مسلم، الأيمان، باب النهي عن الحلف بغير الله تعالى، ح:١٦٤٦)

"جو شخص قسم کھانا چاہے تو وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔" اور فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ أَشْرَكَ»(مسند أحمد: ٢/ ٨٧)

"جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی' اس نے شرک کیا۔"

دوسری بات یہ ہے کہ کسی مسلمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ یہ عہد کرے کہ وہ اللہ کے لیے اور غیر اللہ مثلاً وطن یا بادشاہ یا لیڈر کے لیے یکساں طور پر کام کرے گا بلکہ اسے یوں کہنا چاہیے کہ میں اللہ تعالیٰ وحدہ کے لیے اپنے فرض کو ادا کرنے میں پوری پوری کوشش کروں گا اور پھر اپنے وطن کی خدمت اور مسلمانوں کی مدد بھی کروں گا اور سکاؤٹنگ کے نظام کے مطابق اس حد تک عمل کروں گا جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مخالف نہیں ہو گا۔

تیسری بات یہ کہ یہ واجب ہے کہ انسان کا عمل اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق ہو' لہٰذا اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ حکومت یا جماعت یا کسی انسانی گروہ کے قانون کے مطابق عمل کرنے کا مطلقاً عہد کرے۔ و صلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

تصویریں لٹکانا

سوال تصویریں لٹکانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب دیواروں پر یا دفتروں وغیرہ میں تصویریں لٹکانا مطلقاً جائز نہیں بلکہ واجب ہے کہ انہیں مٹا دیا جائے کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: "ہر تصویر کو مٹا دو۔" [1]

تصویریں لٹکانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ان کی تعظیم کرنے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی بھی عبادت کرنے لگتا ہے جب کہ یہ تصویریں بادشاہوں' لیڈروں اور بڑے لوگوں کی ہوں اور اگر یہ تصویریں عورتوں اور بچوں کی ہوں تو پھر بھی یہ فتنہ سے خالی نہیں ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

مسلمان پر امانت کو ادا کرنا واجب ہے

سوال بعض ملازمین اور کارکن بہادری و دلیری کے ساتھ اپنا کام نہیں کرتے۔ کئی لوگوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ ایک سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ گزر جاتا ہے اور وہ نیکی کا حکم نہیں دیتے' نہ برائی سے منع کرتے ہیں اور اپنے کام پر بھی بہت تاخیر سے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہیں سربراہ کی طرف سے اس کی اجازت ہے' تو سوال یہ ہے کہ اس صورت حال میں دین کا تقاضا کیا ہے؟ فتویٰ عطا فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اولاً: ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی جو بات بھی سنے' اسے آگے پہنچائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«نَضَّرَ اللهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا ثُمَّ أَدَّاهَا إِلَى مَنْ لَمْ يَسْمَعْهَا»(مسند أحمد: ٤/ ٨٠)

"اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم رکھے' جو میری بات سنے' اسے یاد رکھے اور پھر اسے اس شخص تک پہنچا دے' جس نے اسے نہ سنا ہو۔"

نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً»(صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، ح: ٣٤٦١)

"میری طرف سے (آگے) پہنچاؤ خواہ ایک آیت ہی ہو۔"

آپ ﷺ جب لوگوں کو خطبہ ارشاد فرماتے اور وعظ و نصیحت کرتے تو یہ ضرور فرماتے:

«فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ»(صحيح البخاري، الحج، باب الخطبة أيام منى، ح: ١٧٤١ وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها ... الخ، ح: ١٣٥٤ مختصرا)

---

[1] صحیح مسلم' الجنائز' باب الامر بتسویة القبر' حدیث: 969

"جو موجود ہے وہ اس تک پہنچا دے جو موجود نہیں ہے کیونکہ بہت سے لوگ جن تک بات پہنچائی جائے وہ سننے والے کی نسبت اسے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔"

میں تم سب کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ خیر و بھلائی کی جو بات سنو تو اسے بصیرت اور پورے وثوق کے ساتھ آگے پہنچاؤ۔ یعنی جو شخص بھی علم کی کوئی بات سنے تو اسے چاہیے کہ یاد رکھے اور اپنے اہل خانہ' اپنے بھائیوں اور اپنے دوستوں تک اسے پہنچائے اور اس بات کا پورا پورا خیال رکھے کہ اسے صحیح طور پر یاد رکھے اور پھر بلاکم و کاست آگے پہنچائے اور اپنی طرف سے اس میں کوئی اضافہ نہ کرے اور نہ کوئی ایسی بات بیان کرے جو اسے صحیح طور پر یاد نہ ہو کیونکہ صرف اسی صورت میں اس کا حق کی وصیت کرنے والوں اور نیکی کی دعوت کرنے والوں میں شمار ہو گا۔

وہ ملازمین جو اپنے کام سرانجام نہیں دیتے یا انہیں سرانجام دینے میں ہمدردی و خیر خواہی ملحوظ نہیں رکھتے تو یہ تم نے سن ہی لیا ہے کہ ایمان کی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امانت کو ادا کیا جائے اور اس کا پورا پورا خیال رکھا جائے جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ ۞إِنَّ ٱللَّهَ يَأۡمُرُكُمۡ أَن تُؤَدُّواْ ٱلۡأَمَٰنَٰتِ إِلَىٰٓ أَهۡلِهَا﴾ (النساء٤/ ٥٨)

"اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔"

امانت ایمان کی خوبیوں میں سے ایک بہت بڑی خوبی ہے' جب کہ خیانت نفاق کی خرابیوں میں سے ایک بہت بڑی خرابی ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ هُمۡ لِأَمَٰنَٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رَٰعُونَ ﴿٣٢﴾ ﴾ (المعارج٧٠/ ٣٢)

"اور وہ' وہ ہیں جو اپنی امانتوں اور اپنے اقراروں کا پاس کرتے ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَخُونُواْ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ وَتَخُونُوٓاْ أَمَٰنَٰتِكُمۡ وَأَنتُمۡ تَعۡلَمُونَ ﴿٢٧﴾ ﴾ (الأنفال٨/ ٢٧)

"اے ایمان والو! نہ تو اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم (ان باتوں کو) جانتے ہو۔"

لہٰذا ملازم کو چاہیے کہ وہ صدق و اخلاص' اہتمام اور وقت کی پابندی کے ساتھ امانت کو ادا کرے' اپنی کمائی کو پاک کرے' اپنے رب کو راضی کرے اور اس سلسلہ میں حکومت' کمپنی یا جس ادارے میں بھی وہ کام کر رہا ہے' اس کی ہمدردی و خیر خواہی کو ملحوظ رکھے۔ ہر ملازم پر یہ واجب ہے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور حد درجہ اہتمام اور ہمدردی و خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ امانت کو ادا کرے' اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھے اور اس کے عذاب سے ڈرے اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يَأۡمُرُكُمۡ أَن تُؤَدُّواْ ٱلۡأَمَٰنَٰتِ إِلَىٰٓ أَهۡلِهَا﴾ پر عمل کرے۔ منافقوں کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ امانتوں میں خیانت کرتے ہیں جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، ح:٣٣ وصحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، ح:٥٩)

"منافق کی تین نشانیاں ہیں (۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۲) جب وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے اور

(۴) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔"

کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ منافقوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرے بلکہ واجب ہے کہ وہ ان کے اطوار سے دور رہے' امانت کی حفاظت کرے' اپنے کام کو پوری توجہ کے ساتھ سرانجام دے' وقت کی پابندی کرے خواہ اس کے ادارے کا سربراہ سستی کرے اور اسے پابندی کرنے کا نہ بھی کہے۔ اسے یہ نہیں چاہیے کہ کام چھوڑ کر بیٹھ رہے یا کام میں سستی کرے بلکہ اسے چاہیے کہ اس قدر محنت سے کام کرے حتیٰ کہ کام کرنے اور امانت کے ادا کرنے میں اپنے ادارے کے سربراہ سے بھی بہتر ثابت ہو اور دوسروں کے لیے بھی وہ ایک اچھا نمونہ بن جائے۔

——— شیخ ابن باز ———

۳۳
فتاوٰی
لِلمُدرّسِیْن وَالطُّلّابْ
اساتذہ اور طلبہ سے متعلقہ فتوے
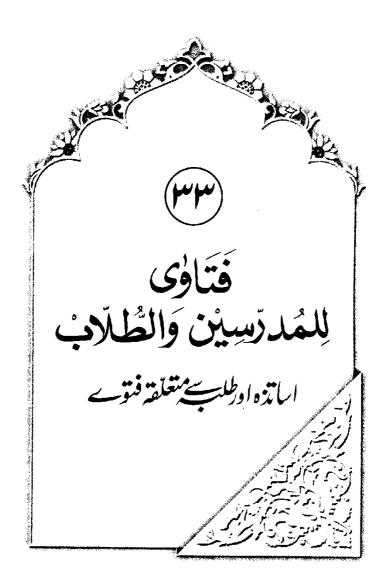
اساتذہ اور طلبہ سے متعلقہ فتوے

امتحان کے سوالات کا اعادہ

سوال ہمارے بعض اساتذہ امتحان میں دوبارہ پھر وہی سوالات دے دیتے ہیں' جو انہوں نے سابقہ جماعت کے امتحان میں پوچھے ہوتے ہیں اور طلبہ کو بسااوقات ان سوالات کا علم ہوتا ہے تو کیا اس میں کوئی حرج تو نہیں؟ یاد رہے کہ ان اساتذہ کے بارے میں یہ معلوم ہوا ہے کہ ان کا یہی طریقہ ہے۔ جزاکم اللہ خیرالجزاء۔

جواب یہ جائز نہیں کیونکہ امتحانات تو اس لیے ہوتے ہیں تاکہ طلبہ کی مہارت' حفظ' ذہانت اور محنت کا اندازہ لگایا جا سکے لہٰذا کسی استاد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ امتحانی سوالات کے بارے میں کچھ بتائے یا کوئی اشارہ کرے کیونکہ یہ سوالات اس کے پاس امانت ہیں' ان کے بارے میں کسی کو مطلع کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ خیانت اور دھوکا ہے جو کہ حرام ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

استاد کا جماعت میں لیٹ آنا

سوال ہم نے دیکھا ہے کہ بعض استانیاں وقت مقررہ پر اپنی جماعت میں نہیں آتیں' وہ سٹاف روم میں بیٹھی دوسری استانیوں کے ساتھ باتیں کرتی رہتی ہیں حالانکہ اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہوتی' یا بسا اوقات وہ سکول ہی میں دیر سے آتی ہیں' تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟ ہم نے سنا ہے کہ بعض اساتذہ کرام کا بھی یہی معمول ہے؟

جواب یہ حرام ہے' کسی بھی معلم یا معلمہ کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے پیریڈ کے مقررہ وقت سے لیٹ کلاس روم میں آئے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَوۡفُواْ بِٱلۡعُقُودِ﴾ (المائدة٥/ ١)

"اے ایمان والو! اپنے اقراروں کو پورا کرو۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَأَوۡفُواْ بِٱلۡعَهۡدِ إِنَّ ٱلۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔولٗا ﴿٣٤﴾﴾ (بني اسرائيل١٧/ ٣٤)

"اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں ضرور پرسش ہوگی۔"

اور فرمایا:

﴿ وَأَقۡسِطُوٓاْۖ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُقۡسِطِينَ ﴿٩﴾﴾ (الحجرات٤٩/ ٩)

"اور (عدل و) انصاف کرو' بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں عدل کرنے کا حکم ہے اور یہ عدل نہیں ہے کہ کوئی استاد یا استانی یا دیگر ملازم تنخواہ تو پوری

وصول کرے مگر اپنے اس فرض کو ادا کرنے میں سستی کرے' جس کی وجہ سے اسے تنخواہ ملتی ہے۔ اگر وہ اس سلسلہ میں سستی کرتا ہے تو اسے حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں مذکور وعید پیش نظر رکھنی چاہیے:

﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ ﴾

(المطففین ۸۳/ ۱-۳)

"ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے تباہی ہے' وہ لوگ جب دوسرے لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو انہیں کم کر کے دیتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اچھے کام کرنے اور امانتوں کے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

طالبات اور معلّمات کی غیبت

سوال میرے ساتھ جو خواتین کام کرتی ہیں' ان کی اکثر و بیشتر گفتگو طالبات اور معلّمات کے بارے میں ہوتی ہے۔ میں نے انہیں کئی دفعہ مثبت انداز میں سمجھانے کی کوشش کی ہے لیکن وہ پھر اسی موضوع پر گفتگو شروع کر دیتی ہیں۔ میں کیا کروں' کیا اس صورت حال میں ان کے ساتھ کام کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوں گی؟

جواب جب آپ انہیں یہ نصیحت کرتی رہیں گی کہ وہ طالبات و معلّمات کے بارے میں ایسی گفتگو نہ کریں' جو جائز اور حلال نہ ہو اور وہ آپ کی بات مان لیں تو آپ کو بھی اور انہیں بھی خیر و بھلائی حاصل ہوگی اور اگر وہ آپ کی بات نہ مانیں تو آپ کو سمجھانے کی وجہ سے نیکی ملے گی اور انہیں آپ کی بات قبول نہ کرنے کی وجہ سے گناہ ہوگا' مگر آپ انہیں مسلسل سمجھاتی رہیں خواہ وہ اس سے باز نہ بھی آئیں کیونکہ بسا اوقات مسلسل وعظ و نصیحت کرنے اور کثرت سے دعوت الی اللہ دینے سے انسان اپنے برے کام سے مکمل طور پر اجتناب کرنے لگ جاتا ہے۔ ان خواتین کے لیے اور دیگر سب لوگوں کے لیے بھی یہ واجب ہے کہ وہ حرام گفتگو سے اپنی زبانوں کو بچائیں اور یاد رکھیں کہ وہ جب کسی کے بارے میں ایسی گفتگو کریں' جو اسے ناپسند ہو تو یہ غیبت ہے اور جس کی غیبت کی جائے وہ روز قیامت اس کی نیکیوں کو لے لے گا اور اس کی برائیاں غیبت کرنے والے کے سر پر ڈال دی جائیں گی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کیا میں سوالات کے جوابات دے سکتی ہوں؟

سوال میں اسلامیات کی ٹیچر ہوں۔ میں نے ڈگری کالج سے اسلامیات میں ڈگری حاصل کی ہے اور بہت سی فقہی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا ہے لہٰذا جب طالبات مجھ سے کوئی سوال پوچھیں تو کیا میں اپنے علم کی حد تک بطریق قیاس و اجتہاد جواب دی سکتی ہوں' جب کہ حرام و حلال کے احکام و مسائل میں مداخلت نہ کروں؟

جواب کتابوں کا مطالعہ کیجئے اور خوب محنت کیجئے اور پھر اپنے ظن غالب کے مطابق طالبات کے سوالوں کے جواب دے دیجئے' اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر آپ کو کسی جواب کے بارے میں شک ہو اور صحیح بات واضح نہ ہو تو کہہ دیں کہ مجھے

اس کا جواب معلوم نہیں اور وعدہ کر لیں کہ میں تحقیق کے بعد اس سوال کا جواب دوں گی اور پھر کتب کے مطالعہ کے بعد یا اہل علم سے پوچھ کر جواب دے دیں تاکہ صحیح جواب دیا جا سکے۔

——— شیخ ابن باز ———

طلبہ کی غلطیاں

سوال ہم نے دیکھا ہے کہ بعض طلبہ یونیورسٹی کیفے ٹیریا سے طے شدہ کھانے سے زیادہ لے لیتے ہیں مثلاً طے یہ ہے کہ وہ چار قسم کی چیزیں لے سکتے ہیں مگر وہ پانچ قسم کی لے لیتے ہیں اور اس طرح لی ہوئی زیادہ چیز کی قیمت بھی ادا نہیں کرتے' اسی طرح بعض طلبہ مطالعہ گاہ میں رکھے ہوئے اخبارات و مجلات اٹھا کر اپنے کمروں میں لے جاتے ہیں حالانکہ وہ سب کے مطالعہ کے لیے رکھے گئے ہوتے ہیں؟

جواب یہ دونوں کام جائز نہیں ہیں اس لیے کہ سوال میں مذکور پہلی بات کے مطابق طے شدہ شیڈول سے زیادہ لینا حرام ہے کیونکہ یہ باطل طریقے سے مال کھانا ہے الا یہ کہ وہ اس کی قیمت ادا کر دے یا طلبہ کے کھانے کے نگران سے اس کی اجازت لے لے یا بعد میں اسے بتا کر راضی کر لے کیونکہ یہ اس کا حق ہے اور جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے یعنی جو چیز سب کے لیے مشترک ہے' اسے صرف اپنے لیے ترجیح دینا تو یہ بھی جائز نہیں ہے الا یہ کہ اس سلسلہ میں کوئی باقاعدہ پروگرام ترتیب دے دیا گیا ہو مثلاً جس طرح لائبریری سے کچھ دنوں کے لیے کتاب مستعار لی جا سکتی ہے اور پھر اسے واپس لوٹا دیا جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ ایک جائز طریقہ ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

غیر حاضر کی حاضری لگوانا جائز نہیں

سوال کبھی کبھی میرا ساتھی لیکچرار مجھ سے کہتا ہے کہ میں اس کی بھی حاضری لگوا دوں لہٰذا حاضری رجسٹر میں میں اس کا نام بھی لکھ دیتا ہوں تو کیا یہ انسانی خدمت ہے یا دھوکا و فریب ہے؟

جواب یہ ایک خدمت تو ہے لیکن یہ انسانی نہیں بلکہ شیطانی خدمت ہے' جس پر شیطان اسے آمادہ کرتا ہے جو یہ کام کرتا اور ایک غیر حاضر لیکچرار کی حاضری لگوا دیتا ہے حالانکہ اس میں خرابی کے تین پہلو ہیں:

پہلی خرابی یہ ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ اس شعبہ میں ذمہ دار لوگوں کی یہ خیانت ہے اور تیسری خرابی یہ ہے کہ اس طرح غیر حاضر لیکچرار اپنے آپ کو اس تنخواہ کا مستحق قرار دے لیتا ہے' جو اسے حاضری کی صورت میں ملنی چاہیے' تو وہ تنخواہ لے لیتا ہے اور اسے کھاتا ہے لہٰذا یہ باطل طریقے سے مال کھانا ہے۔ ان تینوں میں سے ہر ایک خرابی ایسی ہے جس کی وجہ سے اسے حرام قرار دیا جا سکتا ہے' جسے سائل نے اپنے سوال میں انسانی خدمت قرار دیا ہے۔ یاد رہے کہ تمام انسانی امور مطلقاً قابل ستائش نہیں ہیں بلکہ ان میں سے جو شریعت کے مطابق ہوں گے وہ محمود اور جو مخالف شریعت ہوں گے وہ مذموم قرار پائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کام خلاف شریعت ہو اسے انسانی کام کہنا ہی غلط ہے کیونکہ وہ انسانی نہیں بلکہ حیوانی کام ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کو حیوانوں سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ ٱلْأَنْعَٰمُ وَٱلنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿١٢﴾ ﴾ (محمد٤٧/ ١٢)

''وہ فائدے اٹھاتے ہیں اور (اس طرح) کھاتے ہیں جیسے حیوان کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ إِنْ هُمْ إِلَّا كَٱلْأَنْعَٰمِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٤﴾ ﴾ (الفرقان٢٥/ ٤٤)

''یہ تو چوپایوں کی طرح کے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔''

پس ہر وہ کام جو شریعت کے مخالف ہو وہ حیوانی کام ہے' انسانی نہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

امتحان میں دھوکا

سوال امتحانات میں دھوکا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ میں نے بہت سے طلبہ کو امتحانات میں دھوکا کرتے ہوئے دیکھا تو انہیں سمجھایا لیکن انہوں نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں' لہٰذا آپ راہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے؟

جواب دھوکا حرام ہے خواہ امتحانات میں ہو یا عبادات میں یا معاملات میں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا»(صحيح مسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ من غشنا فليس منا، ح:١٠١)

''جو ہمیں دھوکا دے' وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

اس میں چونکہ دنیا و آخرت کے بہت سے نقصانات ہیں' اس لیے واجب ہے کہ خود بھی اس سے اجتناب کیا جائے اور دوسروں کو بھی اس کے ترک کرنے کی تلقین کی جائے۔

——— شیخ ابن باز ———

انگریزی کے مضمون میں دھوکا

سوال میں ریاض کے ایک کالج کا طالب علم ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض طلبہ امتحانات کے وقت بعض مضامین مثلاً انگریزی وغیرہ میں نقل کرتے ہیں اور جب اس کے بارے میں میں نے ان سے گفتگو کی تو انہوں نے جواب دیا کہ انگریزی کے مضمون میں نقل مارنا حرام نہیں ہے۔ بعض علماء نے اس کا فتویٰ دیا ہے' امید ہے آپ اس فعل اور اس فتویٰ کے بارے میں راہنمائی فرمائیں گے؟

جواب لاریب یہ بات رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

«مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا»(صحيح مسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ من غشنا فليس منا، ح:١٠١)

''جو ہمیں دھوکا دے' وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

یہ فرمان نبوی عام ہے لہٰذا دھوکا جائز نہیں ہے خواہ اس کا تعلق معاملات سے ہو یا امتحانات سے اور امتحان بھی خواہ انگریزی کے مضمون کا ہو' لہٰذا اس حدیث اور اس کے ہم معنی دیگر احادیث کے عموم کے پیش نظر طلبہ و طالبات کے لیے

کسی بھی مضمون میں دھوکا وغیرہ جائز نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

امتحانات میں دھوکا دینے کے بارے میں شرعی حکم

سوال امتحانات میں دھوکا دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اَلْحَمْدُ للهِ وَحْدَهُ وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰی رَسُولِهِ وَآلِهِ وَبَعْد:

جواب تو خود اس سوال ہی میں موجود ہے۔ کیونکہ سائل نے سوال یہ کیا ہے کہ امتحان میں دھوکا دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یعنی سائل اس کے دھوکا ہونے کا خود اقرار کر رہا ہے اور دھوکا دینے کے بارے میں حکم شریعت بالکل واضح اور ظاہر ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا»(صحيح مسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ من غشنا فليس منا، ح:١٠١)

”جو دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ امتحان میں دھوکے کے نقصانات بہت زیادہ ہیں۔

جو ان مالی نقصانات سے کہیں زیادہ ہیں' جن کے بارے میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے کیونکہ اس میں تو در حقیقت پوری امت ہی کی خیانت ہے۔ جو شخص کسی دھوکا اور فریب سے امتحان میں پاس ہوتا ہے' تو اس نے اپنے آپ کو اس مقام و مرتبہ کا اہل قرار دے لیا' جس کا وہ اس امتحان پاس کرنے کی وجہ سے مستحق ہے حالانکہ حقیقت میں وہ اس کا مستحق نہیں ہے تو اس طرح اس ادارے میں جس میں یہ کام کرے گا' سارے معاشرہ کے لیے نقصان دہ ہے۔ دوسرا اس دھوکے کا ثقافتی اعتبار سے بھی نقصان ہے اور وہ یہ کہ امت کے تعلیم یافتہ افراد اگر دھوکہ فریب سے امتحان پاس کر کے آتے ہوں تو ان کی علمی استعداد بہت پست ہو گی۔ وہ قدم قدم پر دوسرے کے محتاج ہوں گے۔ جو شخص جعلی طریقے سے امتحان پاس کر کے آیا ہو' وہ تعلیم و ثقافت میں طلبہ کی صحیح راہنمائی کس طرح کر سکے گا' اس طرح کی جعل سازی کرنے والا حکومت کو بھی دھوکا دیتا ہے۔ حکومت اس طرح کی جعل سازی اور دھوکا بازی کو قطعاً پسند نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ امتحانات میں اس کے سد باب کے لیے بہت سے نگرانوں کو متعین کیاجاتا ہے لہٰذا دھوکہ و فریب کو کام میں لانے والا حکومتی نظام کی خلاف ورزی کر کے حکومت کی بھی خیانت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَخُونُواْ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ وَتَخُونُوٓاْ أَمَٰنَٰتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾ وَٱعْلَمُوٓاْ أَنَّمَآ أَمْوَٰلُكُمْ وَأَوْلَٰدُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥٓ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾ ﴾ (الأنفال٨/ ٢٧-٢٨)

”اے ایمان والو! نہ تو اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم (ان باتوں کو) جانتے ہو اور جان رکھو کہ تمہارا مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے اور یہ کہ اللہ کے پاس (نیکیوں کا) بڑا ثواب ہے۔“

اس دھوکا دہی میں مضمون کے اعتبار سے بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی اگر کوئی تفسیر کے مضمون میں دھوکا کرے یا انگریزی زبان کے مضمون میں' اس میں کوئی فرق نہیں کیونکہ ہر مضمون میں کامیابی پر ہی طالب علم کے ایک تعلیمی مرحلہ

سے دوسرے مرحلہ میں جانے کا انحصار ہے اور پھر اسی کامیابی ہی کی بنیاد پر طالب علم کو ڈگری ملتی ہے لہٰذا ان میں سے ہر مضمون میں جعل سازی دھوکا ہے اور ہر دھوکا حرام ہے لہٰذا میں اپنے عزیز طلبہ اور نوجوانوں کے لیے اس بات کو قطعاً پسند نہیں کرتا کہ وہ اس حد تک پستی میں گر جائیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ محنت و کوشش اور لیاقت و قابلیت کے ساتھ بلند مراتب حاصل کرنے کی کوشش کریں گے کہ اس میں دنیا و آخرت کی بہتری و بھلائی ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

حوصلہ افزائی کے لیے تالیاں بجانا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ کوئی شخص اپنے بچے کی دل جوئی کے لیے تالیاں بجائے یا کوئی استاد کلاس میں طلبہ سے کسی طالب علم کی حوصلہ افزائی کے لیے تالیاں بجوائے؟

جواب تالی نہیں بجانا چاہیے۔ اس کے لیے جو کم سے کم بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ تالی بجانا شدید مکروہ ہے کیونکہ یہ عادات جاہلیت میں سے ہے اور پھر یہ کہ تالی بجانا تو عورتوں کے خصائص میں سے ہے کہ انہیں حکم ہے کہ نماز میں اگر امام سے کوئی سہو ہو جائے اور وہ اسے مطلع کرنا چاہیں تو وہ سبحان اللہ کہنے کی بجائے تالی بجائیں۔ و باللّٰہ التوفیق' و صلی اللّٰہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

تصویروں والی کتاب اور مجلّات و جرائد ---

سوال میں انٹرمیڈیٹ کا طالب علم ہوں۔ مجھے کتب اور اخبارات و مجلّات کے مطالعہ کا بہت شوق ہے' جس کی وجہ سے میں نے بہت سے اسلامی' ثقافتی اور عسکری مجلّات اپنے نام جاری کروا رکھے ہیں' لیکن ان میں سے بعض بلکہ اکثر میں انسانی تصاویر ہوتی ہیں۔ میں اپنی ذاتی لائبریری میں ان مجلّات کو محفوظ رکھتا ہوں جب کہ ان میں تصویریں بھی ہوتی ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ احادیث نبویہ میں مصوروں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے' امید ہے کہ آپ اس سلسلہ میں کوئی جامع مانع حل پیش فرمائیں گے' جس سے یہ مشکل دور ہو جائے؟

جواب مفید کتابوں اور اخبارات و مجلّات کے محفوظ رکھنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ خواہ ان میں تصویریں ہی کیوں نہ ہوں۔ البتہ اگر عورتوں کی تصویریں ہوں تو واجب ہے کہ انہیں مٹا دیا جائے اور اگر مردوں کی تصویریں ہوں تو ان کے سروں کو کاٹ دینا ہی کافی ہو گا تاکہ اس سلسلہ میں وارد صحیح احادیث کے مطابق عمل ہو سکے۔

——— شیخ ابن باز ———

یادگار کے لیے تصویریں

سوال ہم طالب علم ساتھیوں یا اپنے دوستوں کے ساتھ جب کسی جگہ سیر و سیاحت کے لیے جاتے ہیں تو محض یادگار کے لیے تصویریں بھی بنا لیتے ہیں۔ ان تصویروں کے بارے میں کیا حکم ہے جو محض یادگار کے طور پر بنائی گئی ہوں؟

جواب ان تصویروں کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ اگر یہ جاندار چیزوں کی ہوں تو یہ حرام ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُصَوِّرُونَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، ح: ٥٩٥٠ وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ... الخ، ح: ٢١٠٩ واللفظ له)

"روز قیامت سب سے زیادہ شدید عذاب مصوروں کو ہو گا۔"

نبی ﷺ نے مصوروں پر لعنت بھی فرمائی ہے [1] اور اگر تصویریں بے جان چیزوں مثلاً گاڑی' ہوائی جہاز اور کھجور کے درخت وغیرہ کی ہوں تو ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

تالی اور سیٹی بجانا

سوال لوگ محفلوں میں جو تالیاں اور سیٹیاں بجاتے ہیں' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات غیر مسلموں سے لی گئی ہے' لہٰذا مسلمانوں کو اسے اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ مسلمان کو جب کوئی بات اچھی لگے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ اکبر یا سبحان اللہ پڑھے لیکن ان کلمات کا بھی اجتماعی شکل میں پڑھنا جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں' صحیح نہیں ہے' لہٰذا ہر انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے دل میں ان کلمات کو پڑھے۔ کسی خوشی کے موقع پر اجتماعی شکل میں ان کلمات کے پڑھنے کے بارے میں مجھے کوئی دلیل معلوم نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

محفلوں میں تالی بجانا

سوال مجلسوں میں اور محفلوں میں مردوں کے تالی بجانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب محفلوں میں تالی بجانا اعمال جاہلیت میں سے ہے۔ اس کے بارے میں کم سے کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مکروہ ہے ورنہ دلیل کے ظاہر سے تو یہ حرام معلوم ہوتا ہے کیونکہ مسلمانوں کو کفار کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے اور کفار مکہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ﴾ (الأنفال۸/ ۳۵)

"اور ان لوگوں کی نماز خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی۔"

علماء فرماتے ہیں کہ ﴿ مُكَاء ﴾ کے معنی سیٹی بجانا اور ﴿ تَصْدِيَه ﴾ کے معنی تالی بجانا ہے۔ مرد مومن کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ جب کوئی پسندیدہ یا ناپسندیدہ بات دیکھے یا سنے تو سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہے جیسا کہ نبی ﷺ سے مروی بہت سی

---

[1] صحیح البخاری' الطلاق' باب مہر البغی والنکاح الفاسد' حدیث: 5347

احادیث سے ثابت ہے۔ [1] تالی بجانے کا حکم تو بطور خاص عورتوں کے لیے ہے اور وہ بھی اس وقت جب وہ مردوں کے ساتھ مل کر باجماعت نماز ادا کر رہی ہوں اور امام سے نماز میں کوئی سہو ہو جائے تو اسے متنبہ کرنے کے لیے وہ تالی بجا سکتی ہیں جیسا کہ مرد ایسی صورت میں سبحان اللہ کہہ کر امام کو متنبہ کرتے ہیں جیسا کہ صحیح سنت سے یہ ثابت ہے۔ [2] اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مردوں کے تالی بجانے میں کافروں اور عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ مشابہت ممنوع ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

استانی کے احترام میں طالبات کا کھڑا ہونا

سوال استانی کے احترام میں طالبات کے کھڑے ہونے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب طالبات کو استانی اور طلبہ کو استاد کے لیے کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے بارے میں کم سے کم جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ یہ شدید مکروہ ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے بڑھ کر اور کوئی محبوب نہ تھا مگر آپ جب تشریف لاتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے لیے کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ آپ اسے ناپسند فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَمْثُلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»(سنن أبي داود، الأدب، باب الرجل يقوم للرجل يعظمه بذلك، ح:٥٢٢٩)

”جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ لوگ کھڑے ہو کر اس کا احترام بجالائیں‘ وہ اپنا ٹھکانا جہنم سمجھے۔“

اس مسئلہ میں مردوں اور عورتوں کے لیے ایک جیسا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا کے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے‘ اپنی ناراضی کے کاموں سے بچائے اور ہم سب کو علم نافع اور اس کے مطابق عمل کی توفیق سے نوازے۔ انہ جواد کریم۔

——— شیخ ابن باز ———

طالبات کو مارنا

سوال ادب سکھانے یا علم پڑھانے کے لیے بوقت ضرورت طالبات کو مارنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب معلم و مدرس کو چاہیے کہ بچے اور بچیاں خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے‘ ان سے نرمی اور شفقت کا سلوک کرے اور اگر کوئی جسمانی سزا دینے کی ضرورت پیش آ جائے بشرطیکہ وہ جسم پر اثر انداز نہ ہو تو یہ جائز ہے کیونکہ بے وقوف لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ برا معاملہ کرتے اور اساتذہ کرام کا احترام بجا نہیں لاتے‘ لہٰذا کبھی سختی اور شدت اختیار کرنے کی بھی ضرورت پیش آ جاتی ہے‘ جو نرمی و شفقت سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے۔

---

[1] صحیح البخاری‘ العلم‘ باب العلم والعظة باللیل‘ حدیث:115 و صحیح مسلم‘ الإیمان‘ باب بیان کون هذه الامة ---‘ حدیث:221

[2] صحیح البخاری‘ العمل فی الصلاة‘ باب التصفیق للنساء حدیث: 1203 و صحیح مسلم‘ الصلاة‘ باب تسبیح الرجل و تصفیق المرأة إذا نابها شیء فی الصلاة‘ حدیث: 422

—— شیخ ابن جبرین ——
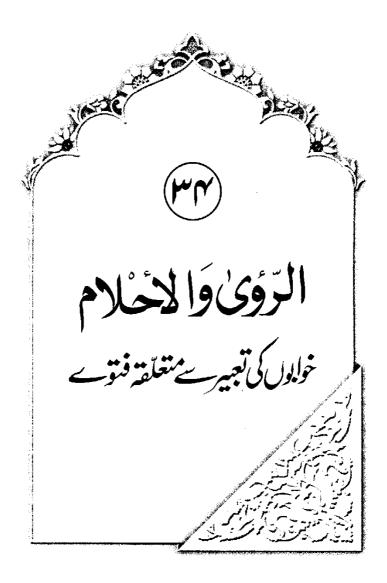
عورتوں کے لیے انجینئرنگ اور کیمسٹری کی تعلیم حاصل کرنا

سوال کیا لڑکیوں کے لیے بعض علوم طبیعیات مثلاً کیمسٹری اور فزیالوجی وغیرہ کی تعلیم میں تخصص کرنا جائز ہے؟

جواب عورتوں کو ایسے علوم میں تخصص نہیں کرنا چاہیے' جو ان کے لیے مناسب نہ ہوں کیونکہ ایسے بہت سے میدان ہیں' جو ان کے لیے مناسب ہیں مثلاً اسلامیات' عربی زبان و ادب وغیرہ لیکن کیمسٹری' انجینئرنگ' فلکیات اور جغرافیہ وغیرہ ایسے مضامین ہیں جو عورتوں کے لیے مناسب نہیں ہیں' لہٰذا عورتوں کو ایسے مضامین کا انتخاب کرنا چاہیے جو خود ان کے لیے اور معاشرے کے لیے منفعت بخش ہوں۔ مردوں کو بھی چاہیے کہ وہ انہیں ایسی تعلیم دلائیں جو ان سے متعلق ہو مثلاً عورتوں سے متعلق طب اور گائنی وغیرہ۔

—— شیخ ابن باز ——

۳۴
الرّؤیٰ وَالأحلام
خوابوں کی تعبیر سے متعلّقہ فتوے

خوابوں کی تعبیر

جو شخص برا خواب دیکھے تو وہ کیا کرے؟

سوال میرا ایک چچا تھا' جو اپنی زندگی میں مجھے ناپسند کرتا تھا' وہ مجھے برداشت نہیں کرتا اور مارتا تھا' اب وہ فوت ہو گیا ہے اور ان دنوں میں نے بہت برے خواب دیکھے ہیں۔ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے اور میری چھوٹی بچی کو پکڑنا چاہتا ہے لیکن میں بھاگ جاتا ہوں اور وہ مجھے نہیں پکڑ سکتا' امید ہے راہنمائی فرمائیں گے تاکہ میری یہ پریشانی دور ہو جائے؟

جواب یہ برے اور ڈراؤنے خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان برا خواب دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی بائیں جانب تین بار تھوک لے اور تین بار شیطان سے اور اس برے خواب سے جو اس نے دیکھا ہو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور پھر کروٹ بدل کر لیٹ جائے' اس سے یہ خواب اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ ہاں اس خواب کے بارے میں وہ کسی کو بتائے بھی نہیں کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور برا خواب شیطان کی طرف سے' لہذا جب کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اسے چاہیے کہ اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دے' شیطان اور برے خواب سے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے اور پھر کروٹ بدل کر لیٹ جائے' اس سے یہ خواب اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اس کے بارے میں وہ کسی کو بتائے بھی نہیں اور اگر کوئی اچھا خواب دیکھے تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے اور جس سے وہ محبت کرتا ہے اس کو بتا دے۔" (1)

—— شیخ ابن باز ——

میرا خواب سچا ہو جاتا ہے

سوال میں اٹھارہ برس کی ایک لڑکی ہوں اور بحمد اللہ راہ راست پر اور دین کی پابند ہوں لیکن میں اکثر و بیشتر ڈراؤنے خواب دیکھتی ہوں مگر چند دنوں بعد ہی سپیدۂ سحر کی طرح ان کی تعبیر سامنے آ جاتی ہے اور میرے گھر والوں اور خاندان کو آلام و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میں جب اس قسم کے خواب دیکھتی ہوں تو اپنے گھر والوں کو بھی بتا دیتی ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے لگتے ہیں۔ امید ہے آپ اس معاملے کی بابت ایسا فتویٰ عطا فرمائیں گے' جس سے میرے یہ مصائب ختم ہو جائیں؟

جواب حکم شریعت یہ ہے کہ جب کوئی شخص ڈراؤنا خواب دیکھے تو وہ بیدار ہونے پر اپنے بائیں طرف تین بار تھوک لے' شیطان اور برے خواب سے اللہ کی تین بار پناہ مانگے اور کروٹ بدل کر لیٹ جائے' اس سے یہ ڈراؤنا خواب اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اس خواب کے بارے میں کسی کو نہ بتائے کیونکہ نبیٔ اکرم ﷺ نے برا خواب دیکھنے والے کو یہی ہدایات فرمائی ہیں' جو ذکر کی گئی ہیں--- اگر کوئی شخص اچھا خواب دیکھے تو وہ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے اور

(1) صحیح البخاری' بدء الخلق' باب صفة إبلیس و جنوده' حدیث: 3292' 5747' 6985 و صحیح مسلم' الرؤیا' باب فی کون الرؤیا من اللہ و أنها جزء من النبوة' حدیث: 2261

جس کو وہ پسند کرتا ہے اس کو بتا دے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے۔ [1]

—— شیخ ابن باز ——

مجھے بار بار یہ ڈراؤنا خواب آتا ہے

سوال مجھے بار بار یہ خوفناک اور ڈراؤنا خواب ستاتا ہے کہ میرے منہ میں آٹے جیسی کوئی چیز پڑ جاتی ہے' جس سے سانس لینے اور بات کرنے میں بہت دشواری ہوتی ہے اور جب بھی میں اسے ہاتھ کے ساتھ اپنے منہ سے باہر نکالتا ہوں تو اس کی بجائے وہی چیز اور منہ میں آ جاتی ہے اور میں گھبرا کر نیند سے بیدار ہو جاتا ہوں اور اس خواب سے بہت ڈرتا ہوں' جس نے میری زندگی کو تنگ کر رکھا ہے اور میں ہمیشہ اس کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں' نہیں جانتا کہ اس کا سبب کیا ہے؟ میں نماز روزے کی پابندی بھی کرتا ہوں اور حج بھی کر رکھا ہے' میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار بھی کرتا رہتا ہوں لیکن دو سے چار یا پانچ ماہ کے دوران میں ایک بار یہ خواب ضرور آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اس ڈراؤنے خواب کی آپ سے کوئی تعبیر مل جائے۔ اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ آپ کو دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس وقت تک اپنے بندے کی مدد میں ہوتا ہے' جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے؟

جواب یہ شیطانی خواب ہے۔ آپ کے لئے اور ہر مسلمان کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ جب کوئی شخص برا خواب دیکھے تو اپنے بائیں جانب تین بار تھوک دے' شیطان اور برے خواب کے شر سے تین بار اللہ کی پناہ مانگے اور پھر اپنی دوسری کروٹ بدل کر لیٹ جائے' اس طرح اسے خواب سے کوئی نقصان نہیں ہو گا' اور اس خواب کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور برا شیطان کی طرف سے۔ اگر کوئی شخص برا خواب دیکھے تو وہ اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دے' شیطان اور اس خواب کے شر سے تین بار اللہ سے پناہ مانگے اور پھر اپنی کروٹ بدل لے' اس سے یہ خواب اسے نقصان نہیں پہنچائے گا' نیز اس خواب کے بارے میں وہ کسی کو کچھ نہ بتائے۔" [2]

یہ صحیح حدیث مومنوں کے لیے باعث راحت ہے کہ جب بھی کوئی مومن مرد یا عورت برا خواب دیکھے تو وہ اس حدیث پر عمل کرلے۔ یہ بحمد اللہ ایک عظیم اور بہت آسان دواء ہے۔ میرے بھائی! آپ اس پر عمل کریں اور اس عظیم نبوی دواء کی وجہ سے اپنے دل کو اطمینان و راحت بخشیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

—— شیخ ابن باز ——

خواب میں سفید چاول دیکھنا

سوال میں خواب میں سفید چاول کثرت سے دیکھتا ہوں' اس کی کیا تعبیر ہے؟

جواب میں خواب کی تعبیر نہیں جانتا لیکن خوابوں کی تعبیر کے بارے میں سوالات کی کثرت کی وجہ سے اپنے بھائیوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ نبی ﷺ نے یہ راہنمائی فرمائی ہے کہ اگر انسان کوئی برا خواب دیکھے تو وہ شیطان مردود سے

---

[1] حوالہ مذکور [2] حوالہ مذکور

اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لے' اپنے بائیں جانب تین بار تھوک دے اور یہ پڑھ لے:

«أَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَمِنْ شَرِّ مَا رَأَيْتُ»(لم أجده بهذا اللفظ)

"میں شیطان کے شر سے اور جو خواب میں نے دیکھا ہے' اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔"

برے خواب کے بارے میں کسی کو نہ بتائے اور جس کروٹ پر پہلے لیٹا ہوا تھا اسے بدل لے اور اگر اس وقت اٹھ کر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لے تو یہ افضل ہے' اس طرح کرنے سے اس کو یہ خواب کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا خواہ وہ کتنا ہی ڈراؤنا کیوں نہ ہو اور اس طرح انسان بہت سے غموں اور فکروں سے بھی محفوظ رہے گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

خواب میں کسی مردہ انسان کو دیکھنا

سوال خواب میں ہمیشہ کسی مردہ انسان کو دیکھنے کی کیا تعبیر ہے؟

جواب اگر مردہ کو خواب میں دیکھنے کی اچھی صورت ہو تو اس کے لیے بہتری و بھلائی کی امید ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو یہ شیطانی کارروائی ہو سکتی ہے کیونکہ شیطان کبھی اپنے آپ کو اس طرح کسی مردہ انسان کی ناپسندیدہ صورت میں بھی پیش کرتا ہے' جس سے زندہ انسان کو حزن و ملال ہو کیونکہ شیطان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ ایسے کام کرے' جن سے مومنوں کو غم و فکر اور حزن و ملال لاحق ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا ٱلنَّجْوَىٰ مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ لِيَحْزُنَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ ﴾

(المجادلة٥٨/ ١٠)

"(کافروں کی) سرگوشیاں تو شیطان (کی حرکات) سے ہیں' (جو) اس لیے (کی جاتی ہیں) کہ مومن (ان سے) غمناک ہوں جب کہ وہ (شیطان) اذنِ الٰہی کے بغیر انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

لہٰذا انسان اگر کسی مردہ کے حوالہ سے خواب میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے' تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے شیطان اور اس برے خواب کے شر سے پناہ مانگے اور اس میت کے بارے میں جو خواب دیکھا ہو وہ کسی سے بیان نہ کرے' اس سے میت کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب بھی انسان خواب میں کسی ناپسندیدہ بات کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ شیطان اور اس برے خواب کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے' اپنے بائیں طرف تین بار تھوک لے اور جس کروٹ پر پہلے لیٹا ہوا تھا' اسے بدل لے اور اگر وہ وضو کر کے نماز بھی پڑھ لے تو یہ بہت پاکیزہ اور افضل بات ہے' اور جو اس نے برا خواب دیکھا ہو' اس کے بارے میں کسی سے بات نہ کرے اس سے یہ خواب اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مردوں کو دیکھنا

سوال کیا موت کے خواب یا خواب میں مردوں کو دیکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ انسان جلد فوت ہو جائے گا؟ اس صورت حال میں کیا کرنا چاہیے تاکہ ان برے خوابوں سے جان چھوٹ جائے؟

جواب یہ خواب جس سے انسان ڈر جائے اور گھبرا جائے' یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے کیونکہ شیطان اس بات کا

خواہش مند ہے کہ وہ ہر مسلمان کو غم و اندوہ میں مبتلا کر دے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا ٱلنَّجْوَىٰ مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ لِيَحْزُنَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ ۚ ﴾

(المجادلۃ۸۵/ ۱۰)

"(کافروں کی) سرگوشیاں تو شیطان (کی حرکات) سے ہیں (جو) اس لیے (کی جاتی ہیں) کہ مومن (ان سے) غم ناک ہوں۔ جب کہ وہ (شیطان) اذن الٰہی کے بغیرانہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

اسی طرح یہ ڈراؤنے خواب جو انسان کو غم و فکر میں مبتلا کر دیتے ہیں' یہ بھی شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں' اس لیے نبی ﷺ نے حکم دیا ہے کہ جو شخص ناپسندیدہ خواب دیکھے تو وہ اپنے بائیں طرف تین بار تھوک دے اور کہے:

«أَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَمِنْ شَرِّ مَا رَأَيْتُ»(لم أجده بهذا اللفظ)

"میں شیطان کے شر سے اور میں نے جو خواب دیکھا ہے' اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔"

اور جب تم خواب میں موت وغیرہ یعنی ایسی چیز کو دیکھو جسے تم ناپسند کرتے ہو تو اس وقت اس طرح کرو جس طرح نبی ﷺ نے حکم دیا ہے کہ تین بار بائیں جانب تھوک دو' نیز شیطان کے شر اور جو کچھ تم نے دیکھا ہے اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔ اور پھر اس کے بعد اگر سونا چاہو تو دوسری کروٹ پر سو جاؤ اور جب سو کر اٹھو تو اس برے خواب کے بارے میں کسی کو نہ بتاؤ' اس طرح اس خواب سے تمہیں کوئی نقصان نہیں ہو گا۔

انسان اگر موت کے بارے میں کوئی خواب دیکھے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ عنقریب مرجائے گا بلکہ یہ بھی ایک شیطانی خواب ہے تاکہ وہ ایسے خواب کی وجہ سے مسلمان کو غم و فکر میں مبتلا کر دے۔ اس طرح کا خواب دیکھ کر بھی اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنی چاہیے اور اس کے بارے میں کسی سے بات نہیں کرنی چاہیے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

میں خواب میں فضا میں اڑتا ہوں

سوال میں کبھی کبھی خواب دیکھتا ہوں کہ فضا میں پرندوں کی طرح اڑ رہا ہوں۔ بعض اوقات ایسے خواب بھی دیکھتا ہوں جو سچے ثابت ہوتے ہیں۔ اسی طرح خواب میں بعض اشخاص کو دیکھتا ہوں تو پھر بیداری کے عالم میں بھی ان سے ملاقات ہو جاتی ہے' اس سے جہاں مجھے خوشی ہے' حیرت بھی ہے اس کی کیا تعبیر ہے؟
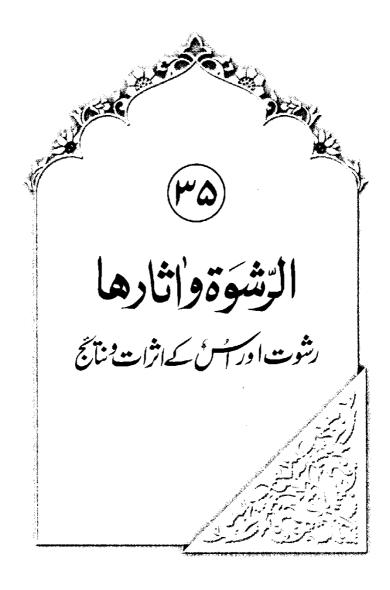
جواب ان خوابوں کے نتائج سے نہ ڈرو اور نہ ان کی تعبیر معلوم کرنے کی کوشش کرو کیونکہ خواب تعبیر بیان ہونے تک پرندے کے پر پر ہوتا ہے اور جب اس کی تعبیر بیان کر دی جائے تو وہ اسی طرح رونما ہو جاتا ہے۔ اکثر خوابوں کا تعلق اس گفتگو سے ہوتا ہے' جو انسان عالم بیداری میں کرتا رہتا ہے اور جن امور کے بارے میں وہ زیادہ اہتمام کرتا رہتا ہے' وہ خواب میں بھی اسی طرح نظر آتے رہتے ہیں۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ خواب کی پورے وثوق کے ساتھ کوئی معین تعبیر بیان کرنے میں توقف سے کام لیا جائے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

۳۵
الرّشوۃ وآثارھا
رشوت اور اُس کے اثرات ونتائج

رشوت اور اس کے اثرات و نتائج

رشوت کبیرہ گناہ ہے

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی طرف سے اپنے مسلمان بھائیوں میں سے ہر اس شخص کے نام جو اسے دیکھے یا سنے' اللہ تعالیٰ مجھے اور انہیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور مجھے اور انہیں عذاب جہنم سے بچائے!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ' اما بعد:

جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور نہایت سختی کے ساتھ حرام قرار دیا' ان میں سے ایک رشوت بھی ہے۔ رشوت یہ ہے کہ اپنی کسی ایسی مصلحت کے پورا کرنے کے لیے کسی ایسے ذمہ دار شخص کی خدمت میں مال پیش کرنا جس پر اس مال کے بغیر اسے پورا کرنا واجب تھا۔ اور اگر رشوت دینے سے مقصود اپنے حق کا حصول نہ ہو' بلکہ اس سے مقصود کسی حق کا ابطال یا کسی باطل کا احقاق یا کسی پر ظلم کرنا ہو تو پھر اس کی حرمت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

ابن عابدین (شامی) رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے "حاشیہ" میں لکھا ہے کہ رشوت وہ ہے جسے ایک شخص کسی حاکم وغیرہ کو اس لیے دیتا ہے تاکہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کردے یا اسے وہ ذمہ داری دے جسے وہ چاہتا ہے۔ انہوں نے اس تعریف کے ساتھ یہ واضح کیا ہے کہ رشوت عام ہے خواہ مال ہو یا کسی اور طرح کی منفعت اور "حاکم" سے مراد قاضی (جج) ہے اور "وغیرہ" سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کے ہاں رشوت دینے والے کی مصلحت پوری ہو سکتی ہو خواہ اس کا تعلق حکمرانوں سے ہو یا سرکاری ملازمین سے یا خاص اعمال بجا لانے والے ذمہ داروں سے مثلاً تاجروں' کمپنیوں اور جاگیرداروں کے نمائندے وغیرہ۔ "فیصلہ" سے مراد یہ ہے کہ رشوت لینے والا رشوت دینے والے کی مرضی کے مطابق فیصلہ کر دے تاکہ رشوت دینے والے کا مقصد پورا ہو جائے خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر۔

برادران اسلام! رشوت ان کبیرہ گناہوں میں سے ہے' جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حرام قرار دیا ہے اور رسول اکرم ﷺ نے اس کام کے کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے لہٰذا واجب ہے کہ اس سے خود بھی اجتناب کیا جائے اور لوگوں کو بھی اس سے اجتناب کی تلقین کی جائے کیونکہ یہ فساد عظیم' گناہ کبیرہ اور بھیانک نتائج کا سبب بنتی ہے۔ یہ گناہ اور ظلم کی ان باتوں سے ہے جن پر تعاون کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ ﴾ (المائدۃ٥/ ٢)

"اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔"

اللہ تعالیٰ نے باطل طریقے سے لوگوں کے مال کھانے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن

تَرَاضٍ مِّنكُمْ﴾ (النساء٤/ ٢٩)

"اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ' ہاں اگر باہم رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ ہو جائے تو وہ جائز ہے۔)" اور فرمایا:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ وَتُدْلُوا۟ بِهَآ إِلَى ٱلْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا۟ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ بِٱلْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾﴾ (البقرة٢/ ١٨٨)

"اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو (رشوت کے طور پر) حاکموں کے پاس پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور (اسے) تم جانتے بھی ہو۔"

رشوت' باطل طریقے سے مال کھانے کی صورتوں میں سے انتہائی بدترین صورت ہے کیونکہ اس میں دوسرے انسان کو مال اس لیے دیا جاتا ہے تاکہ اسے حق سے منحرف کر دیا جائے۔ رشوت دینا' لینا اور درمیان میں معاملہ کروانا سب حرام ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَعَنَ اللهُ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ وَالرَّائِشَ» (المعجم الكبير للطبراني: ٢/ ٩٤ ح: ١٤١٥ ومسند أحمد: ٥/ ٢٧٩ والمستدرك على الصحيحين للحاكم: ٤/ ١٠٣ واللفظ له)

"رشوت لینے والے' دینے والے اور دونوں کے درمیان واسطہ بننے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کے معنی اس کے فیضان رحمت سے دھتکارنے اور دور کر دینے کے ہیں--نعوذ باللہ من ذلک-- اور یہ سزا کسی کبیرہ گناہ ہی کی ہو سکتی ہے۔ رشوت کا تعلق ان حرام کاموں سے ہے' جن کی حرمت کا قرآن میں بھی ذکر ہے اور سنت میں بھی اور حرام کھانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی مذمت کی اور اسے ان کی بہت بڑی برائی قرار دیا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ سَمَّٰعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّٰلُونَ لِلسُّحْتِ﴾ (المائدة٥/ ٤٢)

"(یہ) جھوٹی باتیں بنانے کیلئے جاسوسی کرنے والے اور (رشوت کا) حرام مال کھانے والے ہیں۔" اور فرمایا:

﴿ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ وَأَكْلِهِمُ ٱلسُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهَىٰهُمُ ٱلرَّبَّٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ ٱلْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ ٱلسُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا۟ يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾﴾ (المائدة٥/ ٦٢-٦٣)

"اور تم دیکھو گے کہ ان میں سے اکثر گناہ' زیادتی اور حرام کھانے میں جلدی کر رہے ہیں۔ بے شک یہ جو کچھ کرتے ہیں برا کرتے ہیں۔ بھلا ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی باتوں اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے' بلاشبہ وہ بھی برا کرتے ہیں۔" مزید فرمایا:

﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ ٱلَّذِينَ هَادُوا۟ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَٰتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ كَثِيرًا ﴿١٦٠﴾ وَأَخْذِهِمُ ٱلرِّبَوٰا۟ وَقَدْ نُهُوا۟ عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَٰلَ ٱلنَّاسِ بِٱلْبَٰطِلِ﴾ (النساء٤/ ١٦٠-١٦١)

"تو ہم نے یہودیوں کے ظلم کے سبب (بہت سی) پاکیزہ چیزیں' جو ان کے لیے حلال تھیں' حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے راستے سے (لوگوں کو) روکتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کیے

جانے کے سود لیتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے۔"

بہت سی احادیث مبارکہ میں اس حرام چیز سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والوں کے بھیانک انجام کو بھی بیان کیا گیا ہے مثلاً ابن جریر رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُّ لَحْمٍ أَنْبَتَهُ السُّحْتُ فَالنَّارُ أَوْلَى بِهِ»(تفسير ابن جرير الطبري: ٦/ ١٥٦)

"ہر وہ گوشت جو مال حرام سے پیدا ہوا ہو' جہنم کی آگ ہی اس کے لیے زیادہ مستحق ہے۔"

عرض کیا گیا: مال حرام سے کیا مراد ہے" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الرِّشْوَةُ فِي الْحُكْمِ»(تفسير ابن جرير الطبري: ٦/ ١٥٦)

"فیصلہ کرنے کے لیے رشوت قبول کرنا۔"

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«مَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيهَا الرِّبَا إِلاَّ أُخِذُوا بِالسَّنَةِ، وَمَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيهِمُ الرُّشَا إِلاَّ أُخِذُوا بِالرُّعْبِ»(مسند أحمد: ٤/ ٢٠٥)

"جس قوم میں سود عام ہو جائے تو وہ قحط سالی میں مبتلا ہو جاتی ہے اور جس قوم میں رشوت عام ہو جائے' اس پر دشمن کا رعب طاری ہو جاتا ہے۔"

امام طبرانی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ "حرام یہ ہے کہ دین کے امور میں رشوت طلب کی جائے" [1]

امام موفق الدین ابن قدامہ رحمہ اللہ نے "المغنی" میں لکھا ہے کہ حسن اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ نے "اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ" کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد رشوت ہے۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے مزید لکھا ہے کہ قاضی اگر رشوت قبول کرے تو رشوت اسے کفر تک پہنچا دیتی ہے' کیونکہ وہ گویا اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے بغیر کسی اور حکم کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے تیار ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے بغیر فیصلہ کرے تو وہ کافر ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لاَ يَقْبَلُ إِلاَّ طَيِّبًا، وَإِنَّ اللهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُواْ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُواْ صَٰلِحًا ﴾ (المؤمنون٢٣/ ٥١) ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُلُواْ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ ﴾ (البقرة٢/ ١٧٢) ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ، يَارَبِّ! يَارَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ»(صحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، ح: ١٠١٥)

"بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی کو قبول فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو اس نے اپنے رسولوں کو دیا تھا۔ "اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور عمل نیک کرو۔ اور مومنوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: "اے اہل ایمان! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں' ان کو کھاؤ۔ پھر آپ نے ایک ایسے

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی: 226/9' حدیث: 9099

آدمی کا ذکر کیا جو بہت لمبا سفر کرتا ہے' پراگندہ حال اور غبار آلود ہے' اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتا ہے یا رب! یا رب! لیکن اس کا کھانا حرام ہے' اس کا پینا حرام ہے' اس کا لباس حرام ہے' حرام مال ہی سے اس کی پرورش ہوئی تو اس آدمی کی دعا کیسے قبول ہو؟"

اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو' اس کی ناراضی سے بچو' اس کے غضب کے اسباب سے اجتناب کرو کہ جب اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کا ارتکاب کیا جائے تو وہ بہت غیور ہے اور صحیح حدیث میں ہے:

«لاَ أَحَدَ أَغْيَرُ مِنَ اللهِ»(صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى: ولا تقربوا الفواحش ... الخ، ح: ٤٦٣٤ وصحيح مسلم، التوبة، باب غيرة الله تعالى و تحريم الفواحش، ح: ٢٧٦٠)

"اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی اور زیادہ غیرت والا نہیں ہے۔"

لہٰذا تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو مال حرام اور اکل حرام سے بچاؤ' اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی اس آگ سے بچاؤ' جو اس گوشت کی زیادہ مستحق ہے' جو حرام سے پیدا ہوا ہو۔ حرام کھانا دعاء کی قبولیت میں حجاب بن جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ثابت ہے' جو صحیح مسلم کے حوالہ سے ذکر کی گئی ہے' نیز طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس آیت کی تلاوت کی:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ كُلُوا۟ مِمَّا فِى ٱلْأَرْضِ حَلَٰلًا طَيِّبًا ﴾ (البقرة٢/ ١٦٨)

"لوگو! جو چیزیں زمین میں حلال طیب ہیں' وہ کھاؤ۔"

تو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعاء بنا دے' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَاسَعْدُ أَطِبْ مَطْعَمَكَ تَكُنْ مُسْتَجَابَ الدَّعْوَةِ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَقْذِفُ اللُّقْمَةَ الْحَرَامَ فِي جَوْفِهِ مَا يُتَقَبَّلُ مِنْهُ عَمَلُ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، وَأَيُّمَا عَبْدٍ نَبَتَ لَحْمُهُ مِنَ السُّحْتِ وَالرِّبَا فَالنَّارُ أَوْلٰى بِهِ»(المعجم الاوسط للطبراني: ٥/ ٣٤، ح: ٦٤٩٥)

"اے سعد! اپنا کھانا پاک کر لو' مستجاب الدعا بن جاؤ گے۔ اس ذات گرامی کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان جس کے ہاتھ میں ہے! بندہ جب ایک حرام لقمہ اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے تو چالیس دن تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ جس بندے کا گوشت مال حرام سے پلا بڑھا ہو' جہنم کی آگ ہی اس کی زیادہ مستحق ہے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانے کا پاک نہ ہونا اور رزق کا حلال نہ ہونا قبولیت دعا میں مانع ہے اور دعا کے دربار الٰہی تک پہنچنے میں حجاب ہے اور حرام کھانے والے کے لیے یہ کس قدر وبال اور خسارے کا سودا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک!

اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حکم دیا ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ یعنی جہنم کی آگ' اللہ کے عذاب اور دیگر دردناک سزاؤں سے خود بھی نجات حاصل کرو اور اپنے اہل و عیال کو بھی ان سے نجات دلاؤ۔ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ ٱللَّهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٦﴾ ﴾ (التحريم٦٦/ ٦)

"اے اہل ایمان! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ' جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر سخت دل اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں' اللہ تعالیٰ انہیں جو حکم دیتا ہے' اس کی نافرمانی نہیں

کرتے اور وہ جو حکم دیئے جاتے ہیں بجالاتے ہیں۔"

مسلمانو! اپنے رب کے اس فرمان پر لبیک کہو' اس کے امر کی اطاعت بجالاؤ' اس کی نہی سے اجتناب کرو اور اس کے غضب کے اسباب سے بچو' دنیا و آخرت میں شاد کام ہو جاؤ گے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٥﴾ ﴾ (الأنفال٨/ ٢٤-٢٥)

"اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم قبول کرو جب کہ رسول اللہ (ﷺ) تمہیں ایسے کام کرنے کے لیے بلاتے ہیں جو تم کو زندگی (جاوداں) بخشتا ہے اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ' آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ تم سب اس کے روبرو جمع کیے جاؤ گے اور اس فتنے سے ڈرو جو خصوصیت کے ساتھ انہی لوگوں پر واقع نہ ہو گا جو تم میں گناہ گار ہیں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا (دینے) والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور آپ کو ان لوگوں میں سے بنا دے جو بات سنتے ہیں تو اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں' جو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں' کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے دامن کو مضبوطی سے تھام لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اپنے نفسوں کی شرارتوں اور برے عملوں سے بچائے' اپنے دین کی مدد فرمائے' اپنے کلمہ کو سربلندی نصیب کرے اور ہمارے حکمرانوں کو ہر اس بات کی توفیق بخشے' جس میں بندوں اور شہروں کی بھلائی اور بہتری ہو' بے شک وہی کارساز و قادر ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

—— شیخ ابن باز ——

کیا یہ رشوت ہے؟
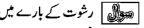
سوال میں "مبرد" ٹرانسپورٹ کمپنی میں کام کرتا ہوں اور پھلوں اور سبزیوں کو مدینہ سے جدہ یا مکہ یا ریاض میں پہنچاتا ہوں اور جب میں پہنچ جاتا ہوں تو سبزیوں کا مالک مجھے ایک سو یا دو سو ریال دے دیتا ہے کیونکہ میں نے ان سبزیوں وغیرہ کو بہت جلد پہنچا دیا ہوتا ہے اور کمپنی کے مالک کو بھی اس کا علم ہوتا ہے تو میرا سوال یہ ہے کہ یہ ریال یا یہ اعزازیہ حلال ہے یا حرام؟ راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب ہماری رائے میں اس نقدی کے لینے میں جسے سبزیوں کا مالک دیتا ہے اور کمپنی کے مالک کے علم میں ہے' کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے سبزیوں کا مالک آپ کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتا ہے کہ آپ نے سبزیوں وغیرہ کو خراب ہونے سے پہلے جلد پہنچا دیا۔ آپ اس حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں کہ آپ نے خوب محنت سے کام کیا اور مال کی حفاظت بھی کی اور پھر دینے والا اپنی خوشی سے دے رہا ہے' لہٰذا اس کے لینے میں کوئی امر مانع نہیں ہے خواہ یہ آپ کی اس مزدوری سے زائد ہو جس پر آپ کام کرتے ہیں کیونکہ اس سے مقصود تو آپ کی حوصلہ افزائی ہے کہ آپ نے ذمہ داری کے ساتھ جلد مال پہنچا دیا اور مال کے مالکان کی مصلحت کا خیال رکھا۔ واللہ الموفق۔

—— شیخ ابن جبرین ——

رشوت کے بارے میں حکم اور اس کے اثرات

سوال رشوت کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟

جواب نص شریعت اور اجماع امت کی روشنی میں رشوت حرام ہے۔ رشوت سے مراد وہ چیز ہے جو کسی حاکم وغیرہ کو اس لیے دی جائے تاکہ وہ حق سے اعراض کرے اور اس شخص کی خواہش کے مطابق فیصلہ کر دے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے رشوت لینے اور رشوت دینے والے پر لعنت فرمائی ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ نبی ﷺ نے رائش پر بھی لعنت فرمائی ہے۔ [1] اس سے مراد وہ شخص ہے جو دونوں کے درمیان واسطہ بن کر معاملہ طے کراتا ہے۔ بلاشبہ وہ بھی گناہ گار ہے اور مذمت' عیب اور سزا کا مستحق ہے کیونکہ وہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں معاون ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ﴿٢﴾ ﴾

(المائدة٥/ ٢)

"اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو' کچھ شک نہیں کہ اللہ سخت سزا (دینے) والا ہے۔"

سوال مسلمان کے عقیدہ پر رشوت کے کیا اثرات پڑتے ہیں؟

جواب رشوت اور دیگر گناہ ایمان کو کمزور اور رب تعالیٰ کو ناراض کر دیتے ہیں اور شیطان کو بندے پر مسلط کرنے کا سبب بنتے ہیں' جس کی وجہ سے وہ انسان کو دوسرے گناہوں میں بھی مبتلا کر دیتا ہے لہٰذا ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ رشوت اور دیگر تمام گناہوں سے اجتناب کرے اور جو کچھ ماضی میں ہوا' اس سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

اسلامی معاشرے پر رشوت کے اثرات

سوال مسلمانوں کے معاشروں' مصلحتوں اور کردار و اخلاق کو تباہ کرنے میں رشوت کا کیا کردار ہے؟

جواب اس سوال کا جواب بھی مذکورہ بالا سوال کے جواب ہی سے واضح ہے' علاوہ ازیں رشوت کے برے اثرات میں سے یہ بھی ہے کہ اس سے معاشرے کے کمزور افراد پر ظلم ہوتا ہے' ان کے حقوق پامال ہوتے ہیں اور اپنے حقوق حاصل کرنے میں انہیں ناروا تاخیر کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان قاضیوں' ججوں اور ملازموں کے اخلاق بھی خراب ہوتے ہیں جو رشوت لیتے اور رشوت دینے والے کی خواہش کو پورا کرتے اور جو رشوت نہ دے اس کے حق کو نقصان پہنچاتے یا اسے بالکل ضائع کر دیتے ہیں۔ رشوت لینے والے کا ایمان بھی کمزور ہو جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور دنیا و آخرت کی شدید سزا کا مستحق بھی قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مہلت ضرور دیتا ہے مگر اس سے غافل نہیں ہوتا۔ ہاں کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو آخرت سے پہلے دنیا ہی میں اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

---

[1] المعجم الكبير للطبراني' 94/2' حديث: 1415 والمستدرك على الصحيحين للحاكم: 103/4

«مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُعَجِّلَ اللهُ تَعَالٰی لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهُ فِي الآخِرَةِ، مِثْلُ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ»(سنن أبي داود، الأدب، باب في النهي عن البغي، ح:٤٩٠٢ وجامع الترمذي، صفة القيامة، باب في عظم الوعيد على ... الخ، ح:٢٥١١)

"نافرمانی اور قطع رحمی سے بڑھ کر اور کوئی گناہ ایسا نہیں' جو اس بات کا زیادہ مستحق ہو کہ اس کے مرتکب کو دنیا ہی میں سزا دی جائے' آخرت کی سزا تو اس کے لیے ہے ہی۔"

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رشوت اور ظلم کی دیگر تمام اقسام کا تعلق اس نافرمانی سے ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے مال دینا

سوال ایک شخص اپنی والدہ کے ساتھ حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے آیا' وہ دونوں حاجی تھے لیکن جب لوگوں کی کثرت کی وجہ سے حجر اسود کو بوسہ دینا مشکل ہو گیا تو اس نے حجر اسود کے پاس ڈیوٹی پر کھڑے ہوئے ایک شخص کو دس ریال دیئے جس نے لوگوں کو دور ہٹا دیا' حجر اسود خالی ہو گیا اور اس شخص اور اس کی والدہ نے بوسہ دے دیا۔ کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ کیا ایسا کرنے والے کا حج ہو گا یا نہیں؟

جواب اگر معاملہ اسی طرح ہے' جس طرح سوال میں مذکور ہے تو اس شخص کے لیے رشوت دینا جائز نہ تھا۔ حجر اسود کو بوسہ دینا سنت ہے' حج کے ارکان اور واجبات میں سے نہیں' لہٰذا جو شخص دوسروں کو تکلیف دیئے بغیر چھو سکے یا بوسہ دے سکے تو اس کے لیے ایسا کرنا مستحب ہے اور اگر چھونا یا بوسہ دینا ممکن نہ ہو تو عصا کے ساتھ چھو لے اور اسے بوسہ دے لے اور اگر ہاتھ یا عصا سے چھونا ممکن نہ ہو تو اس کے برابر آ کر اشارہ کر دے اور اللہ اکبر کہے' یہ بھی سنت ہے۔

اس کے لیے رشوت دینا قطعاً جائز نہیں خواہ کوئی طواف کرنے والا ہو یا کوئی اور ہو' سب کو اس سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کرنی چاہیے۔ وباللہ التوفیق و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

کام کے معاہدہ کے عوض رقم دینا

سوال میرا ایک بھائی سعودیہ میں کام کرنا چاہتا ہے اور وہ بحمد اللہ مصطفیٰ ﷺ کی سنت (سنت نبوی) کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے اور فتنوں اور حدود الٰہی سے تجاوز سے بہت بچنا چاہتا ہے اور یہ صورت حال (حدود الٰہی سے تجاوز وغیرہ) اسے اس کمپنی میں درپیش ہے جس میں وہ (فی الحال) کام کرتا ہے۔ اس نے اپنی سند فراغت' جو اس نے اسکندریہ یونیورسٹی کے کامرس کالج سے ۱۹۷۴ء میں شعبہ معاشیات سے حاصل کی تھی میرے پاس بھیجی ہے۔ ایک سعودی نے مجھ سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ اگر میں اسے مبلغ پانچ ہزار ریال دے دوں تو وہ اسے سعودی ایئر لائن میں ملازمت دلوا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ معاملہ شریعت کے مطابق ہو گا' فتویٰ عطا فرمائیں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسے آپ نے ذکر کیا ہے تو سعودی ایئر لائن یا کسی بھی دوسرے ادارے میں ملازمت حاصل کرنے کے لیے رقم دینا کبیرہ گناہ ہے' جس طرح اس رقم کو قبول کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے کیونکہ یہ رشوت ہے اور حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے اور رشوت دینے والے (دونوں) پر لعنت فرمائی ہے۔ [1] اس سے اجتناب کیجئے اور حلال طریقے سے رزق طلب کیجئے کیونکہ کسب حلال کے بہت سے دروازے ہیں' لہٰذا اللہ سے ڈر جائیں اور اسی پر بھروسہ رکھیں۔

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝٢ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٢-٣)

"جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔" وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

یہ تحائف رشوت کے حکم میں ہیں

سوال میں ایک ادارے کا مدیر ہوں۔ کچھ لوگ اپنے معاملات ختم ہونے پر مجھے بعض تحائف دے دیتے ہیں کیونکہ وہ میری ادارت سے مستغنی نہیں ہو سکتے کیونکہ انہیں پھر بھی کبھی نہ کبھی اس ادارے کی طرف رجوع کرنا پڑے گا تو کیا میں انہیں حسن نیت پر محمول کرتے ہوئے قبول کر لوں یا یہ بھی رشوت اور حرام شمار ہوں گے؟

جواب آپ کے لیے واجب یہ ہے کہ ان تحائف کو قبول نہ کریں کیونکہ یہ رشوت کے حکم میں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان تحائف کے لالچ میں یا ان سے حیا کی وجہ سے آپ ان کے معاملات کو دوسروں سے مقدم قرار دیں۔ سنت سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے اس قسم کے تحائف قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔

آپ اور آپ جیسے لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے کام میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اور تمام مراجعت کرنے والوں کی ہمدردی و خیر خواہی کو پیش نظر رکھیں اور تمام لوگوں کی ضروریات کو پورا کریں' جو پہلے آئے اس کے کام کو پہلے کریں یا جو کام زیادہ اہم ہو اسے زیادہ اہمیت دیں۔ اپنی خواہش نفس' دوستی اور رشتہ داری کی وجہ سے نہ تو کسی پر ظلم کریں اور نہ اس کے معاملہ کو مؤخر کریں تاکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل ہو سکے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا۟ ٱلْأَمَـٰنَـٰتِ إِلَىٰٓ أَهْلِهَا ﴾ (النساء ٤/ ٥٨)

"اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔"

اور کامیاب ہونے والے لوگوں کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ هُمْ لِأَمَـٰنَـٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَٰعُونَ ۝٣٢ ﴾ (المعارج ٧٠/ ٣٢)

"اور جو امانتیں اور اقراروں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔" واللّٰہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

[1] المعجم الکبیر للطبرانی' 2/94' حدیث: 1415 والمستدرک علی الصحیحین للحاکم: 4/103

۳۶
مَالَ الیَتِیْم
مالِ یتیم کے احکام ومسائل

مالِ یتیم کے احکام و مسائل

مال یتیم میں تصرف
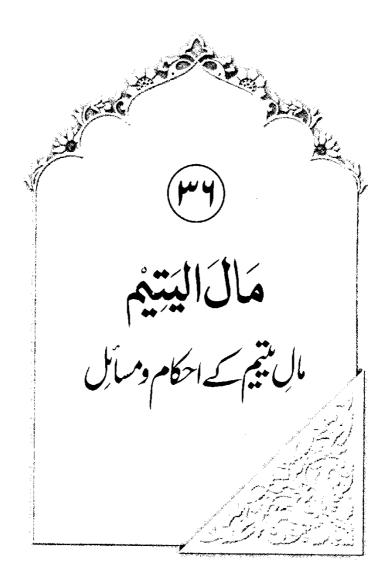
سوال جب کسی شخص کے پاس ایک یتیم ہو' یتیم کے پاس مال بھی ہو اور وہ شخص یتیم کی مصلحتوں کا خیال بھی رکھتا ہو تو کیا اس کے لیے یتیم کے مال میں تصرف کرنا جائز ہے' جب کہ یتیم کا اصل مال محفوظ ہو اور وہ اسے واپس بھی لوٹا دے؟

جواب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یتیموں کی اصلاح کا حکم دیا ہے اور احسن طریقوں کے بغیر ان کے اموال کے پاس جانے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْيَتَـٰمَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَٰنُكُمْ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ ٱلْمُفْسِدَ مِنَ ٱلْمُصْلِحِ ۚ ﴾ (البقرة۲/ ۲۲۰)

"اور آپ سے یتیموں کے بارے میں بھی دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دیجئے! ان کی (حالت کی) اصلاح بہت اچھا کام ہے اور اگر تم ان سے مل جل کر رہنا (یعنی خرچ اکٹھا رکھنا) چاہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ خرابی کرنے والا کون ہے اور اصلاح کرنے والا کون۔" اور فرمایا:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا۟ مَالَ ٱلْيَتِيمِ إِلَّا بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُۥ ۚ ﴾ (بني إسرائيل۱۷/ ۳٤)

"اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ وہ بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔"

پس یتیم کے والی (اور سرپرست) کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ ان دونوں آیتوں کے مطابق عمل کرے' یعنی یتیموں کے اموال کی اصلاح کی جائے اور ان کے بڑھانے اور ان کی حفاظت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جائے خواہ انہیں تجارت میں لگا دیا جائے یا کسی قابل اعتماد شخص کو دے دیئے جائیں' جو نفع میں اپنے نصف حصہ وغیرہ پر جیسا کہ وہاں کا عرف ہو' انہیں تجارت میں لگائے اور اگر وہ سارا نفع ہی یتیم کو دے دے تو یہ بہت بہتر اور افضل ہے۔ باقی رہا یتیم کے ولی (اور سرپرست) کا یتیم کے اموال میں ایسا تصرف کرنا جس سے یتیم کی بجائے خود اسے فائدہ پہنچے' اس کی ضرورتیں پوری ہوں' اور اس کی تجارت پروان چڑھے تو جیسا کہ ظاہر ہے یہ جائز نہیں کیونکہ یہ یتیم کے مال کی اصلاح نہیں ہے اور نہ احسن طریقے سے اس کے مال کے قریب جانا ہے اور اگر وہ مال کو اس لیے خرچ کرے جب کہ استعمال نہ کرنے کی صورت میں مال کے ضائع یا چوری ہونے کا اندیشہ ہو اور کوئی ایسا قابل اعتماد شخص بھی نہ ہو جسے مال بطور مضاربت دیا جا سکے تو ایسی صورت میں مال کو خرچ کرنا اصلاح اور مال یتیم کی حفاظت ہو گا بشرطیکہ والی مال دار ہو اور اس کے پاس مال باقی رہنے کی صورت میں خطرے کی کوئی بات نہ ہو۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یتیم کے ولی کے لیے واجب یہ ہے کہ وہ ایسے طریق کار کو اختیار کرے' جس میں یتیم کی بے حد اصلاح ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مفسد کون ہے اور مصلح کون اور پھر وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء دے گا۔ اگر اچھا عمل کیا تو جزائے خیر سے نوازے گا اور اگر برا عمل کیا تو بری سزا دے گا۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

———— شیخ ابن باز ————

سوال ایک بچے کے والدین فوت ہو گئے تو ہم نے اسے پالنا شروع کر دیا۔ اس کے چچا اور کچھ دیگر اہل خیر اسے کچھ پیسے بھی دیتے ہیں، ممکن ہے کہ اس کے یہ پیسے ہمارے مال میں بھی شامل ہو جاتے ہوں جب کہ ہم اسے جو دیتے ہیں وہ اس سے زیادہ ہوتا ہے اور ہم اسے اپنے گھر کا ایک فرد سمجھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ ہماری راہنمائی فرمائیں؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب یتیم کو جو صدقات ملتے ہیں، انہیں لینے میں تمہارے لیے کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ تم اس پر جو خرچ کرتے ہو، وہ اس (صدقات) کے برابر یا اس سے کم ہوں اور جو رقم تمہارے اخراجات سے زیادہ ہو تو اس کی حفاظت کرو اور اسے یتیم کے لیے محفوظ رکھو اور ہاں تمہارے لیے یہ خوشخبری ہے کہ یتیم کی تربیت اور اس سے حسن سلوک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں بے پناہ اجر و ثواب سے نوازے گا۔

———— شیخ ابن باز ————

سوال کیا ان یتیموں کے مال میں تصرف کیا جا سکتا ہے جو خود مالی معاملات کرنے میں کوتاہ ہوں؟

جواب یتیم کا ولی اس کے مال میں ایسا تصرف کر سکتا ہے جو یتیم کے لیے نفع اور فائدہ کا باعث ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ﴾ (بني إسرائيل ١٧/ ٣٤)

"اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔"

یتیم کا والی اس کے مال میں ایسا تصرف کر سکتا ہے جس سے اس کا مال بڑھے اور جس میں اس کی مصلحت ہو۔ باقی رہا ایسا تصرف جس سے اس کا مال کم ہو یا اسے نقصان پہنچے تو یہ جائز نہیں ہے۔

———— شیخ ابن عثیمین ————

سوال میرے والد فوت ہو گئے اور انہوں نے جدہ شہر میں ایک گھر چھوڑا ہے جس میں میرے بھائیوں کی رہائش ہے۔ والد صاحب نے قریباً ایک لاکھ ریال مال بھی چھوڑا ہے۔ میری والدہ اور بھائیوں نے مجھ سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ میں ترکہ کے مال کے ساتھ ان کے لیے ایک بڑا گھر بنا دوں، لیکن میرا ایک بھائی بہت چھوٹا ہے اور وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن ظاہر ہے کہ اس کی مصلحت بھی اسی میں ہے تو کیا ہمارے لیے اس ترکہ سے گھر بنانا جائز ہے جب کہ اس چھوٹے بچے کا بھی اس میں حصہ ہے؟

جواب اگر اس چھوٹے بچے کے ولی آپ ہیں اور آپ گھر بنانے میں ہی مصلحت سمجھتے ہیں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ﴾ (بني إسرائيل ١٧/ ٣٤)

"اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ وہ بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔"

———— شیخ ابن عثیمین ————
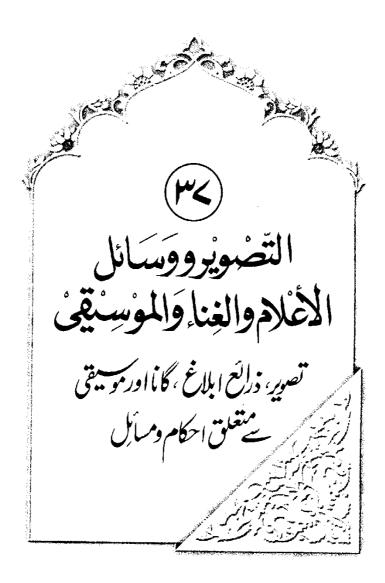
۳۷
التّصْويرووسَائل
الأعْلام والغِناء وَالموْسِيْقىٰ
تصویر، ذرائع ابلاغ، گانا اور موسیقی
سے متعلق احکام ومسائل

تصویر' ذرائع ابلاغ' گانا اور موسیقی سے متعلق احکام و مسائل

تصویر کے بارے میں حکم

سوال تصویر کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کے بارے میں کیا احادیث آئی ہیں؟ کیا سایہ دار اور غیر سایہ دار تصویروں میں کوئی فرق ہے؟ اس سلسلہ میں علمائے کرام کا راجح قول کیا ہے؟ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

جواب کسی زندہ اور اپنے ارادے سے حرکت کرنے والے جاندار مثلاً انسان' حیوان اور پرندے وغیرہ کی صورت بنانے کے عمل کو تصویر بنانا کہتے ہیں اور اس کے بارے میں حکم شریعت یہ ہے کہ یہ حرام ہے اور اس کی دلیل وہ بہت سی احادیث ہیں' جو اس کے بارے میں وارد ہیں مثلاً صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُصَوِّرُونَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، ح:٥٩٥٠ وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ... الخ، ح:٢١٠٩ واللفظ له)

"بے شک روز قیامت سب سے زیادہ سخت عذاب مصوروں کو ہو گا۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الَّذِينَ يَصْنَعُونَ هٰذِهِ الصُّوَرَ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُقَالُ لَهُمْ: أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ» (صحيح البخاري، اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، ح:٥٩٥١ وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ... الخ، ح:٢١٠٨)

"جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں' یقیناً انہیں قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ تم نے جن کو پیدا کیا تھا' اب انہیں زندہ بھی کرو۔"

صحیحین ہی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ صَوَّرَ صُورَةً فِي الدُّنْيَا كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ يَّنْفُخَ فِيهَا الرُّوحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من صور صورة كلف يوم القيامة ... الخ، ح:٥٩٦٣ وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ... الخ، ح:٢١١٠)

"جس نے دنیا میں کوئی تصویر بنائی تو اسے قیامت کے دن یہ حکم دیا جائے گا کہ وہ اس میں روح بھی پھونکے حالانکہ وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا۔"

امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ، يَجْعَلُ لَهُ، بِكُلِّ صُورَةٍ صَوَّرَهَا، نَفْسًا فَتُعَذِّبُهُ فِي جَهَنَّمَ»
(صحيح مسلم، اللباس الزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ... الخ، ح:٢١١٠)

''ہر مصور جہنم میں جائے گا' ہر تصویر کے عوض جو اس نے بنائی اس کے لیے اللہ تعالیٰ ایک نفس بنا دے گا جس کے ساتھ اسے جہنم میں عذاب دیا جائے گا۔''

حضرت ابو طلحہ سے مرفوع روایت ہے:

«لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا تَمَاثِيلُ»(صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ... الخ، ح:٢١٠٦)

''فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا اور تصویریں ہوں۔''

یہ اور اس مضمون کی دیگر احادیث عام اور ہر تصویر کے بارے میں ہیں' خواہ اس کا سایہ ہو یا سایہ نہ ہو یعنی خواہ ان کا جسم ہو یا انہیں دیوار یا کاغذ یا کپڑے وغیرہ پر منقش کر لیا گیا ہو۔ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ جب کعبہ میں داخل ہوئے تو اس میں تصویریں بھی تھیں' آپ نے پانی کا ایک ڈول منگوایا اور پانی کے ساتھ تصویروں کو مٹانا شروع کر دیا اور فرمایا:

«قَاتَلَ اللهُ قَوْمًا يُصَوِّرُونَ مَا لَا يَخْلُقُونَ»(مسند أبي داود الطيالسي، ص:٨٧، ح:٦٢٣ والمعجم الكبير للطبراني:١/ ١٦٧، ح:٤٠٧)

''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو تباہ و برباد کر دے جو ایسی چیزوں کی تصویریں بناتے ہیں' جنہیں وہ پیدا نہیں کر سکتے۔''

البتہ اس دور میں کرنسی نوٹ جن پر بادشاہوں کی تصویریں ہوتی ہیں اور اسی طرح پاسپورٹ اور شناختی کارڈز وغیرہ جن کے پاس رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے' اس سے مستثنیٰ ہیں۔ لیکن ان کی اجازت بھی صرف بقدر حاجت و ضرورت ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

ضرورت کے بغیر تمام زندہ چیزوں کی تصویریں حرام ہیں

سوال ہمیں بعض لوگوں نے یہ بتایا ہے کہ تصویریں حرام ہیں اور فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں ہوں۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ کیا ان حرام تصویروں سے مقصود ایسی تصویریں ہیں جو انسانوں اور حیوانوں کی طرح مجسم ہوں یا یہ حکم ان تمام تصویروں کے لیے ہے جو شناختی کارڈ اور کرنسی نوٹوں وغیرہ پر بھی بنی ہوتی ہیں۔ اگر یہ تمام تصویریں حرام ہیں تو پھر راہنمائی فرمائیں کہ گھروں کو تصویروں سے کس طرح پاک کیا جا سکتا ہے؟

جواب جی ہاں تمام زندوں کی تصویریں خواہ وہ آدمی ہوں یا حیوان حرام ہیں اور تصویریں خواہ مجسم صورت میں ہوں' یا نقش و نگار کی صورت میں ہوں یا انہیں کپڑوں پر بنایا گیا ہو یا وہ شمسی تصویریں ہوں' سب حرام ہیں اور صحیح احادیث کے عموم کے پیش نظر فرشتے ان گھروں میں داخل نہیں ہوتے جن میں تصویریں ہوں۔ ان میں سے صرف ان تصویروں کی رخصت ہے' جن کی ضرورت ہو مثلاً مجرم اور مشکوک لوگوں کی تصویریں تاکہ انہیں پہچانا جا سکے' اسی طرح پاسپورٹ اور شناختی کارڈز کی تصویروں کی بھی رخصت ہے اور امید ہے کہ یہ اور اس طرح کی تصویریں جنہیں ضرورت و حفاظت کے

پیش نظر رکھا جاتا ہے' گھروں میں فرشتوں کے داخلے سے مانع نہیں ہونگی واللہ المستعان۔ اسی طرح وہ تصویریں جو بستروں اور تکیوں پر بنی ہوں اور انہیں پامال کیا جاتا ہو' وہ بھی مستثنیٰ ہیں۔ تصویروں کی حرمت کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں' ان میں سے ایک یہ بھی ہے' جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ أَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُقَالُ لَهُمْ: أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من كره القعود على الصور، ح:٥٩٥٧)

"ان تصویروں والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اسے زندہ کرو' جسے تم نے پیدا کیا تھا۔"

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے سود کھانے والے' کھلانے والے اور مصور پر لعنت فرمائی ہے۔ [1]

—— فتویٰ کمیٹی ——

فوٹوگرافی تصویر کا حکم

سوال کیا فوٹوگرافی کی تصویر بھی ہاتھ سے بنائی گئی تصویر کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟

جواب صحیح قول جو ادلۂ شرعیہ سے ثابت ہے اور جسے جمہور علماء نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ جان دار چیزوں کی تصویر کی حرمت کے دلائل فوٹوگرافی تصویر کے لیے بھی ہیں اور ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویر کے لیے بھی۔ اس تصویر کے لیے بھی جو مجسم ہو اور اس کے لیے بھی جو غیر مجسم ہو کیونکہ دلائل کے عموم سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی نے اس موضوع سے متعلق پہلے بھی ایک فتویٰ جاری کیا ہے' مزید فائدہ کے لیے ہم اس کی ایک فوٹو کاپی بھی آپ کی خدمت میں ارسال کر رہے ہیں۔ و باللہ التوفیق' وصلی اللہ وسلم علی عبدہ و رسولہ محمدو آلہ و صحبہ۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

شمسی تصویر کا حکم

سوال ضرورت یا زینت کے لیے شمسی تصویر کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب زندوں کی تصویر حرام ہے الّا یہ کہ کسی ناگزیر ضرورت کا تقاضا ہو مثلاً کسی ذمہ داری یا پاسپورٹ کے لیے یا ایسے مجرموں کی تصویر جنہیں شناخت کر کے پکڑنا مقصود ہو اور وہ جرم کے ارتکاب کے بعد فرار ہو گئے ہوں یا اس طرح کے دیگر ناگزیر مقاصد کے لیے ہو تو پھر تصویر کی اجازت ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی زیر صدارت شیخ ابن باز ——

ضرورت کے لیے تصویر کا حکم

سوال حالت ضرورت اور غیر ضرورت میں تصویر کے بارے میں کیا حکم ہے؟

---

[1] صحیح البخاری' اللباس' باب من لعن المصور' حدیث: 5962

جواب جان دار چیزوں کی تصویر حرام ہے خواہ وہ کیمرہ کی تصویر ہو' ہاتھ سے بنائی گئی ہو یا کسی آلہ وغیرہ سے۔ اسی طرح تصویروں کا جمع کرنا بھی حرام ہے' البتہ اگر کوئی شخص مضطر ہو جائے اور وہ بے اختیار ہو مثلاً یہ کہ پاسپورٹ کے لیے یا ذمہ داری سپرد کرنے کے لیے اس سے تصویر طلب کی جائے تو اس کی رخصت ہے لیکن دل سے تصویر کو مکروہ سمجھنا چاہیے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

حیوانوں اور پرندوں کو حنوط کرنا جائز نہیں

سوال حیوانوں اور پرندوں کو حنوط کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا یہ بھی بتوں کے قبیل میں سے شمار کیا جائے گا؟

جواب یہ سوال ہم سے بحوث علمیہ و افتاء کی کمیٹی میں پوچھا گیا تھا اور اس مسئلہ کے بارے میں بالاتفاق ہماری رائے یہ تھی کہ یہ جائز نہیں اور اس کے حسب ذیل دو بلکہ اس سے بھی زیادہ اسباب ہیں:

١ یہ ایک فضول کام اور مال کو ضائع کرنا ہے۔

٢ یہ کام تصویروں کے لٹکانے کا بھی سبب بنے گا اور لوگ کہیں گے کہ یہ تصویریں بھی حنوط شدہ چیزوں کے مشابہ ہیں یا ان سے التباس بھی پیدا ہو گا اور کہا جائے گا کہ یہ تصویر نہیں بلکہ یہ حنوط شدہ ہے اور اس طرح تصویروں اور بتوں کا عام رواج ہو جائے گا اس لیے ہماری رائے میں چیزوں کو حنوط کر کے محفوظ کرنا جائز نہیں ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

حیوانوں اور پرندوں کے حنوط کے بارے میں حکم

سوال بعض لوگ بعض حیوانوں یا پرندوں کو حنوط کر دیتے ہیں اور وہ اس طرح کہ ان کے اندر نمک' ڈیٹول' روئی اور بعض کیمیکلز رکھ دیتے ہیں اور پھر ان حنوط شدہ چیزوں کو اپنی مجلسوں میں زینت کے لیے استعمال کرتے ہیں' شریعت مطہرہ میں اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فتویٰ عطا فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اس طرح کا عمل جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں مال کا ضیاع بھی ہے اور پھر یہ حنوط شدہ چیز تصویروں کے لٹکانے کا وسیلہ بھی بنے گی اور اس گمان کا بھی کہ یہ حنوط شدہ چیزیں گھر اور گھر والوں سے بلاؤں کو دور کرتی ہیں جیسا کہ بعض جاہل لوگوں کا خیال ہے۔ اس سوال کا جواب جو میں نے ذکر کیا ہے' اسی کے مطابق میری صدارت و شراکت میں بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی کی طرف سے ایک فتویٰ صادر ہو چکا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

فوٹو گرافر کی ملازمت

سوال میں ایک سرکاری ادارے میں فوٹو گرافر کے طور پر ملازمت کر رہا ہوں اور مختلف مواقع کی مناسبتوں سے مجھے کیمرے سے فوٹو بنانے پڑتے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تصویر حرام ہے جب کہ وہ انسانی تصویر ہو۔ امید ہے کہ آپ فتویٰ کے ذریعہ راہنمائی فرمائیں گے تاکہ میں اس کام سے دور ہو جاؤں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کی

حفاظت فرمائے اور نیکی کی توفیق سے نوازے؟

جواب ہر جان دار چیز کی تصویر حرام ہے خواہ وہ انسان ہو یا حیوان اور تصویر خواہ برش سے بنائی جائے یا بُن کر یا رنگ سے یا کیمرہ سے یا کسی اور چیز سے اور خواہ وہ مجسم ہو یا غیر مجسم۔ تصویر ہر طرح حرام ہے' کیونکہ تصویر کی حرمت پر دلالت کرنے والی احادیث کے عموم سے یہی ثابت ہے۔ فتویٰ کمیٹی کی طرف سے اس سلسلہ میں ایک مفصل اور مدلل فتویٰ جاری ہو چکا ہے۔ ہم اس کی فوٹو کاپی ارسال کر رہے ہیں تاکہ آپ اس سے مستفید ہو سکیں۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

تصویریں بنوانے والوں کے بارے میں حکم

سوال تصویریں بنانے والوں کے لیے تو لعنت آئی ہے کیا تصویریں بنوانے والے بھی اس لعنت کے مستحق ہیں' کیا ان کے بارے میں کوئی خاص دلیل بھی ہے؟

جواب جس طرح دلائل تصویریں بنانے والوں پر لعنت اور آخرت میں ان کے لیے جہنم کی وعید کے بارے میں ہیں' اسی طرح یہ تمام دلائل اس شخص کے لیے بھی ہیں جو اپنے آپ کو تصویر بنوانے کے لیے پیش کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي ٱلْكِتَٰبِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا۟ مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا۟ فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِۦٓ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ﴾ (النساء٤/ ١٤٠)

"اور اللہ نے (مومنوں) پر اپنی کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے تو جب تک وہ لوگ اور باتیں (نہ) کرنے لگ جائیں ان کے پاس مت بیٹھو' ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو جاؤ گے۔"

اللہ تعالیٰ نے قصۂ ثمود کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَىٰهَآ ﴿١١﴾ إِذِ ٱنۢبَعَثَ أَشْقَىٰهَا ﴿١٢﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ ٱللَّهِ نَاقَةَ ٱللَّهِ وَسُقْيَٰهَا ﴿١٣﴾ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم بِذَنۢبِهِمْ فَسَوَّىٰهَا ﴿١٤﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبَٰهَا ﴿١٥﴾ ﴾

(الشمس٩١/ ١١-١٥)

"(قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر (پیغمبر کو) جھٹلا دیا' جب ان میں سے ایک نہایت بدبخت اٹھا' تو اللہ کے پیغمبر (صالح) نے ان سے کہا کہ (حفاظت کرو تم) اللہ کی اونٹنی کی اور اس کو پانی پلانے کی' مگر انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو اللہ نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب نازل کیا اور سب کو (ہلاک کر کے) برابر کر دیا اور وہ (اللہ) اپنے کام کے انجام سے نہیں ڈرتا۔"

عبدالواحد بن زید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حسن سے کہا اے ابو سعید! مجھے اس شخص کے بارے میں بتائیے جو ابن مہلب کے فتنہ میں تو حاضر نہ ہو لیکن دل سے اسے اچھا سمجھتا ہو تو انہوں نے فرمایا برادر زادے! کتنے ہاتھوں نے اونٹنی کی کونچوں کو کاٹا تھا؟ میں نے جواب دیا کہ ایک ہی ہاتھ نے' تو انہوں نے فرمایا' کیا پھر ساری قوم اس لیے ہلاک نہیں کر دی گئی تھی کہ وہ اس پر راضی تھی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الزھد" میں بیان فرمایا ہے کہ یہ دونوں آیتیں اس بات کی دلیل

ہیں کہ کسی فعل پر راضی ہونے والا بھی اسی طرح ہے جیسے اس فعل کو کرنے والا' [1] البتہ وہ شخص اس میں داخل نہیں ہے جو کسی اضطراری ضرورت کی وجہ سے تصویر بنواتا ہو۔ و صلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ۔

فتویٰ کمیٹی

تصویریں لٹکانا

سوال گھروں وغیرہ میں تصویریں لٹکانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب حکم یہ ہے کہ تصویریں اگر انسانوں یا جاندار چیزوں کی ہوں تو وہ حرام ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا:

«أَنْ لاَ تَدَعَ صُورَةً إِلاَّ طَمَسْتَهَا وَلاَ قَبْرًا مُّشْرِفًا إِلاَّ سَوَّيْتَهُ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب الأمر بتسوية القبر، ح:٩٦٩)

"ہر تصویر کو مٹا دو اور ہر اونچی قبر کو برابر کر دو۔" (اسے امام مسلم نے "صحیح" میں روایت کیا ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے روشن دان پر ایک ایسا پردہ لٹکا دیا تھا' جس میں تصویریں تھیں' نبی ﷺ نے جب اسے دیکھا تو پھاڑ دیا' رخ انور کا رنگ بدل گیا اور آپ نے فرمایا:

«إِنَّ أَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ لَهُمْ: أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ»(صحيح البخاري، اللباس، باب من كره القعود علي الصور، ح:٥٩٥٧)

"ان تصویروں والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ اسے زندہ کرو جسے تم نے پیدا کیا تھا۔"

البتہ اگر تصویر کسی ایسے بچھونے پر ہو جو پامال ہوتی ہو یا تکیہ میں ہو جس کے ساتھ ٹیک لگائی جاتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ جبریل نے ایک بار نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا وعدہ کیا تھا مگر جب وہ آئے تو گھر میں داخل ہونے سے رک گئے۔ نبی ﷺ نے ان سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ گھر میں مجسمہ ہے' پردے پر تصویریں ہیں اور ایک کتا بھی ہے۔ حکم دیجئے کہ مجسمہ کے سر کو کاٹ دیا جائے' پردے سے دو تکیے بنا لیے جائیں' جنہیں پامال کیا جائے اور کتے کو گھر سے باہر نکال دیا جائے۔ نبی ﷺ نے اس طرح کیا تو جبریل علیہ السلام گھر میں داخل ہوئے۔ اس حدیث کو امام نسائی اور دیگر محدثین نے جید سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ [2] حدیث مذکور میں یہ بھی ہے کہ یہ کتے کا بچہ تھا' جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا تھا اور گھر میں رکھے ہوئے سامان کے نیچے تھا۔ صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ تَدْخُلُ الْمَلاَئِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلاَ صُورَةٌ»(صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير

---

[1] کتاب الزھد للامام احمد' ص: 288' 289 حدیث: 1676

[2] صحیح مسلم' اللباس والزینۃ' باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان --- الخ' حدیث: 2105 و سنن النسائی الصید' باب امتناع الملائکۃ من دخول بیت فیہ کلب' حدیث: 4288

صورة الحيوان ... الخ، ح:٢١٠٦)

"فرشتے اس گھر میں داخل ہی نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویریں ہوں۔"

حضرت جبریل کا یہ قصہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر بچھونے وغیرہ پر تصویر ہو تو وہ دخول ملائکہ میں مانع نہیں ہے۔ اسی طرح صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ مذکورہ بالا پردے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تکیہ بنالیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ ٹیک لگالیا کرتے تھے۔ [1]

——— شیخ ابن باز ———

یادگار کے لیے تصویر کا حکم

سوال کیا کسی انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ عید وغیرہ کے اوقات میں اپنی تصویر بنوا کر اپنے اہل خانہ کو ارسال کردے؟

جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث سے تصویر کی ممانعت اور مصوروں کے لیے لعنت ثابت ہے اور انہیں مختلف قسم کی وعیدیں بھی سنائی گئی ہیں لہٰذا کسی بھی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی تصویر بنائے یا دیگر جاندار چیزوں کی تصویریں بنائے' البتہ پاسپورٹ یا شناختی کارڈز وغیرہ کی ضرورت کے لیے تصویر بنائی جا سکتی ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے احوال کی اصلاح فرمائے اور حکمرانوں کو توفیق بخشے کہ وہ شریعت پر عمل کریں اور مخالف شریعت کاموں سے منع کریں' انه خير مسئول

——— شیخ ابن باز ———

یادگار کے لیے تصویریں جمع کرنا

سوال کیا یادگار کے لیے تصویریں جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب کسی بھی مسلمان مرد و عورت کے لیے انسانوں اور دیگر جاندار چیزوں کی تصویریں یادگار کے لیے جمع کرنا جائز نہیں ہے بلکہ انہیں تلف کرنا واجب ہے' کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«أَنْ لاَ تَدَعَ صُورَةً إِلاَّ طَمَسْتَهَا وَلاَ قَبْرًا مُّشْرِفًا إِلاَّ سَوَّيْتَهُ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب الأمر بتسوية القبر، ح:٩٦٩)

"ہر تصویر کو مٹا دو اور ہر اونچی قبر کو برابر کردو۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے گھر میں تصویر رکھنے سے منع فرمایا ہے اور فتح مکہ کے دن آپ جب کعبہ میں داخل ہوئے اور کعبہ کی دیواروں پر آپ نے تصویریں دیکھیں تو آپ نے پانی اور کپڑا منگوایا اور تصویروں کو صاف کر دیا [2] البتہ جمادات مثلاً پہاڑوں اور درختوں وغیرہ کی تصویروں میں کوئی حرج نہیں۔

---

[1] صحیح البخاری' اللباس' باب ما وطیٔ من التصاویر' حدیث: 5954 و صحیح مسلم' اللباس والزینة باب تحریم تصویر صورة الحیوان --- الخ' حدیث: 2107

[2] مسند احمد: 396/3 و اصله عندالترمذی' حدیث: 1749 و ابوداود 4156

شیخ ابن باز

تصویروں کو محفوظ رکھنا

سوال کیا چھوٹی تصویروں کو محفوظ رکھنا جائز ہے' جب کہ ان میں سے بعض کے نصف اور بعض کے مکمل جسم بنے ہوئے ہوں اور انہیں دیواروں پر لٹکانا مقصود نہ ہو بلکہ مقصود صرف یادگار کے طور پر محفوظ رکھنا ہو؟

جواب تصویروں کو محفوظ کرنا جائز نہیں ہے خواہ انہیں دیواروں پر نہ بھی لٹکایا جائے۔ انہیں صرف پاسپورٹ یا شناختی کارڈ یا کرنسی نوٹوں کی صورت میں رکھا جا سکتا ہے' یا اس طرح کے دیگر مقاصد کے لیے جن کی شدید ضرورت و حاجت ہو تصویر کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ہر تصویر کو مٹا دو۔ [1]

فتویٰ کمیٹی

سوال یادگار کے لیے تصویریں جمع کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یادگار کے لیے تصویریں جمع کرنا حرام ہے۔ کسی بھی انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ تصویر کو رکھے الا یہ کہ کسی ناگزیر ضرورت و حاجت کے لیے ہو مثلاً ڈرائیونگ لائسنس' اقامہ' شناختی کارڈ اور پاسپورٹ وغیرہ پر لگی ہوئی تصویروں کو اپنے پاس رکھا جا سکتا ہے اور جس تصویر کی ضرورت نہ ہو بلکہ محض یادگار کے لیے ہو تو اسے اپنے پاس رکھنا حرام ہے کیونکہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو۔

شیخ ابن عثیمین

کارٹون تصویر کے بارے میں حکم

سوال بعض اخبارات و مجلّات میں کارٹون نظر آتے ہیں' جو انسانی تصویروں پر مشتمل ہوتے ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب مذکورہ بالا تصویر جائز نہیں ہے بلکہ یہ بھی آج کل عام ہونے والے ان منکرات میں سے ہے' جن کو ترک کرنا واجب ہے کیونکہ ان صحیح احادیث کے عموم کا یہی تقاضا ہے جو ہر جاندار چیز کی تصویر کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں خواہ تصویر کسی آلہ سے بنائی جائے یا ہاتھ سے یا کسی اور چیز سے مثلاً صحیح بخاری میں حضرت ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سود کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت کی نیز آپ نے مصور پر بھی لعنت فرمائی۔ [2] اس طرح صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُصَوِّرُونَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، ح: ٥٩٥٠ وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ... الخ، ح: ٢١٠٩ واللفظ له)

”قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب مصوروں کو ہو گا۔“

---

[1] صحیح مسلم' الجنائز' باب الامر بتسویة القبر' حدیث: 969

[2] صحیح البخاری' اللباس' باب من لعن المصور' حدیث: 5962

نیز آپ نے فرمایا:

«إِنَّ الَّذِينَ يَصْنَعُونَ هٰذِهِ الصُّوَرَ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُقَالُ لَهُمْ: أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ»

(صحيح البخاري، اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، ح:٥٩٥١ وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ... الخ، ح:٢١٠٨)

''جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں ان کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ اسے زندہ کرو' جسے تم نے پیدا کیا تھا۔''

اسی طرح اس موضوع سے متعلق دیگر بہت سی احادیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ تصویر حرام ہے اور صرف وہی تصویر مستثنیٰ ہے جو کسی ناگزیر ضرورت و حاجت کے لیے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ﴾ (الأنعام٦/ ١١٩)

''جو چیزیں اس نے تمہارے لیے حرام ٹھہرا دی ہیں' وہ ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں (بے شک ان کو نہیں کھانا چاہیے) مگر اس صورت میں کہ ان کے کھانے کے لیے ناچار ہو جاؤ۔''

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنے رب کی شریعت اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کرنے اور ان کی مخالفت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ انه خير مسؤول

—— شیخ ابن باز ——

تصویریں' مجلّات اور ٹیلی وژن

سوال فوٹوگرافی اور شمسی تصویر جس کا آپ نے اپنے رسالہ میں ذکر نہیں فرمایا' اس کے بارے میں ہمارا اختلاف ہوا کہ کیا وہ بھی ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویر کے حکم میں داخل ہے یا اس سے خارج ہے؟ بعض ساتھیوں نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ جائز ہے کیونکہ یہ ہاتھ سے بنی ہوئی تصویر نہیں ہے بلکہ یہ تو انسان کی ایک خیالی تصویر سے عبارت ہے اور اس خیالی تصویر کے بنانے کے لیے اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا گیا کہ صرف کیمرے کے ایک بٹن کو دبا دیا گیا۔ مجھے بعض دوستوں نے آپ کی فوٹوگراف تصویر بھی دکھائی جو کویت کے مجلّہ ''المجتمع'' اور مصر کے ''الاعتصام'' میں شائع ہوئی ہے۔ یہ تصویر ماہ رمضان المبارک میں احکام روزہ سے متعلق آپ کے فتویٰ کے ساتھ شائع ہوئی ہے' کیا مجلّہ میں آپ کی تصویر کے شائع ہونے کے یہ معنی ہیں کہ تصویر جائز ہے یا یہ تصویر آپ کے علم کے بغیر شائع کر دی گئی ہے؟

اگر فوٹوگرافی تصویر جائز نہیں ہے تو ان اخبارات و جرائد کے خریدنے کے بارے میں کیا حکم ہے' جو تصویروں سے بھرے ہوتے ہیں لیکن ان میں اہم خبریں بھی ہوتی ہیں اور صحیح اور غلط معلومات بھی--- راہنمائی فرمائیں؟

کیا ان مجلّات کو نماز ادا کرنے کی جگہ پر کپڑے وغیرہ سے ڈھانپ کر رکھا جا سکتا ہے یا پڑھنے کے بعد انہیں تلف کرنا واجب ہے؟ ٹیلی وژن کی متحرک تصویروں کی طرف دیکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا نماز کی جگہ پر ٹیلی وژن کو استعمال کیا جا سکتا ہے؟ ان اشیاء کے احکام کے بارے میں راہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

جواب اولاً: فوٹوگرافی اور شمسی تصویر بھی ان تصویروں میں سے ہے' جو حرام ہیں۔ تصویر بُن کر بنائی جائے یا رنگوں کے نقش و

نگار کے ساتھ یا مجسم صورت میں سب کا حکم ایک ہی ہے' اس سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ نے تصویر کس وسیلہ اور آلہ سے بنائی ہے' اس طرح اس سے بھی تصویر کے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تصویر مشکل سے بنائی گئی ہے یا آسانی سے۔ اعتبار صرف تصویر کا ہے اور وہ حرام ہے خواہ اس کے لیے استعمال کیے گئے آلات اور اعمال مختلف ہی ہوں۔

ثانیاً: مجلّہ "المجتمع" اور "الاعتصام" میں احکام روزہ و رمضان سے متعلق میرے فتویٰ کے ساتھ میری تصویر کا شائع ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ میں تصویر کو جائز سمجھتا ہوں یا یہ میری رضامندی سے شائع ہوئی ہے کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے کب میری تصویر لی تھی۔

ثالثاً: ایسے اخبارات و جرائد کا خریدنا جائز ہے' جن میں اہم خبریں اور علمی اور مفید مسائل ہوں اور ان میں جاندار چیزوں کی تصویریں بھی ہوں کیونکہ ان سے مقصود علم اور خبروں کو حاصل کرنا ہوتا ہے اور تصویریں ان کے تابع ہوتی ہیں اور حکم اصل مقصود کے مطابق ہوتا ہے نہ کہ تابع کے' انہیں نماز کی جگہ پر رکھنا جائز ہے بشرطیکہ تصویروں کو کسی طرح چھپا دیا گیا ہو تاکہ ان کے مقالات سے فائدہ اٹھایا جا سکے یا تصویروں کے سروں کو اس طرح مٹا دیا جائے کہ ان کی شناخت ختم ہو جائے۔

رابعاً: نماز کی جگہ میں ٹیلی وژن کو رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں لہو ولعب ہے۔ ٹیلی وژن کی عریاں اور فحش تصویروں کو دیکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ ٹیلی وژن' اس کے سننے اور دیکھنے کے بارے میں قبل ازیں فتویٰ صادر ہو چکا ہے۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی' زیر صدارت شیخ ابن باز ——

تصویروں کے بارے میں شیخ ابن عثیمین کے فتوے کی وضاحت

سوال فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین' حفظہ اللہ تعالیٰ' السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ و بعد:

تجارتی اداروں میں چھوٹی بڑی تصویروں کا استعمال بہت عام ہو گیا ہے' یہ تصویریں یا تو بین الاقوامی ایکٹروں کی ہیں یا دیگر مشہور لوگوں کی۔ تجارتی ادارے اپنے سامان مثلاً عطریات وغیرہ کی مشہوری کے لیے ان تصویروں کو استعمال کرتے ہیں۔ جب ہم نے اس برائی کی مخالفت کی تو بعض تاجروں نے یہ جواب دیا کہ یہ تصویریں غیر مجسم ہیں' جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ حرام نہیں ہیں اور نہ ہی ان میں اللہ تعالیٰ کے خلق کرنے کی مشابہت ہے کیونکہ ان کا سایہ نہیں ہے' نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ انہوں نے جریدہ "المسلمون" میں آپ کا فتویٰ دیکھا ہے کہ صرف مجسم تصویر حرام ہے' اس کے علاوہ باقی تصویریں حرام نہیں ہیں۔ امید ہے کہ آپ اس فتویٰ کی وضاحت فرمائیں گے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

جواب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

جو شخص ہماری طرف یہ بات منسوب کرتا ہے کہ صرف مجسم تصویر حرام ہے اور دیگر حرام نہیں ہے' تو وہ ہماری طرف ایک جھوٹی بات منسوب کرتا ہے کیونکہ ہماری رائے میں کسی ایسی چیز کو پہننا جائز نہیں جس میں تصویر ہو خواہ وہ چھوٹے بچوں کا لباس ہو یا بڑوں کا لباس' اسی طرح تصویروں کو یادگار وغیرہ کے لیے جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ البتہ صرف پاسپورٹ اور ڈرائیونگ لائیسنس جیسی ناگزیر ضرورتوں کے لیے تصویر جائز ہے۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ محمد بن صالح عثیمین ———

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز کا کلیہ لغہ کے شعبہ صحافت کے طلبہ سے خطاب

سماحۃ الشیخ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام کے بعد فرمایا:

تم جانتے ہو کہ دنیا میں صراط مستقیم سے منحرف ہونے والوں اور تباہی و بربادی کے داعیوں کی کثرت کے باعث مستقبل بہت مخدوش ہے--- ان حالات میں صحافیوں کے فرائض و واجبات آپ جیسے لوگوں سے مخفی نہیں ہیں۔ لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دینے' حق پر ثابت رکھنے' باطل سے ڈرانے اور بچانے' برے اعمال کے انجام اور اچھے اعمال کے ثمرات کے سمجھانے اور گزشتہ لوگوں کے حالات سے مطلع کرنے کے سلسلہ میں ان کی ذمہ داری بہت بڑی ہے۔ انہیں چاہیے کہ لوگوں کو بتائیں کہ اعمال صالحہ بجا لانے والوں کا انجام بہت اچھا ہو گا' جب کہ برے اعمال کرنے والوں کا انجام بہت برا ہو گا۔ ایسے انسان کی بات کا معاشرہ پر بہت خوش گوار اثر پڑتا ہے' جو اسے سمجھ رہا ہو' جو وہ کہہ رہا ہو اور جو وہ کہتا ہو اس کے مطابق عمل بھی کرتا ہو اور اگر کوئی ایسا انسان وعظ و نصیحت کرے جس کا قول عمل کے مطابق نہ ہو اور جس کی وہ دعوت دیتا ہو' اکثر و بیشتر حالات میں خود اس پر اس کا کوئی اثر نہ ہو تو اس کے وعظ و نصیحت سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو سکتے خواہ اپنی بات میں وہ سچا ہی کیوں نہ ہو۔

میں اپنے آپ کو بھی اور تمہیں بھی یہ وصیت کرتا ہوں کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کو اختیار کرو اور اس عمل کا اہتمام کرو جسے تم جانتے ہو کہ یہ بہتر ہے۔ جسے تم نیکی سمجھو اور جس کی طرف دعوت دو اور اس پر عمل کے لیے سب سے پہلے سبقت کا مظاہرہ کرو اور اس نیکی کا اثر تمہارے اقوال و اعمال' ظاہری و باطنی سیرت اور زندگی کے تمام مظاہر میں نمایاں طور پر نظر آنا چاہیے اور جس کام سے تم لوگوں کو منع کرو' تمہیں چاہیے کہ خود بھی اس سے سب سے زیادہ دور ہو جاؤ کہ اس طرح ہی تم اپنے معاشرے کے لیے بہترین نمونہ اور مثالی بن سکتے ہو۔

صحافت اور ذرائع ابلاغ سے وابستہ لوگوں کا مقام و مرتبہ بہت اونچا اور ان کی ذمہ داری بھی بہت عظیم ہے اور ان کے کام کے نتائج بھی بہت اہم ہیں' اس لیے میں تمہیں یہ وصیت کرتا ہوں کہ تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کو اختیار کرو اور مسلمانوں کی ہمدردی و خیر خواہی کے لیے نیت صالح کے ساتھ بہترین معاون و مددگار بن جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری نیت کو خوب جانتا ہے۔ تعلیم کے دوران میں بھی اور تعلیم کی تکمیل کے بعد بھی اپنے اعمال و اقوال کو اسی کی روشنی میں مرتب کرو۔ تعلیم سے فراغت کے بعد تم اس میدان میں کام کرو یا دیگر میدانوں میں' تقویٰ اور مسلمانوں کی ہمدردی و خیر خواہی کے دامن کو کبھی نہ چھوڑو بلکہ مسلمانوں کی ہمدردی و خیر خواہی اور راست بازی کے داعی اور اس کی زندہ مثالیں بن جاؤ--جہاں صبر کی ضرورت ہو وہاں صبر کا مظاہر کرو-- نہ اکتاؤ' نہ کمزوری و دوں ہمتی کا ثبوت دو بلکہ فتنوں اور آلام و مصائب کے وقت صبر اور حق پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرو یعنی تم جہاں کہیں بھی ہو حق کی ذمہ داری کو ادا کرو۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ہر اس خیر و بھلائی تک پہنچا دے' جس کی ہم امید رکھتے ہیں اور ہمیں اور تمہیں علم نافع' عمل صالح اور تقویٰ کے زاد راہ سے سرفراز فرمائے۔ انه خير مسؤول۔ واللّٰه ولي التوفيق۔

ان ارشادات کے بعد فضیلۃ الشیخ نے طلبہ کو سوالات کی دعوت دی' طلبہ کے سوالات اور آپ کے جوابات حسب ذیل ہیں:

سوال زندہ تصویر اب ذرائع ابلاغ کی ضروریات میں سے ہے' جسے بعض مقاصد کے لیے استعمال کرنا ناگزیر ہے جیسا کہ ٹیلی وژن میں تصویروں کا استعمال ہے تو اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب یہ بات محل نظر ہے۔ تصویر کی وجہ سے میں ٹیلی وژن پر آنے میں ہمیشہ توقف سے کام لیتا رہا لیکن اس مسئلہ کے بارے میں میں نے بہت سے برادر مشائخ سے تبادلۂ افکار کیا ہے اور میں نے کہا ہے کہ ان کے ٹیلی وژن پر آنے میں عوام الناس کی مصلحت' انہیں فائدہ پہنچانا اور انہیں خیر کی دعوت دینا ہے' اس لیے انہیں ٹیلی وژن پر آنا چاہیے تاکہ اس کا استعمال غلط لوگوں ہی کے لیے محدود ہو کر نہ رہ جائے لہٰذا میرے نزدیک ٹیلی وژن پر آنے میں ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں۔

حضرات علماء و مشائخ میں سے جو ٹیلی وژن پر اس لیے آئے تاکہ مسلمانوں کو نفع پہنچائے' ان کے سوالوں کے جوابات دے' باطل پرستوں کی تردید کرے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دے تو اسے ان شاء اللہ اجر عظیم ملے گا اور امید ہے کہ تصویر کے گناہ کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔

سوال مجلسوں' کانفرنسوں اور اجتماعات کی ویڈیو فلم بنانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جیسا کہ پہلے سوال کے جواب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اس کا حکم بھی وہی ہے کہ اگر مجلس' محفل اور اجتماع وغیرہ کی تصویریں اسلامی معاشرہ کے لیے عام مصلحت اور دعوت الی اللہ پر مبنی ہوں اور مفاسد کی نسبت مصلحت زیادہ ہو اور اس تصویر میں لوگوں کے لیے خیر اور نفع ہو تو اس میں ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں۔

سوال ٹیلی وژن ٹریننگ کے سلسلہ میں ایک مضمون ایسا بھی ہے' جس سے طالب علم کو تصویر کے فن میں مہارت حاصل ہو جاتی ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا آلۂ تصویر کے استعمال سے گناہ ہو گا؟

جواب اگر یہ مذکورہ مصلحت کے لیے ہو یعنی نیت صالح ہو اور اس عمل سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہو' دنیا کمانا مقصود نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔

سوال کیا تصویر بنانے والا اور بنوانے والا دونوں گناہ گار ہوتے ہیں یا صرف تصویر بنانے والا ہی گناہ گار ہوتا ہے؟

جواب اگر تصویر کا شرعی جواز نہ ہو تو دونوں گناہ گار ہوں گے۔

سوال ٹیلی وژن پر آنے کے لیے مردوں کے لیے میک اپ بھی ایک ضرورت بن گیا ہے' کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب اگر چہرے سے زائل کرنے کے بعد یہ جسم کے لیے نقصان دہ نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر یہ چہرے کے لیے نقصان دہ ہو اور دھونے کے بعد بھی اس کا اثر باقی رہے تو پھر جائز نہیں۔

سوال کیا آزادیٔ رائے کے یہ معنی ہیں کہ اہل خیر اور اہل شر دونوں کے لیے میدان کھول دیا جائے اور ہر ایک معاشرے میں اپنا اپنا ڈھول پیٹ لے؟

جواب یہ بات باطل ہے' اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ واجب یہ ہے کہ باطل کو روکا جائے اور صرف حق کو اجازت دی جائے اور کسی ایسے شخص کو اجازت نہ دی جائے' جو اشتراکیت یا بت پرستی یا زنا یا جوا وغیرہ کی بالواسطہ یا بلا واسطہ دعوت دے' ایسا کرنے والے کو منع کیا جائے گا اور ادب سکھایا جائے گا کیونکہ یہ حرام اباحیت ہے۔

سوال ذرائع ابلاغ سے وابستہ مسلمان آدمیوں کو بعض ایسی محفلوں اور ڈراموں میں بھی جانا پڑتا ہے جہاں موسیقی اور بعض بڑے تکلیف دہ مناظر بھی ہوتے ہیں اور معاشرے کے لیے ان کا نقصان دہ ہونا واضح ہوتا ہے' تو کیا اس سے گناہ ہو گا؟

جواب اگر ایسی محفل میں شرکت سے مقصود مصلحت عامہ ہو، لطف اندوز ہونا مقصود نہ ہو اور حاضری سے مقصود شر سے بچنا ہو اور وہ اس قابل مذمت معمہ یا معاشرے میں اس لیے داخل ہو تاکہ شر کو پہچانے اور اس کے عیوب کو واضح کرے اور اس کا مقصد نیک ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اور اگر وہ ان محفلوں میں لطف اندوزی یا برے مقاصد کے لیے جائے تو پھر جائز نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا رَأَيْتَ ٱلَّذِينَ يَخُوضُونَ فِىٓ ءَايَٰتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا۟ فِى حَدِيثٍ غَيْرِهِۦ ﴾ (الأنعام٦/ ٦٨)

"اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں بیہودہ بکواس کر رہے ہیں تو ان سے الگ ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ اور باتوں میں مصروف ہو جائیں۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلاَ يَجْلِسْ عَلَى مَائِدَةٍ يُدَارُ عَلَيْهِمُ الْخَمْرُ»(جامع الترمذي، الأدب، باب ما جاء في دخول الحمام، ح:٢٨٠١)

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ کسی ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے، جس پر بیٹھنے والوں کو شراب پیش کی جا رہی ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے بے ہودہ بکواس کرنے والوں اور انہیں منع نہ کرنے والوں کو بھی انہی کی طرح قرار دیا ہے۔

سوال بعض اساتذہ طلبہ کے لیے اس بات کو لازم قرار دیتے ہیں کہ وہ ٹیلی وژن کے کسی خاص پروگرام کو دیکھیں تاکہ اس پروگرام کا تجزیہ کیا جا سکے یعنی یہ ان کے فائدہ کے لیے ہوتا ہے تو اس صورت میں ٹیلی وژن دیکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر یہ اس لیے ہو تاکہ طالب علم کو ایک غیر حرام چیز سمجھائی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

سوال ریڈیو سے عورتوں کی آواز سننے کے بارے میں کیا حکم ہے، جب کہ اس پروگرام کے سننے سے کوئی دینی یا اخلاقی فائدہ حاصل کرنا مقصود ہو؟

جواب اگر فتنہ کا ڈر نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اور اگر فتنہ کا ڈر ہو تو پھر سننا جائز نہیں بلکہ اس سے فوراً رک جانا چاہیے۔

سوال کیا فحش مجلات اور ویڈیو کی کیسٹوں کو اس لیے دیکھنا جائز ہے تاکہ ان کی خرابی و برائی کو طشت از بام کر کے ان سے بچایا جا سکے؟

جواب ہاں یہ واجب ہے کہ فحش اور مخرب اخلاق کیسٹوں اور فلموں پر نظر رکھی جائے بلکہ تمام نقصان دہ چیزوں پر نظر رکھی جائے خواہ ان کا تعلق ٹیلی وژن، مجلات، ریڈیو، صحافت اور ویڈیو وغیرہ میں سے کسی سے بھی ہو۔ واجب ہے کہ کوئی ایسا شخص ہو جو ان چیزوں کی نگرانی کرے تاکہ شر کو روکا اور خیر کو پھیلایا جا سکے خواہ ایسا شخص اجرت پر ہی کیوں نہ رکھنا پڑے۔ اس کی اجرت بھی حلال ہو گی بشرطیکہ مقصود یہ ہو کہ خیر کو معلوم کر کے اس کی اجازت دی جائے۔ جو شخص دنیوی معاوضہ لے کر یہ کام کرے تو دنیوی معاوضہ کے ساتھ ساتھ اسے اخروی اجر و ثواب بھی ملے گا۔ یہ بات ان عامۃ الناس کے لیے بھی ہے، جو ان چیزوں کو اس لیے دیکھیں تاکہ ذمہ دار لوگوں تک ان کے بارے میں بات پہنچا سکیں تاکہ لوگ اس سے بچ سکیں۔

سوال بعض ایسے پروگرام ہیں، جنہیں کوئی مرد پیش کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ عورت بھی شریک ہوتی ہے، ریڈیو اور ٹیلی وژن کے اکثر پروگراموں میں اسی طرح ہوتا ہے تو اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب میری رائے میں عورت کو مرد کے ساتھ اس طرح کے پروگراموں میں شریک نہیں ہونا چاہیے کیونکہ عورت کی ملائم آواز اس کے لیے فتنہ کا سبب بنے گی اور پھر اس سے مردوں اور عورتوں کا اختلاط بھی ہو گا اور پروگراموں کی ریکارڈنگ کے وقت انہیں خلوت بھی میسر آئے گی اور یہ ساری باتیں باعث فتنہ ہیں اور اکثر و بیشتر حالات میں عورتیں اسباب فتنہ سے کم ہی بچتی ہیں اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰنِسَآءَ ٱلنَّبِيِّ لَسۡتُنَّ كَأَحَدٖ مِّنَ ٱلنِّسَآءِ إِنِ ٱتَّقَيۡتُنَّ فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِٱلۡقَوۡلِ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۳۲)

"اے پیغمبر کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو' اگر تم پرہیزگار رہنا چاہتی ہو تو (کسی اجنبی شخص سے) نرم نرم باتیں نہ کیا کرو۔" اور فرمایا:

﴿ وَقَرۡنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ ٱلۡجَٰهِلِيَّةِ ٱلۡأُولَىٰ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۳۳)

"اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح (پہلے) جاہلیت (کے دنوں) میں اظہار تجمل کرتی تھیں' اس طرح زینت نہ دکھاؤ۔"

علماء فرماتے ہیں کہ "تبرج" سے مراد نرمی و ملائمت' ناز و نخرہ اور فتنہ میں ڈال دینے والی چیزوں کا اظہار ہے۔

ریڈیو اور ٹیلی وژن پر کام کرنے والی عورت اپنی آواز کو خوبصورت بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے گی تاکہ سننے والوں کو متاثر کر سکے' لہٰذا عورت کو اناؤنسر نہیں ہونا چاہیے اور فتنہ سے بچنے کے لیے ریڈیو اور ٹیلی وژن کو جنس نسواں سے پاک کرنا واجب ہے' ان کے لیے کام کے دوسرے شعبے ہیں مثلاً تدریس اور سلائی کڑھائی وغیرہ۔

سوال صحافت میں مستعار نام استعمال کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے مثلاً کیا یہ جائز ہے کہ کوئی شخص اپنے مقالہ پر اپنا حقیقی نام لکھنے کے بجائے کوئی قلمی نام لکھے؟

جواب اگر اس میں کوئی مصلحت ہو تو کوئی حرج نہیں اور قلمی نام سچے ہونے چاہیے مثلاً مسلم بن عبداللہ یا عبداللہ بن عبدالرحمٰن وغیرہ۔

ٹیلی وژن کے بارے میں حکم

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ٹیلی وژن ایک خطرناک آلہ ہے اور اس کے نقصانات سینما کی طرح ہیں یا اس سے بھی بڑھ کر' اس کے بارے میں لکھے گئے رسائل اور عرب اور دیگر ممالک کے اس کے بارے میں جاننے والوں کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ' اخلاق اور معاشرہ کے حالات کے لیے یہ بہت نقصان دہ ہے کیونکہ اس کے ذریعہ گھٹیا اخلاق' فتنہ انگیز مناظر اور عریاں تصویروں کی نمائش کی جاتی ہے۔ عریاں عورتوں کی تصویریں' گمراہ کن تقریریں اور کفریہ مقالات براڈکاسٹ کیے جاتے ہیں۔ کفار کے اخلاق ولباس کے ساتھ مشابہت اور ان کے قائدین و زعماء کی تعظیم کی ترغیب دی جاتی ہے' مسلمانوں کے اخلاق اور لباس سے دور رکھا جاتا ہے' مسلمان علماء و زعماء کو حقیر سمجھا جاتا ہے اور ان کی تصویر اس طرح پیش کی جاتی ہے' جس سے نفرت و حقارت اور ان کی سیرت و کردار سے اعراض پیدا کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ٹیلی وژن کی نشریات سے مکرو فریب کے طریقوں' چوری ڈکیتی اور راہزنی کی وارداتوں اور لوگوں کے لیے سازش اور دشمنی پر مبنی حکایتوں کی تعلیم دی جاتی ہے--- الخ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس کی یہ حالت ہو اور جس سے یہ نتائج برآمد ہوتے ہوں جو اوپر بیان کیے جا چکے ہیں' تو واجب ہے کہ اس سے منع کیا جائے' بچا جائے اور اس تک پہنچنے کے تمام راستوں کو بند کر دیا جائے۔ اگر علماء کرام ٹیلی وژن کی مخالفت کریں اور لوگوں کو اس سے بچنے کی تلقین کریں گے تو امید ہے کہ انہیں اس سلسلہ میں کوئی ملامت نہیں ہو گی کیونکہ ان کا اقدام اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے لیے ہمدردی و خیر خواہی پر مبنی ہو گا اور اگر کوئی شخص یہ گمان کرے کہ یہ آلہ ان خرابیوں سے پاک ہے اور اگر نگرانی کی جائے تو وہ صرف ایسی چیزوں کو نشر کرتا ہے' جو مصلحت عامہ کے مطابق ہیں تو وہ بہت دور کی کوڑی لا کر بہت غلط بات کہتا ہے کیونکہ نگران بھی غافل ہو جاتا ہے اور پھر لوگوں پر باہر کی تقلید اور باہر جو کچھ ہوتا ہے' اسے اپنانے کا بڑا رواج ہے اور پھر کم ہی ایسا ہو گا کہ جس نگران کے جو سپرد کیا گیا ہو' اس نے اپنی ذمہ داری کو پورا کیا ہو خصوصاً اس دور میں جب کہ اکثر لوگوں کا میلان لہو و لعب اور ان چیزوں کی طرف ہے جو ہدایت سے روکیں۔ حالات اس کی گواہی دیتے ہیں اور ریڈیو اور ٹیلی وژن کے پروگرام اس بات کے شاہد ہیں کہ ذمہ دار لوگوں نے اپنی ذمہ داری کو پورا نہیں کیا اور ہم ان کے نقصانات سے بچ نہیں سکے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری حکومت کو اس کی توفیق بخشے جس میں امت کے لیے دنیا و آخرت کی بہتری' نجات اور سعادت ہو' اللہ تعالیٰ حکومت کے کارپردازوں کو نیک بنا دے اور انہیں توفیق بخشے کہ وہ ان ذرائع ابلاغ میں نگرانی کے امور کو مضبوط و مستحکم بنائیں تاکہ صرف انہی چیزوں کو نشر کیا جا سکے' جن میں لوگوں کے دین و دنیا کا فائدہ ہو۔ انہ جواد کریم۔

سوال فضیلۃ الشیخ محمد بن عثیمین حفظہ اللہ تعالیٰ-- آج جو مصیبتیں عام ہو چکی ہیں' ان میں سے ایک یہ ٹیلی وژن بھی ہے' جس سے برو بحر کا شائد کوئی گھر ہی خالی ہو حالانکہ اس سے جو کچھ نشر کیا جاتا ہے وہ حسب ذیل ہے: ① گانا اپنی وسعت اور موسیقی اپنے مختلف آلات کے ساتھ ② جرم و سزا کی مسلسل کہانیاں ③ خرافات پر مبنی فرضی ڈرامے ④ مردوں اور عورتوں کی مخلوط اداکاری ⑤ اسلام' مسلمانوں اور نیک لوگوں کی تاریخ کو مسخ کرنا کیونکہ ان کی عورتوں کو ان کے ساتھ بے پردہ دکھایا جاتا ہے۔ جیسا کہ تاریخی ڈراموں میں ہے ⑥ بعض ڈراموں میں میاں بیوی کی ایک دوسرے سے خیانت کو بھی پیش کیا جاتا ہے' والعیاذ باللہ ⑦ عورت اس طرح پیش کی جاتی ہے کہ وہ بے پردہ ہو گی یا اس نے خوب میک اپ کیا ہو گا۔ یا وہ گانا گا رہی ہو گی یا وہ اداکاری وغیرہ کر رہی ہو گی ⑧ اس طرح کے پروگراموں کے درمیان میں قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے اور احادیث نبویہ کو پڑھا جاتا ہے اور دینی پروگرام پیش کیے جاتے ہیں ⑨ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ڈرامائی تشکیل کی جاتی ہے--- ریڈیو کے "اذاعۃ القرآن الکریم" چینل سے جو دینی پروگرام پیش کیے جاتے ہیں' وہ ٹیلی وژن کے پروگرام سے کہیں زیادہ ہیں حتیٰ کہ اس چینل سے مقامی اور بین الاقوامی نشر کی جانے والی خبریں بھی ٹیلی وژن سے زیادہ ہوتی ہیں لہٰذا اب سوال یہ ہے:

- جب ہمیں ٹیلی وژن کے بارے میں یہ سب کچھ معلوم ہے تو کیا اسے گھر میں رکھنا اور عورتوں اور بچوں کے ہاتھ میں دینا--- جو کمزور ادراک کے مالک ہوتے ہیں-- جائز ہے تاکہ وہ اسے دیکھیں اور ان کے سامنے حق اور باطل آپس میں خلط ملط ہو جائیں؟
- کیا ٹی وی پر آنے والی عورتوں اور بے ریش لڑکوں کی طرف دیکھنا جائز ہے' جو بعض اوقات ایسی شکل و صورت اختیار کرتے ہیں' جو مردوں کی صورت کے منافی ہوتی ہے؟

- جو شخص گھر میں ٹی۔وی رکھنے پر اصرار کرے اور کہے کہ میں اسے باہر نہیں نکال سکتا' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟
- کیا اس شخص کے لیے بھی گھر میں ٹی وی رکھنا جائز ہے' جو یہ کہے کہ میں ان پروگراموں کو بند نہیں کر سکتا' جن میں گانا' موسیقی اور عورتیں ہوں؟
- کیا مذکورہ بالا پروگرام اسلامی شریعت کے مطابق ہیں؟
- کیا مردوں اور عورتوں کے لیے ان پروگراموں کو دیکھنا جائز ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح اور شافی جواب لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جواب اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹیلی وژن سے متعلق گفتگو کے ابتدائی سات نکات میں آپ نے ایسے امور کی طرف اشارہ کیا ہے جو حرام ہیں اور ان کی حرمت کے بارے میں کسی بھی ایسے انسان کو شک و شبہ نہیں ہو سکتا جو اسلامی شریعت کے مصادر و مآخذ کو جانتا ہے کیونکہ ان میں ایسے مفاسد ہیں جو دین' اخلاق' امن اور معاشرہ کے لیے بہت سے مفاسد پر مبنی ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ذمہ دار لوگوں کو ان سے اجتناب کرنے اور ان سے دور ہونے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ خیر و بھلائی حاصل ہو اور شر اور فتنہ کے اسباب سے دور رہا جا سکے۔ ان پروگراموں کے درمیان قرآن مجید اور دینی پروگراموں کو پیش کرنا اجماع ضدین ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ بالا اسباب کی وجہ سے ٹی وی رکھنا حرام ہے کیونکہ حرام کا مشاہدہ کرنا بھی حرام ہے' اگر کوئی شخص ٹی۔وی لے اور اسے معلوم ہو یا ظن غالب ہو کہ اس کے لیے مذکورہ بالا پروگراموں سے اجتناب ممکن نہ ہو گا تو اس نے گویا حرام کام کے ارتکاب پر اصرار کیا۔ اس طرح اگر کوئی اپنے اہل خانہ اور ایسے بچوں کے لیے خریدے جو اس سے نہ بچ سکیں' اور خواہ وہ خود نہ بھی دیکھے تو اس نے بھی گویا کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا کیونکہ اس نے حرام کام کے بارے میں تعاون کیا ہے اور یہ اس کی وہ بری تربیت ہے' جس کے بارے میں روز قیامت اس کا محاسبہ ہو گا۔ اگر کسی شخص نے ٹی۔وی حاصل تو نہیں کیا مگر وہ اسے دیکھتا ہے تو اس کی تین قسمیں ہیں:

1. ایسے پروگرام دیکھنا جو دین و دنیا کے اعتبار سے منفعت بخش ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ٹی۔وی دیکھنے والا کسی حرام کام کا ارتکاب نہ کرے مثلاً اگر عورت کسی اناؤنسر یا پرڈیوسر وغیرہ کو دیکھ کر لطف اندوز ہو تو دیکھنا جائز نہیں ہو گا کیونکہ یہ فتنہ ہے۔
2. ایسے پروگرام کو دیکھنا جو دین کے اعتبار سے نقصان دہ ہو' حرام ہے کیونکہ ہر مومن کے لیے یہ واجب ہے کہ اپنے دین کو ہر ایسی چیز سے بچائے جو اس کے لیے نقصان دہ ہو۔
3. جس پروگرام میں نہ کوئی نفع ہو اور نہ نقصان تو اسے دیکھنا ایک لغو کام ہے اور کسی عقل مند مومن کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ بے معنی پروگرام دیکھنے میں اپنا وقت ضائع کرے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حالات کی اصلاح فرمائے اور انہیں دنیا و آخرت میں برائی سے بچائے۔

——— شیخ محمد صالح العثیمین ———

ٹیلی وژن دیکھنے کے بارے میں حکم

سوال کیا کیمرہ سے تصویر بنانا جائز ہے؟ کیا ٹیلی وژن کی تصویر جائز ہے؟ اور کیا ٹیلی وژن کو دیکھنا خصوصاً خبروں وغیرہ کے

لیے جائز ہے؟

جواب جاندار چیزوں کی تصویر جائز نہیں ہے خواہ وہ کیمرہ سے بنائی جائے یا دیگر آلات سے اور نہ جاندار چیزوں کی تصویروں کو حاصل کرنا اور اپنے پاس رکھنا جائز ہے الاّ یہ کہ شناختی کارڈ یا پاسپورٹ وغیرہ کی کوئی ناگزیر ضرورت ہو' تو اس ضرورت کے لیے تصویر بنانا اور اسے اپنے پاس رکھنا جائز ہے۔ جہاں تک ٹیلی وژن کے بارے میں سوال ہے تو یہ ایک ایسا آلہ ہے کہ اس کے وجود کے بارے میں کوئی حکم نہیں ہے۔ حکم کا تعلق اس کے استعمال سے ہے' اگر اسے حرام چیزوں کے لیے استعمال کیا جائے مثلاً فحش گانوں' فتنہ انگیز تصویروں' کذب و افتراء' الحاد' حقائق کے مسخ کرنے اور فتنوں کے بھڑکانے کیلئے استعمال کیا جائے تو یہ حرام ہے اور اگر اسے خیر و بھلائی کے کاموں کیلئے استعمال کیا جائے مثلاً قرآن مجید کی تلاوت' حق کے اظہار' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے تو پھر اس کا استعمال جائز ہے اور دونوں مقاصد کیلئے استعمال کیا جائے اور دونوں مساوی ہوں یا اس میں شر کا پہلو غالب ہو تو پھر اس کا استعمال حرام ہو گا۔ کمیٹی کی طرف سے تصویر اور ٹیلی وژن دیکھنے کے بارے میں دو مفصل فتوے جاری ہو چکے ہیں' ہم ان میں سے ہر ایک کی فوٹو کاپی ارسال کر رہے ہیں تاکہ آپ ان سے استفادہ کر سکیں۔ و باللہ التوفیق و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

ٹیپ ریکارڈر اور ریڈیو کے بارے میں حکم

سوال شریعت میں ٹیپ ریکارڈر کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا تلاوت قرآن اور ایسے امور کے لیے اس کا استعمال جائز ہے' جو خلاف شریعت نہ ہوں؟ خبریں نشر کرنے والے ریڈیو کے بارے میں کیا حکم ہے' ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر میں کیا فرق ہے؟

جواب ٹیپ ریکارڈر پر اگر قرآن مجید' علمی لیکچرز اور مفید اسلامی مقالات کی ریکارڈنگ کی گئی ہو تو اس کا استعمال اور اس کے ذریعہ سے ان چیزوں کی اشاعت ایک اچھا کام ہے اور اگر اس پر فحش گانوں' ملحدانہ لیکچروں اور برے مقالات یا جھوٹے پروپیگنڈے کو ریکارڈ کیا گیا ہو تو یہ ایک برا کام ہے اور اگر اس میں شر کا پہلو خیر پر غالب ہو تو اس کا استعمال حرام ہے۔ اس طرح ریڈیو کی نشریات کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ اگر وہ اچھی ہیں تو قابل ستائش اور جائز ہیں اور اگر بری ہیں تو قابل مذمت اور حرام ہیں۔ اس اعتبار سے ٹیپ ریکارڈر اور ریڈیو کے استعمال میں کوئی فرق نہیں ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

ریڈیو سننا

سوال ریڈیو کے سننے کے بارے میں کیا حکم ہے جب کہ جسے آپ سن یا دیکھ رہے ہوں اس میں کوئی حرام کام نہ ہو؟

جواب ریڈیو سے نشر کی جانے والی قرآن مجید کی تلاوت' مفید احادیث اور اہم خبروں کے سننے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح ٹیپ ریکارڈر سے قرآن' احادیث مبارکہ اور نصیحت آموز باتوں کے سننے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ میں اس طرف بھی توجہ دلاؤں گا کہ ریڈیو کے پروگراموں "اذاعۃ القرآن" اور "نور علی الدرب" کو ضرور سنا جائے کیونکہ یہ عظیم فوائد پر مشتمل ہوتے ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

ویڈیو کیسٹوں کی تجارت کے بارے میں حکم

سوال سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ تعالیٰ سے سوال پوچھا گیا کہ ویڈیو کیسٹوں کی تجارت کے بارے میں کیا حکم ہے' جن میں کم سے کم یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ عورتیں بے پردہ ہوتی ہیں اور عشق و عاشقی کے قصے ہوتے ہیں؟ کیا تاجر کا مال حرام ہو گا' اس پر کیا واجب ہے اور وہ ان کیسٹوں اور سامان سے کس طرح نجات حاصل کرے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب ان کیسٹوں کو بیچنا' خریدنا' سننا اور دیکھنا حرام ہے کیونکہ یہ فتنہ و فساد کی دعوت دیتی ہیں لہٰذا واجب ہے کہ انہیں تلف کر دیا جائے اور جو ان کا لین دین کرتا ہو اسے روکا جائے تاکہ فتنہ و فساد کو ختم کیا اور مسلمانوں کو اسباب فتنہ سے بچایا جا سکے۔ واللہ ولی التوفیق۔ الحمد للّٰہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ --- و بعد:

بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی نے اس سوال کو ملاحظہ کیا جو مستفتی عبداللہ غامدی کی طرف سے سماحۃ الرئیس کو موصول ہوا اور جسے کمیٹی کی طرف سے کبار العلماء کے سیکرٹری جنرل کو بحوالہ ۵۱۲۳ مورخہ ۱۴/ ۵/ ۱۴۱۱ھ بھیج دیا گیا اور جس میں مستفتی نے یہ پوچھا تھا:

"میں ایک ویڈیو سینٹر کا مالک ہوں۔ اس سینٹر سے مغربی' ہندوستانی اور عربی فلموں کو بیچا اور کرایہ پر دیا جاتا ہے۔ ان تمام فلموں میں ایسے مناظر ہوتے ہیں جن میں عورتیں بے پردہ بلکہ بعض میں قریباً قریباً عریاں ہوتی ہیں اس طرح ان میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط بھی ہوتا ہے اور مرد عورتوں کو بوسے بھی دیتے ہیں' علاوہ ازیں ان میں گانے اور عورتوں کے رقص بھی ہوتے ہیں اور پھر بعض فلموں میں جرائم اور مار دھاڑ کی وارداتیں بھی ہوتی ہیں۔ ایک دفعہ سینٹر میں ایک صالح نوجوان آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ میرا یہ کام ناجائز اور حرام ہے اور اس کے ساتھ میں دین و عقیدہ کو نقصان پہنچا رہا ہوں نیز اس کام کی کمائی حرام ہے۔ اس نے مجھے کہا کہ واجب ہے کہ آپ اس کام سے اپنی جان چھڑا لیں' پھر وہ چلا گیا اور گھر واپس آنے کے بعد میں نے سوچا کہ آپ سے اس مسئلہ میں خط و کتابت کروں کیونکہ آپ پر میں سب سے زیادہ اعتماد کرتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ سب لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ آپ اس زمانے کے ائمہ میں سے سب سے بڑے عالم ہیں اس لیے امید ہے کہ آپ مجھے جلد فتویٰ دیں گے کیونکہ میں بہت قلق و اضطراب میں مبتلا ہوں۔ حفظکم اللہ و رعاکم۔

کمیٹی نے استفسار کے مطالعہ کے بعد یہ جواب دیا کہ اس نصیحت کرنے والے بھائی نے جو کچھ کہا ہے' وہ بالکل صحیح ہے' اس لیے آپ کے لیے واجب ہے کہ ان تمام چیزوں کو ترک کر دیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ و باللہ التوفیق و صلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

عبداللہ بن غدیان	عبدالرزاق عفیفی	عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز
(رکن)	(نائب چیئرمین)	(چیئرمین)

ڈش انٹینا کے بارے میں حکم

سوال عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی طرف سے ہر اس مسلمان کے نام جو اس تحریر سے مطلع ہو' اللہ تعالیٰ مجھے اور انہیں اس کی توفیق عطا فرمائے' جس میں اس کی رضا ہو اور مجھے اور انہیں اپنے غضب و عتاب کے اسباب سے

بجائے آمین! السلام علیکم و رحمة اللّٰه و برکاته' امابعد:

آج کل لوگوں میں یہ چیز بہت عام ہو گئی ہے' جسے ڈش یا دیگر ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے اور یہ طرح طرح کے فتنہ و فساد' باطل عقائد' کفرو الحاد کی مختلف اقسام کی طرف دعوت اور ان تمام چیزوں کو پیش کر رہا ہے' جنہیں دنیا بھر میں نشر کیا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں یہ ٹیلی وژن کی وساطت سے عورتوں کی تصویریں' شراب اور فتنہ و فساد کی مجلسوں اور بیرونی دنیا میں موجود شر کی تمام صورتوں کو بھی دکھا رہا ہے اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ بہت سے لوگ اسے استعمال کر رہے ہیں اور اس کے آلات ہمارے ملک میں بنائے اور بیچے جا رہے ہیں۔ لہٰذا میرے لیے یہ واجب ہے کہ میں اس کے خطرات' اس کے خلاف جنگ کے وجوب' اس سے اجتناب' گھروں وغیرہ میں اس کے استعمال اور اس کی خرید و فروخت اور بنانے کی حرمت کے بارے میں مطلع کروں کیونکہ اس کے استعمال کرنے میں عظیم نقصان اور بے حد و حساب فتنہ و فساد ہے۔ یہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون بھی ہے اور مسلمانوں میں کفراور فتنہ و فساد کے پھیلانے اور قول و عمل کے ساتھ اس کی دعوت دینے کا ایک ذریعہ بھی ہے لہٰذا ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اس سے اجتناب کرے اور دوسروں کو بھی اس کے ترک کرنے کی وصیت کرے تاکہ وہ حسب ذیل ارشادات باری تعالیٰ پر عمل کر سکے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ۝٢ ﴾

(المائدة٥/ ٢)

''اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو' کچھ شک نہیں کہ اللہ سخت سزا (دینے) والا ہے۔''

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ﴾

(التوبة٩/ ٧١)

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔''

اور ارشاد باری ہے:

﴿ وَٱلْعَصْرِ ۝١ إِنَّ ٱلْإِنسَٰنَ لَفِى خُسْرٍ ۝٢ إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلْحَقِّ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلصَّبْرِ ۝٣ ﴾ (العصر١٠٣/ ١-٣)

''عصر کی قسم کی انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔''

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان . . . الخ، ح:٤٩)

”تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے‘ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے سمجھا دے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو دل سے اسے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔“

اس طرح آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ»

(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ح:٥٥)

”دین ہمدردی و خیر خواہی کا نام ہے‘ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس کے لیے ہمدردی و خیر خواہی‘ فرمایا: اللہ کے لیے‘ اس کی کتاب کے لیے‘ اس کے رسول کے لیے‘ مسلمانوں کے حکمرانوں کے لیے اور ان کے عوام کے لیے۔“ اس طرح آپ نے فرمایا ہے:

«لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، ح:١٣ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من خصال الإيمان أن يحب لأخيه المسلم ... الخ، ح:٤٥)

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“

اور صحیحین میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«بَايَعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى إِقَامِ الصَّلاَةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ» (صحيح البخاري، الإيمان، باب قول النبي ﷺ الدين النصيحة ... الخ، ح:٥٧ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة ... الخ، ح:٥٦)

”میں نے اقامت نماز‘ ادائے زکوٰۃ اور ہر مسلمان کے لیے ہمدردی و خیر خواہی پر نبی ﷺ کی بیعت کی۔“

ایک دوسرے کو نصیحت‘ حق کی وصیت اور خیر و بھلائی کے کاموں پر تعاون کے وجوب کے بارے میں آیات کریمہ اور نبی ﷺ کی احادیث مبارکہ بہت ہیں لہٰذا تمام مسلمانوں کے لیے‘ حکومتوں کے لیے بھی اور عوام کے لیے بھی یہ واجب ہے کہ انہیں ان آیات و احادیث کا علم ہو اور وہ صبر بھی کریں اور تمام اقسام کے فتنہ و فساد سے بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے حصول اور اس کے احکام کی اطاعت بجا لانے کے لیے کریں تاکہ اس کی ناراضی اور عذاب سے بچ سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اپنی رضا کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے‘ ہمارے دلوں اور تمام اعمال کی اصلاح فرما دے اور ہمارے حکمرانوں کو توفیق بخشے کہ وہ اس مصیبت کو روکیں اور اس پر پابندی عائد کر دیں تاکہ مسلمانوں کو اس کے شر سے بچا سکیں۔ یہ بھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکمرانوں کی ہر اس کام میں مدد فرمائے‘ جس میں بندوں کی اور ملک کی بہتری و بھلائی ہو۔ اللہ تعالیٰ حکومت کے خاص لوگوں اور رازداروں کی اصلاح فرمائے‘ ان کے ساتھ حق کی مدد کرے اور دنیا بھر کے تمام مسلمان حکمرانوں کو اپنی رضا کے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے‘ ان کے ساتھ حق کی مدد کرے‘ انہیں شریعت کے نفاذ اور اس کے مطابق عمل کی توفیق بخشے اور شریعت کی مخالفت سے بچائے‘ تمام مسلمانوں کے احوال کی اصلاح فرما دے‘ انہیں دین میں فقاہت و ثبات عطا فرمائے اور اس کی مخالفت سے

بچائے' بے شک وہی کارساز و قادر ہے۔ والسلام علیکم و رحمة الله و برکاته'

—— چیئرمین ادارات بحوث علمیہ و افتاء و دعوت و ارشاد عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز ——

کیا ڈش حرام ہے یا حلال؟

سوال اس دور میں ڈش کا استعمال بہت عام ہو گیا ہے' جس کے ذریعہ سے بیرونی کافر ملکوں کے پروگرام نشر کیے جاتے ہیں' جن میں عریاں اور فحش فلمیں بھی ہوتی ہیں' جن میں بوسہ بازی' عریاں رقص' فحش مکالمے اور ایسے پروگرام ہوتے ہیں جو عیسائیت کی دعوت دیتے ہیں۔ کیا ایسی ایجادات کا استعمال' ان کا پروپیگنڈہ' ان کی تجارت اور ان کا کاروبار کرنے والوں کو کرایہ پر جگہ دینا جائز ہے' یاد رہے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو انہیں بین الاقوامی خبروں کے لیے استعمال کرتے ہیں؟

جواب اس آلہ کے بارے میں بہت سے لوگوں نے پوچھا ہے' جو بیرونی ملکوں کے ٹیلی وژن سٹیشنوں کے پروگراموں کو اخذ کر لیتا ہے اور جسے ڈش کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے' اس میں کوئی شک نہیں کہ کافر ممالک عقیدہ' عبادت' اخلاق' آداب اور امن کے اعتبار سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے اور جب یہ حقیقت ہے تو پھر یہ بات کوئی بعید نہیں کہ ان ٹی۔وی سٹیشنوں کے ذریعہ سے بھی وہ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کریں' اگرچہ دجل و تلبیس کے طور پر ان پروگراموں میں وہ کچھ مفید چیزیں بھی شامل کر لیتے ہیں کیونکہ بتقاضائے فطرت انسانی نفوس ایسی چیزوں کو قبول نہیں کرتے' جن میں صرف نقصان ہی نقصان ہو۔ مومن سمجھ دار اور ذہین ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ نے اسے علم بخشا ہے' جس سے وہ مصالح اور مفاسد میں امتیاز کر سکتا ہے اور معلوم کر سکتا ہے کہ کون سی چیزیں اس کے فائدہ کی ہیں اور کون سی نقصان کی اور پھر اسے اللہ تعالیٰ نے اس قوت و شجاعت سے بھی نوازا ہے' جس سے وہ نقصان دہ چیزوں کے نقصانات سے بھی بچ سکتا ہے۔ اگر اس ڈش کی صورت حال اسی طرح ہے' جیسے سوال میں مذکور ہے تو پھر اسے حاصل کرنا' اس کا پروپیگنڈہ کرنا اور اس کی خرید و فروخت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے اور اس سے منع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (المائدۃ٥/ ٢)

"اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔"

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان جہنمیوں کے راستے سے بچائے' جن پر وہ غضے ہوتا رہا اور جو گمراہ ہیں۔

—— شیخ محمد صالح العثیمین ——

سوال --فضیلة الشیخ عبداللہ بن جبرین حفظہ اللہ -- اس دور میں ایک ایسا آلہ ایجاد ہو گیا ہے' جس سے انسان دنیا بھر کے ٹیلی وژن سٹیشنوں کے پروگرام اپنے ٹیلی وژن سیٹ پر دیکھ سکتا ہے اور یہ بات آپ سے مخفی نہیں ہے کہ یہ ٹی۔وی سٹیشن اللہ کے دین کے خلاف جنگ کرتے ہوئے کس قدر زہریلے پروگرام نشر کر رہے ہیں کیونکہ ان ٹی۔وی سٹیشنوں پر کام کرنے والے دشمنان اسلام ہیں۔ یہ آلہ لوگوں میں ڈش کے نام سے موسوم ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کی خرید و فروخت یا اس کی تشہیر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فتویٰ عطا فرمائیں اور مسلمانوں کو اپنی نصیحت سے بھی نوازیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اس آلہ کے ذریعے سے اگر کافر حکومتوں مثلاً یہود ونصاریٰ اور رافضہ کی نشریات کو دیکھا جائے' اس کے ذریعے سے فتنہ وفساد' تشکیک اور حرام کی طرف میلان ہو' زنا' چوری' ڈکیتی' رہزنی اور مسکرات و منشیات کے حصول جیسے جرائم کی طرف رجحان ہو' اسلامی عقائد کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہوں اور ایسے شکوک وشبہات کو نشر کیا جائے جو ایک مسلمان کو اس کے دین کے بارے میں حیرت میں مبتلا کر دیں اور پھر اس کے استعمال کے ذریعے سے کافروں کے دین کی تعظیم اور ان کے افعال اور کارناموں کی ستائش کی جاتی ہو اور اس طرح کے دیگر بہت سے مفاسد لازم آتے ہوں تو پھر بلاشبہ اس کی خرید و فروخت' تشہیر' درآمد اور اس کا استعمال حرام ہے' کیونکہ یہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد ہے اور اس کا استعمال فتنہ و فساد کا باعث بنتا ہے۔ ہم ہر مسلمان سے یہ درخواست کریں گے کہ وہ شرور اور ان کے اسباب سے دور رہ کر اپنے آپ کو بچالے۔ وصلی اللّٰہ وسلم علی نبینا محمد و آله و صحبه وسلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

فحش مجلّات

فحش مجلّات' مسلمانوں کیلئے ان کے خطرات' ان کی خرید وفروخت اور ان کی اشاعت میں تعاون کرنے کے بارے میں حکم

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونتوب إليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله أرسله الله تعالى بالهدى ودين الحق فبلّغ الرسالة وأدّى الأمانة ونصح الأمة وتركها على محجة بيضاء ليلها كنهارها فصلوات الله وسلامه عليه وعلى آله وَأصحابه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين. أما بعد:

لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور ظاہری و باطنی فتنوں سے بچو' ہر اس چیز سے بچو جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی اس عبادت سے غافل کر دے' جس کے لیے تمہیں پیدا کیا گیا ہے اور ہر اس چیز سے بچو جو تمہارے اس عزو شرف اور اخلاق کے منافی ہو' جس پر تمہارے معاشرے کی درستی کا انحصار ہے۔

وَإِنَّمَا الأُمَمُ الأَخْلَاقُ مَا بَقِيَتْ
فَإِنْ هُمُوا ذَهَبَتْ أَخْلَاقُهُمْ ذَهَبُوا

"جب تک امتوں کے اخلاق اچھے ہوں وہ باقی رہتی ہیں اور اگر اخلاق ختم ہو جائیں تو امتیں بھی ختم ہو جاتی ہیں۔"

فتنوں سے بچو کہ یہ دلوں میں سرایت کر کے اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دیتے ہیں۔ یہ اللہ کے ذکر سے نرم ہونے

والے اور اس کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہونے والے دلوں تک رسائی حاصل کر کے انہیں سختی اور تکبر میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ فتنے دلوں پر اس طرح اثر انداز ہوتے ہیں' جس طرح زہر اثر انداز ہو کر تباہی و بربادی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ لوگو! تمام فتنوں سے بچ جاؤ' ان کے اسباب سے بھی اجتناب کرو۔ کوئی یہ نہ کہے کہ میں تو مومن اور نیک پاک ہوں' یہ فتنے مجھ پر اثر انداز نہیں ہوں گے' اس طرح عصمت و پاک دامنی کا دعویٰ کرنے والا فتنوں کے اسباب کے اور زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ ابلیس کے تیر ہر وقت برستے رہتے ہیں اور شیطان انسان میں اس طرح گردش کرتا ہے جس طرح رگوں میں لہو' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اور آپ نے دجال کے فتنہ کے خوف کی وجہ سے اس سے دور رہنے کا حکم دیا ہے' آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ سَمِعَ بِالدَّجَّالِ فَلْيَنْأَ عَنْهُ فَوَاللهِ! إِنَّ الرَّجُلَ لَيَأْتِيهِ وَهُوَ يَحْسِبُ أَنَّهُ مُؤْمِنٌ فَيَتْبَعُهُ مِمَّا يُبْعَثُ بِهِ مِنَ الشُّبُهَاتِ»(سنن أبي داود، الملاحم، باب خروج الدجال، ح:٤٣١٩)

"جو شخص دجال کے بارے میں سنے تو وہ اس سے دور ہو جائے کیونکہ اللہ کی قسم! ایک شخص اس کے پاس آئے گا اور وہ اپنے آپ کو مومن سمجھتا ہو گا لیکن اس کے پاس آکر اس کے پھیلائے ہوئے شبہات کے پیچھے لگ جائے گا۔"

اے مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والو! یہ حدیث ایک ایسا مینارۂ نور ہے' جسے رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے نصب فرما دیا ہے۔ تمام فتنوں کے موقع پر ہم اس سے کسب ضوء کر سکتے ہیں تاکہ ان سے دور رہیں خواہ ہمارا یہ گمان ہی کیوں نہ ہو کہ ہم ان فتنوں سے سلامتی کے ساتھ نکل جائیں گے۔ فتنے کے سامنے انسان اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا اور نہ وہ اس کے جال میں مبتلا ہونے سے بچ سکتا ہے۔ اے لوگو! اے بھائیو! ہم ایک ایسے دور میں رہ رہے ہیں' جس میں اسباب فتنہ کی کثرت ہے' فتنہ کے اسلوب اور انداز مختلف ہیں' اس کے دروازے ہر طرف کھلے ہوئے ہیں' ہمارے سامنے دنیا کو کھول دیا گیا ہے جب کہ پہلے لوگوں نے جب اس کی رغبت کی تو وہ دنیا کی دل فریبیوں میں مبتلا ہونے کے باعث تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ اب بدعات کے شبہات ہیں' جنہیں سادہ لوح لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا جا رہا ہے۔ اب تحقیق سے خالی فتووں اور لٹریچر کی بھرمار ہے' جس نے لوگوں کے افکار کو مضطرب کر دیا ہے اور ایک بہت بڑی قیامت اور مصیبت یہ اخبارات اور جرائد ہیں' جو اس دور میں جنون' فسق و فجور اور انارکی و فحاشی کے داعی ہیں' جس کے باعث جسمانی اور فکری طور پر انسان کھوکھلا ہو چکا ہے اور بہت سے لوگوں کی عقلوں پر حیوانیت کا غلبہ ہے' جس کی وجہ سے انہوں نے ان اخبارات و مجلّات کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنا رکھا ہے اور دین و دنیا کی مصلحتوں کو ضائع کر دیا ہے اور وہ اس مہلک بیماری کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں محفوظ رکھے۔

لوگو! یہ کس قدر افسوس ناک' غم ناک اور اندوہ ناک بات ہے کہ ہمارے بچوں' جوانوں' بوڑھوں' مردوں اور عورتوں کے ہاتھ میں اس طرح کے اخبارات و مجلّات ہوں' جن کے مضامین اور تصویریں اعلیٰ و ارفع اخلاق کو خیرباد کہہ کر گھٹیا اخلاق کو اختیار کرنے کی دعوت دیں' جب کہ ہم ایک ایسے ملک کے باشندے ہیں جو توحید' ایمان اور اسلام کا ملک ہے۔ میں کئی ایک مخرب اخلاق اور فحش مجلّات کے بارے میں سنتا رہتا تھا' جن کا اس وقت میں نام نہیں لوں گا کیونکہ اس طرح کے چند مجلّات کا نام لینے سے بعض لوگ یہ سمجھیں گے کہ ان کے علاوہ باقی تمام مجلّات پاکیزہ ہیں' اس لیے میں کسی کا نام

لیے بغیر کہتا ہوں کہ یہ ایسے مجلّات ہیں جو برائی و بے حیائی اور فحاشی و انارکی پھیلا رہے ہیں۔ میں اس طرح کے مجلات کے دیکھنے کو بھی وقت ضائع کرنے کے مترادف سمجھتا تھا حتیٰ کہ بعض نیک لوگوں نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں ان میں سے بعض مجلّات کو دیکھوں خواہ ایک نظر ہی سہی اور پھر انہوں نے میری طرف بعض مجلّات کو بھیجا تاکہ ان کے مناسب حال حکم لگانا ممکن ہو کیونکہ کسی چیز کو جانے بغیر اس سے بچنا یا اس کے بارے میں حکم لگانا ممکن نہیں۔ میں نے جب ان مجلّات کو دیکھا تو میں اس جگہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم اس بات پر گواہ ہو جاؤ اور ہمارے اوپر اللہ گواہ ہے اس بات پر جو میں کہہ رہا ہوں اور تم سن رہے ہو کہ یہ مجلّات اخلاق کو تباہ اور امت کو خراب کرنے والے ہیں اور کسی بھی عقل مند شخص کو اس کے بارے میں قطعاً کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا جو ان مجلّات کے اسلامی معاشرے میں پھیلانے والوں کا ارادہ ہے۔ میں نے ان مجلّات کے بارے میں جو کچھ سنا تھا' دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ اس سے بھی زیادہ بدتر ہیں۔ ان میں ایسی گھٹیا اور فحش باتیں ہیں' جنہیں کوئی بھی اچھے اخلاق والا انسان سننا اور پڑھنا گوارا نہیں کر سکتا۔ ان مجلّات کے سرورق پر عورتوں کی تصویریں ہیں اور ان کے اندرونی صفحات پر تو عورتوں کی ایسی فتنہ انگیز تصویریں ہیں' جن کا لباس شرافت سے عاری اور رذالت میں ڈوبا ہوا ہے۔ یہ ایسی تصویریں ہیں جو اس شخص کے جذبات کو بھی بیدار کر دیتی ہیں' جس میں شہوت ہی نہ ہو۔ اس میں ایسی باتیں ہیں جو حرام موسیقی اور گانے کی دعوت دیتی ہیں۔ تشہیر کے لیے اس میں سگریٹ کے ڈبوں کی بھی تصویریں ہیں۔ علاوہ ازیں ان میں اور بھی بہت زبردست فحش چیزیں ہیں اور جو مجلّات مجھ تک نہیں پہنچ پائے ممکن ہے کہ ان کی صورت حال اس سے بھی زیادہ سنگین اور بدترین ہو۔

لوگو! میں کیا کہوں اور میرے علاوہ دیگر محبین اصلاح کیا کہیں؟ میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ ہم محبین اصلاح بن جائیں' ہم مصلحین میں سے ہو جائیں' میں ان جرائد و مجلّات کے بارے میں کیا کہوں؟ کن سے بات کروں' کیا حکومت کے ذمہ داروں سے بات کروں؟ اس طرح کے منبر سے حکومت کے ذمہ داروں سے مخاطب ہونا نہ تقاضائے عقل ہے اور نہ شریعت کا حکم کیونکہ یہ اچھی بات نہیں ہے کہ اس طرح کے منبر سے ہم ان سے مخاطب ہوں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ»(صحيح البخاري، الرقاق، باب حفظ اللسان، ح: ٦٤٧٥ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الحث على إكرام الجار . . . الخ، ح: ٤٧)

"جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات کہے یا خاموش ہو جائے۔"

کیا میں ان مجلّات کے ذمہ داروں سے بات کروں' ان سے بات کرنا بھی ممکن نہیں کیونکہ وہ میرے سامنے نہیں ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ ان تک میری یہ بات پہنچ بھی جائے لہٰذا میں ان سے یہ کہتا ہوں کہ اس دن ان سے ان مجلّات کے بارے میں پوچھا جائے گا جب وہ اللہ عزوجل کے سامنے کھڑے ہوں گے اور اس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہیں آئے گی اور نجات صرف وہ پائے گا جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آئے گا۔ یہ لوگ جو ان منکرات کو پھیلاتے ہیں تو ان سے ان کے نتیجہ میں جنم لینے والے جرائم کے بارے میں پوچھا جائے گا کیونکہ معاشرہ جب حیوانی معاشرہ بن جائے تو پھر وہ حق کو حق اور منکر کو باطل نہیں سمجھتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سر اطاعت نہیں جھکاتا' اللہ کے بندوں کے احکام کو تسلیم کرنا تو بڑی دور کی بات ہے اور اس سے اس قدر انارکی پھیلتی ہے' جس کی کوئی حد نہیں ہوتی۔

لوگو! جب ان سب لوگوں سے مخاطب ہونا میرے لیے ممکن نہیں تو یہ میرے لیے ضرور ممکن ہے کہ ہم وطنو! میں آپ سے بات کروں' لہٰذا میں آپ سے بات کرتا ہوں کیونکہ آپ مومن ہیں۔ میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کیونکہ آپ شریف ہیں' میں آپ سے مخاطب ہوں کیونکہ آپ غیرت مند ہیں' میں آپ سے اس لیے کہتا ہوں کہ آپ باپ ہیں' میں آپ کو اس لیے بلاتا ہوں کہ آپ وارث ہیں' میں آپ سب کو یہ دعوت دیتا ہوں کہ اپنے دین اور اخلاق کی حفاظت کرو' ظاہر اور خفیہ فتنوں سے دور رہو۔ میں تمہیں اس بات سے ڈراتا ہوں کہ یہ جرائد و مجلّات تمہارے گھروں میں نہ آئیں جو فتنہ انگیز تصویروں' گمراہ کن باتوں اور عریاں و فحش لباس سے لبریز ہیں' کیونکہ یہ جب تمہارے گھروں میں آئیں گے تو گھر والوں کو تباہ و برباد کر دیں گے' ان کے اخلاق اور ان کی تہذیبی قدروں کو غارت کر دیں گے کیونکہ ان جرائد و مجلّات میں جو کچھ پیش کیا جاتا ہے' وہ ان سے دلچسپی رکھنے والوں پر یقیناً اثر انداز ہوتا ہے' وہ ان میں پیش کیے جانے والے افکار و نظریات سے متاثر ہوتے ہیں۔ مومنو! ان فحش جرائد و مجلّات کا گھروں میں آنا' فرشتوں کے گھروں میں داخل ہونے میں رکاوٹ بنتا ہے کیونکہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو اور اس گھر کی محرومی و بدقسمتی کے کیا کہنے' جس میں اللہ کی رحمت کے فرشتے داخل ہی نہ ہوں۔ انہیں بطور تحفہ دینا حرام' انہیں بطور تحفہ قبول کرنا حرام اور ہر وہ کام بھی حرام ہے جو ان کے مسلمان معاشرے میں پھیلانے کا سبب بنے کیونکہ یہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ ﴾ (المائدۃ٥/ ٢)

"اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔"

اے بندگان الٰہی! اللہ سے ڈرو اور اس بات سے اجتناب کرو کہ یہ جرائد و مجلّات تمہارے ہاتھوں میں ہوں لہٰذا انہیں جلا دو کیونکہ میری یہ بات سن کر تم پر حجت تمام ہو گئی ہے لہٰذا ان مجلّات کو جلا دو' انہیں تلف کر دو تاکہ یہ تمہارے پاس باقی نہ رہیں' بچوں اور بچیوں کے ہاتھوں میں نہ رہیں' ان کے خریدنے یا ان کی اشاعت میں اپنا مال خرچ نہ کرو کیونکہ اس میں بہت سی خرابیاں ہیں' ان خرابیوں میں سے ایک اس مال کو ضائع کرنا ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے سبب معیشت بنا دیا ہے اور دین و دنیا کی مصلحتیں جس سے وابستہ ہیں اور جس چیز میں کوئی نفع نہ ہو' سراسر نقصان ہو' اس میں مال خرچ کرنا مال کو ضائع کرنا ہے اور حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ [1] دوسری خرابی یہ ہے کہ ان جرائد و مجلّات کے پڑھنے سے وقت ضائع ہوتا ہے اور وقت عقلاء کے نزدیک مال سے بھی زیادہ قیمتی ہے کیونکہ زندگی وقت ہی کا نام ہے اور اسے ضائع کرنا زندگی کو ضائع کرنا ہے اور ہر انسان سے زندگی کے بارے میں سوال ہو گا جیسا کہ اس سے مال کے بارے میں سوال ہو گا لہٰذا اگر انسان اپنی زندگی کو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطالعہ میں اور تفسیر' سیرت النبی اور سیرت خلفائے راشدین سے متعلق کتابوں کے مطالعہ میں بسر کرے جو کتاب و سنت کے فہم میں ممد و معاون ثابت ہوں تو اسے خیر کثیر حاصل ہو گا۔

---

[1] صحیح البخاری' الاستقراض' باب ماینھی عن إضاعة المَالِ' حدیث : 2408 و صحیح مسلم' الاقضیہ' باب النھی عن کثرة المسائل من غیر حاجة --- الخ' حدیث : 1715

ان جرائد و مجلّات کی ایک بہت بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ ان سے دل میں فرضی محبت و عشق کے ایسے ایسے خیالات آتے ہیں' جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ان کی مثال ایسی ہے' جیسے میدان میں ریت کہ پیاسا اسے پانی سمجھے اور جب اس کے پاس آئے تو اسے کچھ بھی نہ پائے اور اللہ ہی کو اپنے پاس دیکھے تو وہ اسے اس کا حساب پورا پورا چکا دے اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔

ان جرائد و مجلّات میں خرابی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انسان ان میں جن تصویروں اور لباس کو دیکھتا ہے' وہ اس کے اخلاق و عادات پر اثر انداز ہوتے ہیں اور پھر مسلمانوں کا معاشرہ بھی ان غلط معاشروں کی نقالی کرنے لگتا ہے لہٰذا مومنو! ان جرائد و مجلّات کا بائیکاٹ کر دو' ان کے ناشرین سے تعاون نہ کرو' تمہارے خریدنے کا مطلب یہ ہے کہ تم انہیں مالی طور پر مضبوط اور مستحکم کر کے ان کی حوصلہ افزائی کر رہے ہو' یعنی جو شخص انہیں خریدتا ہے وہ بھی گناہ اور ظلم کی باتوں میں برابر کا شریک ہے' مومنو! اس ارشاد باری تعالیٰ کو بھی یاد رکھو:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيكُمۡ نَارٗا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلۡحِجَارَةُ عَلَيۡهَا مَلَٰٓئِكَةٌ غِلَاظٞ شِدَادٞ لَّا يَعۡصُونَ ٱللَّهَ مَآ أَمَرَهُمۡ وَيَفۡعَلُونَ مَا يُؤۡمَرُونَ ﴾ (التحریم٦٦/٦)

"مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تند خو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں جو ارشاد اللہ ان کو فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے' اور جو حکم ان کو ملتا ہے' اسے بجالاتے ہیں۔"

اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تو اس کا گواہ بن جا اور یہ لوگ جو سن رہے ہیں تو ان کا بھی گواہ ہو جا۔ تم پر یہ واجب ہے اور میں بار بار یہ کہتا ہوں کہ تم پر یہ واجب ہے کہ ان جرائد و مجلّات سے قطع تعلق کرو' جو تمہارے پاس موجود ہوں' انہیں جلا دو تاکہ تم ان کے گناہ سے بچ جاؤ۔ اے اللہ! تو ہمیں اچھے اخلاق و اعمال کی توفیق عطا فرما کیونکہ ان کی توفیق صرف تو ہی عطا فرما سکتا ہے۔ اے اللہ! تو ہم سے برے اخلاق و اعمال کو دور فرما دے کہ اے رب العالمین! تیرے سوا انہیں کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اے اللہ! فتنہ و فساد برپا کرنے والوں' فسق و فجور پھیلانے والوں اور دین سے منحرف ہونے والوں کو تباہ و برباد کر دے۔ اے اللہ! انہیں ذلیل و رسوا کر دے' انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔ اے اللہ! انہیں مالی نقصان سے دو چار کر دے تاکہ یہ توبہ کر کے رشد و بھلائی اور اپنی امت کی اصلاح و خیر خواہی کی طرف لوٹ آئیں یا رب العالمین! اے اللہ! ان پر ایسے لوگوں کو مسلط فرما دے جو انہیں ان کے اس شر سے روکیں' جس نے بہت سے لوگوں کو فسق و فجور اور انارکی و بے حیائی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ تو قبول فرما۔ اے اللہ تو قبول فرما۔ اللھم صل وسلم علی عبدک و رسولک محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

عورتوں کی تصویروں والے مجلّات پر پابندی لگانا واجب ہے

سوال بازار میں فروخت کیے جانے والے ان مجلّات کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے' جن پر عورتوں کی بناؤ سنگار

کے ساتھ اور بہت فتنہ انگیز انداز میں تصویریں چھپی ہوتی ہیں؟ کیا ایسے مجلّات کو بیچنا جائز ہے؟

جواب ان تمام جرائد و مجلّات پر پابندی عائد کرنا واجب ہے' جن میں عورتوں کی تصویریں ہوں کیونکہ یہ فتنہ ہے۔ حکومت نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے' والحمد للہ علی ذلک! اسی طرح وزیر اطلاعات کی طرف سے بھی ان مجلّات پر پابندی کا حکم صادر ہو چکا ہے لہٰذا سب پر واجب ہے کہ وہ تعاون کریں تاکہ مسلمانوں کو ان مجلّات اور ایسی صحافت سے بچایا جاسکے جو گھٹیا باتیں اور فحش تصویریں پھیلا رہی ہے' خواہ اس کا تعلق اندرون ملک سے ہو یا بیرون ملک سے کیونکہ یہ ایک ایسی برائی ہے جسے متعلقہ ذمہ دار لوگوں کی وساطت سے مٹا دینا واجب ہے۔ وزارت اطلاعات اور دینی امور کو بھی چاہیے کہ وہ اس کے خاتمہ کے لیے اقدام کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہر اس کام کے کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس میں بندوں اور شہروں کی خیر و بھلائی ہو' انه سميع قريب۔

—— شیخ ابن باز ——

فحش رسالوں کی اشاعت کا حکم

سوال ایسے رسالوں کی اشاعت کے بارے میں کیا حکم ہے' جن میں عورتوں کی عریاں اور فتنہ انگیز تصویریں اور فلمی اداکاروں اور اداکاراؤں کی خبریں شائع کی جائیں؟ جو شخص اس طرح کے کسی رسالہ میں کام کرے' یا اس کی تقسیم میں مدد کرے یا اسے خریدے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ایسے رسالوں کو شائع کرنا جائز نہیں ہے' جن میں عورتوں کی تصویریں ہوں یا جن میں بدکاری و بے حیائی' لواطت' منشیات یا دوسری باطل چیزوں کے استعمال کی دعوت دی جاتی ہو' نہ اس طرح کے رسالوں میں کتابت یا تقسیم وغیرہ کا کام ہی جائز ہے کیونکہ یہ گناہ' ظلم کی باتوں' زمین میں فساد پھیلانے' معاشرے کو خراب کرنے اور گھٹیا اور بری باتوں کے پھیلانے میں تعاون کرنا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾ ﴾

(المائدة٥/ ٢)

"اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو' کچھ شک نہیں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ، لاَ يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُورِهِمِ شَيْئًا، وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلاَلَةٍ، كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ، لاَ يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا»(صحيح مسلم، العلم، باب من سن سنة حسنة أو سيئة ... الخ، ح: ٢٦٧٤)

"جو شخص ہدایت کی طرف دعوت دے' اسے ان لوگوں کے اجر و ثواب کے مطابق اجر ملے گا جو اس کی پیروی کریں گے اور پیروی کرنے والوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جو شخص گمراہی کی

طرف دعوت دے تو اسے ان تمام لوگوں کے گناہ کے بقدر گناہ ملے گا' جو اس کی پیروی کریں گے اور پیروی کرنے والوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا، قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ، وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلاَتٌ مَائِلاَتٌ رُؤُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ، لاَ يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ، وَلاَ يَجِدْنَ رِيحَهَا، وَإِنَّ رِيحَهَا لَتُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَا وَكَذَا»(صحيح مسلم، اللباس، باب النساء الكاسيات العاريات ... الخ، ح:٢١٢٨)

"جہنمیوں کی دو جماعتیں ایسی ہیں جنہیں میں نے ابھی تک نہیں دیکھا (۱) وہ مرد جن کے ہاتھوں میں گائے کی دموں جیسے کوڑے ہوں گے' جن کے ساتھ لوگوں کو ماریں گے اور (۲) ایسی عورتیں جنہوں نے لباس تو پہنا ہو گا مگر وہ عریاں ہوں گی۔ مائل ہونے والی اور مائل کرنے والی ہوں گی۔ ان کے سر بختی اونٹوں کی کوہانوں کی طرح ہوں گے' وہ نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو ہی پا سکیں گی حالانکہ جنت کی خوشبو بہت دور کی مسافت سے آ رہی ہو گی۔"

اس مضمون کی آیات و احادیث بہت ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو اس بات کی توفیق بخشے' جس میں ان کی بہتری اور نجات ہو اور وزارت اطلاعات اور امور صحافت کے ذمہ دار لوگوں کو ہر اس بات کی توفیق بخشے' جس میں معاشرہ کی سلامتی اور نجات ہو اور انہیں اپنے نفسوں کی شرارتوں اور شیطان کی چالوں سے پناہ دے۔ انہ جواد کریم۔

—— شیخ ابن باز ——

فحش مجلّات کے بارے میں حکم

سوال ایسے مجلّات شائع کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے' جن میں عورتوں کی تصویریں' خلاف شریعت افکار و نظریات اور ایسی عورتوں کے انٹرویوز ہوں جو فتنہ پرور ہوں اور جنہوں نے زمانۂ جاہلیت کی عورتوں کی طرح میک اپ کر رکھا ہو؟ تجارتی مراکز اور مکتبات پر ان کی توزیع و تقسیم اور خرید و فروخت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ انہیں خریدنے' حاصل کرنے اور دوسروں کو تحفہ دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ان کے ادارۂ تحریر میں شرکت کرنے اور ان میں مقالات لکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا مجلّہ "سیدتی" کو بھی اس قبیل کے مجلّات میں شمار کیا جا سکتا ہے' جن کے بارے میں مذکورہ بالا سوالات ہیں؟ فتویٰ عطا فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب اور امت محمدیہ کی طرف سے جزائے خیر سے نوازے؟

جواب سنت متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ تصویر مطلقاً حرام ہے۔ مصوروں پر لعنت کی گئی ہے اور ہر مصور جہنم رسید ہو گا۔ اس کی بنائی ہوئی ہر تصویر کے عوض ایک نفس بنایا جائے گا اور اسے جہنم میں عذاب دیا جائے گا اور مصوروں کو جہنم میں سب سے زیادہ سخت عذاب ہو گا اور انہیں حکم دیا جائے گا کہ وہ اس میں روح پھونکیں' انہیں عذاب دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ تم نے جو پیدا کیا تھا اسے زندہ کرو۔ تصویر کی حرمت میں اس وقت اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے جب وہ فتنے کا سبب بنے جس طرح عریاں عورتوں کی تصویریں یا عورتوں کے لیے مردوں کی تصویریں ہیں۔ جب تصویر حرام ہے تو وہ جرائد

و مجلات بھی حرام ہیں جو ان تصویروں کو شائع کرتے' فتنہ و فساد اور فحاشی و انارکی کی دعوت دیتے ہیں کیونکہ جو چیز جرائم و منکرات کا وسیلہ بنے' وہ بھی حرام ہے لہٰذا جو شخص اس طرح کے مجلات کو شائع کرے' بیچے یا خریدے یا کسی کو بطور تحفہ دے وہ بھی گناہ میں برابر کا شریک ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ الْخَمْرَ، وَلَعَنَ شَارِبَهَا، وَسَاقِيَهَا، وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا، وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَحَامِلَهَا، وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ وَآكِلَ ثَمَنِهَا»(سنن أبي داود، الأشربة، باب العصير للخمر، ح:٣٦٧٤ ومسند أحمد: ٢/ ٩٧ واللفظ له)

''اللہ تعالیٰ نے شراب' اس کے پینے والے' پلانے والے' اسے نچوڑنے والے' جس کے لیے نچوڑی گئی ہو' اس کے بیچنے والے خریدنے والے' اٹھانے والے' جس کی طرف اٹھائی گئی ہو اور اس کی قیمت کھانے والے سب پر لعنت فرمائی ہے۔''

یہ مجلات اخلاق' عفت و پاک دامنی اور دین و ایمان کے لیے شراب سے بھی بڑھ کر نقصان دہ ہیں خصوصاً جب کہ یہ ملحدانہ افکار و نظریات اور ایکٹرسوں اور زمانۂ جاہلیت کی طرح میک اپ کرنے والی عورتوں کے اعلانات پر مشتمل ہوں' تو انہیں شائع کرنا' ان میں مقالات لکھنا' انہیں درآمد کرنا اور ان کی ترغیب دینا فتنہ و فساد کے پھیلانے' فحاشی کی اشاعت کرنے' گھٹیا باتوں کے پھیلانے اور برائی و بے حیائی اور بد اخلاقی کی دعوت دینے میں شرکت ہے۔ بلا شک و شبہ مجلہ ''سیدتی'' انتہائی خراب اور گھٹیا مجلہ ہے' اس میں بھی فحش تصویریں اور بدکاری کی دعوت ہوتی ہے' جو کسی بھی صاحب بصیرت سے مخفی نہیں' لہٰذا جو شخص نجات چاہتا ہے' اس کے لیے میری نصیحت یہ ہے کہ وہ ان مجلات سے دور رہے' ان میں کسی طرح کی ذرہ بھر بھی شرکت نہ کرے تاکہ وہ نجات پا سکے اور اپنے دین و عزت کو بھی بچا سکے۔ واللہ اعلم' وصلی اللہ علی محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جرائد و مجلات اور آسمانی برجوں سے متعلق عقیدہ

سوال فضیلۃ الشیخ! امید ہے آپ اس بارے میں حکم شریعت کی وضاحت فرمائیں گے کہ بعض گھٹیا قسم کے مجلات میں آسمانی برجوں مثلاً برج ثور اور برج عقرب وغیرہ کے بارے میں جو کچھ شائع کیا جاتا ہے' اس کی کیا حیثیت ہے؟ ان لوگوں کا خیال یہ ہوتا ہے کہ مثلاً جو برج ثور میں پیدا ہو گا' اسے یہ یہ حالات پیش آئیں گے' وہ فلاں فلاں ملکوں کی طرف سفر کرے گا' علاوہ ازیں اس طرح کی باتیں بھی بیان کی جاتی ہیں جو دعویٰ علم غیب پر مبنی ہوتی ہیں۔ انہوں نے ہر ہر برج سے متعلق مخصوص حالات منسوب کر رکھے ہیں' جن کے بارے میں یہ گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب برج سے مراد سورج کی منزلیں ہیں' جو بارہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم بھی کھائی ہے: ﴿ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ﴾ (البروج: ۸۵/۱) ''آسمان کی قسم جس میں برج ہیں'' اور یہ برج حمل' ثور' جوزاء' سرطان' اسد' سنبلہ' میزان' عقرب' قوس' جدی' دلو اور حوت ہیں اور یہ معمول کے مہینے ہیں' ان میں جو کچھ ہوتا ہے' انہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ برج ثور میں یہ ہوتا ہے اور برج عقرب میں یہ ہوتا ہے تو وہ اس علم غیب کا دعویٰ کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ ستاروں' برجوں اور منزلوں کے بارے میں صرف ایسی بات ہی کہنی چاہیے' جس سے انسان کو ایمان اور

اسلام کے اعتبار سے فائدہ پہنچے۔ واللہ اعلم' وصلی اللہ علی محمدو آلہ و صحبہ وسلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

فحش مجلّات پڑھنے کے بارے میں حکم

سوال ان عورتوں کے بارے میں کیا حکم ہے' جو فحش جرائد و مجلّات کا مطالعہ کریں؟

جواب ہر انسان کے لیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت یہ حرام ہے کہ وہ بدعت و ضلالت پر مبنی کتب اور ایسے مجلّات کو پڑھے' جو خرافات کو شائع کر رہے ہوں' جھوٹے دعوے کرتے ہوں اور اخلاق کریمانہ سے انحراف کی دعوت دیتے ہوں۔ البتہ اس شخص کے لیے انہیں پڑھنا جائز ہے' جو ان کے الحاد و انحراف کی تردید کرے' ان کے شائع کرنے والوں کو نصیحت کرے' ان کے اس طرز عمل کی مذمت کرے اور لوگوں کو بھی ان کے شر سے ڈرائے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جو شخص اپنے گھر میں فحش مجلّات لانے کی اجازت دے

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے' جو اپنے گھر میں ایسے فحش مجلّات کی اجازت دے' جن میں تصویریں اور ایسے مقالات ہوں' جو شرعاً حرام ہیں؟

جواب کسی بھی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے گھر میں ایسے مجلّات یا ناول لائے' جن میں ایسے مقالات ہوں جو الحاد اور بدعت و ضلالت یا برائی و بے حیائی اور جنسی انارکی کی طرف دعوت دیتے ہوں کیونکہ یہ عقیدہ اور اخلاق کو خراب کرتے ہیں۔ ہر گھر کا سربراہ اپنے گھر کے بارے میں جواب دہ ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْهُمْ»(صحيح البخاري، الجمعة، باب في القرى والمدن، ح:٨٩٣ وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل . . . الخ، ح:١٨٢٩ واللفظ له)

"آدمی اپنے گھر کا حاکم ہے اور اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمدو آلہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مفید مجلّات اور تصویریں

سوال مجھے مفید مجلّات پڑھنے کا بہت شوق ہے' میں ان سے استفادہ کرتا رہتا ہوں لیکن ان میں موجود تصویروں کی وجہ سے مشکل در پیش ہے اور وہ یہ کہ کیا انہیں خریدنے میں کوئی حرج تو نہیں؟ کیا پڑھنے کے بعد ان مجلّات کو ضرورت کے لیے اپنے پاس محفوظ رکھ سکتا ہوں یا انہیں جلا دوں؟

جواب آپ مفید اخبارات و جرائد کو پڑھ سکتے ہیں اور ان سے دینی' ادبی اور اخلاقی فوائد حاصل کر سکتے ہیں' جہاں تک تصویروں کا تعلق ہے تو انہیں سیاہی وغیرہ کے ساتھ مٹا دیں' یا چہرے کو مٹا دیں یا انہیں ڈھانپ کر یا الماری اور صندوق

وغیرہ میں بند کر کے رکھیں اور اگر ضرورت باقی نہ رہے تو انہیں جلا دیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جریدہ "الشرق الاوسط" کی خرید و فروخت

سوال اخبار "الشرق الاوسط" مسلمانوں کی خبروں کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے' ان کے مسائل کو چھپانے اور اسلام اور مسلمانوں کی صورت کو اس طرح پیش کرنے میں جو کسی طرح بھی موزوں نہیں' انتہائی برا کردار ادا کر رہا ہے' اس کے برعکس وہ کافر فن کار مردوں اور عورتوں کی تصویریں اور خبریں بڑے اہتمام سے نمایاں کر کے شائع کرتا ہے' تو اس جریدہ کی خرید و فروخت' اس کی تقسیم اور اسے حاصل کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر صورت حال اسی طرح ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو اس اخبار کے ساتھ تعاون گویا اس کی حوصلہ افزائی کرنے' اس کی اشاعت میں حصہ لینے اور اس کی پالیسی کو پروان چڑھانے کے مترادف ہے لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ اسے حاصل کرنا' خریدنا اور تقسیم کرنا منع ہے۔ میں اسلام کے ہر بہی خواہ کی توجہ اس جانب مبذول کراؤں گا کہ وہ اس میں اشتراک سے اجتناب کرے اور اس کی اشاعت میں قطعاً کسی قسم کا حصہ نہ لے' اس سے یہ اپنی موت آپ مرجائے گا اور اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔ اس سے تعاون صرف اس صورت میں کیا جا سکتا ہے کہ یہ اپنے اسلوب' طریقے اور روش کو بدل لے۔ اس فتویٰ کو عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین رکن افتاء کمیٹی نے لکھا۔ و صلی اللہ علی محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

گانے سننے کے بارے میں حکم

سوال گانے سننے کے بارے میں کیا شرعی حکم ہے؟

جواب عشقیہ گانے سننا ہر مرد و عورت کے لیے حرام ہے خواہ وہ اپنے گھر میں ہو یا گاڑی میں یا خاص و عام محفلوں میں کیونکہ اس سے انسان اس طرف مائل ہوتا اور اسے اختیار کرتا ہے' جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشْتَرِى لَهْوَ ٱلْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٦﴾ ﴾ (لقمان ٣١/ ٦)

"اور لوگوں میں بعض ایسا ہے جو بے ہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں کو) علم کے بغیر اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اس سے استہزا کرے' یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔"

سائل نے جو گانے کا ذکر کیا ہے تو یہ بھی لہو الحدیث (بے ہودہ حکایتوں) میں سے ہے کیونکہ یہ دل کے لیے فتنہ ہے' دل کو شر کا خوگر بنا کر خیر سے دور کر دیتا ہے اور گانے کا رسیا ہو کر انسان اپنا وقت ضائع کرنے لگتا ہے۔ لہٰذا یہ لہو الحدیث کے عموم میں داخل ہے۔ جو شخص گانا گائے یا سنے تاکہ اپنے آپ کو یا دوسرے کو اللہ کے راستے سے دور کر دے تو وہ بے ہودہ حکایتیں خریدنے کے عموم میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کی اور ایسا کرنے والوں کو ذلیل کرنے والے

عذاب کی وعید سنائی ہے جس طرح قرآن مجید کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ گانا گانا اور سننا حرام ہے' اسی طرح سنت سے بھی گانے کی حرمت ثابت ہے۔ مثلاً نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ، وَلَيَنْزِلَنَّ أَقْوَامٌ إِلَى جَنْبِ عَلَمٍ، يَرُوحُ عَلَيْهِمْ بِسَارِحَةٍ لَهُمْ يَأْتِيهِمْ لِحَاجَةٍ فَيَقُولُونَ: ارْجِعْ إِلَيْنَا غَدًا فَيُبَيِّتُهُمُ اللهُ، وَيَضَعُ الْعَلَمَ، وَيَمْسَخُ آخَرِينَ قِرَدَةً وَخَنَازِيرَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب ما جاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ح: ٥٥٩٠)

''میری امت میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے' جو زنا' ریشم' شراب اور آلات موسیقی کو حلال قرار دیں گے' کچھ لوگ ایک پہاڑ کے پہلو (دامن) میں فروکش ہوں گے' ان کے پاس ان کے چرنے والے جانوروں کو لایا جائے گا اور ان کے پاس اپنی حاجت و ضرورت کی وجہ سے ایک فقیر آئے گا تو اس سے کہیں گے کہ ہمارے پاس کل آنا تو وہ اس طرح رات بسر کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ان پر پہاڑ کھڑا کر دے گا اور کچھ دوسرے لوگوں کو قیامت تک کے لیے بندروں اور خنزیروں کی صورت میں مسخ کر دے گا۔''

معازف سے مراد لہو اور آلات لہو و لعب ہیں اور گانا گانا اور سننا بھی اسی میں شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے زنا کو حلال سمجھنے والوں اور مردوں کے لیے ریشم اور شراب نوشی اور آلات لہو و لعب کو حلال سمجھنے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے آلات لہو و لعب کو بھی ان کبیرہ گناہوں کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے' جو اس حدیث کے شروع میں مذکور ہیں اور پھر اس حدیث کے آخر میں ان گناہوں کی وجہ سے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آلات لہو و لعب' گانا گانا اور سننا حرام ہے۔ البتہ اگر قصد و ارادہ کے بغیر کسی کے کان میں گانے کی آواز پڑ جائے مثلاً راستہ چلتے ہوئے کسی دوکان یا گاڑی سے آنے والی گانے کی آواز کان میں پڑ جائے یا کسی پڑوسی کے گھر سے آنے والی آواز قصد و ارادہ کے بغیر کان میں پڑ جائے تو یہ شخص معذور ہے' اسے کوئی گناہ نہیں ہو گا' البتہ اسے چاہیے کہ مقدور بھر کوشش کر کے' حکمت و موعظت حسنہ کے اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے نصیحت کرے' منکر سے منع کرے اور جہاں تک ممکن ہو کوشش کرے کہ گانے کی آواز اس کے کان میں نہ پڑے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی انسان پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔

——— شیخ ابن باز ———

دین' وطن' بچوں اور سال گرہ کے گیت

سوال قبل ازیں ہم نے آپ سے گانا سننے کے بارے میں استفسار کیا تھا' تو آپ نے جواب دیا کہ عشقیہ گانے حرام ہیں۔ سوال یہ ہے کہ دین' وطن' بچوں اور سال گرہ کے گیتوں کے بارے میں کیا حکم ہے' یاد رہے کہ یہ گیت خواہ ریڈیو سے نشر کیے جائیں یا ٹی وی سے ان کے ساتھ ساز ضرور ہوتا ہے؟

جواب ساز مطلقاً حرام ہے اور دین' وطن اور بچوں کے گیت اگر ساز کے ساتھ ہوں تو حرام ہیں' جہاں تک سالگرہ کی تقریبات کا تعلق ہے تو یہ بدعت ہیں اور ان میں حاضری اور شرکت حرام ہے۔ ساز کے ساتھ گائے جانے والے گانوں اور گیتوں کے حرام ہونے کی دلیل نبی ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ح: ٥٥٩٠)

"میری امت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور آلات موسیقی کو حلال سمجھیں گے۔"

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "صحیح" میں روایت کیا ہے' علاوہ ازیں اس موضوع سے متعلق اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

گیتوں کے ساتھ طبلہ اور سارنگی

سوال ہم بعض محفلوں میں گیتوں کے ساتھ طبلہ اور سارنگی کو بھی استعمال کرتے ہیں اور یہ سلسلہ رات بھر جاری رہتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے ہمارے اس فعل کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ یہ کام بہت برا ہے یعنی گیتوں کا طبلہ و سارنگی کے ساتھ گانا' یاد رہے کہ ہم فحش گیت نہیں گاتے' آپ فتویٰ عطا فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب ہمیں کوئی ایک بھی دلیل ایسی معلوم نہیں جس سے طبلہ اور سارنگی کا استعمال جائز قرار پاتا ہو' بلکہ صحیح حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی دیگر تمام آلات موسیقی کی طرح حرام ہیں' مثلاً نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ح: ٥٥٩٠)

"میری امت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے' جو زنا' ریشم' شراب اور آلات موسیقی کو حلال قرار دیں گے۔"

حدیث میں آنے والا "معازف" کا لفظ تمام گانوں اور تمام آلات موسیقی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

ریڈیو کے ایسے پروگرام جن میں موسیقی ہو

سوال ریڈیو کے بعض ایسے مفید پروگرام مثلاً اخبارات کے اداریے وغیرہ سننے کے بارے میں کیا حکم ہے' جب ان کے درمیان میں موسیقی بھی ہو؟

جواب ایسے پروگرام سننے اور ان سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ موسیقی کے شروع ہونے پر ریڈیو کا بٹن بند کر دیا جائے اور جب تک موسیقی ختم نہ ہو اسے بند رکھا جائے' کیونکہ موسیقی بھی جملہ آلات لہو سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے اس کے ترک کرنے کو آسان بنا دے اور ہمیں اس کے شر سے محفوظ رکھے۔

—— شیخ ابن باز ——

ٹیلی وژن سے نشر کی جانے والی موسیقی

سوال کیا کسی مسلمان کے لیے گانے اور موسیقی کو سننا حرام ہے اور دلیل یہ دی جائے کہ یہ تو ریڈیو اور ٹیلی وژن سے

نشر کی جا رہی ہے' ہم تو اسے استعمال نہیں کر رہے؟

جواب گانوں' ساز اور دیگر آلات موسیقی کو سننا جائز نہیں ہے' کیونکہ یہ اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتے ہیں اور ان کا سننا دلوں کو بیمار اور سخت کر دیتا ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہے کہ یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشْتَرِى لَهْوَ ٱلْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ (لقمان ٣١/ ٦)

"اور لوگوں میں بعض ایسا ہے جو بے ہودہ حکایتیں خرید تا ہے تاکہ (لوگوں کو) علم کے بغیر اللہ کے راستے سے گمراہ کرے۔"

مفسرین اور غیر مفسرین اکثر علماء نے لکھا ہے کہ "لہو الحدیث" سے مراد گانا اور آلات موسیقی ہیں۔ حضرت الامام بخاری رحمہ اللہ نے "صحیح" میں روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ح: ٥٥٩٠)

"میری امت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو زنا' ریشم اور شراب اور آلات موسیقی کو حلال سمجھیں گے۔"

اس حدیث میں لفظ "الحِرَ" سے مراد حرام شرم گاہ ہے اور "الحَرِیر" (ریشم) ایک معروف چیز ہے' جس کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے۔ "الخمر" بھی معروف ہے' ہر نشہ آور چیز کو خمر کہتے ہیں جو کہ مردوں' عورتوں' بچوں اور بوڑھوں تمام مسلمانوں کے لیے حرام ہے' اس کا استعمال کبیرہ گناہ ہے۔ معازف سے مراد گانا اور طبلہ' سارنگی' رباب اور اس طرح کے دیگر آلات موسیقی ہیں۔ اس موضوع سے متعلق اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں' جنہیں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "اغاثة اللهفان من مصائد الشيطان" میں ذکر فرمایا ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہدایت و توفیق عطا فرمائے اور انہیں اپنے غضب و ناراضی کے اسباب سے بچائے۔

——— شیخ ابن باز ———

موسیقی' گانے سننے اور ڈرامے دیکھنے کے بارے میں حکم

سوال موسیقی' گانے سننے اور ڈرامے دیکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب موسیقی اور گانا سننا حرام ہے اور اس کی حرمت میں قطعاً کوئی شک نہیں' سلف صالح حضرات صحابہ کرام و تابعین سے مروی ہے کہ گانا سننا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے اور گانا سننا یہ وہ "لہوالحدیث" ہے' جس کا اللہ تعالیٰ کے حسب ذیل ارشاد میں ذکر ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشْتَرِى لَهْوَ ٱلْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝٦ ﴾ (لقمان ٣١/ ٦)

"اور لوگوں میں بعض ایسا ہے' جو بے ہودہ حکایتیں خرید تا ہے تاکہ (لوگوں کو) بغیر علم کے اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اس سے استہزا کرے' یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں' اس سے مراد گانا ہے۔ صحابی کی تفسیر حجت ہے اور یہ تفسیر کے تیسرے مرتبے میں ہے۔ یاد رہے کہ تفسیر کے تین مرتبے ہیں (۱) قرآن مجید کی قرآن کے ساتھ تفسیر (۲) قرآن مجید کی سنت کے ساتھ تفسیر اور (۳) قرآن مجید کی اقوال صحابہ کے ساتھ تفسیر حتیٰ کہ بعض اہل علم کا تو یہ مذہب ہے کہ صحابی کی تفسیر مرفوع حدیث کے حکم میں ہے' لیکن صحیح بات یہ ہے کہ وہ مرفوع حدیث کے حکم میں تو نہیں ہے لیکن صحابی کا قول دیگر اقوال کی نسبت سب سے زیادہ صحیح ہوتا ہے۔ گانے اور موسیقی کے سننے سے آدمی اس گروہ میں داخل ہو جاتا ہے جس سے نبی ﷺ نے ڈراتے ہوئے فرمایا:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ح: ٥٥٩٠)

''میری امت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور آلات موسیقی کو حلال سمجھیں گے۔''

(اس حدیث کے لفظ ''معازف'' کے معنی آلات لہو و لعب کے ہیں)

میں اپنے مسلمان بھائیوں کو نصیحت کرتے ہوئے ان کی توجہ اس طرف مبذول کراؤں گا کہ وہ گانے اور موسیقی کے سننے سے اجتناب کریں اور ان اہل علم کے قول سے فریب خوردہ نہ ہوں جو موسیقی کے جواز کے قائل ہیں کیونکہ اس کی حرمت کے دلائل نہایت واضح اور صریح ہیں۔ اس طرح ان ڈراموں کو دیکھنا بھی حرام ہے' جن میں عورتیں ہوں کیونکہ ان ڈراموں سے فتنہ جنم لیتا اور عورتوں سے تعلقات استوار کرنے کی خواہش جنم لیتی ہے۔ مرد عورتوں کو اور عورتیں مردوں کو نہ بھی دیکھیں پھر بھی اکثر و بیشتر ڈرامے نقصان دہ ہی ہیں کیونکہ ان کا مقصد ہی معاشرے کے اخلاق و کردار کو نقصان پہنچانا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کو ان کے شر سے بچائے اور مسلمان حکمرانوں کو ان کاموں کی توفیق بخشے جن میں مسلمانوں کی بھلائی اور بہتری ہو۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

جو شخص گانے بجانے اور آلات موسیقی کو جائز قرار دے

سوال بعض عود' کمان' طبلہ' سارنگی اور اس طرح کے دیگر آلات موسیقی کو گانے کے لیے استعمال کرتے اور اسے جائز قرار دیتے ہیں' ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ نے گانے بجانے اور آلات موسیقی کے استعمال کی مذمت کی ہے اور ان سے منع کیا ہے۔ قرآن کریم نے ہماری راہنمائی کی ہے کہ ان کا استعمال اسباب ضلالت اور اللہ کی آیات کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشۡتَرِي لَهۡوَ ٱلۡحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٖ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًاۚ أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٞ مُّهِينٞ ﴿٦﴾ ﴾ (لقمان ۳۱/ ۶)

''اور لوگوں میں بعض ایسا ہے جو بے ہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں کو) بغیر علم کے اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اس سے استہزاء کرے' یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا۔''

اکثر علماء نے لھو الحدیث کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد گانے' آلات موسیقی اور ہر وہ آواز ہے جو حق سے روکے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ح: ٥٥٩٠)

''میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور آلات موسیقی کو حلال سمجھیں گے۔''

اس حدیث کے لفظ ''معازف'' سے مراد گانے اور آلات موسیقی ہیں۔ نبی ﷺ نے یہ خبر دی ہے' کہ آخر زمانے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اسے اسی طرح حلال سمجھیں گے جس طرح وہ شراب' زنا اور ریشم کو حلال سمجھتے ہوں گے۔ یہ حدیث علامات نبوت میں سے ہے۔ یہ سب باتیں وقوع پذیر ہو گئی ہیں' جن کی اس حدیث میں خبر دی گئی ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ چیزیں حرام ہیں اور انہیں استعمال کرنے والا اسی طرح قابل مذمت ہے جس طرح شراب اور زنا کو حلال سمجھنے والا قابل مذمت ہے۔

بہت سی آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ گانے اور آلات موسیقی حرام ہیں۔ جو شخص یہ گمان کرے کہ گانے اور آلات موسیقی جائز ہیں تو وہ جھوٹ بولتا اور ایک بہت بڑی برائی کا ارتکاب کرتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں خواہش نفس اور شیطان کی پیروی سے محفوظ رکھے اور اس سے بھی زیادہ شدید اور بد ترین جرم اس شخص کا ہے جو یہ کہے کہ ان کا استعمال مستحب ہے' کیونکہ یہ بات بلا شک و شبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے دین سے جہالت پر مبنی ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جرأت اور شریعت کے بارے میں ایک جھوٹی بات ہے۔ جو چیز مستحب ہے وہ عورت سے نکاح کے خاص موقع پر صرف دف بجانا ہے تاکہ نکاح کا اعلان کیا جا سکے اور اس میں اور زنا میں فرق کیا جا سکے۔ چھوٹی بچیاں عورتوں کی محفلوں میں دف کے ساتھ گیت گا سکتی ہیں بشرطیکہ ان میں کوئی ایسی بات نہ ہو جس میں برائی کی حوصلہ افزائی ہوتی ہو یا کسی واجب کے ادا کرنے میں رکاوٹ بنتی ہو اور پھر یہ بھی شرط ہے کہ یہ مردوں اور عورتوں کی مخلوط محفل نہ ہو اور نہ ایسی ہو کہ اس سے پڑوسیوں کو تکلیف اور ایذا پہنچتی ہو۔ بعض لوگ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے سے اس طرح کے جو اعلانات کرتے ہیں تو یہ ایک انتہائی بری بات ہے کیونکہ اس سے پڑوسیوں اور دیگر مسلمانوں کو ایذا پہنچتی ہے۔ بچیوں اور عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ شادی کی محفلوں یا دیگر محفلوں میں دف کے علاوہ دیگر آلات موسیقی مثلاً طبلہ' سارنگی اور رباب وغیرہ کو استعمال کریں۔ ان کا استعمال کرنا بہت گناہ کا کام ہے' نابالغ بچیوں کے لیے صرف دف ہی کے استعمال کی اجازت ہے۔ آدمیوں کے لیے ان میں سے کسی بھی چیز کا استعمال شادی کی محفل میں یا کسی دوسری محفل میں ہرگز جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لیے اس بات کو مشروع قرار دیا ہے کہ وہ آلات جنگ کے استعمال کی مشق کریں' نیزہ بازی اور گھڑ سواری کا مقابلہ کریں' تیروں اور ڈھال کے استعمال کی مشق کریں' ٹینکوں اور ہوائی جہازوں کی ٹریننگ لیں یا توپوں' مشین گنوں اور بموں کے استعمال کی مشق کریں' نیز ہر اس چیز کے استعمال کا طریقہ سیکھیں' جو جہاد فی سبیل اللہ میں مدد و معاون ثابت ہو سکتا ہو۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کے حالات کی اصلاح فرمائے' انہیں دین کی سمجھ بوجھ عطا فرمائے اور ہر ایسی چیز کے سیکھنے کی توفیق بخشے جو دشمن سے جہاد اور اپنے دین و وطن کے دفاع کے لیے مفید ہو۔ انہٗ سمیع مجیب۔

—— شیخ ابن باز ——

جمہور اہل علم کے نزدیک گانا حرام ہے

سوال میں نے اخبار عکاظ کے شمارہ نمبر ۶۱۰۱ مجریہ ہفتہ ۲۹ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ میں ایک خبر پڑھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک سعودی نغمہ ساز نے گانا بجانا ترک کر دیا تھا لیکن جب قاہرہ اور پیرس کے مابین ایک ہوائی سفر کے دوران میں اس نغمہ ساز کی ایک عالم دین سے ملاقات ہوئی اور دونوں نے گانا بجانا اور اس کی مشروعیت کے موضوع پر تبادلِ خیال کیا تو طیارہ سے اترنے سے پہلے پہلے اس عالم دین نے دلائل و براہین کے ساتھ نغمہ ساز کو قائل کر لیا کہ گانا بجانا شرعاً جائز ہے اور اس کے بعد اس نے دوبارہ گانے گائے' جو اس کے نئے گانے شمار ہوتے ہیں۔ دلائل و براہین کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں کہ کیا گانا بجانا اسلام میں جائز ہے خصوصاً عصر حاضر کے گانے جو فحش بھی ہیں اور پھر موسیقی کے ساتھ گائے جاتے ہیں؟

جواب جمہور اہل علم کے نزدیک گانا حرام ہے اور اگر گانا طبلہ و سارنگی جیسے آلات موسیقی کے ساتھ گایا جائے تو اس کے حرام ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اس کی حرمت کے دلائل میں سے ایک تو یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشْتَرِى لَهْوَ ٱلْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٦﴾ ﴾ (لقمان ۳۱/ ۶)

"اور لوگوں میں بعض ایسا ہے' جو بے ہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ (لوگوں کو) علم کے بغیر اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اس سے استہزاء کرے' یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا۔" (جمہور مفسرین نے "لہو الحدیث" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد گانا ہے)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گانا ہے' نیز عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ»(السنن الكبرى للبيهقي: ۱۰/ ۲۲۳ ابن أبي الدنيا في ذم الملاحي، ص: ۷۳ وسنن أبي داود، الادب، وباب كراهية الغناء والزمر، ح: ۴۹۲۷ مختصرا)

"گانا دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتا ہے' جس طرح پانی سے کھیتی پروان چڑھتی ہے۔"

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ح: ۵۵۹۰)

"میری امت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور آلات موسیقی کو حلال سمجھیں گے۔"

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" میں معلقاً مگر صحت کے وثوق کے ساتھ روایت کیا ہے' جب کہ دیگر ائمہ نے بھی اسے صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حدیث کے لفظ "معازف" کے معنی گانے اور آلات موسیقی کے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ جس نے گانے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے (اگر یہ بات صحیح ہے) تو اس نے علم کے بغیر ایک بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے اور ایک ایسا باطل فتویٰ دیا ہے کہ روز قیامت جس کے بارے میں باز پرس ہو گی۔

شیخ ابن باز

یہ کام گناہ ہے

سوال کچھ لوگ گانے سنتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ گانا سننا حرام ہے' تو وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے دل اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ صرف کلام سنتے ہیں اور موسیقی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تو ہم ان کی کس طرح تردید کریں؟

جواب بلا شک و شبہ یہ غلط ہے کیونکہ گانا سننا گناہ ہے' جس طرح خود مغنی گناہ گار ہے' اسی طرح اسے سننے والا بھی گناہ گار ہے' جو اسے اچھا سمجھے اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشۡتَرِي لَهۡوَ ٱلۡحَدِيثِ﴾ (لقمان۳۱/۶)

"اور لوگوں میں بعض ایسا ہے' جو بے ہودہ حکایتیں خریدتا ہے۔"

اس کے علاوہ اور بھی دلائل ہیں' جن سے اس کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ یہ لوگ جو اس کی طرف مائل ہیں' وہ موسیقی سننے سے لذت محسوس نہ بھی کریں' پھر بھی اس فعل کی وجہ سے ہم انہیں برا کہیں گے کیونکہ انہوں نے غلطی کی ہے۔ انہیں چاہیے کہ توبہ کریں' گانے اور موسیقی سے دور رہیں اور اس لہو و لعب اور باطل کی بجائے تلاوت قرآن' ذکر و دعا اور مفید گفتگو میں مشغول رہیں۔

شیخ ابن جبرین

دلائل کی رو سے گانا حرام ہے

سوال بعض لوگ کہتے ہیں کہ صحیح بخاری کی اس روایت ((لَيَكُوْنَنَّ مِنْ اُمَّتِيْ اَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَ وَالْحَرِيْرَ وَالْخَمْرَ وَ الْمَعَازِفَ)) سے گانوں کی حرمت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا' کیونکہ حرمت اس صورت میں ہو گی جب حدیث میں مذکورہ تمام باتیں ایک شخص میں موجود ہوں۔ امید ہے کہ آپ اس قول کے بارے میں راہنمائی فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب یہ قول ضعیف ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں مذکور لفظ "اَلْحِرَ" کے معنی شرم گاہ کے ہیں اور زنا بھی حرام ہے خواہ کوئی شخص صرف زنا ہی کرے اور باقی افعال نہ کرے تو پھر بھی یہ حرام ہے۔ اسی طرح مردوں کے لیے ریشم حرام ہے' نیز شراب بھی سب کے لیے بالاجماع حرام ہے خواہ کوئی صرف شراب ہی پئے اور دیگر جرائم کا ارتکاب نہ بھی کرے۔ اسی طرح گانا اور موسیقی بھی حرام ہے کیونکہ ایسی کوئی دلیل نہیں جو اسے اس حکم سے مستثنیٰ قرار دے۔ پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب ایک معین چیز دیگر افراد کے ساتھ مل کر آئے تو اصول یہ ہے کہ وہ حکم ہر ہر فرد کے لیے ثابت ہوتا ہے حتیٰ کہ کوئی ایسی دلیل موجود ہو جس سے یہ ثابت ہو کہ اس سے مراد ان تمام افراد کا مجموعہ ہے' لیکن یہاں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے۔ البتہ کچھ ایسے حسن دلائل موجود ہیں' جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گانا بجانا اور موسیقی انفرادی طور پر بھی حرام ہے۔

شیخ ابن عثیمین

گانے اور موسیقی کے آلات کے لیے جگہ کرایہ پر دینا

سوال کمیٹی کو یہ سوال موصول ہوا ہے کہ میرے والد صاحب نے ایک شخص کو اپنی جگہ کرایہ پر دی تھی اور اس شخص نے آگے ایک ایسے شخص کو یہ جگہ کرائے پر دے دی' جو گانے اور موسیقی کے آلات بیچتا ہے۔ میں نے اپنے والد صاحب سے کہا کہ یہ کاروبار حرام ہے' اس لیے واجب ہے کہ آپ اس شخص سے جگہ خالی کرالیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اس شخص نے یہ دکان کرایہ پر میرے والد سے نہیں بلکہ اس شخص سے لی تھی جس نے میرے والد سے لی تھی۔ پھر میں نے ایک کتاب میں یہ پڑھا کہ گانے اور موسیقی کے آلات بیچنے والوں کو جگہ کرایہ پر دینا حرام ہے لہٰذا میں نے اپنے والد سے کہا کہ یہ بات بہت خطرناک ہے مگر میرے والد نے مجھ سے ایسی دلیل کا مطالبہ کیا ہے' جس سے یہ معلوم ہوا کہ گانے والوں کو دکان کرایہ پر دینا حرام ہے؟

جواب کمیٹی نے اس استفسار کے مطالعہ کے بعد یہ جواب دیا ہے کہ کسی ایسے شخص کو اپنی جگہ کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے جو گانے بجانے اور موسیقی کے آلات اور گانوں کی کیسٹیں فروخت کرتا ہو کیونکہ یہ حرام ہے۔ اور ایک باطل چیز کے رواج دینے میں تعاون ہے اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۲)

"اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔" و باللہ التوفیق۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

سوال فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح بن عثیمین۔ حفظہ اللہ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ- وبعد:
آنجناب یہ جانتے ہیں کہ یہ بلاء اس زمانے میں عام ہو گئی ہے کہ جگہ جگہ گانوں کی کیسٹیں بیچنے والوں کی دکانیں کھل گئی ہیں لہٰذا آپ راہنمائی فرمائیں کہ ان کیسٹوں کی تجارت کے بارے میں کیا حکم ہے جب کہ یہ کیسٹیں:

1. مختلف انواع و اقسام کے گانوں اور موسیقی پر مشتمل ہوتی ہیں۔
2. ان میں بے حیائی' فسق و فجور اور دونوں جنسوں کے درمیان گھٹیا باتیں پھیلانے کی دعوت ہوتی ہے۔
3. ان میں اخلاق سے گرا ہوا کلام اور فحش غزلیں ہوتی ہیں۔

لہٰذا ان کیسٹوں کے خریدنے اور سننے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ان کیسٹوں کی فروخت سے حاصل ہونے والے مال کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس قسم کی کیسٹیں فروخت کرنے والوں کو جگہ کرائے پر دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا جگہ کرایہ پر دینے والے کو بھی کیسٹیں بیچنے اور خریدنے والوں کا گناہ ہو گا یا نہیں؟ فتویٰ عطا فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء

جواب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔
اگر یہ کیسٹیں انہی چیزوں پر مشتمل ہوں' جن کا آپ نے ذکر کیا ہے کہ ان میں مختلف انواع و اقسام کے گانے اور موسیقی ہوتی ہے' بے حیائی' فتنہ و فساد' فسق و فجور اور دونوں جنسوں میں گھٹیا باتوں کے پھیلانے کی دعوت ہوتی ہے اور اخلاق سے گری ہوئی گفتگو اور فحش غزلیں ہوتی ہیں تو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے' اللہ کے عذاب سے ڈرنے والے اور اس کے ثواب کی امید رکھنے والے مومن کی بات تو بڑی دور کی بات ہے' کسی بھی عقل مند انسان کو اس کے

بارے میں ذرہ بھر شک و شبہ نہیں ہو سکتا کہ ایسی کیسٹوں کو خریدنا اور سننا حرام اور ایک منکر کام ہے کیونکہ ایسی کیسٹیں اخلاق اور معاشرے کو خراب کر دیتی ہیں اور امت کو اللہ تعالیٰ کی عام اور خاص سزاؤں کا مستوجب قرار دے دیتی ہیں۔ جس شخص کے پاس ایسی کوئی کیسٹ ہو تو اس کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے اور ان گانوں کو صاف کر کے اس میں کوئی اچھی بات ریکارڈ کر لے۔ اس طرح کی کیسٹوں کی فروخت سے حاصل ہونے والا مال حرام ہے جو کہ قطعاً حلال نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ تَعَالٰى إِذَا حَرَّمَ شَيْئًا حَرَّمَ ثَمَنَهُ»(سنن الدارقطني:٣/٧، ح:٢٧٩١ وسنن أبي داود، البيوع، باب في ثمن الخمر والميتة، ح:٣٤٨٨)

"اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو وہ اس کی قیمت کو بھی حرام قرار دے دیتا ہے۔"

اس طرح کی کیسٹیں بیچنے والوں کو جگہ کرایہ پر دینا بھی حرام ہے اور اس کا کرایہ بھی حرام ہے' کیونکہ یہ اس گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے جس سے منع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون نہ کیا کرو۔"

ان کیسٹوں کے خریدنے والوں کا گناہ ان کے ذمہ ہو گا اور کچھ بعید نہیں کہ اس کا گناہ بیچنے والوں اور جگہ کرایہ پر دینے والوں کو بھی ہو اور اس سے خریدنے والوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہیں ہو گی۔ واللہ اعلم۔

--- اس فتویٰ کو محمد بن صالح عثیمین نے مورخہ ۱۴۰۸/۹/۹ھ کو لکھا---

۳۸
کتابُ الجَامِع
متفرق مسائل سے متعلقہ فتوے
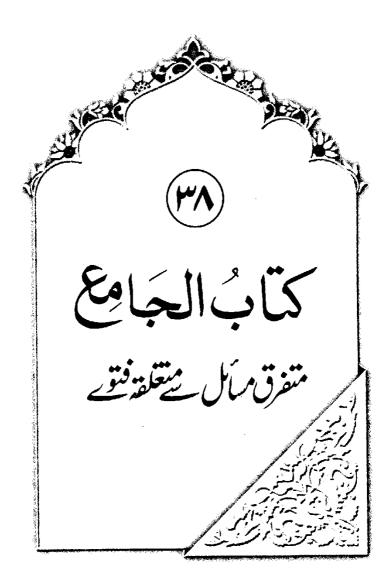
نام' کنیت اور لقب

محسن نام رکھنے کے بارے میں حکم

سوال میرا نام محسن ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک نام ہے' جو شخص بھی مجھے جانتا اور بلاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ یا محسن' میں اس نام کو بدل بھی نہیں سکتا کیونکہ تمام سرکاری کاغذات میں یہی نام لکھا ہوا ہے' کیا یہ نام رکھنا حرام ہے یا مکروہ' اس کا گناہ نام رکھنے والے کو ہو گا یا مجھے؟ راہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

جواب محسن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں بھی یہ نام آیا ہو' [1] احسان اللہ تعالیٰ کے فعل کی صفت ہے' لہٰذا یہ نام رکھنا حرام نہیں جب کہ اس سے انسان کا مقصود صرف نام رکھنا ہی ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض کا نام حکیم تھا اور حکیم اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے' اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام کو تبدیل نہیں فرمایا تھا' لہٰذا محض علم کے طور پر اس نام کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں' لہٰذا آپ اس نام کو باقی رکھیں اس میں کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

عبدالقوی نام رکھنا

سوال میرا لقب عبدالقوی ہے' اسلام میں اس کے بارے میں کیا حکم ہے' کیا یہ کہنا جائز ہے کہ میرا بھروسہ اللہ پر ہے اور پھر آپ پر یا یہ کہنا کہ بھائی میری امید آپ سے وابستہ ہے؟

جواب یہ جائز ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے اللہ پر بھروسہ کیا اور پھر آپ پر' کیونکہ اللہ پر بھروسہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے اور اسی پر اعتماد کیا جائے کیونکہ اللہ جل و علا ہی اس کائنات میں تصرف فرمانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے بعد کسی بندے پر بھروسہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کام کو بندے کے اس قدر سپرد کر دیا جائے جس قدر اسے طاقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اپنی مشیت ہے اور بندے کی اپنی مشیت لیکن بندے کی مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِمَن شَآءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا تَشَآءُونَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٢٩﴾ ﴾ (التکویر ۸۱/ ۲۸-۲۹)

"اس کے لیے جو تم میں سے سیدھی راہ چلنا چاہے اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہ جو اللہ تعالیٰ چاہے۔" اور فرمایا:

﴿ إِنَّ هَٰذِهِۦ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَآءَ ٱتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِۦ سَبِيلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا تَشَآءُونَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٣٠﴾ ﴾ (الدھر ۷۶/ ۲۹-۳۰)

---

[1] شیخ محمد بن عثیمین حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ محسن اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔

"یہ تو نصیحت ہے' جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف پہنچنے کا راستہ اختیار کرے اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر جو اللہ کو منظور ہو' بے شک اللہ خوب جاننے والا' حکمت والا ہے۔"

اس اصول کی طرف نبی ﷺ نے راہنمائی فرمائی ہے' امام نسائی نے حضرت قتیلہ کی روایت کو بیان کیا اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ ایک یہودی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ تم بھی شرک کرتے ہو کیونکہ تم یہ کہتے ہو کہ جو اللہ چاہے اور جو تو چاہے' نیز تم یہ کہتے ہو کہ کعبہ کی قسم! تو نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا:

«إِذَا أَرَادُوا أَنْ يَحْلِفُوا أَنْ يَقُولُوا: وَرَبِّ الْكَعْبَةِ! وَيَقُولُ أَحَدٌ مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ شِئْتَ»(سنن النسائي، الأيمان والنذور، باب الحلف بالكعبة، ح:٣٨٠٤)

"جب وہ قسم اٹھانے کا ارادہ کریں تو یہ کہیں رب کعبہ کی قسم!" اور یہ کہیں کہ "جو اللہ چاہے پھر تو چاہے۔"

صحیح حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«لاَ تَقُولُوا: مَا شَاءَ اللهُ وَشَاءَ فُلاَنٌ وَلٰكِنْ قُولُوا: مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ شَاءَ فُلاَنٌ»(سنن أبي داود، الأدب، باب لا يقال خبثت نفسي، ح:٤٩٨٠)

"یہ نہ کہو کہ جو اللہ اور فلاں چاہے بلکہ یہ کہو کہ جو اللہ چاہے' پھر فلاں چاہے۔"

عبدالقوی کے ساتھ کنیت یا نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ "اَلْقَوِی" اللہ عزوجل کے اسماء میں سے ہے۔

عاشق اللہ نام رکھنا

سوال بہت سے لوگ عاشق اللہ' محمد اللہ اور محب اللہ نام رکھتے ہیں' کیا اس طرح کے نام رکھنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب عاشق اللہ نام رکھنا بے ادبی ہے البتہ محمد اللہ اور محب اللہ نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں' لیکن افضل یہ ہے کہ اس طرح کے نام رکھنے کی بجائے ایسے نام رکھے جائیں' جن سے اللہ تعالیٰ کی طرف عبدیت کی نسبت ہوتی ہو یا پھر محمد' صالح اور احمد جیسے نام رکھ لیے جائیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

اس طرح کے نام رکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے

سوال کیا کسی مسلمان کے لیے طٰهٰ' یٰسٓ' خباب' عبدالمطلب' الحباب' قارون اور ولید نام رکھنا جائز ہے؟ کیا طٰهٰ اور یٰسٓ نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کے اسماء میں سے ہیں یا نہیں؟

جواب یہ نام رکھنے جائز ہیں کیونکہ ان کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے لیکن مومنوں کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ ایسے ناموں کا انتخاب کریں' جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف عبدیت کی نسبت کی گئی ہو' مثلاً عبداللہ' عبدالرحمٰن اور عبدالملک وغیرہ' اسی طرح قارون وغیرہ کی بجائے صالح اور محمد جیسے اچھے اور مشہور نام رکھ لیے جائیں۔ استثنائی صورت میں عبدالمطلب نام رکھنا بھی جائز ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے بعض صحابہ کرام کے اس نام کو برقرار رکھا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے سوا کسی بھی غیر اللہ کی طرف عبدیت کی نسبت کر کے نام رکھنا جائز نہیں خواہ وہ کوئی بھی ہو مثلاً عبدالنبی' عبدالحسین اور عبدالکعبہ جیسے نام رکھنا ہرگز جائز نہیں ہے' امام ابو محمد ابن حزم نے لکھا ہے کہ ایسے نام رکھنے کی

حرمت پر اہل علم کا اجماع ہے۔ علماء کے صحیح قول کے مطابق طٰہٰ اور یٰس نبی اکرم ﷺ کے اسماء میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ بعض سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات ہیں' جس طرح صٓ' قٓ اور نٓ وغیرہ حروف مقطعات ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

عبداللہ اور عبدالرحمٰن جیسے ناموں کی تصغیر

سوال ہم بہت سے ان پڑھ اور پڑھے لکھے لوگوں سے یہ سنتے ہیں کہ وہ اسماء مُعَبَّدَہ کی تصغیر کر دیتے ہیں یا وہ انہیں ایسے ناموں سے بدل دیتے ہیں جو پہلے نام کے منافی ہوتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ کیا اس میں کوئی حرج تو نہیں مثلاً عبداللہ کو عبید' عبود اور عِبدی کہہ دیتے ہیں' عبدالرحمٰن کو وحیم اور عبدالعزیز کو عزیز' عزوز اور عزی کہہ دیتے ہیں جب کہ محمد کو محیمید' حمداً اور حمدی وغیرہ کے ناموں سے بلاتے ہیں؟

جواب اسماء معبدہ کی تصغیر میں کوئی حرج نہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ اہل علم میں سے کسی نے اس سے منع کیا ہو۔ احادیث و آثار میں بھی اس طرح کے بہت سے نام ملتے ہیں مثلاً اُنَیس' حُمَید اور عُبَید وغیرہ' لیکن اگر کسی ایسے شخص کے نام کو تصغیر کے ساتھ بلایا جائے جو اسے ناپسند کرتا ہو تو پھر بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ حرام ہے کیونکہ اس صورت میں یہ برے القاب کے ساتھ پکارنے کے قبیل سے ہوگا' جس سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں منع فرمایا ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص اس نام کے بغیر پہچانا ہی نہ جا سکتا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں جیسا کہ ائمہ حدیث نے بعض رجال کے سلسلہ میں یہ صراحت کی ہے مثلاً اعمش اور اعرج وغیرہ۔

——— شیخ ابن باز ———

مسلمان ہونے کے بعد نام تبدیل کرنا

سوال جو شخص اسلام قبول کرنے کا اعلان کرے تو کیا اس کے جارج اور جوزف وغیرہ سابقہ نام تبدیل کرنا لازم ہے؟

جواب نام تبدیل کرنا لازم نہیں ہے البتہ اگر اس میں عبدیت کی نسبت غیر اللہ کی طرف ہو تو اسے تبدیل کرنا لازم اور اچھا نام رکھنا مشروع ہے یعنی عجمی نام کی بجائے اگر اس کا نام اسلامی نام رکھ دیا جائے' تو یہ بہت اچھی بات ہے لیکن واجب نہیں اور اگر اس کا نام عبدالمسیح وغیرہ ہو تو پھر اسے بدلنا واجب ہے۔ اگر ایسے نام ہوں جن میں غیر اللہ کی طرف نسبت نہ ہو مثلاً جارج اور بولس وغیرہ تو انہیں بدلنا لازم نہیں ہے کیونکہ یہ نام مشترک ہیں' عیسائی بھی اس طرح کے نام رکھ لیتے ہیں اور دوسرے لوگ بھی۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

سب سے بڑے بیٹے کے نام پر کنیت

سوال کیا یہ جائز ہے کہ جس شخص کا نام محمد ہو اسے اے ابو محمد! کہہ کر بلائیں حالانکہ اس کی کوئی اولاد نہ ہو بلکہ وہ شادی شدہ ہی نہ ہو؟

جواب مرد یا عورت کی کنیت اولاد کے بغیر بھی جائز ہے بلکہ کسی ادنیٰ سے تعلق کی بنیاد پر بھی کنیت جائز ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ کی کنیت اس بلی کی وجہ سے تھی' جسے انہوں نے اٹھایا ہوا تھا۔ غیر شادی شدہ نوجوان کی اس کے باپ وغیرہ

کے نام پر کنیت رکھنا بھی جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ یہ ہی اختیار کیا جائے اور بڑے بیٹے کے نام پر کنیت رکھی جائے' اسی طرح عورت کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ رکھی تھی اور یہ کنیت آپ کے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے نام پر تھی۔

—————— شیخ ابن جبرین ——————

کسی کو اعرج (لنگڑا) کہنا

سوال کیا کسی انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اعرج (لنگڑا) یا اعور (کانا) کہے؟

جواب اگر اس سے مقصود اس انسان کی شناخت ہو تو کوئی حرج نہیں' بعض روایات میں بعض لوگوں کے لیے اعمش اور اعرج کے نام استعمال کیے گئے ہیں اور اگر یہ از راہ طعن و غیبت ہو تو پھر جائز نہیں۔

—————— شیخ ابن باز ——————

اسلامی القاب

سوال ہم حضرت محمد رسول اللہ کے لیے ﷺ' حضرت موسیٰ یا عیسیٰ یا کسی دوسرے پیغمبر کے لیے علیہ السلام' حضرت ابوبکر صدیق' خلفائے راشدین یا صحابہ کرام میں سے کسی کے لیے رضی اللہ عنہ' حضرت علی بن ابی طالب کے لیے کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں اس طرح تشہد اول میں کہتے ہیں السلام علینا و علی عباداللہ الصالحین۔ سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا شخصیتوں کے ناموں کے ساتھ مذکورہ دعائیہ کلمات کے التزام کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا کسی نیک مسلمان کے لیے بھی رضی اللہ عنہ کے الفاظ استعمال کیے جا سکتے ہیں یا نہیں اور کیوں؟

جواب نبی ﷺ کے لیے صلوٰۃ و سلام کا حکم آیا ہے' اس لیے اس حکم کی اطاعت کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے اسم گرامی کے ساتھ ہم ﷺ کہیں' دیگر تمام رسولوں کے لیے بھی ان الفاظ کا استعمال جائز ہے' دیگر رسولوں کے لیے اگر صرف سلام ہی پر اکتفاء کر لیا جائے تو یہ بھی جائز ہے' ملائکہ اور انسانوں کے لیے بھی ﷺ کے الفاظ استعمال کیے جا سکتے ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

«اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ أَبِي أَوْفٰى» (صحيح البخاري، الزكاة، باب صلاة الإمام ودعائه لصاحب الصدقة ... الخ، ح:١٤٩٧ وصحيح مسلم، الزكاة، باب الدعاء لمن أتى بصدقة، ح:١٠٧٨)

لیکن اسے عادت نہ بنایا جائے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ (الفتح 18/48) لہذا ہم بھی اس طرح کہیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ دیگر نیک لوگوں مثلاً ائمہ کرام وغیرہ کے لیے بھی ان الفاظ کا استعمال جائز ہے۔ یہ سب دعائیہ کلمات ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بطور خاص کرم اللہ وجہہ کے الفاظ کے استعمال کی کوئی دلیل نہیں ہے' ان الفاظ کو صرف رافضہ استعمال کرتے ہیں لیکن اس عبارت کو دوسروں کے حق میں استعمال کرنا بھی جائز ہے' جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح رضی اللہ عنہ کے الفاظ استعمال کرنا ہی افضل ہے۔ رضی اللہ عنہم

——— شیخ ابن جبرین ———

نبی ﷺ پر درود کے لیے "ص" سے اشارہ کرنا

سوال کیا رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کے لیے "ص" یا "صلعم" کے حروف لکھنے میں کوئی حرج ہے؟

جواب متاخرین کی کتابوں میں اس رمز کے بکثرت استعمال کے باوجود یہ غلط ہے کیونکہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ کی ذات گرامی پر صلوٰۃ و سلام کے لیے ﷺ کے حروف مکمل لکھے جائیں تاکہ قاری بھی اسے پڑھ لے اور اس طرح لکھنے والے کو بھی اس کا اجر و ثواب ملے گا بخلاف اشارہ و رمز کے کہ اس صورت میں قاری صلوٰۃ و سلام کو ترک کر دیتا ہے یا وہ اسے رمز ہی کی صورت میں پڑھتا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

تحیہ و سلام

اشارہ سے سلام

سوال ہاتھ کے اشارہ کے ساتھ سلام کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اشارہ کے ساتھ سلام کرنا جائز نہیں ہے۔ سنت یہ ہے کہ کلام کے ساتھ سلام کیا جائے اور کلام کے ساتھ اس کا جواب بھی دیا جائے۔ اشارہ کے ساتھ سلام جائز نہیں کیونکہ اس میں بعض کافروں کے ساتھ مشابہت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ طریقے کے خلاف بھی ہے' البتہ جس کو اس نے سلام کیا ہو' اس کے دور ہونے کی وجہ سے اگر اشارہ کر دے تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ اس نے سلام کیا ہے اور پھر منہ سے بھی سلام کہہ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں' کیونکہ اس کی دلیل موجود ہے۔ اس طرح جس شخص کو سلام کیا گیا ہو' اگر وہ نماز میں مشغول ہو تو وہ بھی اشارہ کے ساتھ جواب دے سکتا ہے' جیسا کہ نبی ﷺ کی سنت سے یہ ثابت ہے۔[1]

——— شیخ ابن باز ———

سلام میں الفاظ کا اضافہ

سوال جو شخص سلام کہتے ہوئے السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ کہے تو کیا وہ اس سے زیادہ الفاظ بھی کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب سلام کہتے ہوئے السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ سے زیادہ الفاظ نہ کہے کیونکہ ہمارے علم کے مطابق سلام کے لیے صرف اسی قدر الفاظ ثابت ہیں۔ و صلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

[1] صحیح مسلم' الصلاۃ' باب تحریم الکلام فی الصلاۃ و نسخ ما کان من إباحتہ' حدیث: 540

السلام علیکم کی بجائے "شام بخیر"

سوال سلام کہتے ہوئے بہت سے لوگ اس طرح کے الفاظ کہہ دیتے ہیں "شام بخیر" "صبح بخیر" یا اس سے ملتے جلتے الفاظ تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب سلام کے لیے جو الفاظ وارد ہیں' وہ یہی ہیں کہ انسان کہے "السلام علیکم" یا "سلام علیک" پھر اس کے بعد جو چاہے الفاظ کہہ لے یعنی "مساک اللہ بالخیر" (اللہ آپ کی شام اچھی کرے) اور "صبحک اللہ بالخیر" (اللہ آپ کی صبح اچھی کرے) یا اس طرح کے دیگر الفاظ مشروع سلام کے بعد کہے جائیں' لیکن مشروع سلام کی بجائے' ان الفاظ کو استعمال کرنا غلط ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ

سوال کیا دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا جائز ہے؟

جواب مسلمان آدمی کا اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کرنا مشروع ہے کیونکہ یہ دلائل سے ثابت ہے' لیکن کسی مرد کا کسی غیر محرم عورت سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے میں اگرچہ کوئی حرج نہیں لیکن دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا نہیں چاہیے کیونکہ افضل یہ ہے کہ مصافحہ ایک ہاتھ سے ہو۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نماز کے بعد سلام کرنا

سوال نماز خصوصاً نماز فجر کے بعد ایک دوسرے کو سلام کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ میں نے سنا ہے کہ کچھ لوگ اسے بدعت کہتے ہیں اور کچھ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں' تو سوال یہ ہے کہ صحیح بات کیا ہے؟ راہنمائی فرمائیں۔

جواب اس بارے میں ہمیں کوئی حدیث معلوم نہیں' البتہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے اس اعرابی کے سلام کا جواب دیا تھا' جس نے مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھی تھی لیکن نماز صحیح طریقے سے ادا نہیں کی تھی تو نبی ﷺ نے اس سے فرمایا تھا:

«اِرْجِعْ فَصَلِّ، فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ الرَّجُلُ فَصَلَّى كَمَا كَانَ صَلَّى، ثُمَّ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ثُمَّ قَالَ: اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ»(صحيح البخاري، الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصلوات كلها ... الخ، ح:٧٥٧ وصحيح مسلم، الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة ... الخ، ح:٣٩٧ واللفظ له)

"جاؤ نماز پڑھو' تم نے نماز پڑھی ہی نہیں' اس نے واپس جا کر نماز پڑھی اور اسی طرح پڑھی جس طرح پہلے پڑھی تھی پھر وہ آیا اور اس نے نبی ﷺ کو سلام کیا تو آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور پھر فرمایا کہ جاؤ نماز پڑھو' تم نے نماز پڑھی ہی نہیں۔"

یہ حدیث بخاری و مسلم میں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے اس کے دوسری یا تیسری بار سلام کہنے کی تردید نہیں فرمائی بلکہ اسے برقرار رکھا اور اس کے سلام کا آپ نے جواب بھی دیا حالانکہ وہ آپ کے قریب ہی نماز پڑھ رہا تھا اور آپ سے اوجھل بھی نہ تھا اور پھر آپس میں سلام کہنے سے دلوں میں الفت و محبت بھی پیدا ہوتی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

سلام کے بعد دست بوسی اور ہاتھ کو سینے پر رکھنا

سوال میں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ مصافحہ کے بعد دست بوسی بھی کرتے ہیں یا اپنے ہاتھوں کو اپنے سینوں پر رکھ لیتے ہیں تاکہ محبت کا زیادہ اظہار کر سکیں تو کیا یہ جائز ہے؟ راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب ہمارے علم کی حد تک شریعت میں اس عمل کی کوئی دلیل نہیں۔ یہ قطعاً شریعت کا حکم نہیں کہ مصافحہ کے بعد ہاتھ کو بوسہ دیا جائے یا اسے اپنے سینہ پر رکھا جائے اور اگر ایسا کرنے والے اسے تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھیں تو یہ بدعت ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کراٹے وغیرہ میں جھک کر سلام کرنا جائز نہیں خواہ صرف سر ہی کو جھکایا جائے

سوال کچھ لوگ امریکہ کی کراٹے کی محفلوں میں سے ایک محفل میں شریک ہوئے' تو ٹریننگ دینے والے نے کہا کہ جب تمہارے سامنے جھکا جائے تو تم پر واجب ہے کہ تم بھی جھکو لیکن ہم نے اسے مسترد کر دیا اور اپنے دین کے حوالہ سے اس کی وضاحت کی تو اس نے ہم سے اتفاق کیا اور کہا کہ آپ صرف سر جھکا دیا کریں کیونکہ جھکنے کا آغاز تو اس نے کیا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ آپ اس کے سلام کا جواب دیں اور اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب کسی بھی مسلمان یا کافر کے سامنے بوقت سلام جھکنا جائز نہیں' نہ جسم کے بالائی حصہ کے ساتھ اور نہ صرف سر کے ساتھ کیونکہ جھکنا تو عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ کی ذات گرامی کے لیے خاص ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

آنے والے کے لیے کھڑا ہونا اور بوسہ دینا

سوال آنے والے کے لیے کھڑے ہونے اور اسے بوسہ دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اولاً: جہاں تک آنے والے کے لیے کھڑے ہونے کا تعلق ہے تو اس کا شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بڑا مفصل جواب دیا ہے' جو ادلہ شرعیہ پر مبنی ہے' لہٰذا ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اسے ہی ذکر کر دیں کیونکہ اس سے مقصود پورا ہو جاتا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"نبی ﷺ کے عہد مبارک میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور خلفائے راشدین کی یہ عادت نہ تھی کہ وہ جب بھی نبی ﷺ کو دیکھیں تو کھڑے ہو جائیں' جیسا کہ بہت سے لوگ کرتے ہیں بلکہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ [قَالَ]: وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا لِمَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِذٰلِكَ»(جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في كراهية قيام الرجل للرجل، ح: ٢٧٥٤)

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک نبی ﷺ کی ذات گرامی سے بڑھ کر اور کوئی شخص محبوب نہ تھا مگر اس کے باوجود

وہ آپ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ اسے ناپسند فرماتے ہیں۔"
بعض اوقات وہ عرصہ بعد آنے والے کسی شخص کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے جیسا کہ نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ عکرمہ کے لیے کھڑے ہوئے اور جب سعد بن معاذ آئے تو آپ نے انصار سے فرمایا کہ
"اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔" [1]

اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس لیے آئے تھے تاکہ بنی قریظہ کا فیصلہ کریں' انہوں نے آپ کے فیصلے کو قبول کرنے کے لیے رضامندی کا اظہار کر دیا تھا۔

لوگوں کو بھی یہی بات زیب دیتی ہے کہ وہ اسی کی اتباع کریں' جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں سلف کا عمل تھا کیونکہ وہ خیر القرون ہیں اور سب سے بہتر کلام اللہ کا کلام ہے اور سب سے بہتر سیرت رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے۔ لہٰذا کوئی شخص خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت سے اعراض کر کے کسی اور طریقے کو اختیار نہ کرے۔ معزز آدمی کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو یہ تلقین کرے کہ وہ اسے جب بھی دیکھیں تو کھڑے نہ ہوا کریں الّا یہ کہ ایسی ملاقات ہو کہ وہ سفر سے واپس آیا ہو۔

سفر سے واپس آنے والے شخص کے استقبال کے لیے کھڑا ہونا اچھی بات ہے اور جب لوگوں کی یہ عادت ہو کہ آنے والے شخص کی کھڑے ہو کر عزت افزائی کی جاتی ہو اور اگر اسے ترک کر دیا جائے تو وہ یہ سمجھے کہ اس سے اس کے حق کو ترک کر دیا گیا ہے یا اس کے مرتبہ کو کم کر دیا گیا ہے اور اسے یہ علم نہ ہو کہ لوگوں کی یہ عادت سنت کے موافق ہے تو زیادہ مناسب بات یہی ہے کہ اس کے لیے کھڑا ہوا جائے کیونکہ یہ آپس کی الفت و محبت کے لیے اور باہمی بغض و نفرت کے ازالہ کے لیے زیادہ موزوں ہے اور اگر کسی کو یہ معلوم ہو کہ لوگوں کی عادت سنت کے موافق ہے تو پھر ترک قیام میں اس کے لیے کوئی تکلیف دہ بات نہ ہو گی اور اس قیام سے مراد وہ قیام نہ ہو گا جس کا نبی ﷺ کے اس فرمان میں ذکر آیا ہے:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»(جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في كراهية قيام الرجل للرجل، ح:٢٧٥٥)

"جس شخص کو یہ بات خوش لگے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں تو اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں سمجھنا چاہیے۔"

کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگ اس کے لیے کھڑے رہیں جب کہ وہ خود بیٹھا ہو' اس سے مراد کسی کی آمد پر کھڑا ہونا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قُمْتُ اِلَیْهِ اور قُمْتُ لَهٗ میں اہل علم نے فرق کیا ہے۔ آنے والے کے لیے جب کوئی شخص کھڑا ہوتا ہے تو وہ دونوں برابر ہو جاتے ہیں لیکن بیٹھے ہوئے کے سامنے کھڑا ہونے کی صورت میں دونوں برابر نہیں ہوتے۔ صحیح مسلم کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے جب اپنی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کھڑے ہو کر پڑھنا چاہی تو آپ نے انہیں بھی بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري' الاستئذان' باب قول النبي صلى الله عليه وسلم (قوموا إلى سيدكم)' حديث : 6262 و صحيح مسلم' الجهاد' باب جواز قتال من نقض العهد --- الخ' حديث : 1768

«لاَ تُعَظِّمُونِي كَمَا يُعَظِّمُ الأَعَاجِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا»(لم أجده بهذا اللفظ، ومعناه موجود في صحيح مسلم، الصلاة، باب ائتمام المأموم بالإمام، ح:٤١٣)

''تم میری اس طرح تعظیم نہ کرو' جس طرح عجمی لوگ آپس میں ایک دوسرے کی تعظیم کرتے ہیں۔''

آپ نے انہیں نماز میں بھی اس وقت کھڑے ہونے سے منع فرما دیا' جب کہ آپ بیٹھے ہوئے تھے تا کہ ان عجمی لوگوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو' جو اپنے بڑوں کے سامنے کھڑے رہتے ہیں' جب کہ وہ خود بیٹھے ہوتے ہیں۔ بہرحال سب سے موزوں بات یہ ہے کہ مقدور بھر کوشش کرتے ہوئے سلف کے اخلاق و عادات کا اتباع کیا جائے' لیکن جو شخص اس کا خیال نہ کرے اور نہ اسے یہ معلوم ہو کہ یہ لوگوں کی عادت ہے اور لوگوں کے بطور احترام کھڑے ہونے کی عادت کی وجہ سے اس کے لیے کھڑے نہ ہونے کی صورت میں مفسدت کا پہلو راجح ہو تو اس صورت میں کم درجہ کے مفسدہ کو اختیار کر کے دونوں میں سے بڑے فساد کو ترک کر دیا جائے جیسا کہ ادنیٰ مصلحت کو ترک کر کے عظیم مصلحت کو اختیار کرنا واجب ہوتا ہے۔

آپ نے جو ذکر فرمایا ہے' اس کی مزید وضاحت حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے اس قصہ سے بھی ہوتی ہے' جو صحیحین میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی اور ان کے دونوں ساتھیوں کی توبہ کو قبول فرما لیا اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے' تو طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور ان کی طرف دوڑ کر آئے اور سلام کہا اور توبہ کی قبولیت کی مبارک باد دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے منع نہیں فرمایا تھا۔ [1] اس سے معلوم ہوا کہ آنے والے کے استقبال' مصافحہ اور سلام کے لیے کھڑے ہونا جائز ہے۔ اسی طرح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ جب اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر جاتے تو وہ کھڑی ہو جاتیں' آپ کے دست مبارک کو پکڑ لیتیں اور آپ کو اپنی جگہ پر بٹھا دیتی تھیں اور جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس آتیں' تو آپ بھی ان کے لیے کھڑے ہوتے' ان کے ہاتھ کو پکڑ لیتے اور انہیں اپنی جگہ بٹھا دیتے تھے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ [2]

ثانیاً: جہاں تک بوسہ دینے کا تعلق ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا جواز ثابت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ زید بن حارثہ مدینہ میں آئے تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما تھے' وہ آئے تو انہوں نے دروازے پر دستک دی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت صرف تہبند باندھا ہوا تھا آپ تہبند کو گھسیٹتے ہوئے اس طرح باہر تشریف لے گئے کہ ایسی حالت میں اس سے پہلے یا بعد کبھی میں نے آپ کو نہیں دیکھا تھا۔۔۔ آپ نے زید کو گلے لگایا اور بوسہ دیا۔ اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا اور حسن قرار دیا ہے۔ [3] یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ باہر سے آنے والے کے استقبال کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بوسہ دیا تو اقرع بن حابس نے کہا کہ میرے تو دس بیٹے ہیں مگر میں نے ان میں سے کسی کو بوسہ نہیں دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ لاَّ يَرْحَمُ لاَ يُرْحَمُ»(صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته، ح:٥٩٩٧

---

[1] صحیح البخاری' المغازی' باب حدیث کعب بن مالک' حدیث: 4418 و صحیح مسلم' التوبة' باب حدیث توبة کعب بن مالک و صاحبیه' حدیث: 2769 [2] جامع الترمذی' المناقب' باب ماجاء فی فضل فاطمة (بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) رضی اللہ عنہا' حدیث: 3872

[3] جامع الترمذی' الاستئذان' باب ماجاء فی المعانقة' حدیث: 2732

وصحیح مسلم، الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبیان والعیال ... الخ، ح:٢٣١٨)

"جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔"

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ شفقت و رحمت کے طور پر بوسہ دینا جائز ہے' جب کہ دلیل سے یہ ثابت ہے کہ عام ملاقات کے وقت بوسہ نہیں دینا چاہیے' بلکہ مصافحہ پر اکتفاء کرنا چاہیے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مصافحہ کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہاں۔ (1)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اہل یمن آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَدْ جَاءَكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ وَهُمْ أَوَّلُ مَنْ جَاءَ بِالْمُصَافَحَةِ»(سنن أبي داود، الأدب، باب في المصافحة، ح:٥٢١٣)

"اہل یمن آئے ہیں اور یہ وہ سب سے پہلے لوگ ہیں' جنہوں نے مصافحہ کو اختیار کیا ہے۔"

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ إِلاَّ غُفِرَ لَهُمَا، قَبْلَ أَنْ يَفْتَرِقَا» (سنن أبي داود، الأدب، باب في المصافحة، ح:٥٢١٢)

"جب بھی دو مسلمان آپس میں ملاقات کرتے ہوئے مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کے الگ ہونے سے پہلے ان کے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔"

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جب ہم میں سے کوئی اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کے لیے جھکے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ عرض کیا گیا اسے چمٹ جائے اور بوسہ دے؟ آپ نے فرمایا نہیں' عرض کیا اس کے ہاتھ کو پکڑ لے اور اس سے مصافحہ کرے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن قرار دیا ہے (2) مگر اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی حنظلہ سدوسی ہے' جو اہل علم کے نزدیک ضعیف ہے۔ ممکن ہے کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو دیگر شواہد کی بنا پر حسن قرار دیا ہو۔ امام احمد' نسائی' ترمذی اور کئی دیگر محدثین نے صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے بھی صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے کہ دو یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان نو روشن نشانیوں (جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی تھیں) کے بارے میں سوال کیا اور آپ نے جب ان کے سوال کا جواب دیا تو انہوں نے آپ کے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ (3) وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

فتویٰ کمیٹی برائے بحوث علمیہ و افتاء

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز	عبدالرزاق عفیفی	عبداللہ بن غدیان
(چیئرمین)	(نائب چیئرمین)	(رکن)

---

(1) صحیح البخاری' الاستئذان' باب المصافحة' حدیث: 6263

(2) جامع الترمذی' الاستئذان' باب ماجاء فی المصافحة' حدیث: 2728

(3) جامع الترمذی' الاستئذان' باب ماجاء فی قبلة الید والرجل' حدیث: 2733

کھڑا نہ ہونا بہتر ہے

سوال آنے والے شخص کے احترام میں کھڑے ہونے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب آنے والے شخص کے احترام میں کھڑا ہونا جائز ہے' بشرطیکہ یہ شخص اکرام و احترام کا مستحق ہو اور اگر مستحق نہ ہو تو پھر اس کے لیے کھڑا ہونا جائز نہیں ہے۔ اگر ہم نے اسے جائز قرار دیا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ کھڑا ہونا یا نہ ہونا برابر ہیں' کھڑا نہ ہونا زیادہ بہتر ہے۔ اور لوگوں کو کھڑے نہ ہونے کی عادت ڈالنا ہی اولیٰ اور افضل ہے کیونکہ نبی ﷺ کے عہد میں یہی طریقہ معروف تھا۔ نبی اکرم ﷺ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لاتے تو وہ کھڑے نہیں ہوتے تھے' کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ اسے ناپسند فرماتے ہیں' لیکن وفد ثقیف جب آیا تو نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال فرمایا تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ موقع و محل کی مناسبت سے کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں اور اگر یہ بلا سبب ہو تو پھر افضل یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے۔ اگر لوگ کھڑا نہ ہونے کی عادت بنالیں تو یہ افضل ہے' لیکن اب جب کہ لوگوں نے کھڑے ہونے کی عادت بنالی ہے اور آنے والے کے لیے لوگ کھڑے نہ ہوں حالانکہ وہ اس بات کا مستحق بھی ہے تو اس کے دل میں یہ خیال آ سکتا ہو کہ لوگوں نے اس کے احترام میں کمی کی ہے' تو پھر کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

آرائش و زیبائش اور اعضاء کی پیوند کاری

بدصورتی کے ازالہ کے لیے بیوٹی کے عمل کا حکم

سوال بیوٹی کے عمل کے اختیار کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے اور بیوٹیشن کے علم کے سیکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب خوبصورتی حاصل کرنے کی دو قسمیں ہیں' ایک تو یہ ہے کہ کسی حادثہ وغیرہ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے کسی عیب کے ازالہ کے لیے خوبصورتی کو حاصل کیا جائے' اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ایک شخص کی جب جنگ میں ناک کٹ گئی تھی تو نبی کریم ﷺ نے اسے سونے کی ناک لگوانے کی اجازت دے دی تھی۔ [1]

دوسری قسم یہ ہے کہ کسی عیب کے ازالے کے لیے نہیں بلکہ محض حسن و جمال میں اضافے کی خاطر اس عمل کو اختیار کیا جائے تو یہ حرام اور ناجائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بال اکھیڑنے والی اور اکھڑوانے والی' بال ملانے والی اور ملوانے والی اور بال گودنے والی اور گدوانے والی پر لعنت فرمائی ہے [2] کیونکہ ان صورتوں میں کسی عیب کا ازالہ نہیں بلکہ

---

[1] سنن ابی داود' الخاتم' باب ماجاء فی ربط الاسنان بالذهب' حدیث: 4232

[2] صحیح البخاری' اللباس' باب وصل الشعر' حدیث: 5933' 5934' 5936' 5937' 5940 و صحیح مسلم' اللباس والزینة باب تحریم فعل الواصلة والمستوصلة' والواشمة ... الخ' حدیث: 2122' 2123' 2124' 2125

حسن و جمال میں اضافہ اور کمال مقصود ہوتا ہے۔

جو شخص میڈیکل کی تعلیم کے دوران میں بیوٹی سرجری کی تعلیم حاصل کرتا ہے' تو اس علم کے حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن وہ حرام صورتوں میں اس عمل کو اختیار نہ کرے بلکہ حرام صورتوں میں اس عمل کے اختیار کرنے والے کو اس سے اجتناب کی نصیحت کرے کیونکہ یہ حرام ہے اور ڈاکٹر کی نصیحت کو لوگ زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مرد کی خوبصورتی کے لیے عمل جراحی

سوال میں اٹھارہ سال کی عمر کا ایک نوجوان ہوں' چار سال پہلے میرے پستان بڑھنا شروع ہو گئے اور ساتھ کچھ درد بھی ہوتا تھا۔ کچھ مدت بعد الحمد للہ درد تو ختم ہو گیا لیکن پستان بدستور بڑھے ہوئے ہیں حتیٰ کہ وہ کپڑوں کے نیچے سے بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ میں نے اس کے بارے میں جب سپیشلسٹ سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ آپریشن کر کے پستانوں کے اس ابھار کو آسانی سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کا آپریشن جائز ہے۔ یاد رہے پستانوں کے اس ابھار کی وجہ سے مجھے دوسروں کے سامنے بہت شرمندگی محسوس ہوتی ہے؟

جواب آپ کے لیے پستانوں کے اس ابھار کو ختم کرنے کے لیے آپریشن کرانا جائز ہے بشرطیکہ ظن غالب یہ ہو کہ یہ آپریشن کامیاب رہے گا اور اس سے کوئی ایسا نقصان نہیں ہو گا جو اس کے فائدہ سے زیادہ ہو یا اس کے برابر ہو۔ و صلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نر کی مادہ اور مادہ کی نر میں تبدیلی

سوال ہم بعض عربی اخبارات میں اس قسم کی خبریں بھی پڑھتے ہیں کہ یورپ میں بعض ڈاکٹر آپریشن کر کے نر کی جنس کو تبدیل کر کے مادہ اور مادہ کو نر بنا دیتے ہیں' کیا یہ بات صحیح ہے؟ کیا یہ اس خالق کے امور و معاملات میں مداخلت نہیں کہ پیدا کرنا اور شکلیں بنانا جس کا خاصہ ہے۔ اسلام کی اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب مخلوق میں سے کسی کو اس بات کی قدرت نہیں ہے کہ وہ نر کو مادہ یا مادہ کو نر میں تبدیل کر سکے۔ اہل یورپ کو بھی اس کی طاقت و قوت نہیں ہے۔ خواہ وہ مادہ اور اس کے خواص کی معرفت کے علم میں کتنا اونچا مقام ہی کیوں نہ حاصل کر لیں۔ کیونکہ اس میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کا تصرف و اختیار ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لِلَّهِ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ يَهَبُ لِمَن يَشَآءُ إِنَٰثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَآءُ ٱلذُّكُورَ ﴿٤٩﴾ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَٰثًا ۖ وَيَجْعَلُ مَن يَشَآءُ عَقِيمًا ۚ إِنَّهُۥ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿٥٠﴾ ﴾

(الشوری ۴۲/ ۴۹۔۵۰)

''آسمانوں اور زمین کی (تمام) بادشاہت اللہ ہی کی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں (دونوں) ملا کر عنایت فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے' بلاشبہ وہ خوب جاننے والا (اور) قدرت والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے شروع میں فرمایا کہ یہ اسی کی ملکیت اور خصوصیت ہے اور پھر آیت کا اختتام اس اختصاص کے اصل کے بیان کرنے پر ہوا اور وہ یہ کہ اس کی ذات گرامی کو کمال علم و قدرت حاصل ہے۔ بسااوقات مولود کا معاملہ مشتبہ ہوتا ہے اور معلوم نہیں ہوتا کہ وہ نر ہے یا مادہ' مثلاً بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ مادہ ہے لیکن حقیقت میں وہ نر ہوتا ہے یا صورت حال اس کے برعکس ہوتی ہے لیکن بلوغت کے وقت اکثر و بیشتر صورتوں میں یہ اشکال زائل ہو جاتا اور حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور اس کے لیے صورت حال کی مناسبت سے ڈاکٹروں کو آپریشن کرنا پڑتا ہے۔ اور کبھی اس آپریشن کی ضرورت پیش ہی نہیں آتی۔ بہرحال ڈاکٹر ان معاملات میں یہ واضح کرتے ہیں کہ مولود کی جنس نر ہے یا مادہ' یہ نہیں کہ وہ آپریشن کے ذریعہ نر کو مادہ اور مادہ کو نر کی جنس میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کام میں کوئی مداخلت نہیں کرتے بلکہ وہ تو صرف لوگوں کے سامنے واضح کرتے ہیں کہ اللہ نے کیا پیدا فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

نئے بال اگانا

سوال امریکہ میں گنج سے ختم ہونے والے بالوں کی جگہ اس طرح نئے بال اگائے جا رہے ہیں کہ سر کے پچھلے حصے کے بال لے کر انہیں متعلقہ جگہ پر سر کے اگلے حصہ میں اگا دیا جاتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب ہاں یہ جائز ہے کیونکہ یہ تو جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اسے ہی واپس لوٹانے کے باب سے ہے' نیز یہ ازالہ عیب کے باب سے ہے' یہ آرائش و زیبائش یا اللہ تعالیٰ نے جو پیدا فرمایا ہے' اس میں اضافہ کے باب سے نہیں ہے۔ لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کی خلق میں تبدیلی نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو نقص و عیب کے ازالہ کے قبیل سے ہے۔ ان تین آدمیوں کے قصہ سے ہمیں جو دلیل ملتی ہے وہ بھی مخفی نہ رہے' جن میں سے ایک گنجا تھا اور اس نے بتایا تھا کہ اس کی خواہش یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بال واپس لوٹا دے تو فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کا گنجا پن جاتا رہا اور اسے خوبصورت بال عطا کر دیے گئے تھے۔ [1]

—— شیخ ابن عثیمین ——

ایک سے دوسرے انسان کی آنکھ میں قرنیہ کی منتقلی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَعْدُ:

کبار علماء کی کونسل نے اپنے تیرھویں اجلاس میں جو شہر طائف میں ماہ شوال ۱۳۹۸ھ کے آخر میں منعقد ہوا اس تحقیق کو ملاحظہ کیا' جسے بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی نے قرنیہ (آنکھ کے سامنے والے شفاف حصے) کی پیوند کاری کے موضوع پر حسب ارشاد جناب چیئرمین برائے ادارہ بحوث علمیہ و افتاء و دعوت و ارشاد (حوالہ نمبر ۲/۴۵۷/۲/۱/د) تیار کیا تھا نیز اس بات کو بھی ملاحظہ کیا' جسے ماہرین امراض چشم ڈاکٹروں نے ذکر کیا تھا کہ حالات و واقعات کے مختلف ہونے کے باعث

---

[1] صحیح البخاری' احادیث الانبیاء باب حدیث أبرص وأعمی و أقرع فی بنی اسرائیل' حدیث: 3464- و صحیح مسلم' الزھد' باب الدنیا سجن للمؤمن و جنة للکافر' حدیث: 2964

اس طرح کے آپریشن ۵۰ سے ۹۵ فی صد کامیاب ہوتے ہیں۔ مطالعہ و تحقیق اور افکار و نظریات کے تبادلہ کے بعد کونسل نے کثرت رائے سے یہ فیصلہ کیا:

اولاً: ایک انسان کی موت کے یقینی ہونے کے بعد اس کی آنکھ کے قرنیہ کو کسی دوسرے مضطر مسلمان کی آنکھ میں لگانا جائز ہے' جب کہ ظن غالب ہو کہ یہ آپریشن کامیاب رہے گا اور میت کے وارث منع نہ کریں۔ یہ جواز اس مشہور فقہی قاعدہ کی بنیاد پر ہے کہ دو مصلحتوں میں سے اعلیٰ کو اختیار کیا جاتا ہے اور دو ضرروں میں سے جو زیادہ خفیف ہو تو اس کا ارتکاب کیا جاتا ہے نیز زندہ انسان کی مصلحت کو مردہ انسان کی مصلحت پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اس آپریشن کے بعد امید ہوتی ہے کہ زندہ انسان بصارت سے محرومی کے بعد دیکھنے لگے گا' نظر کی درستی سے خود بھی فائدہ اٹھائے گا اور امت کو بھی اس سے فائدہ پہنچے گا اور اس سے میت کو کوئی نقصان نہیں جس کی آنکھ کے قرنیہ کو لیا جائے کیونکہ اس کی آنکھ تو مرنے کے بعد ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں ملنے والی ہے۔ اس کی آنکھ کے قرنیہ کے لینے کی صورت میں مثلہ بھی نہیں ہے کیونکہ اس کی آنکھ کو تو بند کر دیا جائے گا اور اوپر کی پلک کو نیچے کی پلک کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

ثانیاً: ایک تندرست قرنیہ کی ایسی آنکھ سے منتقلی بھی جائز ہے' جس کے بارے میں ڈاکٹر نے آنکھ سے نکال دینے کا فیصلہ کیا ہو' جب کہ اس کے باقی رہنے کی صورت میں خطرہ ہو' تو اسے کسی دوسرے مضطر مسلم کو لگانا جائز ہے۔ کیونکہ اسے تو دراصل اس انسان کی صحت کی حفاظت کے لیے اس کی آنکھ سے نکالا گیا تھا۔ اور اب کسی دوسرے انسان کو اس کے منتقل کر دینے کی صورت میں اسے کوئی نقصان نہیں جب کہ دوسرے انسان کو اس سے فائدہ حاصل ہو رہا ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ عین تقاضائے شریعت کے مطابق ہے۔ وباللہ التوفیق و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— کونسل کبار علماء ———

اختلاف دین کی صورت میں خون کی منتقلی

سوال کیا ایک انسان کا دوسرے انسان کو خون دینا جائز ہے' خواہ ان کا دین الگ الگ ہو؟

جواب اگر کوئی شخص اس قدر شدید بیمار اور کمزور ہو جائے کہ اس کی تقویت یا علاج کے لیے خون دینے کے سوا اور کوئی صورت نہ ہو اور طے یہ پائے کہ اس کی جان بچانے کا اب یہی طریقہ ہے اور ماہر اطباء کا ظن غالب یہ ہو کہ اس سے مریض کو فائدہ پہنچے گا تو دوسرے انسان کے خون دینے کے ساتھ علاج میں کوئی حرج نہیں خواہ دونوں کا دین الگ الگ ہو۔ کافر خواہ حربی بھی ہو تو اس کا خون مسلمان کو دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح غیر حربی کافر کو مسلمان کا خون بھی دیا جا سکتا ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کیا کافر کے خون سے استفادہ جائز ہے؟

سوال ایک انسان کے دوسرے کو خون کا عطیہ دینے کے بارے میں کیا حکم ہے' نیز غیر مسلم اگر مسلمان کو خون کا عطیہ دے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

مسلمان کو خون دینا جائز ہے' خون دینے والا خواہ مسلمان ہو یا کافر' کافر خواہ کتابی ہو یا بت پرست بشرطیکہ خون دینے والے کو کوئی نقصان نہ ہو اور لینے والے کو اس کی شدید ضرورت ہو۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مادہ منویہ کا عطیہ

سوال کیا مرد یا عورت کے لیے مادہ منویہ کا عطیہ دینا جائز ہے؟

جواب اس کا عطیہ دینا جائز نہیں کیونکہ اس کے لیے شرم گاہوں کو ہاتھ لگانا پڑے گا' گندی چیزوں کو استعمال کرنا پڑے گا اور نجاست کو چھونا پڑے گا اور پھر اس سے بچے کا پیدا ہونا غیر یقینی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق و متصرف ہے:

﴿ يَهَبُ لِمَن يَشَآءُ إِنَٰثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَآءُ ٱلذُّكُورَ ﴿٤٩﴾ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَٰثًا ۖ وَيَجْعَلُ مَن يَشَآءُ عَقِيمًا ۚ﴾ (الشوری۴۲/ ۴۹۔۵۰)

''جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں (دونوں) ملا کر عنایت فرماتا ہے اوار جس کو چاہتا ہے' بے اولاد رکھتا ہے''

اس طرح کے عطیہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو پیدا فرما دیا ہے اور اسے عطا کر دیا ہے' اس پر راضی رہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

خون کا عطیہ

سوال ایک شخص خون کی کمی میں مبتلا ہے اور ہسپتال نے اس کے لیے خون کا مطالبہ کیا ہے' جب کہ ہمارے ہاں مشہور بات یہ ہے کہ خون نجس ہے تو سوال یہ ہے کیا اس مضطر مریض کے لیے خون کا عطیہ دینے کی رخصت ہے؟

جواب علاج معالجہ کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ ایسی چیزوں کے ساتھ ہو جو شرعاً جائز ہوں لیکن جب مریض کی تقویت یا علاج کے لیے کسی دوسرے کے خون کے سوا اور کوئی چارۂ کار ہی نہ ہو اور مرض یا ضعف سے بچانے کے لیے صرف یہی ایک طریقہ ہو اور ماہر ڈاکٹروں کا ظن غالب یہ ہو کہ اس سے مریض کو فائدہ پہنچے گا تو خون کے ساتھ اس کے علاج کرنے اور بیماری اور ضعف سے اسے نجات دلانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةَ وَٱلدَّمَ وَلَحْمَ ٱلْخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ بِهِۦ لِغَيْرِ ٱللَّهِ ۖ فَمَنِ ٱضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٧٣﴾﴾ (البقرۃ۲/ ۱۷۳)

''اس نے تم پر مرا ہوا (مردار) جانور اور لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی کا نام پکارا جائے حرام کر دیا ہے ہاں جو ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور حد (ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا ٱضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ﴾ (الأنعام٦/ ١١٩)

"جو چیزیں اس نے تمہارے لیے حرام ٹھہرا دی ہیں' وہ ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں (بے شک ان کو نہیں کھانا چاہیے) مگر اس صورت میں کہ ان کے کھانے کے لیے ناچار ہو جاؤ۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

جسم میں کسی کافر کے عضو کی پیوند کاری

سوال اس مسلمان کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے بیرون ملک آپریشن کروایا تو اس کے پیٹ کے ایک ماؤف عضو کی بجائے ایک دوسرا عضو لگا دیا گیا جو کسی غیر مسلم کا عطیہ تھا؟

جواب ان شاء اللہ اس میں کوئی حرج نہیں' خواہ یہ کسی غیر مسلم ہی کا عضو کیوں نہ ہو کیونکہ انسان کو اس کی عقل اور روح کے ساتھ مکلف قرار دیا گیا ہے۔ باقی رہے انسانی اعضاء تو وہ قیامت کے دن ان کے مالکان کی طرف لوٹا دیے جائیں گے اور وہ ثواب یا عذاب کو پالیں گے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

گردے کا عطیہ

سوال میری ایک سہیلی ہے' جس نے برضا و رغبت اپنے بھائی کو گردے کا عطیہ دیا کیونکہ اس کے بھائی کے گردے ناکارہ ہو گئے تھے مگر کہا گیا ہے کہ یہ عطیہ حرام ہے کیونکہ انسان کے پاس اس کا نفس امانت ہے اور اس امانت کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا؟

جواب بوقت حاجت و ضرورت گردے کا عطیہ دینے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ماہر اطباء کی رائے میں گردہ نکالنے کی صورت میں عطیہ دینے والے کے لیے کوئی خطرہ نہ ہو اور جس کے لیے نکالا گیا ہو' اس کے لیے یہ کارآمد ہو۔ عطیہ دینے والی اس بہن کو ان شاء اللہ اجر و ثواب ملے گا کیونکہ یہ ایک انسانی جان کو لاحق ضرر اور خطرے سے بچانے کے لیے مدد اور احسان ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَحْسِنُوٓا۟ ۛ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٩٥﴾ ﴾ (البقرة٢/ ١٩٥)

"اور نیکی کرو' بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

اور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

«وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ» (صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن، وعلى الذكر، ح:٢٦٩٩)

"اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد میں ہوتا ہے' جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

داڑھی کے بارے میں فتوے

داڑھی کو منڈوانا' کچھ حصہ منڈوانا' چھوٹا کرنا' مذاق اڑانا' کالا رنگ کرنا اور مونچھوں کا بڑھانا اور کٹانا

داڑھی کے شرعی حدود

سوال امید ہے آپ داڑھی کے منڈوانے یا قطع و برید کرنے کے بارے میں وضاحت فرمائیں گے نیز یہ فرمائیں کہ داڑھی کے شرعی حدود کیا ہیں؟

جواب داڑھی منڈانا حرام ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَعْفُوا اللِّحٰى وَحُفُّوا الشَّوَارِبَ» (مسند أحمد: ٢/ ٥٢)

"داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ۔"

اور پھر یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے طریقے سے ہٹ کر مجوسیوں اور مشرکوں کے طریقے کو اختیار کرنا ہے اور داڑھی کی حد جیسا کہ اہل لغت نے ذکر کیا ہے چہرے' دونوں جبڑوں اور دونوں رخساروں کے بالوں تک ہے۔ یعنی دونوں رخساروں' دونوں جبڑوں اور ٹھوڑی پر جو بال ہیں وہ سب داڑھی میں شامل ہیں' ان سب میں قطع و برید معصیت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلہ میں جو الفاظ ارشاد فرمائے ہیں' وہ یہ ہیں:

«أَعْفُوا اللِّحٰى»(صحيح البخاري، اللباس، ح:٥٨٩٣ وصحيح مسلم، الطهارة، ح:٢٥٩ ومسند أحمد: ٢/ ٥٢) «وَأَرْخُوا اللِّحٰى . . . »(صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٦٠)

«وَوَفِّرُوا اللِّحٰى . . . »(صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، ح:٥٨٩٢)

«وَأَوْفُوا اللِّحٰى . . . »(صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٥٩)

اور ان سب الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ داڑھی میں قطعاً کوئی قطع و برید نہ کی جائے لیکن گناہوں اور معصیتوں کے درجات چونکہ مختلف ہوتے ہیں' اس لیے قطع و برید کی نسبت داڑھی منڈوانا' بہرحال بڑا گناہ ہے کیونکہ قطع و برید کرنے کی نسبت اس میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت زیادہ اور واضح ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

داڑھی منڈوانا

سوال داڑھی منڈوانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَعْفُوا اللِّحٰى وَحُفُّوا الشَّوَارِبَ» (مسند أحمد: ٢/ ٥٢)

"مونچھیں کٹواؤ اور داڑھی بڑھاؤ۔"

اور آپ نے مونچھیں کٹوانے اور داڑھی بڑھانے کو ان دس امور میں سے شمار کیا ہے' جن کا تعلق فطرت سے ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کی داڑھی مبارک بھی گھنی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:

﴿ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِيٓ ﴾ (طٰہٰ ۲۰/ ۹۴)

"بھائی! میری داڑھی اور سر (کے بالوں) کو نہ پکڑیئے۔"

داڑھی سے مراد وہ بال ہیں' جو دونوں جبڑوں اور ٹھوڑی پر اگتے ہیں۔ دونوں جبڑوں سے مراد نیچے کے دانتوں کے اگنے کی جگہ ہے اور ٹھوڑی اس جگہ کو کہتے ہیں' جہاں دونوں جبڑے مل جاتے ہیں۔ تو داڑھی کے بارے میں جب یہ صحیح احکام موجود ہیں' تو ہر مسلمان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اور اطاعت اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ احکام کی پیروی کی جائے۔ جو شخص داڑھی کو منڈواتا ہے تو نبی ﷺ کے ان ارشادات أَعْفُوا اللِّحٰى' أَوْفُوا اللِّحٰى' وَفِّرُوا اللِّحٰى اور أَرْخُوا اللِّحٰى جن میں داڑھی کے بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے' کی مخالفت کرتا ہے۔ داڑھی منڈوانے یا کٹوانے والے کی اطاعت رسول ﷺ میں خلل ہے اور وہ معصیت میں مبتلا ہے لہٰذا اسے توبہ اور ندامت کا اظہار کرنا چاہیے اور جو شخص توبہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

آپ داڑھی بڑھائے رکھیں' وہ گناہ گار ہیں

سوال الحمد للہ! میں نے داڑھی رکھی ہوئی ہے لیکن میرے رشتہ داروں یا جاننے والوں میں سے جو شخص بھی مجھ سے ملتا ہے' میری داڑھی کا مذاق اڑاتا ہے اور کہتا ہے کہ داڑھی چھوٹی کروا لو جب کہ میں نے مصمم ارادہ کر رکھا ہے کہ میں پوری داڑھی رکھوں گا۔ کیا داڑھی کٹوانا جائز ہے یا میں اپنی داڑھی پوری ہی رہنے دوں اور ان کی باتوں کو دیوار پر دے ماروں؟

جواب آپ کے لیے یہی واجب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے اور آپ کے حکم کو تسلیم کرتے ہوئے داڑھی پوری رکھیں۔ باقی رہی لوگوں کی باتیں تو انہیں دیوار پر دے ماریں۔ ان کی ان باتوں کی تردید کریں اور انہیں اللہ تعالیٰ کا خوف یاد دلائیں۔ ان لوگوں کے لیے اس طرح کی باتیں کرنا جائز نہیں ہے' بلکہ ان کا یہ کام در حقیقت شیطان کی نیابت ہے۔ کیونکہ اس طرح یہ لوگ شیطان کے نائب ہیں' جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا ہے:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَوَفِّرُوا اللِّحٰى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، ح:٥٨٩٢ وصحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٥٩)

"مشرکین کی مخالفت کرو' داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللِّحَى خَالِفُوا الْمَجُوسَ»(صحیح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح: ٢٦٠)

"مونچھیں منڈاؤ' داڑھی بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«وَوَفِّرُوا اللِّحَى . . . »(صحیح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، ح: ٥٨٩٢)

"داڑھی پوری رکھو۔"

لہٰذا واجب یہ ہے کہ داڑھی کو چھوڑ دیا جائے' اسے بڑھایا جائے اور اسے پورا پورا رکھا جائے اور ان فاسقوں کی بات نہ مانی جائے' جو اس کے کٹانے یا منڈوانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ ان کی یہ بات اس حدیث کی مصداق ہے' جس میں یہ ہے کہ آخری زمانے میں کچھ ایسے شیطان آئیں گے' جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور محرمات کے ارتکاب کی دعوت دیں گے۔ اسی طرح حدیث حذیفہ میں ہے کہ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شر کے بارے میں پوچھا جو بعد میں واقع ہو گا تو آپ نے فرمایا کہ "ہاں یہ شر بعد میں امت کے آخری دور میں واقع ہو گا اور پھر اس دور میں جہنم کے دروازوں پر داعی ہوں گے' جس نے ان کی بات کو قبول کیا تو اسے وہ جہنم رسید کر دیں گے۔" میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے لیے ان کی کوئی علامت بیان فرما دیں تو آپ نے فرمایا: "وہ لوگ ہمیں میں سے ہوں گے اور ہماری ہی زبان بولتے ہوں گے۔" [1]

اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ یہ اور اس طرح کے دیگر لوگ انہی میں سے ہیں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا ہے۔ یہ لوگ جہنم کے داعی ہیں۔ کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان کی بات کو قبول کرے یا ان کی طرف مائل ہو بلکہ اسے چاہیے کہ ان کی مخالفت اور نافرمانی کرے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری کو اختیار کرے۔ واللہ المستعان۔

—— شیخ ابن باز ——

داڑھی منڈوانا' مذاق اڑانا اور اس کا انکار کرنا

سوال داڑھی رکھنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے لیکن بہت سے لوگ ہیں جو داڑھی منڈاتے ہیں' بعض داڑھی کے بال اکھاڑ دیتے ہیں' کچھ لوگ داڑھی کے بال کٹوا دیتے ہیں' بعض اس کا انکار کرتے ہیں' کچھ یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسی سنت ہے کہ عمل کرنے والے کو ثواب ملے گا لیکن عمل نہ کرنے والے کو کوئی گناہ نہیں ہو گا۔ بعض بیوقوف یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ اگر داڑھی میں کوئی خیر و بھلائی ہوتی تو زیر ناف بال نہ اگتے --اللہ تعالیٰ ان کا برا کرے-- ان مختلف نظریات رکھنے والوں میں سے ہر ایک کے بارے میں کیا حکم ہے اور جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کا انکار کرے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

---

[1] صحیح البخاری' المناقب' باب علامات النبوة فی الاسلام' حدیث: 3606 و صحیح مسلم' الامارة' باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین عند ظهور الفتن' حدیث: 1847

جواب نبی اکرم ﷺ کی سنت صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ داڑھی رکھنا' اسے چھوڑ دینا اور پورا پورا رکھنا واجب ہے اور اسے منڈوانا یا کٹوانا حرام ہے' جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَوَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، ح:٥٨٩٢ وصحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٥٩)

"مشرکین کی مخالفت کرو' داڑھی بڑھاؤ' مونچھیں کٹواؤ۔"

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللِّحَى خَالِفُوا الْمَجُوسَ»(صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٦٠)

"مونچھیں کٹواؤ' داڑھی بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔"

یہ دونوں اور ان کے ہم معنی دیگر تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ داڑھی رکھنا اور اسے بڑھانا واجب ہے' اور اسے منڈوانا یا کٹوانا حرام ہے۔ لہٰذا جو شخص یہ گمان کرے کہ یہ ایک ایسی سنت ہے کہ عمل کرنے والے کو تو ثواب ملے گا لیکن عمل نہ کرنے والے کو کوئی گناہ نہیں ہو گا تو اس کی یہ بات غلط اور صحیح احادیث کے مخالف ہے' کیونکہ اصول یہ ہے کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور نہی تحریم کے لیے' لہٰذا کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ ان احادیث صحیحہ سے ثابت ہونے والے اس ظاہر حکم کی مخالفت کرے الا یہ کہ اس کے پاس کوئی ایسی دلیل ہو جس کی بنیاد پر ان احادیث کے ظاہر کے خلاف کہا جا سکے' لیکن یہاں کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے' جو ان احادیث کو ان کے ظاہر سے ہٹا دے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی داڑھی مبارک کو طول و عرض سے چھوٹا کر لیا کرتے تھے تو یہ ایک باطل حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی پر کذب کا الزام ہے۔

جو شخص داڑھی کا مذاق اڑائے اور اسے زیر ناف بالوں سے تشبیہ دے تو وہ ایک ایسے عظیم منکر کا ارتکاب کرتا ہے جو اسے دائرۂ اسلام سے خارج اور مرتد قرار دے دیتا ہے۔ اس لیے کہ کسی بھی ایسی چیز کا مذاق اڑانا جو کتاب اللہ سے یا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہو' کفر اور ارتداد شمار ہوتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ أَبِاللَّهِ وَءَايَٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا۟ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ ﴾ (التوبة٩/ ٦٥-٦٦)

"کہو کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے؟ بہانے مت بناؤ' تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔"

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں' تمہیں اور تمام مسلمانوں کو ہدایت و توفیق عطا فرمائے اور گمراہ کن فتنوں سے محفوظ رکھے۔ وصلی اللہ وسلم علی عبدہ و رسولہ محمد و آلہ و صحبہ

—— فتویٰ کمیٹی ——

کیا داڑھی منڈوانا بھی اللہ کی تخلیق کو بدل دینا ہے؟

سوال کیا داڑھی منڈانا بھی ﴿ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ﴾ (النساء: ۱۱۹/۴) میں داخل ہے؟

جواب ہاں! اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں جو یہ ذکر فرمایا ہے کہ شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا' تو اس کے عموم میں داڑھی منڈوانا بھی داخل ہے کیونکہ اسے منڈوانا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو تبدیل کرنا ہے اور نبی ﷺ نے حکم دیا ہے کہ داڑھی کو بڑھایا او مونچھوں کو کٹوایا جائے۔ و صلی اللّٰه علی نبینا محمد و آله و صحبه وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

داڑھی منڈوانا قابل تعزیر جرم ہے

سوال کیا اللہ سبحانہ عزوجل داڑھی منڈوانے والے کو رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مخالفت کی وجہ سے پکڑے گا اور سزا دے گا کیونکہ آپ نے فرمایا ہے:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَوَفِّرُوا اللِّحٰى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»

"مشرکوں کی مخالفت کرو اور داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ۔"

کیا داڑھی ایک مسلمان کے ایمان کامل کیلئے شرط ہے کہ منڈوانے والے کا اللہ تعالیٰ مؤاخذہ کرے گا اور اسے سزا دے گا؟

جواب داڑھی منڈوانا حرام ہے اور وجوبِ کمال ایمان کے منافی ہے۔ اس کا منڈوانے والا دنیا میں تعزیز کا اور آخرت میں عذاب کا مستحق ہے۔ الا یہ کہ وہ اپنی موت سے پہلے پہلے توبہ کر لے۔ اگر کوئی سچی پکی توبہ کرے اور داڑھی کو رکھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالے گا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾ ﴾ (طٰہٰ ۲۰/ ۸۲)

"اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر سیدھے راستے پر چلے' تو بلاشبہ اس کو میں بخش دینے والا ہوں۔"

اور اگر کوئی شخص داڑھی منڈانے پر اصرار کرے حتی کہ فوت ہو جائے تو وہ مستحق عذاب ہے اور اگر حالت ایمان میں فوت ہوا ہو تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد ہے۔ کہ وہ چاہے تو اسے معاف کر دے اور چاہے تو اسے سزا دے۔ قبل ازیں کمیٹی کی طرف سے دلائل کے ساتھ مفصل فتویٰ صادر ہو چکا ہے کہ داڑھی منڈانا حرام ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

دونوں رخساروں کے بالوں کو مونڈنا

سوال داڑھی منڈوانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ دونوں رخساروں کے بالوں کے مونڈنے کے بارے میں کیا حکم ہے نیز داڑھی اور مونچھوں دونوں کے چھوڑ دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب داڑھی منڈوانا جائز نہیں ہے کیونکہ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَوَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، ح:٥٨٩٢ وصحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٥٩)

"مشرکین کی مخالفت کرو' داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ۔"

نیز نبی ﷺ نے فرمایا:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللِّحَى خَالِفُوا الْمَجُوسَ»(صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٦٠)

"مونچھیں کٹواؤ' داڑھی بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔"

داڑھی ان بالوں کا نام ہے' جو دونوں رخساروں اور ٹھوڑی پر اگیں جیسا کہ صاحب "قاموس" نے اس کی وضاحت کی ہے' لہٰذا واجب یہ ہے کہ رخساروں اور ٹھوڑی پر اگنے والے بالوں کو چھوڑ دیا جائے اور انہیں مونڈا یا کاٹا نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کے حالات کی اصلاح فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

داڑھی کا مذاق اڑانا بہت بڑا جرم ہے

سوال ایسے شخص کے پیچھے نماز ادا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے جو نہ صرف خود داڑھی منڈواتا ہو بلکہ داڑھی کا مذاق بھی اڑاتا ہو اور داڑھی رکھنے والوں کو منڈوا دینے کا حکم بھی دیتا ہو؟

جواب الحمد لله وحده والصلوٰة والسلام علی رسوله و آله و صحبه ..... وبعد: جس شخص نے داڑھی رکھی ہو تو اس کا مذاق اڑانا جائز نہیں ہے کیونکہ اس نے تو اسے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی اطاعت بجالاتے ہوئے رکھا ہے' لہٰذا جو شخص اس کا مذاق اڑائے اس کو نصیحت کی جائے' سمجھایا جائے' اور بتایا جائے کہ داڑھی رکھنے والے کا مذاق اڑانا ایک بہت بڑا جرم ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کے دائرۂ اسلام سے خارج اور مرتد ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ أَبِٱللَّهِ وَءَايَٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا۟ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ ﴾

(التوبة٩/ ٦٥ـ٦٦)

"کہہ دیجئے کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے' بہانے مت بناؤ' تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔" و باللّٰہ التوفیق و صلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبه وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

داڑھی چھوٹی کرانا

سوال داڑھی کٹوانے یا چھوٹی کروانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب داڑھی منڈوانا یا کٹوانا یا اطراف سے ہلکا کروانا حرام ہے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللِّحى»(مسند أحمد: ٢/ ٢٢٩)

"مونچھیں کٹواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔"

داڑھی ان بالوں کا نام ہے جو دونوں جبڑوں اور ٹھوڑی پر اگتے ہیں۔ ٹھوڑی کے نیچے یا دونوں رخساروں کی ابھری ہوئی جگہ کے بال داڑھی میں شامل نہیں ہیں۔

—— شیخ ابن جبرین ——

داڑھی کو کالے رنگ سے رنگنا

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو داڑھی کو شدید کالے رنگ سے رنگ لیتا ہے؟ کیا ایسا کرنے والا گناہ گار ہوگا یا نہیں؟ داڑھی منڈوانے اور اسے کالا کرنے میں کیا فرق ہے؟

جواب سر اور داڑھی کے سفید بالوں کو مہندی اور وسمہ سے رنگنا تو جائز ہے لیکن کالے رنگ سے رنگنا جائز نہیں ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن حضرت ابو قحافہ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو ان کا سر ثغامہ بوٹی کے پھولوں کی طرح سفید تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اذْهَبُوا بِهِ إِلَى بَعْضِ نِسَائِهِ، فَلْتُغَيِّرْهُ وَجَنِّبُوهُ السَّوَادَ»(صحيح مسلم، اللباس، باب استحباب خضاب الشيب بصفرة ... الخ، ح: ٢١٠٢ ومسند أحمد: ٣/ ٣٣٨ وسنن ابن ماجه، اللباس، باب الخضاب بالسواد، ح: ٣٦٢٤ واللفظ له)

"انہیں ان کی عورتوں میں سے کسی کے پاس لے جاؤ جو ان کے بالوں کو کسی چیز سے رنگ دے لیکن کالے رنگ سے اجتناب کرنا۔"

مسند احمد ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ أَقْرَرْتَ الشَّيْخَ فِي بَيْتِهِ لَأَتَيْنَاهُ» (مسند أحمد: ٣/ ١٦٠)

"اگر تم اس بزرگ کو اس کے گھر ہی میں رہنے دیتے تو ہم خود اس کے پاس جاتے۔"

آپ نے یہ بات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی کے لیے فرمائی۔ ابو قحافہ رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو ان کی داڑھی اور سر ثغامہ بوٹی کے پھولوں کی طرح سفید تھے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«غَيِّرُوهُمَا وَجَنِّبُوهُ السَّوَادَ»(مسند أحمد: ٣/ ١٦٠)

"ان بالوں کے رنگ کو تبدیل کر دو مگر کالے رنگ سے اجتناب کرنا۔"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«إِنَّ أَحْسَنَ مَا غَيَّرْتُمْ بِهِ الشَّيْبَ الْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ»(سنن أبي داود، الترجل، باب في الخضاب، ح: ٤٢٠٥ وجامع الترمذي، ح: ١٧٥٣ وسنن النسائي، ح: ٥٠٨١ وسنن ابن ماجه، ح: ٣٦٢٢ ومسند أحمد: ٥/ ١٤٧، ١٥٠ واللفظ للنسائي وابن ماجه)

"سب سے احسن چیز جس سے تم سفید بالوں کو رنگتے ہو' وہ مہندی اور وسمہ ہے۔"

جہاں تک داڑھی کے منڈوانے اور اسے سیاہ خضاب سے رنگنے کا حکم ہے تو یہ دونوں باتیں ہی ممنوع ہیں' تاہم سیاہ خضاب کی نسبت داڑھی منڈوانے کی ممانعت زیادہ شدید ہے۔ واللہ الموفق۔ وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

داڑھی کو کالے رنگ سے رنگنا جائز نہیں ہے

سوال داڑھی کو کالے رنگ سے رنگنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور جو شخص ایسا کرے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب داڑھی یا سر کے سفید بالوں کو سیاہ رنگ سے رنگنا جائز نہیں ہے' کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ سیاہ رنگ کے علاوہ دیگر رنگوں مثلاً سرخ اور زرد وغیرہ سے رنگنا جائز ہے۔ مہندی اور وسمہ ملا کر لگانا بھی جائز ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا:

«غَيِّرُوا هٰذَا بِشَيْءٍ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ»(صحيح مسلم، اللباس، باب استحباب خضاب الشيب بصفرة ... الخ، ح:٢١٠٢ وسنن أبي داود، ح:٤٢٠٤ وسنن ابن ماجه، ح:٣٦٢٤ وسنن النسائي، ح:٥٠٧٩)

"ان کے سفید بالوں کو رنگ دو مگر سیاہ رنگ سے انہیں بچانا۔"

نیز نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى لاَ يَصْبَغُونَ، فَخَالِفُوهُمْ»(صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب في مخالفة اليهود في الصبغ، ح:٢١٠٣)

"یہودی اور عیسائی اپنے بالوں کو نہیں رنگتے لہٰذا تم ان کی مخالفت کرو۔"

——— شیخ ابن باز ———

داڑھی کو کالے رنگ سے رنگنا

سوال داڑھی کو ایسے کالے رنگ کے ساتھ رنگنے کے بارے میں کیا حکم ہے' جو سفید بالوں کے رنگ کو سیاہ رنگ میں تبدیل کر دے؟

جواب مختار اور راجح قول یہ ہے کہ سفید بالوں کو کالے رنگ سے رنگنا حرام ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«غَيِّرُوا هٰذَا بِشَيْءٍ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ»(صحيح مسلم، اللباس، باب استحباب خضاب الشيب بصفرة ... الخ، ح:٢١٠٢ وسنن أبي داود، ح:٤٢٠٤ وسنن ابن ماجه، ح:٣٦٢٤ وسنن النسائي، ح:٥٠٧٩)

"ان کے سیاہ بالوں کو رنگ دو مگر انہیں کالے رنگ سے بچانا۔"

نیز نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَكُونُ قَوْمٌ يَخْضِبُونَ فِي آخِرِ الزَّمَانِ بِالسَّوَادِ كَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ لاَ يَرِيحُونَ رَائِحَةَ

الْجَنَّةِ»(سنن أبي داود، الترجل، باب ما جاء في خضاب السواد، ح:٤٢١٢)

"آخری زمانے میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اپنی داڑھیوں کو اس طرح رنگیں گے گویا وہ کبوتر کے پوٹے ہوں' یہ لوگ جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکیں گے۔"

آج کل چھوٹے بڑے بہت سے لوگ جو کالا رنگ استعمال کر رہے ہیں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ حق اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

مونچھیں منڈوانا

سوال امید ہے کہ آپ ایسی احادیث ذکر فرمائیں گے' جن میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہو کہ جس نے داڑھی منڈوائی تو وہ فاسق ہے؟ کیا مونچھوں کو منڈانا جائز ہے؟

جواب داڑھی منڈانا حرام ہے اور منڈوانے والا فاسق کیونکہ وہ ان احادیث کی مخالفت کرتا ہے' جن میں داڑھی کے بڑھانے اور پورا رکھنے کے بارے میں حکم ہے۔ قبل ازیں بھی فتویٰ کمیٹی برائے بحوث علمیہ و افتاء کو اسی طرح کا ایک سوال موصول ہوا تھا اور اس کا کمیٹی نے حسب ذیل فتویٰ دیا تھا:

داڑھی منڈوانا حرام ہے کیونکہ امام بخاری' مسلم' احمد اور دیگر محدثین نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَوَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، ح:٥٨٩٢)

"مشرکوں کی مخالفت کرو' داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ، وَأَرْخُوا اللِّحَى، خَالِفُوا الْمَجُوسَ»(صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٦٠)

"مونچھیں کٹواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔"

داڑھی منڈوانے پر اصرار کرنا کبیرہ گناہ ہے لہذا منڈوانے والے کو نصیحت کی جائے اور اس کے داڑھی منڈوانے کا انکار کیا جائے۔ اگر دینی قیادت میں سے کوئی شخص ایسا کرتا ہو تو اسے اور بھی زیادہ تاکید کے ساتھ سمجھانا چاہیے۔ ہماری معلومات کی حد تک رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی صحابی سے مونچھیں منڈوانا ثابت نہیں ہے۔ ان سے جو ثابت ہے وہ یہ ہے کہ انہیں کٹوا دیا اور چھوٹا کروا دیا جائے۔ فتویٰ کمیٹی برائے بحوث علمیہ و افتاء کی طرف سے اس مسئلہ میں بھی ایک فتویٰ جاری ہو چکا ہے' جس کا نمبر ۱۹۵۴ ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

داڑھی اور مونچھیں منڈوانے والے کے بارے میں تنبیہ

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی طرف سے جناب برادر مکرم ایڈیٹر اخبار "عرب نیوز" کے نام .... وفقه الله۔

السلام علیکم و رحمة الله و بركاته امابعد:

آپ کے اخبار کے مورخہ ۲۴/۲/۱۹۸۴ء بروز جمعۃ المبارک کے شمارے کے ص ۷ پر جو کہ دینی احکام و مسائل کے لیے مخصوص ہے' میں نے درج سوال کے جواب کے ترجمہ کو ملاحظہ کیا۔ یہ سوال س۔ رخان ص ب ۱۲۵۱۷ جدہ کی طرف سے اس طرح تھا کہ داڑھی اور مونچھوں کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟ کیا داڑھی منڈوانے والے کے لیے بعد از وفات کسی معین سزا کا ذکر موجود ہے؟ کیا داڑھی منڈوانے والا اپنی عبادت اور زندگی میں بجا لانے والے اپنے دیگر اعمال صالحہ کے ثواب سے محروم ہو جاتا ہے؟

میں نے محسوس کیا ہے کہ اخبار میں چھپنے والا جواب ناکافی ہے اور وہ مطلوب کو پورا نہیں کرتا لہٰذا صحیح جواب یہ ہے کہ داڑھی کے بڑھانے اور مونچھوں کے کٹوانے کو شارع ﷺ نے فرض قرار دیا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَوَفِّرُوا اللِّحٰى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، ح:٥٨٩٢ وصحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٥٩)

"مشرکین کی مخالفت کرو' داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ۔"

امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ، وَأَرْخُوا اللِّحٰى، خَالِفُوا الْمَجُوسَ»(صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٦٠)

"مونچھیں کٹواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔"

یہ دونوں صحیح ہیں اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ واجب یہ ہے کہ داڑھی کو بڑھایا جائے اور اسے کٹوایا یا منڈوایا نہ جائے جیسا کہ ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مونچھوں کو کٹوانا واجب ہے۔ اس سلسلہ میں اگرچہ کسی معین سزا کا ذکر نہیں ہے لیکن مسلمان کے لیے واجب ہے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کی اطاعت بجا لائے اور جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرما دیا ہو اس سے اجتناب کرے' خواہ اس کے بارے میں کسی معین سزا کا ذکر نہ بھی ہو۔ مسلمان حکمران کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اوامر و نواہی کی مخالفت کرنے والوں کو اپنی صواب دید کے مطابق تعزیری سزائیں دے' یعنی ایسی سزائیں جو حدود کی سزاؤں سے کم ہوں تاکہ لوگ محرمات کے ارتکاب اور حدود الٰہی سے تجاوز کرنے سے باز آ جائیں۔ ثابت ہے کہ خلیفۂ راشد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ يَزَعُ بِالسُّلْطَانِ مَا لاَ يَزَعُ بِالْقُرْآنِ»(منتخب كنز العمال على مسند أحمد:٢/ ١٣٤ عن عمر ابن الخطاب رضي الله عنه)

"بے شک اللہ تعالیٰ بادشاہ کے ساتھ ایسی چیزوں سے روک دیتا ہے' جن سے قرآن کے ساتھ نہیں روکتا۔"

جو شخص اس حالت میں مر جائے' اس کا معاملہ دیگر تمام گناہوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے' اگر وہ چاہے تو معاف کر دے اور اگر چاہے تو وہ سزا دے' جس کا ارتکاب معاصی کی وجہ سے وہ مستحق ہو۔ بہرحال انہی معاصی اور گناہ کے کاموں میں سے داڑھی منڈوانا اور مونچھیں بڑھانا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِۦ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ ﴾ (النساء٤/١١٦)

"اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے۔"

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ شرک کے سوا دیگر تمام گناہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہیں' اہل سنت والجماعت کا یہی قول ہے۔ البتہ خوارج' معتزلہ اور ان کے ہم نوا کئی دیگر اہل بدعت کا قول اس کے خلاف ہے۔ بہرحال اس سے یہ معلوم ہوا کہ داڑھیاں منڈوانے' مونچھیں بڑھانے اور شرک کے سوا دیگر گناہوں کا ارتکاب کرنے سے نہ تو اعمال صالحہ رائیگاں جاتے ہیں اور نہ ان کا ثواب باطل قرار پاتا ہے کیونکہ اعمال تو صرف شرک اور کفر اکبر ہی کے ساتھ رائیگاں ہو جاتے ہیں۔ گناہوں کے ساتھ نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَوْ أَشْرَكُوا۟ لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٨٨﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ٨٨)

"اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو وہ عمل کرتے ہیں سب ضائع ہو جائے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ أُوحِىَ إِلَيْكَ وَإِلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٦٥﴾ ﴾ (الزمر٣٩/ ٦٥)

"اور (اے محمد!) تمہاری طرف اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں' یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل برباد ہو جائیں گے اور تم زیاں کاروں میں ہو جاؤ گے۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت و توفیق سے نوازے۔
وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

—— شیخ ابن باز ——

دعوت اس طرح نہیں دی جاتی

اَلْحَمْدُ لله وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ وَآلِهِ وصَحْبِهِ وَبَعْدُ:

اخبار "السیاسۃ" کے شمارہ ٦٦٨ مورخہ ١٩/ ٨/ ١٤٠٤ھ میں حمد سعیدان کا ایک مقالہ طبع ہوا ہے' جسے میں نے ملاحظہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت فرمائے' اپنے اس مقالہ میں انہوں نے داڑھی منڈوانے کے بارے میں دیدہ دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے میری طرف ایک ایسی غلط بات منسوب کی ہے جو میں نے نہیں کی مثلاً انہوں نے میرے بارے میں ذکر کیا ہے کہ میں نے یہ کہا ہے کہ میرے نام سے جو فتویٰ بھی صادر ہو تو واجب ہے کہ اس پر مہر تو میری لگی ہو مگر وزارت اوقاف سے بھی اس کی تصدیق کروالی جائے حالانکہ یہ بات قطعی طور پر باطل ہے کیونکہ میں نے کسی دن بھی اپنے فتاویٰ کی

وزارت اوقاف کی طرف سے تصدیق کی شرط عائد نہیں کی۔ پھر اس مقالہ نگار نے داڑھی منڈانے اور دیگر مسائل کے بارے میں بھی بہت بے جا کلام کیا ہے۔ اور گمان کیا ہے کہ نبی ﷺ کے اس فرمان:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَوَفِّرُوا اللِّحٰی وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، ح: ٥٨٩٢)

''مشرکوں کی مخالفت کرو' داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ۔''

کا عصر حاضر میں تقاضا یہ ہے کہ ہم داڑھیاں منڈوائیں کیونکہ مجوسی' مشرک' یہودی' سکھ اور کئی دیگر غیر مسلم اس دور میں داڑھیاں رکھ رہے ہیں لہٰذا ہمارے لیے واجب ہے کہ ان غیر مسلم لوگوں کی مخالفت کریں اور اپنی داڑھیاں منڈوا دیں' جیسا کہ علماء ازہر نے اس حدیث پر عمل کیا اور مشرکوں وغیرہ کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی داڑھیوں کو منڈوا دیا ہے۔ اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ اس مضمون نگار کی طرف سے یہ بہت دیدہ دلیری اور سنت رسول ﷺ کی توہین ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان واضح اور آپ کا امر واجب الاطاعت ہے۔ آپ کے فرمان کی مخالفت کرنے والا آخرت میں بدترین انجام سے دوچار ہو گا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلْيَحْذَرِ ٱلَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِۦٓ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ ﴾ (النور ٢٤/ ٦٣)

''جو لوگ آپ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں' ان کو اس (بات) سے ڈرنا چاہیے کہ انہیں (دنیا میں) کوئی آزمائش پہنچے یا انہیں (آخرت میں) دردناک عذاب پہنچے۔''

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بالکل واضح ہے کہ داڑھی کو بڑھایا جائے' اس کے مطابق قیامت تک عمل کرنا واجب ہے خواہ کافر داڑھیاں رکھیں یا منڈوا دیں۔ اگر وہ داڑھی رکھنے یا کسی دوسری چیز میں ہماری موافقت کرتے ہیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اپنی شریعت کی مخالفت شروع کر دیں جیسا کہ ان سب کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں' ہمیں ان کا دائرۂ اسلام میں داخل ہونا بہت محبوب ہے' ہمیں اس بات کا حکم بھی ہے کہ ہم انہیں اس بات کی دعوت دیں اور اگر یہ لوگ اسلام قبول کر کے دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں' تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کی مخالفت کی وجہ سے ہم دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائیں بلکہ ہم پر یہی واجب ہے کہ ہم انہیں اللہ کے دین کی دعوت دیتے رہیں اور ان امور میں ان کی مشابہت اختیار نہ کریں' جن میں یہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کی مخالفت کریں جیسا کہ تمام اہل علم کے ہاں یہ بات مشہور و معروف ہے۔

اس مضمون نگار نے حدیث شریف کو جو اس بات پر محمول کیا ہے کہ داڑھی منڈوانا واجب ہے کیونکہ مشرکوں وغیرہ نے داڑھی منڈوانا ترک کر دیا ہے تو یہ باطل کے پھیلانے اور اس کی دعوت دینے کے لیے ایک بدترین جرأت ہے اور پھر اس کی یہ بات حقیقت اور امر واقع کے بھی خلاف ہے کیونکہ تمام کافروں نے تو داڑھیاں نہیں رکھیں بلکہ ان میں سے بعض نے رکھی ہیں اور بعض نے نہیں رکھیں اور اگر یہ فرض بھی کریں کہ تمام کافروں نے داڑھیاں رکھ لی ہیں تو پھر بھی ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہو گا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی مخالفت کریں اور کفار کی مخالفت کی وجہ سے اپنی داڑھیاں منڈوا دیں' کوئی شخص بھی ایسی بات نہیں کہہ سکتا جسے اللہ تعالیٰ کی شریعت کے بارے میں ادنیٰ علم و بصیرت بھی ہو کیونکہ اس سے تو بہت سی باطل اور منکر باتیں لازم آتی ہیں۔

مضمون نگار نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ شیوخ ازہر نے جب یہ دیکھا کہ بعض کافروں نے داڑھیاں رکھ لی ہیں' تو انہوں نے اپنی داڑھیوں کو منڈوا دیا' اگر اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو پھر بھی یہ بات دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ بعض مسلمانوں کے شریعت کی مخالفت سے شریعت مطہرہ کے ترک کر دینے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا بلکہ واجب یہ ہے کہ جو بھی شریعت کی مخالفت کرے' اس کا انکار کر دیا جائے' اس کی اقتداء نہ کی جائے اور اس کے عمل سے ترک شریعت کے بارے میں استدلال نہ کیا جائے۔ بہت سے علماء نے شریعت مطہرہ کی بہت سے مسائل میں مخالفت کی ہے اور اس کا سبب یا تو دلیل سے ناواقفیت ہے اور یا دیگر اسباب ہیں لہٰذا ان کا یہ عمل اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ ان اعمال کو ترک کر دیا جائے' جن کا شریعت میں سے ہونا معلوم ہے اور کہا جائے کہ چونکہ ان علماء نے احکام کے مطابق عمل نہیں کیا لہٰذا ہم بھی نہیں کرتے' زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی طرف سے یہ عذر پیش کیا جائے کہ شائد انہیں حکم شریعت نہ پہنچا ہو یا وہ دلیل انہیں ایسی سند سے پہنچی ہو جو ان کے نزدیک ثابت نہ ہو یا اس طرح کے دیگر عذروں کی وجہ سے انہوں نے اس دلیل کے مطابق عمل نہ کیا ہو۔ علامہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی جلیل القدر کتاب "رفع الملام عن الائمة الاعلام" میں اس موضوع پر نہایت شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے اور بعض اہل علم نے بعض احکام شریعت کی جو مخالفت کی ہے تو اس کے وجوہ و اسباب کی انہوں نے نہایت عمدگی و خوبی کے ساتھ وضاحت فرمائی ہے' طالب حق کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے بلاشبہ یہ ایک بہت ہی مفید کتاب ہے۔ [1]

میں مضمون نگار حمد کو بھی یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اللہ سے ڈرے اور داڑھی رکھنے والوں سے مذاق اور بدگمانی سے بچے' اسی طرح میں اسے یہ بھی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے ان تمام مسلمان بھائیوں کے بارے میں حسن ظن سے کام لے' جو نفاذ شریعت اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع کے خواہش مند ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے تمام اقوال و اعمال میں اسوۂ رسول ﷺ کے مطابق عمل پیرا ہوں' اسے چاہیے کہ وہ ان کے اس عمل کو اچھے محل پر محمول کرے تاکہ سورۃ الحجرات میں مذکور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق عمل کر سکے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا يَسۡخَرۡ قَوۡمٞ مِّن قَوۡمٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُونُواْ خَيۡرٗا مِّنۡهُمۡ وَلَا نِسَآءٞ مِّن نِّسَآءٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُنَّ خَيۡرٗا مِّنۡهُنَّۖ وَلَا تَلۡمِزُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَلَا تَنَابَزُواْ بِٱلۡأَلۡقَٰبِۖ بِئۡسَ ٱلِٱسۡمُ ٱلۡفُسُوقُ بَعۡدَ ٱلۡإِيمَٰنِۚ وَمَن لَّمۡ يَتُبۡ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴾ (الحجرات ٤٩/ ١١)

"اے مومنو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے' ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ممکن ہے وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو ایمان لانے کے بعد برا نام (رکھنا) گناہ ہے۔ اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔"

﴿ وَلَا تَلۡمِزُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ' لمز عیب لگانے کو کہتے ہیں اور پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱجۡتَنِبُواْ كَثِيرٗا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعۡضَ ٱلظَّنِّ إِثۡمٞۖ ﴾ (الحجرات ٤٩/ ١٢)

"اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں۔"

---

[1] شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی اس جلیل القدر اور عظیم المرتبت کتاب کا الحمدللہ ملک کے مشہور مصنف و مترجم ⬅

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بہت گمان کرنے سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ بعض گمان گناہ ہیں۔ اس سے مراد وہ گمان ہے جس کی کوئی دلیل نہ ہو اور نہ کوئی شرعی علامت ہو جو اس سلسلہ میں راہنمائی کرتی ہو۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث موجود ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ»(صحيح البخاري، الأدب، باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر، ح:٦٠٦٤ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظن والتجسس والتنافس ... الخ، ح:٢٥٦٣)

"گمان سے بچو کیونکہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے۔"

لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان اہل علم اور دعاۃ الی اللہ کو نصیحت بھی نہ کی جائے' جو اپنے عمل یا دعوت یا سیرت و کردار میں کسی غلطی کے مرتکب ہوں بلکہ واجب یہ ہے کہ احسن انداز میں خیر اور حق کی طرف ان کی توجہ مبذول کروائی جائے اور عیب' بدگمانی اور قابل اعتراض اسلوب سے احتراز کیا جائے کیونکہ اس سے تو اس چیز سے نفرت میں اضافہ ہو جاتا ہے' جس کی طرف دعوت دی جا رہی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دو رسولوں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے اس وقت فرمایا جب انہیں اپنے زمانہ کے سب سے بڑے کافر کی طرف مبعوث فرمایا تھا:

﴿ فَقُولَا لَهُۥ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُۥ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ﴿٤٤﴾ ﴾ (طٰہ۲۰/ ٤٤)

"اور اس سے نرمی سے بات کرنا شائد وہ غور کرے یا ڈر جائے۔"

اللہ تعالیٰ نے دعوت کے سلسلہ میں اپنے نبی ﷺ کو جس نرمی' شفقت' حکمت اور لطف و مہربانی سے سرفراز فرمایا تھا' اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلْقَلْبِ لَٱنفَضُّوا۟ مِنْ حَوْلِكَ ۖ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۵۹)

"(اے محمد!) اللہ کی مہربانی سے تمہاری افتاد مزاج ان لوگوں کے لیے نرم واقع ہوئی ہے اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔"

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکمت و موعظت حسنہ کے ساتھ دعوت دین کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ ۖ وَجَٰدِلْهُم بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ۚ ﴾ (النحل۱٦/ ۱۲۵)

"(اے پیغمبر) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔"

یہ حکم صرف نبی ﷺ ہی کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ یہ حکم آپ کے لیے بھی ہے' امت کے تمام علماء کے لیے بھی اور ہر اس شخص کے لیے بھی جو داعیٔ حق ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جو احکام دیئے ہیں' وہ صرف آپ ہی کے لیے خاص نہیں ہیں بلکہ پوری امت کے لیے عام ہیں الا یہ کہ کسی حکم کے بارے میں دلیل سے ثابت ہو جائے کہ یہ آپ

◄ حضرت مولانا پروفیسر غلام احمد حریری رحمہ اللہ نے "ائمہ سلف اور اتباع سنت" کے نام سے اُردو میں ترجمہ کیا' بندۂ عاجز نے تسہیل' تخریج اور تحقیق کے فرائض سرانجام دیے اور طارق اکیڈمی فیصل آباد نے نہایت سلیقہ سے زیور طباعت سے آراستہ کرایا ہے۔ بلاشبہ اپنے موضوع پر یہ ایک منفرد اور مختصر مگر جامع کتاب ہے' قارئین کرام کو اس سے ضرور استفادہ کرنا چاہیے۔ (مترجم)

ہی کے لیے خاص ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۲۱)

"یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ فَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ بِهِۦ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَٱتَّبَعُواْ ٱلنُّورَ ٱلَّذِيٓ أُنزِلَ مَعَهُۥٓ أُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿١٥٧﴾ ﴾ (الأعراف ۷/ ۱۵۷)

"تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم (اور حمایت) کی اور انہیں مدد دی اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے' اس کی پیروی کی تو وہی فلاح پانے والے ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَٱلسَّٰبِقُونَ ٱلْأَوَّلُونَ مِنَ ٱلْمُهَٰجِرِينَ وَٱلْأَنصَارِ وَٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُم بِإِحْسَٰنٍ رَّضِيَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُواْ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿١٠٠﴾ ﴾ (التوبة ۹/ ۱۰۰)

"جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی' اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں' جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے' یہ بڑی کامیابی ہے۔"

اسی طرح صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ، يُحْرَمِ الْخَيْرَ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل الرفق، ح: ۲۵۹۲)

"جو شخص نرمی سے محروم کر دیا گیا وہ ساری خیر سے محروم کر دیا گیا۔"

نیز نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«إِنَّ الرِّفْقَ لاَ يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلاَّ زَانَهُ، وَلاَ يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلاَّ شَانَهُ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل الرفق، ح: ۲۵۹٤)

"نرمی جس چیز میں بھی ہو گی' اسے مزین کر دے گی اور جس چیز سے اسے نکال دیا جائے تو اسے عیب دار بنا دے گی۔"

جیسا کہ نبی ﷺ کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّ اللهَ رَفِيقٌ، يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَالاَ يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل الرفق، ح: ۲۵۹۳)

"بے شک اللہ تعالیٰ نرم ہے' نرمی کو پسند فرماتا ہے اور نرمی پر وہ کچھ عطا فرما دیتا ہے جو سختی پر عطا نہیں فرماتا۔"

اسی طرح اور بھی بہت سی احادیث مبارکہ ہیں' جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دینے والوں اور اس کے بندوں کی خیر خواہی کرنے والوں پر یہ واجب ہے کہ وہ مفید اسلوب اور ایسی عبارت کا انتخاب کریں جس میں نہ سختی ہو اور نہ وہ حق سے نفرت کا باعث بنے۔ بلکہ ایسا اسلوب اور ایسا انداز گفتگو اختیار کیا جائے جس کی وجہ سے یہ امید ہو کہ مخالف حق اسے قبول کرتے ہوئے حق پر راضی ہو جائے گا' اسے ترجیح دے گا اور باطل کو ترک کر کے حق کو اختیار کر لے گا۔ داعی الی اللہ کو چاہیے کہ وہ دعوت کے لیے ایسے طریقے استعمال نہ کرے' جن کی وجہ سے حق سے نفرت پیدا ہو اور وہ حق سے دور کر کے اسے قبول نہ کرنے کا باعث بنیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو دین میں فقاہت اور ثابت قدمی عطا فرمائے' بصیرت کے ساتھ دین کی دعوت دینے کی توفیق سے نوازے' ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اعمال کی خرابیوں سے محفوظ رکھے اور اس بات سے بھی بچائے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں علم کے بغیر کوئی بات کہیں۔ بے شک وہی قادر و کارساز ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ و من اھتدی بھداہ الی یوم الدین۔

—— شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز ——

کھیلوں وغیرہ کے بارے میں فتوے

مختصر لباس کے ساتھ کھیلنا

سوال ایسے مختصر لباس کے ساتھ کھیلنے کے بارے میں کیا حکم ہے' جس سے ستر پوشی کے تقاضے پورے نہ ہوتے ہوں' نیز اس طرح کے کھلاڑیوں کے کھیل کو دیکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب کھیل میں حصہ لینا جائز ہے بشرطیکہ وہ کسی واجب چیز سے غافل نہ کرے اور اگر وہ کسی واجب چیز سے غافل کر دے تو پھر حرام ہے اور اگر انسان کھیل کود میں اس قدر مشغول ہو جائے کہ اس کا اکثر وقت اس میں صرف ہوتا ہو تو اس میں وقت کا ضیاع ہے اور اس حالت میں جو بات کم سے کم کہی جا سکتی ہے' وہ یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے اور اگر کھلاڑی نے اس قدر مختصر نیکر وغیرہ پہن رکھی ہو کہ اس سے اس کی ران یا اس کا اکثر حصہ ننگا ہوتا ہو تو یہ جائز نہیں ہے' کیونکہ صحیح بات یہ ہے کہ نوجوان آدمی کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اپنی رانوں کو چھپائے' اگر کھلاڑیوں کی رانیں ننگی ہوں تو انہیں دیکھنا جائز نہیں ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مختصر نیکر پہننا جائز نہیں ہے

سوال کھیل کے مقابلوں میں حصہ لینے کے لیے چھوٹی نیکر پہننے کے بارے میں کیا حکم ہے' جب کہ نماز کے اوقات بھی نہ ہوں اور نہ اس سے کسی فتنے کا اندیشہ ہو؟ امید ہے کہ دلائل کے ساتھ اس سوال کا جواب عطا فرمائیں گے۔ راہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کی راہنمائی فرمائے۔

جواب ہماری رائے میں ایسی چھوٹی نیکر پہننا جائز نہیں ہے جس سے فقط شرم گاہ ہی کی ستر پوشی ہوتی ہو اور دونوں رانیں یا ان کا اکثر حصہ ننگا رہ جاتا ہو۔ خواہ اسے کھیل میں حصہ لینے کے لیے پہنا جائے یا بازار میں اور خواہ نماز کا وقت نہ بھی ہو' البتہ گھر کے اندر ایسا لباس پہنا جا سکتا ہے جب کہ انسان اپنے گھر کے خاص امور میں مصروف ہو اور اسے دوسرے لوگ نہ دیکھ رہے ہوں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک بار نبی ﷺ نے جرہد اسلمی کو اس طرح دیکھا کہ ان کا ازار ان کی ران سے ہٹا ہوا تھا تو آپ نے ان سے فرمایا:

«غَطِّ فَخِذَكَ فَإِنَّهَا مِنَ الْعَوْرَةِ»(مسند أحمد: ٣/ ٤٧٨ وجامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء أن الفخذ عورة، ح: ٢٧٩٨ واللفظ له)

"اپنی ران کو ڈھانپ لو کیونکہ ران بھی پردہ ہے۔" واللہ الموفق۔

—— شیخ ابن جبرین ——

میدانوں میں کھیل کے مقابلے دیکھنا

سوال کھیل کا میچ دیکھنے کے لیے فٹ بال گراؤنڈ میں جانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب فٹ بال میچ دیکھنے کے لیے کھیل کے گراؤنڈ میں جانے سے اگر کسی واجب کا ترک لازم نہ آتا ہو مثلاً اس سے نماز ترک نہ ہوتی ہو یا پردہ کے مقام کو دیکھنا لازم نہ آتا ہو اور نہ ہی اس سے کوئی کینہ اور دشمنی پیدا ہوتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں' لیکن افضل یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے کیونکہ یہ "لَھْو" ہے اور اکثر و بیشتر صورتوں میں ایسے مواقع پر حاضری سے واجب ترک ہو جاتا اور فعل حرام کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ و باللہ التوفیق و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

مردوں کا زنجیریں پہننا

سوال بعض مرد حضرات زنجیریں پہن لیتے ہیں' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب زیب و زینت کے لیے زنجیر پہننا حرام ہے کیونکہ یہ عورتوں کی عادات و خصائل میں سے ہے' جس کی وجہ سے زنجیریں پہننے میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے اور رسول اکرم ﷺ نے عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر لعنت فرمائی ہے اور اگر یہ زنجیریں سونے کی بنی ہوئی ہوں تو پھر حرمت اور گناہ میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں یہ مرد کے لیے دو وجہ سے حرام ہیں' ایک تو اس وجہ سے کہ یہ سونے کی بنی ہوتی ہیں اور دوسرے اس وجہ سے کہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے اور اگر ان میں کسی حیوان یا انسان کی تصویر ہو تو پھر ان کی قباحت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر خبیث اور ناپاک صورت یہ ہو گی کہ ان میں صلیب کا نشان بنا ہو تو یہ حرام ہے حتیٰ کہ اگر زیورات پر کسی انسان یا حیوان یا پرندے یا صلیب وغیرہ کی تصویر بنی ہو تو ان کا استعمال مردوں اور عورتوں سب کے لیے حرام ہے کیونکہ ان میں سے کسی کے لیے بھی کوئی ایسی چیز پہننی جائز نہیں ہے' جس میں کسی انسان یا حیوان یا صلیب وغیرہ کی تصویر ہو۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن عثیمین

سونے کے میڈل پہننا

سوال میں نے دلیری اور بہادری کے بعض مقابلوں میں حصہ لیا' جس کی وجہ سے مجھے سونے کے میڈل' سونے کی گھڑی اور سونے کا قلم بطور انعام دیا گیا تو سوال یہ ہے کہ ان چیزوں کے استعمال کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا میں انہیں استعمال کر سکتا ہوں؟ کیا ان میں زکوٰۃ واجب ہے؟ زکوٰۃ کی مقدار کیا ہو گی؟ یاد رہے کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ ان اشیاء میں سونے کی مقدار کتنی ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب مردوں کے لیے سونے کا میڈل' گھڑی اور قلم استعمال کرنا جائز نہیں ہے البتہ عورتوں کے لیے سونے کے زیورات استعمال کرنا جائز ہے۔ اس لیے یا تو اپنی قریبی عورتوں میں سے کسی کو یہ چیزیں تحفہ میں دے دیں یا پھر ان میں سے سونا الگ کروا دیں اور پھر انہیں استعمال کر سکتے ہیں۔ دیگر زیورات کی طرح ان کی قیمت میں بھی اڑھائی فیصد زکوٰۃ واجب ہو گی۔

شیخ ابن جبرین

کھیلوں میں دیئے جانے والے انعامات

سوال آج کل ملاحظہ کیا جا رہا ہے کہ بہت سے نوجوانوں میں کھیلوں کے ان مقابلوں میں حصہ لینے کی استعداد موجود ہے جو کسی تنظیم کے زیر اہتمام منعقد ہوتے ہیں اور اس میں ہر ٹیم کو ایک معین مال کی صورت میں اپنا حصہ بھی ڈالنا پڑتا ہے اور ایک ٹیم اس سلسلہ میں کچھ ادا نہیں کرتی کیونکہ وہی کھیلوں کو منعقد کرتی اور ٹرافیاں اور انعامات کی چیزیں خریدنے کا اہتمام کرتی ہے اور باقی ٹیمیں ان انعامات کے حصول کے لیے کھیلتی ہیں اور جو ٹیم کامیاب ہو جائے' وہ ٹرافی حاصل کر لیتی ہے' جب کہ باقی انعامات دیگر ٹیموں میں تقسیم کر دیے جاتے ہیں تو اس سلسلہ میں راہنمائی فرمائیں؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اگر انعام کسی ایسے شخص کی طرف سے دیا جائے جو مقابلہ میں باقاعدہ شریک نہ ہو۔ مثلاً انعام کوئی ایسا شخص دے جو مقابلہ کرنے والوں میں شامل نہ ہو لیکن وہ کامیاب ہونے والی ٹیم کو اپنی طرف سے کچھ مال بطور انعام دے دے تو یہ اس جوے میں شامل نہیں ہے جو حرام ہے لیکن انعام اگر مقابلہ میں حصہ لینے والی دونوں ٹیموں کی طرف سے ہو کہ ہر ٹیم کچھ رقم ادا کرے اور پھر ان دونوں ٹیموں کی طرف سے جمع کی گئی رقم اس ٹیم کو دے دی جائے جو مقابلہ جیت لے تو یہ جوا ہے اور حرام ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾﴾ (المائدۃ ٥/ ٩٠)

''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ۔''

اسی طرح اگر ٹیمیں تین یا اس سے بھی زیادہ ہوں اور ان میں سے دو ٹیمیں تو ادا کریں اور تیسری ٹیم ادا نہ کرے اور انعام جیتنے والی ٹیم لے لے تو یہ بھی حرام ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ سَبَقَ إِلاَّ فِي نَصْلٍ أَوْ خُفٍّ أَوْ حَافِرٍ»(سنن أبي داود، الجهاد، باب في السبق، ح:٢٥٧٤ وجامع الترمذي، الجهاد، باب ماجاء في الرهان والسبق، ح:١٧٠٠ وسنن النسائي، الخيل، باب السبق، ح:٣٦١٦ واللفظ لهما)

"مقابلہ صرف تیر اندازی یا اونٹ یا گھوڑے دوڑانے میں ہے۔"

(حدیث میں) مذکور لفظ "نَصْل" کے معنی تیر اندازی میں مقابلہ' "خُفّ" کے معنی اونٹوں میں مقابلہ اور "حَافِر" کے معنی گھوڑوں میں مقابلہ کے ہیں اور "سبق" سے مراد وہ مجہول انعام ہے جو سبقت کرنے والے کو دیا جاتا ہے۔ اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ اس طرح کا مقابلہ صرف ان تینوں چیزوں ہی میں جائز ہے کیونکہ ان کا تعلق جہاد فی سبیل اللہ سے ہے۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

آپس میں شرط لگانے کے بارے میں حکم

سوال بعض لوگ آپس میں شرط لگا لیتے ہیں اور اسے حق کے نام سے موسوم کرتے ہیں' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب آپس میں شرط لگانے کی صورت بہت سے لوگوں کو معلوم ہے جو یہ ہے کہ جب دو آدمیوں کا کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہوتا ہے تو ان میں سے ایک دوسرے سے یہ کہتا ہے کہ اگر میری بات صحیح ہوئی تو آپ مجھے اس قدر رقم ادا کریں گے' جس کا وہ نام لے کر باقاعدہ تعین کر دیتا ہے اور اگر آپ کی بات صحیح ہوگی تو اتنی رقم میں آپ کو ادا کر دوں گا۔ یہ صورت حرام ہے کیونکہ یہی وہ جوا ہے' جس کا اللہ تعالیٰ نے شراب کے ساتھ اس طرح ذکر فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ فِى ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾﴾ (المائدة٥/ ٩٠-٩١)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ' شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔"

لہٰذا یہ جوا حرام ہے اور بعض لوگ اگر اسے "حق" کے نام سے موسوم کرتے ہیں تو اس کی قباحت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے باطل کو حق کا نام دیا' اس کا نام تبدیل کر دیا اور اس پر حلال ہونے کا رنگ چڑھا دیا' لہٰذا یہ لوگ اپنے اس طرز عمل میں جھوٹے اور دغاباز ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سلامتی اور عافیت عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

تاش کے پتوں سے کھیلنا

سوال کچھ لوگ تاش کے پتوں سے کھیلتے ہیں اور اس طرح کے بعض کھیلوں میں وہ بسا اوقات یہ شرط بھی لگا لیتے ہیں

کہ جو شکست کھا گیا وہ اس قدر مال ادا کرے گا یا جوس خرید کر پلائے گا یا اس طرح کی کوئی اور شرط لگا لیتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے؟ فتویٰ عطا فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے گا' نیز جو لوگ اس طرح کا کھیل کھیلتے ہیں' انہیں نصیحت بھی فرمائیں؟

جواب یہ کام حرام ہے جو قطعاً جائز نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا سَبَقَ إِلَّا فِي نَصْلٍ أَوْ خُفٍّ أَوْ حَافِرٍ»(سنن أبي داود، الجهاد، باب في السبق، ح:٢٥٧٤ وجامع الترمذي، الجهاد، باب ما جاء في الرهان والسبق، ح:١٧٠٠ وسنن النسائي، الخيل، باب السبق، ح:٣٦١٦)

"مسابقت صرف تیر اندازی یا اونٹ یا گھوڑے دوڑانے میں ہے۔"

مذکورہ بالا صورت بلاشبہ اس جوا کی ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حرام قرار دیا اور شراب اور بتوں کی پوجا کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾﴾ (المائدة٥/ ٩٠)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ۔"

اس طرح کا کھیل کھیلنے والوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کریں اور آئندہ یہ کھیل نہ کھیلیں۔ اس طرح کے کھیل سے جو وہ کمائی کریں گے' وہ حرام ہو گی اور قطعاً حلال نہیں ہو گی۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ یہ کھیل جو انسان کو خیر و بھلائی کے کاموں سے غافل کر دیں' یہ واقعی انسان کے لیے بہت بڑے خسارے کا سبب ہیں کیونکہ ان سے انسان کے بہت سے قیمتی اوقات ضائع ہو جاتے ہیں۔ عقل مند انسان جب اپنے مال کو بے فائدہ ضائع نہیں کرتا تو اسے اپنا قیمتی وقت تو بالاولی ضائع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وقت تو مال سے زیادہ قیمتی چیز ہے اور پھر نوجوانوں اور دیگر لوگوں کا اپنے قیمتی اوقات کو ان جیسے بے فائدہ کھیلوں میں ضائع کرنا' بے حد حزن و ملال کا سبب ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے علماء نے اس طرح کے کھیلوں کو معاوضہ کی شرط کے بغیر بھی حرام قرار دیا ہے اور اگر ان میں معاوضہ کی اس طرح کی کوئی شرط ہو تو پھر ان کے حرام ہونے میں قطعاً کوئی شک نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

معاوضہ کے بغیر تاش کا کھیل

سوال اگر تاش کا کھیل نماز سے غافل نہ کرے اور اس میں پیسوں کا چکر بھی نہ ہو تو کیا یہ حرام ہے یا نہیں؟

جواب تاش کا کھیل جائز نہیں ہے خواہ اس میں معاوضہ نہ بھی ہو کیونکہ یہ کھیل انسان کو اللہ کے ذکر اور نماز سے غافل کر دیتا ہے۔ خواہ کھیلنے والا یہ گمان کرے کہ وہ اس سے غافل نہیں ہوتا اور پھر یہ کھیل جوے کا ذریعہ بھی ہے' جو نص قرآن کی روشنی میں حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡخَمۡرُ وَٱلۡمَيۡسِرُ وَٱلۡأَنصَابُ وَٱلۡأَزۡلَٰمُ رِجۡسٞ مِّنۡ عَمَلِ ٱلشَّيۡطَٰنِ فَٱجۡتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ ٩٠﴾ (المائدۃ۵/ ۹۰)

"شراب اور جوا اور بت پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ۔" و باللہ التوفیق' و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

تاش کا کھیل اور معاشرے پر اس کے اثرات

سوال تاش کھیلنے کے بارے میں کیا حکم ہے کیونکہ جب یہ کھیل کھیلنے والے (کھیلنے کے لیے) بیٹھتے ہیں تو وہ نہ اذان کی آواز کا جواب دیتے ہیں' نہ اذان کے اختتام پر اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کو سن کر اس کے بارے میں وارد دعا ہی پڑھتے ہیں۔ لوگ اذان کی آواز سن کر مسجد میں نماز کے لیے چلے جاتے ہیں مگر یہ لوگ اپنے کھیل میں مگن ہو کر بیٹھے رہتے ہیں اور لوگ نماز سے فراغت حاصل کر کے جب مسجد سے واپس آتے اور انہیں سلام کہتے ہیں تو یہ سلام کا جواب تک نہیں دیتے کیونکہ یہ دل و دماغ کے ساتھ اپنے اس کھیل میں بری طرح مشغول ہوتے ہیں اور پھر جس گھر میں بیٹھے یہ کھیل رہے ہوں وہاں سگریٹ کے دھوئیں' شور و غوغا' ہنسی مذاق' لعن طعن اور کثرت سے کھائی جانے والی قسموں' جن میں سے کچھ اللہ کے نام کی اور کچھ غیر اللہ کے نام کی ہوتی ہیں' کی وجہ سے انسان وہاں بیٹھ بھی نہیں سکتا لہٰذا سوال یہ ہے کہ اس کھیل کے بارے میں کیا حکم ہے' اس کے کھیلنے والے کو کیا گناہ ہو گا اور معاشرہ پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب جیسا کہ سائل نے یہ بیان کیا ہے' تاش کے پتوں کا کھیل اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روکتا ہے۔ کھیلنے والوں کے دلوں میں یہ عداوت اور بغض پیدا کرتا ہے۔ کبھی اس کھیل میں مال کی شرط بھی ہوتی ہے جس کے مطابق ہارنے والا جیتنے والے کو مال بھی دیتا ہے' اور پھر اس میں لعن طعن اور جھوٹی قسمیں بھی ہوتی ہیں لہٰذا جب اس کھیل کے یہ نتائج ہیں تو یہ حرام ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡخَمۡرُ وَٱلۡمَيۡسِرُ وَٱلۡأَنصَابُ وَٱلۡأَزۡلَٰمُ رِجۡسٞ مِّنۡ عَمَلِ ٱلشَّيۡطَٰنِ فَٱجۡتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ ٩٠ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيۡطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيۡنَكُمُ ٱلۡعَدَٰوَةَ وَٱلۡبَغۡضَآءَ فِي ٱلۡخَمۡرِ وَٱلۡمَيۡسِرِ وَيَصُدَّكُمۡ عَن ذِكۡرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِۖ فَهَلۡ أَنتُم مُّنتَهُونَ ٩١﴾ (المائدۃ۵/ ۹۰-۹۱)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ' شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔"

تاش کھیلنے والے ایک حرام کام کا ارتکاب کرتے ہیں لہٰذا وہ اس کی وجہ سے بھی گناہ گار ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ جو واجب وہ چھوڑتے ہیں مثلاً وہ نماز باجماعت ادا نہیں کر سکتے یا دیگر حرام امور مثلاً لعن طعن' جھوٹی قسموں' غیر اللہ کے نام کی قسموں اور سگریٹ نوشی کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس کی وجہ سے بھی گناہ گار ہیں۔

جہاں تک اس کھیل کے معاشرے پر اثرات کا تعلق ہے تو ایک سلیم معاشرے کی بنیادیں دو باتوں سے مضبوط ہوتی

ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کے احکام کی اتباع کی جائے اور (۲) اس نے جن کاموں سے منع فرمایا ہے' ان سے اجتناب کیا جائے۔ اگر واجبات میں سے کسی چیز کو ترک کر دیا جائے یا محرمات میں سے کسی کا ارتکاب کیا جائے تو اس سے معاشرہ کی بنیادیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ یہ کھیل بھی ان عوامل میں سے ہے' جو معاشرہ پر اثر انداز ہوتے ہیں کیونکہ یہ نماز باجماعت کے ترک کا سبب بنتا ہے۔ اس کھیل سے آپس کے تعلقات کشیدہ ہوتے اور ایک دوسرے سے دوری' قطع رحمی اور کینہ پیدا ہوتا ہے اور محرمات کا ارتکاب ہونے لگتا ہے۔ اس کھیل کی وجہ سے انسان اپنا رزق کمانے میں بھی سستی کرنے لگتا ہے اور اگر اس کھیل میں مالی شرط لگائی جائے تو اس سے حاصل ہونے والا مال حرام ہو گا جیسا کہ اس جواب کے آغاز میں اس کی دلیل بیان کی جا چکی ہے۔ هذا و بالله التوفيق! و صلى الله وسلم على نبينا محمد و آله و صحبه.

——— فتویٰ کمیٹی ———

تاش اور شطرنج کا کھیل

سوال تاش اور شطرنج کھیلنے کے بارے میں کیا حکم ہے جب کہ یہ نماز سے غافل نہ کرتے ہوں؟

جواب یہ دونوں اور ان کی طرح کے دیگر کھیل جائز نہیں ہیں کیونکہ یہ آلات لہو سے ہیں۔ یہ اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتے ہیں اور ناحق وقت ضائع کرنے کا سبب بنتے ہیں اور پھر ان کی وجہ سے کھیلنے والوں میں کینہ اور عداوت پیدا ہوتی ہے اور اگر ان میں مالی شرط بھی لگائی جائے تو پھر ان کی حرمت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں یہ جوا بن جاتے ہیں' جس کی حرمت میں قطعاً کوئی شک یا اختلاف نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

تاش اور شطرنج کا کھیل

سوال تاش اور شطرنج کھیلنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اہل علم اور ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں کھیل حرام ہیں کیونکہ یہ انسان کو بے حد غافل کر کے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ذکر سے روک دیتے ہیں اور بسا اوقات ان کی وجہ سے کھیلنے والوں میں عداوت اور بغض بھی پیدا ہو جاتا ہے اور اکثر و بیشتر ان کھیلوں میں انعامی شرط بھی لگائی جاتی ہے اور یہ معلوم ہے کہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے پر مقابلہ کرنے کی کسی بھی صورت میں انعامی شرط جائز نہیں ہے سوائے اس مسابقت کے جس پر نص شریعت ہے اور وہ صرف تین چیزیں ہیں (۱) تیر اندازی' (۲) اونٹ اور (۳) گھوڑے دوڑانا۔ شطرنج اور تاش کھیلنے والوں کے بہت سے اوقات اللہ کی اطاعت کے بغیر صرف ہوتے ہیں اور ایسے کاموں میں خرچ ہوتے ہیں' جن کا دنیوی امور میں بھی کوئی فائدہ نہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تاش اور شطرنج کھیلنے سے ذہن کھلتا ہے اور ذہانت نشوونما پاتی ہے لیکن حقیقت اور امر واقع ان لوگوں کے اس دعویٰ کے خلاف ہے کیونکہ ان کھیلوں سے تو انسان کند ذہن ہوتا اور وہ صرف انہی بے کار کھیلوں تک ہی محدود ہو کر رہ جاتا ہے' کسی اور کام میں ان لوگوں کا ذہن قطعاً کسی کام نہیں آتا' لہٰذا ایک عقل مند انسان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ ان کھیلوں سے کنارہ کش رہے جو انسان کے فکر کو بلید اور اس کی سوچ کو محض انہیں تک محدود کر دیتے ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اوقات نماز کے علاوہ شطرنج کھیلنا

سوال کیا درج ذیل شرطوں کے ساتھ شطرنج کھیلنا جائز ہے: 1 ہمیشہ نہیں بلکہ کبھی کبھی کھیل لیا جائے۔ 2 کھیلتے ہوئے برے الفاظ استعمال نہ کیے جائیں۔ 3 فرض نمازوں کو ضائع نہ کیا جائے؟ امید ہے راہنمائی فرمائیں گے۔

جواب راجح قول یہ ہے کہ شطرنج کا کھیل حرام ہے۔ 1 اس لیے کہ اکثر و بیشتر صورتوں میں یہ تمثالی اور مجسم صورتوں سے خالی نہیں ہوتا اور معلوم ہے کہ تصویروں کو پاس رکھنا حرام ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ تَدْخُلُ الْمَلاَئِكَةُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ»(صحيح البخاري، بدء الخلق، باب إذا قال أحدكم أمين ... الخ، ح:٣٢٢٦ وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ... الخ، ح:٢١٠٦)

"فرشتے اس گھر میں داخل ہی نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو"

2 اس لیے کہ یہ کھیل اکثر و بیشتر حالتوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکنے کا ذریعہ بنتا ہے اور جو چیز اللہ کے ذکر سے غافل کرے وہ حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شراب' جوا' بت اور پانسوں کی حرمت کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ فِى ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾ ﴾ (المائدة٥/ ٩١)

"شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔"

یہ کھیل کھیلنے والے آپس میں لڑائی جھگڑے اور اختلاف کرنے اور ایک دوسرے کے خلاف حد درجہ ناشائستہ الفاظ استعمال کرنے لگتے ہیں' جو ایک مسلمان کو اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لیے قطعاً استعمال نہیں کرنے چاہئیں۔ ذہن کو صرف اسی ایک کام میں مشغول رکھنے کی وجہ سے وہ کند ہو جاتا ہے جیسا کہ مجھے قابل اعتماد لوگوں نے بتایا ہے کہ انہوں نے شطرنج کھیلنے والوں کو اپنے اس کھیل کے سوا دیگر تمام میدانوں میں ذہانت و فطانت کے اعتبار سے سب سے گھٹیا پایا ہے لہذا ان اسباب کی وجہ سے شطرنج کھیلنا حرام ہے۔ اور یہ بھی اس صورت میں جب کہ اس میں جوا نہ ہو یعنی شکست کھانے والے کے لیے مالی معاوضہ ادا کرنے کی شرط نہ ہو' اور اگر ایسی کوئی شرط بھی ہو تو پھر یہ کھیل بہت خبیث اور بدترین ہو گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اس کھیل کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال اس کھیل کے بارے میں کیا حکم ہے' جو آج کل بازاروں میں بچے اور جوان کھیل رہے ہیں۔ یہ ایک میز ہے' جس میں فٹ بال کھیلنے والوں کی تصویریں ہیں' اس میں ایک چھوٹی گیند رکھی جاتی ہے' جسے ہاتھوں سے ہلایا جاتا ہے۔ شکست کھانے والا کھیل کی قیمت ادا کرتا ہے جب کہ فتح پانے والا کچھ ادا نہیں کرتا تو کیا اس طرح کے کھیل اسلامی شریعت میں جائز ہیں؟

جواب اگر اس کھیل کی یہی حالت ہے جو آپ نے بیان کی ہے کہ کھیل کی میز پر تصویریں بنی ہوئی ہیں اور شکست کھانے

والے کو کھیل کی اجرت ادا کرنا پڑتی ہے اور فتح حاصل کرنے والے کو کچھ ادا نہیں کرنا پڑتا تو یہ کھیل کئی وجہ سے حرام ہے:

اولاً: اس کھیل میں مشغول ہونا لہو ہے' جو کھیلنے والے کی فرصت کے لحات کو برباد کر دیتا ہے اور اس کی دین و دنیا کی بہت سی مصلحتوں کو ضائع کر دیتا ہے حتیٰ کہ یہ کھیل اس کی عادت بن جاتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ جوئے کی ایک قسم کا ذریعہ بن جاتا ہے اور جو کھیل اس طرح کا ہو وہ شرعاً باطل اور حرام ہے۔

ثانیاً: تصویروں کو بنانا اور حاصل کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے تصویر کشی پر جہنم کی آگ اور دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔

ثالثاً: شکست کھانے والے کو گیند استعمال کرنے کی اجرت ادا کرنا حرام ہے کیونکہ لہو و لعب میں مال خرچ کرنے کی وجہ سے یہ اسراف اور مال کو ضائع کرنا ہے۔ گیند کو اجرت پر لینا عقد باطل ہے اور کمائی کرنے والے کی یہ کمائی حرام ہے کیونکہ یہ باطل طریقے سے مال کھانا ہے لہٰذا یہ کھیل کبیرہ گناہ بھی ہے اور حرام بھی ہے اور حرام جوا بھی۔

و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

تقریبات میں تالیاں بجانا

سوال کیا تقریبات و اجتماعات میں تالیاں بجانا جائز ہے یا مکروہ؟

جواب تقریبات میں تالیاں بجانا اعمال جاہلیت میں سے ہے۔ اس کے بارے میں کم سے کم جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ یہ مکروہ ہے جبکہ دلیل سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ حرام ہے کیونکہ مسلمانوں کو کفار کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ﴾ (الأنفال۸/ ۳۵)

''اور ان لوگوں کی نماز خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی۔''

علماء فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں ''مکاء'' کے معنی سیٹی اور ''تصدیہ'' کے معنی تالی بجانے کے ہیں۔ مومن کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ جب کوئی پسندیدہ یا ناپسندیدہ چیز کو دیکھے یا سنے تو سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہے۔ تالی بجانے کا حکم تو عورتوں کے لیے ہے کہ جب انہیں نماز میں کوئی بات در پیش ہو یا وہ مردوں کے ساتھ نماز با جماعت ادا کر رہی ہوں اور امام نماز میں بھول جائے تو ان کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ امام کو تالی بجا کر مطلع کریں جب کہ مردوں نے اس صورت میں امام کو سبحان اللہ کہہ کر مطلع کرنا ہوتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی سنت سے یہ ثابت ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مردوں کے تالی بجانے میں کافروں اور عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے اور ان دونوں کی مشابہت ہی ممنوع ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

عیدوں کے موقع پر نمائشوں کا اہتمام

سوال عیدوں وغیرہ کے موقعوں پر نمائشوں کے اہتمام کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب عیدوں کو اس لیے مقرر کیا گیا ہے تاکہ اتمام عبادت پر اللہ تعالیٰ کے شکر کا اظہار کیا جا سکے اور یہ اظہار تکبیر' ذکر اور نماز عید کی صورت میں ہوتا ہے اور اس موقع پر کھیل وغیرہ کی صورت میں بھی اظہار مسرت جائز ہے جیسا کہ ثابت ہے کہ عید کے موقع پر حبشیوں نے مسجد نبوی میں کھیل کا مظاہرہ کیا تھا۔ اسی طرح وہ نمائشیں بھی جائز ہیں' جن سے مقصود مسلمانوں کی قوت کا اظہار اور جہاد کے لیے کروفر کی مشق ہو' بشرطیکہ ان میں عورتوں کی شرکت نہ ہو۔ فخر و غرور کا اظہار نہ ہو اور ایسی باتیں بھی نہ ہوں' جن سے آپس میں اختلاف و انتشار وغیرہ پیدا ہوتا ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

لاٹری وغیرہ سے متعلق احکام و مسائل

لاٹری کے انعام کا اسلامی سکیموں میں خرچ کرنا

سوال لاٹری میں شرکت کے بارے میں کیا حکم ہے' شرکت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ آدمی ٹکٹ خرید تا ہے اور اگر قسمت ساتھ دے تو وہ بطور انعام بہت بڑی رقم حاصل کر لیتا ہے' لیکن یاد رہے کہ اس شخص کی نیت یہ ہے کہ وہ اس رقم کو حاصل کر کے اسلامی سکیموں میں خرچ کرے اور مجاہدین کی مدد کرے؟

جواب یہ صورت جو سائل نے بیان کی ہے کہ وہ ٹکٹ خرید تا ہے اور پھر اگر قسمت ساتھ دے تو اسے بطور انعام بہت بڑی رقم مل جاتی ہے یہ اس جوئے میں داخل ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡخَمۡرُ وَٱلۡمَيۡسِرُ وَٱلۡأَنصَابُ وَٱلۡأَزۡلَٰمُ رِجۡسٞ مِّنۡ عَمَلِ ٱلشَّيۡطَٰنِ فَٱجۡتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيۡطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيۡنَكُمُ ٱلۡعَدَٰوَةَ وَٱلۡبَغۡضَآءَ فِي ٱلۡخَمۡرِ وَٱلۡمَيۡسِرِ وَيَصُدَّكُمۡ عَن ذِكۡرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِۖ فَهَلۡ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾ وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَٱحۡذَرُواْۚ فَإِن تَوَلَّيۡتُمۡ فَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا ٱلۡبَلَٰغُ ٱلۡمُبِينُ ﴿٩٢﴾ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۹۰-۹۲)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ' شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور (اللہ کے) رسول کی اطاعت کرتے رہو اور ڈرتے رہو' اگر منہ پھیرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کا کھول کر پہنچا دینا ہے۔"

ہر معاملہ جو تاوان اور مال مفت حاصل کرنے میں دائر ہو اور معاملہ کرنے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ مال مفت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا یا اسے تاوان ادا کرنا پڑے گا' جوا ہے اور جوا کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور اس کی تمام صورتیں حرام ہیں اور اس کی قباحت انسان سے مخفی نہیں رہنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بتوں کی عبادت' شراب اور پانسوں کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے۔ اس میں اگر نفع کی توقع ہوتی تو اس میں نقصان کا پہلو بھی ضرور ہوتا ہے۔ ارشاد

باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَٰفِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۱۹)

"اے پیغمبر! لوگ تم سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں کہہ دیجئے کہ ان میں نقصان بڑے ہیں اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں' مگران کے نقصان فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں۔"

اس آیت پر غور فرمائیں کہ اس میں منافع کا لفظ تو جمع کے صیغہ کے ساتھ آیا ہے مگر اثم کا لفظ مفرد کے صیغہ کے ساتھ ہے یعنی یہ نہیں فرمایا کہ "فِيهَا آثَامٌ كَبِيْرَةٌ وَّ مَنَافِع لِلنَّاسِ" بلکہ یہ فرمایا ہے کہ "اِثْمٌ كَبِيْرٌ" اور یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس میں منافع خواہ کس قدر زیادہ اور متعدد صورتوں میں کیوں نہ ہوں بہرحال ان کا ایک بہت بڑے گناہ نے احاطہ کیا ہوا ہے اور وہ بڑا گناہ فوائد و منافع کی نسبت راجح ہے یعنی ان سے خواہ کس قدر منافع حاصل ہو جائیں' ان کا گناہ زیادہ بڑا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی بھی انسان کے لیے لاٹری کا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے خواہ اس کی غرض لاٹری سے حاصل ہونے والی رقم کو بہبود عامہ کے کاموں مثلاً سڑکوں کی اصلاح' مسجدوں کی تعمیر اور مجاہدین کی اعانت کے لیے ہی خرچ کرنا کیوں نہ ہو۔ جب وہ اس حرام مال کو' جسے اس نے حرام طریقے سے کمایا ہو' تقرب الٰہی کے کاموں میں صرف کرے گا تو اس کا یہ مال قبول نہیں ہو گا بلکہ گناہ اس کے ذمہ باقی رہے گا اور اجر و ثواب سے یہ محروم رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک مال ہی کو قبول فرماتا ہے۔ اگر وہ حرام سے بچنے کے لیے اس مال کو مسجدوں کی تعمیر اور اس طرح کے دیگر کاموں میں خرچ کرنا چاہے تو یہ بیوقوفی کی بات ہو گی کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا کہ انسان غلطی سے بچنے کے لیے غلطی کرے کیونکہ عقل مندی اور شریعت کا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان غلطی سے بچنے کے لیے اسے ترک کر دے۔ یہ نہیں کہ پہلے اس سے آلودہ ہو اور پھر اس سے خلاصی حاصل کرنے کی کوشش کرے لہٰذا انسان کو اس نیت سے بھی یہ حرام مال نہیں کمانا چاہیے کہ اسے وہ تقرب الٰہی کے کاموں میں خرچ کرے گا یا ایسے کاموں میں خرچ کرے گا جو فلاح و بہبود عامہ کے کام ہوں کیونکہ مرد مومن کے لیے واجب یہ ہے کہ وہ حرام کو قطعی طور پر ترک کر دے اور اس سے اپنے دامن کو آلودہ نہ ہونے دے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

لاٹری حرام اور جوا ہے

سوال لاٹری کی یہ سکیمیں' جنہیں بعض خیراتی تنظیمیں تعلیمی' طبی اور معاشرتی میدانوں میں خدمات سرانجام دینے کی خاطر فنڈز جمع کرنے کے لیے بناتی ہیں' کیا یہ شرعاً جائز ہیں؟

جواب لاٹری کی یہ تمام سکیمیں در حقیقت قمار اور جوئے ہی کا عنوان ہیں اور وہ کتاب و سنت اور اجماع کی روشنی میں حرام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ فِى ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾﴾ (المائدۃ۵/ ۹۰۔۹۱)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ' شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔"

مسلمانوں کے لیے جوا قطعاً حلال نہیں ہے' خواہ جوئے سے حاصل ہونے والے مال کو نیکی کے کاموں میں کیوں نہ خرچ کیا جائے۔ کیونکہ دلائل شریعت کی روشنی میں جوا خبیث اور حرام ہے اور جوئے سے حاصل ہونے والا مال بھی حرام ہے' لہٰذا اسے ترک کرنا اور اس سے بچنا واجب ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

شیخ ابن باز

بینکوں کے انعامی بانڈز

سوال بعض ملکوں میں کچھ بینک انعامی بانڈز جاری کرتے ہیں۔ ان بانڈز کو بینکوں سے خریدا جاتا ہے اور ہر مہینے لاٹری کی صورت میں ان پر انعام دیا جاتا ہے' جو بانڈ کامیاب ہو جائے تو اس پر بہت بڑی رقم اسے بطور انعام ملتی ہے۔ بانڈ خریدنے والا جب چاہے بینک کو بانڈ واپس کر کے اس کی قیمت حاصل کر سکتا ہے۔ تو یہ خطیر رقم جو بانڈ پر انعام کی صورت میں ملتی ہے' اس کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسے سوال میں ذکر کیا گیا ہے' تو یہ جوئے کا معاملہ ہے جو کبیرہ گناہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡخَمۡرُ وَٱلۡمَيۡسِرُ وَٱلۡأَنصَابُ وَٱلۡأَزۡلَٰمُ رِجۡسٞ مِّنۡ عَمَلِ ٱلشَّيۡطَٰنِ فَٱجۡتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ ۝٩٠ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيۡطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيۡنَكُمُ ٱلۡعَدَٰوَةَ وَٱلۡبَغۡضَآءَ فِي ٱلۡخَمۡرِ وَٱلۡمَيۡسِرِ وَيَصُدَّكُمۡ عَن ذِكۡرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِۖ فَهَلۡ أَنتُم مُّنتَهُونَ ۝٩١ ﴾ (المائدة٥/ ٩٠-٩١)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ' شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔"

جو شخص یہ معاملہ کر رہا ہو تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرے' آئندہ کے لیے اس سے اجتناب کرے اور اس طرح جو کمائی کی ہو اس سے خلاصی حاصل کرے' ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

فتویٰ کمیٹی

تجارتی اداروں کی طرف سے انعامات

سوال تجارتی اداروں کی طرف سے پیش کیے جانے والے انعامات کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اَلْحَمْدُ للهِ وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰی رَسُوْلِ اللهِ وَآلِهِ صَحْبِهِ. أَمَّا بَعْدُ:

ملاحظہ کیا گیا ہے کہ بعض تجارتی ادارے اخبارات وغیرہ میں اس طرح کے اعلانات شائع کرتے ہیں کہ جو لوگ ان سے سامان خریدیں گے وہ انہیں انعامات دیں گے' اس سے بعض لوگ دوسرے اداروں کی بجائے انہی اداروں سے سامان خریدتے ہیں یا وہ انعام کے لالچ میں ایسا سامان بھی خرید لیتے ہیں' جس کی انہیں قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہوتی' یہ چونکہ اس جوئے کی ایک قسم ہے' جو شرعاً حرام ہے اور پھر یہ باطل طریقے سے لوگوں کے مال کھانے کا ذریعہ بھی ہے' اس سے اپنے سامان کو تو بیچا جا سکتا ہے لیکن دوسروں کے لیے یہ کساد بازاری کا سبب بنتا ہے' جو اس طرح کی جوا بازی سے کام نہیں لیتے' اس لیے میں نے مناسب یہ سمجھا کہ قارئین کرام کی توجہ اس جانب مبذول کراؤں کہ یہ عمل حرام ہے اور اس حرام طریقے سے حاصل ہونے والا انعام بھی حرام ہے کیونکہ یہ جوا ہے اور جوا شرعاً حرام ہے۔ لہٰذا تاجروں کے لیے واجب ہے کہ وہ اس جوا سے اجتناب کریں اور جس طرح دیگر لوگوں کے لیے حلال مال کافی ہے' ان کے لیے بھی کافی ہونا چاہیے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَأْكُلُوٓاْ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوٓاْ أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَٰنًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾ ﴾ (النساء٤/ ٢٩۔٣٠)

"اے مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ' ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ حاصل ہو جائے تو وہ جائز ہے) اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو' کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے اور جو تعدی اور ظلم سے ایسا کرے گا ہم اس کو عنقریب جہنم میں داخل کریں گے اور یہ اللہ کو آسان ہے۔"

یہ جوا اس تجارت کے قبیل میں سے نہیں ہے جو آپس کی رضامندی سے جائز ہوتی ہے بلکہ یہ تو وہ جوا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے کیونکہ یہ باطل طریقے سے مال کھانا ہے اور پھر اس سے بغض و عداوت پیدا ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ فِى ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾ ﴾ (المائدۃ٥/ ٩٠۔٩١)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ' شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔"

اللہ تعالیٰ ہی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق بخشے' جس میں اس کی رضا اور اس کے بندوں کی بہتری ہو اور ہم سب کو ہر اس عمل سے محفوظ رکھے' جو اس کی شریعت کے مخالف ہو۔

انہ جواد کریم' و صلی اللّٰہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ

——— شیخ ابن باز ———

حیوانات' پرندوں اور دیگر جانوروں کے بارے میں احکام

مویشی جب کھیتوں میں داخل ہو کر انہیں خراب کر دیں

سوال کیا رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث جو اونٹوں اور کھیتوں کے مالکان میں فیصلہ کے بارے میں ہے' بکریوں' گایوں اور ان تمام مویشیوں کو شامل ہے' جن کی کسی ایسے چرواہے کے ذریعہ حفاظت کی جانی چاہیے' جو انہیں کھیتوں میں داخل ہونے سے اور درندوں کے چیر پھاڑ کھانے سے بچائے یا یہ حدیث صرف اونٹوں ہی کے ساتھ خاص ہے' جو دن کو کم چرتے ہیں اور رات کو ان کی حفاظت کی جاتی ہے؟

جواب اولاً: اس موضوع سے متعلق جو حدیث وارد ہے' اسے امام احمد نے "مسند" میں اور امام ابو داود' نسائی اور ابن ماجہ نے اپنے اپنے "سنن" میں' نیز کئی دیگر محدثین نے بھی روایت کیا ہے' الفاظ قریباً ایک جیسے ہیں۔ ابو داود کی روایت میں یہ ہے کہ حرام بن محیصہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

«كَانَتْ لَهُ نَاقَةٌ ضَارِيَةٌ فَدَخَلَتْ حَائِطًا فَأَفْسَدَتْ فِيهِ، فَكُلِّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِيهَا فَقَضَى: أَنَّ حِفْظَ الْحَوَائِطِ بِالنَّهَارِ عَلٰى أَهْلِهَا، وَأَنَّ حِفْظَ الْمَاشِيَةِ بِاللَّيْلِ عَلٰى أَهْلِهَا، وَأَنَّ عَلٰى أَهْلِ الْمَاشِيَةِ مَا أَصَابَتْ مَاشِيَتُهُمْ بِاللَّيْلِ»(سنن أبي داود، البيوع، باب المواشي تفسد زرع قوم، ح: ٣٥٧٠ وسنن ابن ماجه، ح: ٢٣٣٢، والنسائي في الكبرى، ح: ٥٧٨٤ ومسند أحمد: ٥/ ٤٣٦)

"اس کی ایک نقصان پہنچانے والی اونٹنی تھی' جس نے ایک باغ میں داخل ہو کر اسے نقصان پہنچایا تو انہوں نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فیصلہ یہ فرمایا کہ باغوں کی دن کے وقت حفاظت ان کے مالکان کی ذمہ داری ہے اور جانوروں کی رات کے وقت حفاظت ان کے مالکان کی ذمہ داری ہے۔ جانور رات کے وقت جو نقصان پہنچائیں تو اس کی ذمہ داری ان کے مالکان پر ہے۔"

امام ابوداود نے ایک دوسری سند کے ساتھ یہ بھی روایت کیا ہے' جسے حرام بن محیصہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے:

«أَنَّ نَاقَةً لِلْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ دَخَلَتْ حَائِطَ رَجُلٍ فَأَفْسَدَتْهُ عَلَيْهِمْ، فَقَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى أَهْلِ الأَمْوَالِ حِفْظَهَا بِالنَّهَارِ وَعَلٰى أَهْلِ الْمَوَاشِي حِفْظَهَا بِاللَّيْلِ»(سنن أبي داود، البيوع، باب المواشي تفسد زرع قوم، ح:٣٥٦٩ والنسائي في الكبرى، ح: ٥٧٨٤ ومسند أحمد: ٥/ ٤٣٦)

"براء کی اونٹنی نے ایک شخص کے باغ میں داخل ہو کر اسے نقصان پہنچایا تو رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ یہ فرمایا کہ دن کے وقت اپنے اموال کی حفاظت اہل اموال کی ذمہ داری ہے' جب کہ مویشیوں کے مالکان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ رات کے وقت ان کی حفاظت کریں (تاکہ کسی کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔")

ثانیاً: نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث ایک خاص سبب کے بارے میں وارد ہوئی ہے اور وہ سبب ہے براء کی اونٹنی کا کسی دوسرے شخص کی کھیتی کو خراب کر دینا' لیکن اس کے لیے آپ نے جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں' وہ عام ہیں اور وہ یہ کہ

آپ نے فرمایا کہ رات کے وقت جانوروں کی حفاظت ان کے مالکان کی ذمہ داری ہے۔ اور جانور جو نقصان پہنچائیں گے اس کا تاوان ان کے مالکان پر ہو گا' تو اعتبار حدیث کے عام الفاظ ہی کا ہو گا' خاص سبب کا نہیں۔ ماشیہ (مویشی) کا لفظ عام ہے' جو بکریوں اور گایوں پر بھی مشتمل ہے۔

ثالثاً: بہت سے علماء نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور اس کے مطابق عمل کیا ہے۔ مثلاً امام مالک' شافعی' احمد اور کئی دیگر ائمہ نے یہی فرمایا ہے کہ جانور کے مالک پر اس نقصان کا تاوان ہو گا جو اس کا جانور رات کے وقت پہنچائے اور وہ جو نقصان دن کے وقت پہنچائے اس کا وہ ذمہ دار نہیں ہو گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارا عمل اسی حدیث کے مطابق ہے کیونکہ یہ ثابت ہے' متصل ہے اور اس کی سند کے تمام رجال بھی معروف ہیں اور انہوں نے اس حدیث کو دوسری حدیث ((اَلْعَجْمَاءُ جُبَارٌ)) [1] "جانوروں کا نقصان رائیگاں جاتا ہے" کے عموم کا مخصص قرار دیا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ مویشیوں کے مالکان کو مطلقاً تاوان ادا کرنا ہو گا خواہ وہ دن کو نقصان پہنچائیں یا رات کو اور بعض نے کہا ہے کہ جانوروں کے نقصان پر مطلقاً تاوان نہیں ہے لیکن ان میں سے پہلا قول ہی مختار ہے کیونکہ اس طرح عام و خاص دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ جو شخص اس سلسلہ میں مزید علم چاہے' اسے کتب کے متعلقہ مقامات پر علماء کے اقوال و دلائل کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور جسے اس طرح کا واقعہ کوئی مسئلہ درپیش ہو تو اسے قاضی کی خدمت میں پیش کرنا چاہیے۔ قاضی معتبر علماء کے اقوال کی روشنی میں جو فیصلہ کرے تو اس کا حکم نافذ ہو گا اور اس سے اختلاف ختم ہو جائے گا۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و علی آلہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

جانوروں کے کان پر داغ لگانا یا اسے جلانا یا کاٹنا

سوال ہمیں ایک شیخ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جانور کے کان پر داغ لگانا یا اسے جلانا یا جزئی یا کلی طور پر کاٹنا امر شیطان میں سے ہے اور ایسا کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کا سبب بنتا ہے' کیا یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟

جواب اسلام میں اصول تو یہ ہے کہ مویشی چوپاؤں کا احترام کیا جائے اور انہیں کان کے داغنے یا سوراخ کرنے یا کلی و جزئی طور پر کاٹنے وغیرہ کی صورت میں ایذاء نہ دی جائے الا یہ کہ اس کی کوئی ناگزیر ضرورت ہو مثلاً وہ اس کے ذریعے سے اپنے یا دوسرے کے لیے شناخت کی علامت لگانا چاہتا ہو لیکن اس صورت میں بھی چہرے پر داغ نہ لگایا جائے یا ہدی (قربانی) کے لیے لے جائے جانے والے اونٹوں کی کوہانوں کو چیرا دینا چاہتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ حدود حاجت کے اندر رہے اور اس کی غرض بھی صحیح ہو۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ میں صبح سویرے عبداللہ بن ابی طلحہ کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ آپ اسے گھٹی دیں۔ میں جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے دست مبارک میں اس وقت داغ لگانے والا ایک آلہ تھا' جس کے ساتھ آپ صدقہ کے اونٹوں کو داغ لگا رہے تھے۔ [2] احمد اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو

---

[1] صحیح البخاری' الزکاۃ' باب فی الرکاز الخمس' حدیث:1499 و صحیح مسلم' الحدود' باب جرح العجماء و المعدن' حدیث:1710

[2] صحیح البخاری' الزکاۃ' باب و سم الامام ابل ....' حدیث:1502 و صحیح مسلم' اللباس' باب جواز و سم الحیوان ...' حدیث:2119

آپ بکریوں کے کانوں پر داغ لگا رہے تھے۔ [1] صحیح بخاری میں مِسْوَر بن مَخْرَمَہ اور مروان کی روایت ہے کہ نبی ﷺ چودہ سو سے کچھ زیادہ صحابہ کرام کے ساتھ نکلے حتیٰ کہ جب مقام ذوالحلیفہ میں پہنچے تو نبی اکرم ﷺ نے ہدی کے اونٹوں کو قلادہ پہنایا اور ان کا شعار بھی کیا۔ [2] شعار یہ ہے کہ اونٹ کی کوہان کو زخمی کر دیا جائے حتیٰ کہ خون بہہ نکلے اور پھر خون کو بند کر دے تو یہ اس بات کی علامت ہو گی کہ یہ ہدی کا جانور ہے۔ یاد رہے! چہرے پر داغ لگانا جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور ایسا کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ [3] وباللہ التوفیق۔ و صلی اللّٰہ وسلم علی عبدہ و رسولہ محمد و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی برائے بحوث علمیہ و افتاء ———

گھر میں کتا پالنا

سوال ہمارے گھر میں ایک کتیا ہے' جسے ہم اس وقت گھر لائے تھے جب ہمیں گھر میں بلا ضرورت کتا رکھنے کے بارے میں حکم معلوم نہ تھا اور جب ہمیں یہ حکم معلوم ہو گیا تو ہم نے کتیا کو بھگایا مگر وہ نہ گئی کیونکہ وہ گھر سے مانوس ہو گئی تھی اور میں اسے قتل بھی نہیں کرنا چاہتا' تو اب اس مسئلہ کا حل کیا ہے؟

جواب اس میں کوئی شک نہیں کہ ان امور کے سوا کتا پالنا حرام ہے' جن کی شریعت نے اجازت دی ہے اور شریعت نے شکار کے لیے یا مویشیوں اور کھیتوں کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے کی اجازت دی ہے اور جو شخص ان امور کے علاوہ بلا ضرورت کتا رکھتا ہے تو اس کے اجر و ثواب میں سے ہر روز ایک قیراط کے برابر کمی کر دی جاتی ہے اور جب ثواب میں ایک قیراط کمی کی جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ وہ شخص گناہ گار ہے کیونکہ اجر و ثواب کا ختم کر دینا یا گناہ کا حاصل ہونا دونوں ہی اس عمل کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں' جس کی وجہ سے ایسا ہوا ہو۔

اس مناسبت سے میں ان تمام فریب خوردہ لوگوں کو جو کتے پالنے کے شوق میں کافروں کے فعل سے دھوکا کھائے ہوئے ہیں' یہ نصیحت کروں گا کہ کتا ایک خبیث جانور ہے اور جانوروں کی نجاستوں میں سے اس کی نجاست بہت زیادہ ہے کہ یہ اس وقت تک پاک ہی نہیں ہو سکتی جب تک اسے سات بار نہ دھویا جائے' جن میں سے ایک بار اسے مٹی سے پاک کیا جائے۔ کتا اس قدر نجس ہے کہ خنزیر جو کہ نص قرآنی کی رو سے حرام اور ناپاک ہے' اس کی نجاست بھی کتے کی نجاست کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔

کتا نجس اور خبیث ہے لیکن بہت افسوس ہے کہ بعض لوگ جو کفار کی نقالی کا شوق رکھتے ہیں' وہ بھی ناپاک چیزوں کو پسند کرتے ہیں اور بلا ضرورت و حاجت کتے رکھنے لگ جاتے ہیں' انہیں اپنے گھروں میں رکھتے' پالتے پوستے اور انہیں صاف رکھنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ کبھی پاک صاف ہو ہی نہیں سکتے خواہ انہیں دریاؤں اور سمندروں کے پانیوں کے ساتھ کیوں نہ دھویا جائے کیونکہ یہ نجس عین ہیں۔ پھر یہ لوگ کتے پر بہت زیادہ مال صرف کر کے اسے ضائع کرتے ہیں

---

[1] مسند احمد' 171/3 و سنن ابن ماجه' اللباس' باب لبس الصوف' حدیث: 3565

[2] صحیح البخاري' الحج' باب من أشعر وقلد --- حدیث: 1694' 1695

[3] صحیح مسلم' اللباس' باب النهي عن ضرب الحیوان في وجهه' حدیث: 2116' 2117

اور نبی کریم ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

میں ان فریب خوردہ لوگوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کریں۔ کتوں کو اپنے گھروں سے نکال دیں۔ البتہ اگر کسی شخص نے شکار کے لیے یا مویشی اور کھیتی کی حفاظت کے لیے کتا رکھا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس کی اجازت عطا فرمائی ہے۔ (1)

اب ہم اپنے اس بھائی کے سوال کے جواب میں عرض کریں گے کہ جب آپ اس کتیا کو اپنے گھر سے نکال دیں گے تو پھر آپ اس کے بارے میں جواب دہ نہیں ہوں گے۔ آپ اسے اپنے پاس نہ رکھیں، نہ اسے جگہ دیں۔ ہو سکتا ہے کہ جب یہ گھر کے دروازے کے باہر ہی رہے تو چلی جائے اور شہر سے باہر نکل جائے اور اللہ تعالیٰ کے رزق کو کھانے لگے جس طرح کہ دیگر کتے کھاتے ہیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

پہچان کے لیے جانوروں اور مویشیوں کو داغ لگانا

سوال فقہ میں ایسے دلائل موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں اور مویشیوں کے چہروں پر داغ لگانا حرام ہے لیکن ہم بادیہ نشین لوگ اپنے جانوروں کو داغ لگانے پر مجبور ہیں تاکہ وہ چراگاہ میں دوسرے لوگوں کے جانوروں کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائیں اور پھر اس طرح کے داغ لگے ہوئے جانوروں کا چوروں کے لیے چرانا اور انہیں فروخت کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ تو کیا ان صورتوں میں جانوروں کو داغ لگانا جائز ہے؟

جواب ہاں سوال میں مذکور اغراض کے لیے جانوروں کو داغ لگانا جائز ہے بشرطیکہ داغ چہرے پر نہ لگایا جائے کیونکہ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ کے ہاتھ میں داغ لگانے والا آلہ تھا، جس سے آپ صدقہ کے اونٹوں کو داغ لگا رہے تھے۔ (2) احمد اور ابن ماجہ رحمہما اللہ کی حضرت انس ہی سے روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس وقت بکریوں کے کانوں پر داغ لگا رہے تھے (3) جہاں تک چہرے پر داغ لگانے کا تعلق ہے، تو یہ جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ (4)

—— فتویٰ کمیٹی ——

بلوں کی جنسی صلاحیت کو ختم کر دینا

سوال مغرب میں بلوں کی جنسی صلاحیت کو ختم کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ ایذاء کا باعث نہ بنیں، تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

---

(1) صحیح مسلم، الطهارة، باب حکم ولوغ الکلب، حدیث: 280

(2) صحیح البخاری، الزکاة، باب وسم الامام ابل الصدقة بیده، حدیث: 1502 و صحیح مسلم، اللباس، باب جواز وسم الحیوان غیر الآدمی--- حدیث: 2119

(3) مسند احمد، 171/3 و سنن ابن ماجه، اللباس، باب لبس الصوف، حدیث: 3565

(4) صحیح مسلم، اللباس، باب النهی عن ضرب الحیوان فی وجهه، حدیث: 2116، 2117

جواب جب بلے بہت زیادہ ہوں اور ایذاء پہنچائیں اور آپریشن سے انہیں اذیت نہ پہنچے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ انہیں قتل کرنے سے زیادہ بہتر ہے اور اگر بلے عام نوعیت کے ہوں اور کسی ایذاء کا باعث نہ بنتے ہوں تو پھر شائد ان کی بقاء ہی میں بہتری ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ڈیکوریشن کے لیے پرندے اور مچھلیاں رکھنا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ پرندوں مثلاً طوطوں وغیرہ کو پنجروں میں ڈال کر گھروں میں ڈیکوریشن کے لیے استعمال کیا جائے یا بلبلوں کو پنجروں میں ڈال کر گھروں میں رکھا جائے تاکہ ان کی آواز سے لطف اٹھایا جائے یا پانی کے حوض میں رنگین مچھلیوں کو رکھا جائے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان جانوروں پر ظلم نہ کیا جائے اور ان کے کھانے پینے کا اچھا انتظام کیا جائے' خواہ یہ طوطا ہو یا کبوتر ہو یا مرغ ہو بشرطیکہ ان سے اچھا سلوک کیا جائے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے اور خواہ انہیں حوضوں میں رکھا جائے یا پنجروں میں۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

پنجروں میں پرندوں کا بند کرنا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ گھروں یا باغوں میں بعض پرندوں کو پنجروں میں بند کر کے ڈیکوریشن کے لیے استعمال کیا جائے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان پرندوں کا رکھنے والا ان کے کھانے پینے کا مناسب انتظام کرے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ، لَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَسْقِهَا، وَلَمْ تَتْرُكْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الأَرْضِ»
(صحيح البخاري، المساقاة، باب فضل سقي الماء، ح:٢٣٦٥ وصحيح مسلم، السلام، باب تحريم قتل الهرة، ح:٢٢٤٣ واللفظ له)

"ایک عورت کو جہنم میں ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا۔ جسے اس نے نہ تو خود کھلایا پلایا اور نہ اسے چھوڑا تاکہ وہ زمین سے گھاس پھوس کو کھالیتی۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلی کو بند کرنے کے ساتھ ساتھ اگر وہ اسے کھلاتی پلاتی تو اسے عذاب نہ ہوتا۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

پرندوں سے متعلق ایک اور سوال

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے' جو اپنے بچوں کے دل بہلانے کیلئے پرندوں کو پنجروں میں بند کر کے رکھتا ہے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ ان کے کھانے پینے کا مناسب انتظام کرے کیونکہ اس طرح کے مسائل میں اصول یہ ہے کہ وہ حلال ہیں الا یہ کہ ان کی حرمت کی کوئی دلیل موجود ہو' لیکن ہمارے علم کے مطابق ان کی حرمت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

تمہیں کوئی گناہ نہیں ہو گا

سوال ہم نے ڈیکوریشن کے لیے پنجروں میں پرندے رکھے ہوئے ہیں‘ ہم ان کے لیے ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرتے ہیں اور ہر روز صبح کے وقت ہم تازہ اور ٹھنڈی ہوا کے لیے انہیں باہر کھلی فضا میں بھی رکھ دیتے ہیں۔ ایک دن ہم انہیں باہر رکھ کر بھول گئے حتیٰ کہ دھوپ آگئی اور وہ دھوپ کی وجہ سے مرگئے‘ جس کی وجہ سے ہم ان پرندوں کے رکھنے پر بہت نادم ہوئے تو فتویٰ عطا فرمائیں کیا ان پرندوں کے رکھنے کی وجہ سے ہمیں کوئی کفارہ ادا کرنا پڑے گا یا نہیں؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح تم نے ذکر کیا ہے تو پھر تمہیں کوئی گناہ نہیں ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۸۶)

"اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول اور چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا۔"

اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے جواب میں فرمایا کہ میں نے ایسا ہی کیا۔[1] یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی اس دعا کو قبول فرمالیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

موذی کیڑوں مکوڑوں کا مارنا

سوال ایک سائل نے یہ پوچھا ہے کہ ہمارے شہر میں چیونٹیاں بہت خوفناک صورت اختیار کر گئی ہیں کہ نہ صرف وہ کھانے پینے کی چیزوں اور لباس کو نقصان پہنچاتی ہیں بلکہ وہ ہمیں جسمانی طور پر بھی نقصان پہنچاتی ہیں تو کیا انہیں مارنا جائز ہے؟ ان کے مارنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ کیا یہ ہمارے لیے ابتلاء ہے؟ ہم اسے کس طرح دور کریں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسے بیان کیا گیا ہے تو پھر تمہارے لیے چیونٹیوں کو مارنا جائز ہے۔ خواہ اس کے لیے آگ کے سوا کوئی بھی طریقہ اختیار کرو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بھی ابتلاء و امتحان ہے لہٰذا اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کرنا چاہیے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

پانچ موذی جانور

سوال میں نے "الفواسق الخمس" کے الفاظ سنے ہیں‘ ان کے کیا معنی ہیں؟ کیا ہمیں یہ حکم ہے کہ ان کو قتل کر دیں حتیٰ کہ حرم میں بھی قتل کر دیں؟

جواب پانچ موذی چیزوں سے مراد ہیں ① چوہیا ② بچھو ③ باؤلا کتا ④ کوا اور ⑤ چیل۔ یہ وہ پانچ چیزیں ہیں‘ جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

---

[1] صحیح مسلم‘ الایمان‘ باب بیان تجاوز اللہ تعالیٰ عن حدیث النفس --- الخ‘ حدیث: 126

«خَمْسٌ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ»(صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب ما يقتل المحرم من الدواب، ح:١٨٢٩ وصحيح مسلم، الحج، باب ما يندب للمحرم وغيره قتله من الدواب في الحل والحرم، ح:١١٩٨ واللفظ له)

"پانچ چیزیں موذی ہیں' انہیں حل و حرم میں ہلاک کر دیا جائے۔"

لہٰذا انسان کے لیے مسنون یہ ہے کہ وہ ان پانچ موذی چیزوں کو قتل کرے خواہ اس نے احرام باندھا ہو یا نہ باندھا ہو اور خواہ وہ حدود حرم کے اندر ہو یا باہر کیونکہ بعض اوقات یہ ایذاء اور نقصان پہنچانے کا باعث بنتی ہیں اور ان پانچ چیزوں پر ان کو بھی قیاس کیا جائے گا جو ان جیسی ہوں یا ان سے بھی زیادہ ایذاء اور نقصان پہنچانے والی ہوں۔ البتہ گھروں میں آ جانے والے سانپوں کو اس وقت تک قتل نہ کیا جائے' جب تک ان سے تین بار یہ نہ کہہ دیا جائے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ جن ہوں۔ البتہ ان میں سے چھوٹے اور زہریلے سانپ اور خبیث قسم کے سانپ کو ہر جگہ قتل کیا جا سکتا ہے خواہ وہ گھروں ہی میں کیوں نہ ہوں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اَبْتَرْ اور ذُوالطُّفْيَتَيْنِ کے سوا دیگر سانپوں کے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اَبْتَرْ سے مراد وہ سانپ ہے جس کی دم چھوٹی ہو اور ذُوالطُّفْيَتَيْنِ سے مراد وہ ہے جس کی پشت پر دو سیاہ لکیریں ہوں۔ ان دونوں قسم کے سانپوں کو ہر جگہ اور ہر حال میں قتل کیا جا سکتا ہے' ان کے سوا دیگر سانپوں کو تین بار وارننگ دیئے بغیر قتل نہ کیا جائے۔ وارننگ اس طرح دی جائے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ' میں تمہیں اپنے گھر میں رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا' یا اس طرح کا کوئی اور کلمہ کہا جائے جس سے معلوم ہو کہ آپ اسے ڈرا کر بھگا رہے ہیں اور اپنے گھر میں رہنے کی اجازت نہیں دے رہے اور اس کے بعد بھی اگر وہ گھر میں رہے تو وہ جن نہیں ہے یا اگر وہ جن ہو تو اس کے بعد اس کا خون رائیگاں ہے لہٰذا اسے قتل کر دیا جائے اور اگر اس حالت میں وہ زیادتی کرے تو اسے دور ہٹایا اور اپنا دفاع کیا جا سکتا ہے خواہ پہلی مرتبہ ہی ایسا ہو۔ اگر اپنے دفاع کے نتیجہ میں وہ قتل ہو جائے یا قتل کے بغیر اس کے ایذاء سے بچنے کی کوئی اور صورت نہ ہو تو اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ یہ اپنی جان کے دفاع کے باب سے ہو گا۔

شیخ ابن عثیمین

گھروں کے حشرات کو قتل کرنا

کیا گھروں میں پائے جانے والے کیڑوں مکوڑوں مثلاً چیونٹی اور جھینگر وغیرہ کو آگ کے ساتھ جلا دینا جائز ہے اور اگر جائز نہیں تو پھر ان سے خلاصی کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

سوال یہ کیڑے مکوڑے اگر ایذاء کا باعث بنیں تو انہیں کیڑے مار دواؤں کے ساتھ ختم کرنا تو جائز ہے لیکن آگ کے ساتھ جلانا جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "پانچ جانور ایذاء کا باعث ہیں' انہیں حل و حرم میں قتل کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہیں (۱) کوا (۲) چیل (۳) چوہیا (۴) باؤلا کتا (۵) بچھو۔ اور ایک دوسری حدیث میں چھٹے جانور کے طور پر سانپ کا بھی ذکر ہے۔ [1]

[1] صحیح البخاری' جزاء الصید' باب مایقتل' المحرم من الدواب' حدیث : 1829 و صحیح مسلم الحج' باب مایندب للمحرم وغیرہ قتلہ من الدواب فی الحل و الحرم' حدیث : 1198

رسول اللہ ﷺ نے ان کے ایذاء پہنچانے کی وجہ سے انہیں ”فواسق“ قرار دیا ہے اور ایذاء نہ پہنچانے والے جانوروں سے انہیں الگ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ انہیں حل و حرم میں ہر جگہ قتل کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کچھ اور جاندار مثلاً چیونٹی‘ جھینگر اور گبریلا وغیرہ ایذاء پہنچائیں تو انہیں بھی کیڑے مار دواؤں سے قتل کیا جا سکتا ہے‘ البتہ آگ کے ساتھ نہیں جلانا چاہیے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

غیبت‘ چغلی اور مجلس کے احکام

غیبت‘ کینہ اور عداوت پیدا کرنے کا سبب ہے

سوال بعض لوگ --اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے-- غیبت کو گناہ یا حرام نہیں سمجھتے اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر اس انسان میں وہ برائی موجود ہو جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں تو پھر اس کی غیبت حرام نہیں ہے۔ اور یہ لوگ اس بارے میں احادیث مصطفیٰ ﷺ سے تجاہل سے کام لیتے ہیں‘ امید ہے آنجناب اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا؟

جواب غیبت حرام اور کبیرہ گناہ ہے‘ خواہ عیب اس شخص میں موجود ہو یا نہ ہو‘ کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے جب غیبت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

«ذِكْرُ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيلَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ؟ قَالَ: إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ، فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ، فَقَدْ بَهَتَّهُ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الغيبة، ح:٢٥٨٩)

”تمہارا اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جسے وہ ناپسند کرے۔“ عرض کیا گیا: اگر میرے بھائی میں وہ عیب موجود ہو‘ جسے میں بیان کر رہا ہوں؟ آپ نے فرمایا: اگر اس میں یہ خرابی موجود ہے‘ جو تم کہہ رہے ہو تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر یہ اس میں موجود نہیں ہے تو تم نے اس پر بہتان باندھا ہے۔“

حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ ”جب نبی ﷺ نے شب معراج کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے پیتل کے ناخن تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو زخمی کر رہے تھے‘ آپ نے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا تو آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کو کھایا کرتے‘ اور ان کی عزتوں کو پامال کرتے تھے۔“ [1]

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱجْتَنِبُوا۟ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا۟ وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾ ﴾

(الحجرات٤٩/ ١٢)

---

[1] سنن ابی داود‘ الادب‘ باب فی الغیبة‘ حدیث: 4878

"اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو بلاشبہ بعض گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسّس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے۔ (تو غیبت نہ کرو) اور اللہ کا ڈر رکھو' بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

لہٰذا ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے کہ وہ غیبت سے اجتناب کرے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بجا لاتے ہوئے اسے ترک کرنے کی دوسروں کو بھی وصیت کرے۔ مسلمان کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرے اور ان کے عیوب و نقائص کو دوسروں کے سامنے ظاہر نہ کرے کیونکہ غیبت معاشرے میں کینہ' عداوت اور انتشار پیدا کرنے کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہر قسم کی نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔

—— شیخ ابن باز ——

غیبت کرنے والے سے قطع تعلق

سوال میرا ایک دوست ہے جو اکثر لوگوں کی غیبت کرتا رہتا ہے' میں نے اسے سمجھایا ہے لیکن بے سود اور معلوم ہوتا ہے کہ غیبت کرنا اس کی عادت بن چکا ہے' ممکن ہے کہ بسا اوقات لوگوں کے بارے میں اس کی گفتگو حسن نیت ہی سے ہو تو کیا اس سے تعلق قطع کرنا جائز ہے؟

جواب مسلمانوں کی عزتوں کے بارے میں ایسی گفتگو کرنا جسے وہ ناپسند کرتے ہوں ایک بہت بڑی برائی' حرام غیبت اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴾ (الحجرات۴۹/ ۱۲)

"اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت نہ کرو) اور اللہ کا ڈر رکھو' بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَتَدْرُونَ مَا الْغِيبَةُ؟ قَالُوا: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيلَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ؟ قَالَ: إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الغيبة، ح:۲۵۸۹)

"کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ کہ تم اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرو جسے وہ ناپسند کرے۔ عرض کیا گیا: اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو جو میں کہہ رہا ہوں؟ آپ نے فرمایا: اگر اس میں وہ بات موجود ہو جو تم کہہ رہے ہو تو تم نے اس کی

غیبت کی اور اگر اس میں وہ بات موجود ہی نہ ہو تو پھر اس صورت میں تم نے اس پر بہتان باندھا۔"
یہ بھی صحیح حدیث میں ہے کہ شب معراج نبی ﷺ کا گزر کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا، جن کے تانبے کے ناخن تھے اور وہ ان کے ساتھ اپنے چہروں اور سینوں کو زخمی کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے بتایا:

«هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ وَيَقَعُونَ فِي أَعْرَاضِهِمْ»(سنن أبي داود، الأدب، باب في الغيبة، ح:٤٨٧٨ ومسند أحمد:٣/ ٢٢٤)

"یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے اور ان کی عزتوں کو پامال کرتے تھے۔"
اسے امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جید سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ علامہ ابن مفلح فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ امام ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت کو بھی بیان کیا ہے، جس کی سند حسن ہے:
«إِنَّ مِنَ الْكَبَائِرِ اسْتِطَالَةَ الْمَرْءِ فِي عِرْضِ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقٍّ»(سنن أبي داود، الأدب، باب في الغيبة، ح:٤٨٧٧)
"کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی مسلمان آدمی کی عزت پر ناحق زبان درازی کی جائے۔"
آپ اور دیگر تمام مسلمانوں کے لیے یہ واجب ہے کہ اس شخص کی صحبت کو اختیار نہ کریں، جو مسلمانوں کی غیبت کرے، البتہ اسے نصیحت کی جائے اور اس کے غیبت کرنے کی مخالفت کی جائے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:
«مَنْ رَأٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان ... الخ، ح:٤٩)
"تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے سمجھا دے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اسے دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔"
اور اگر وہ آپ کی بات کو نہ مانے تو اس کی ہم نشینی کو ترک کر دو کیونکہ یہ بھی اس برائی کی تردید ہی کے قبیل سے ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کے حالات درست فرمائے اور انہیں ان اعمال کی توفیق بخشے، جو دنیا و آخرت میں ان کے لیے موجب سعادت و نجات ہوں۔

—— شیخ ابن باز ——

فاسق کی غیبت

سوال اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہو نہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو بلکہ وہ ہر طرح کے ایسے برے عمل کرتا ہو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضی کا باعث بنتے ہوں تو کیا ایسے شخص کی غیبت جائز ہے تاکہ لوگوں کو اس کے بارے میں مطلع کیا جا سکے یا اس کی غیبت بھی جائز نہیں ہے؟

جواب اس طرح کے لوگوں کو ان اعمال کے بارے میں بتایا جائے، جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور ان اعمال کی برائی اور

خرابی کو بیان کیا جائے‘ جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اگر وہ بات مان لے خواہ تھوڑی ہی سہی تو حسب گنجائش اسے سمجھانے اور نصیحت کرنے کا یہ سلسلہ جاری رکھا جائے ورنہ حتی المقدور اس کے ساتھ میل جول سے اجتناب کیا جائے تاکہ انسان برائی سے بچ سکے اور دور رہ سکے اور اگر ضرورت ہو تو اس کے واجبات میں کوتاہی کرنے اور منکرات کے ارتکاب کرنے کو بیان کیا جاسکتا ہے تاکہ لوگوں کو اس کے بارے میں بتایا جاسکے اور لوگ اس کے حالات سے آگاہ ہو کر اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں اور اگر اس کے سسرال یا شرکاء کار یا اسے بطور ملازمت رکھنے والوں میں سے کوئی اس کے بارے میں پوچھے تو پھر اس کے بارے میں بتانا واجب ہو گا یا اگر کسی شخص کے بارے میں یہ اندیشہ ہو کہ وہ اس کے جال میں نہ پھنس جائے تو اس کے شر سے بچانے کے لیے بھی اس کے سامنے اس کی صورت حال کو بیان کرنا واجب ہو گا تاکہ اہل خیر کو اس کے شر سے بچایا جاسکے اور یہ امید رکھی جاسکے کہ یہ لوگوں کے عدم التفات کو دیکھ کر اپنے برے اعمال سے باز آجائے گا لیکن یہ جائز نہیں ہے کہ محض اپنے اور لوگوں کے تلذذ کے لیے یا مجلسوں میں محض زیب داستان کے لیے اس کی بداعمالیوں اور برے اخلاق وعادات کا ذکر کیا جائے کیونکہ یہ شر پھیلانے کے مترادف ہو گا اور پھر اس سے انسانی نفوس بے حس ہو جاتے ہیں اور ان میں برائی کا احساس ختم یا کمزور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آپ کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ اس کی طرف ایسی برائیوں کو منسوب کیا جائے جو اس نے کی ہی نہیں تاکہ اس کے حال کو زیادہ برا اور اس کی صورت کو زیادہ بھیانک کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے کیونکہ یہ جھوٹ اور بہتان ہو گا اور اس سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

اگر مقصود نصیحت ہو تو یہ غیبت نہیں

سوال ایک شخص نے کسی کو کام پر رکھنا چاہا اور مجھے معلوم ہے کہ یہ شخص کئی اعتبار سے اس کام کے لیے موزوں نہیں ہے تو کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ اس شخص کے کچھ عیوب و نقائص اسے بتا دوں‘ کیا یہ غیبت تو شمار نہیں ہو گی؟

جواب اگر مقصود نصیحت اور خیر خواہی ہو تو یہ غیبت نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«الدِّينُ النَّصِيحَةُ، قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ح: ٥٥)

”دین خیر خواہی کا نام ہے‘ ہم نے کہا کس کے لیے خیر خواہی تو آپ نے فرمایا: اللہ کے لیے‘ اس کے رسول کے لیے‘ مسلمانوں کے حکمرانوں کے لیے‘ اور ان کے عوام کے لیے۔“

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی ”صحیح“ میں بیان فرمایا ہے اور صحیح بخاری و مسلم میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نماز قائم کرنے‘ زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر نبی اکرم ﷺ کی بیعت کی تھی۔[1] اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔

—— شیخ ابن باز ——

[1] صحيح البخاري‘ الايمان‘ باب قول النبى ﷺ الدين النصيحة‘ حديث: 57 و صحيح مسلم‘ الايمان باب بيان ان الدين النصيحة‘ حديث: 56

مذاق ہو یا سنجیدگی' جھوٹ ہر طرح ممنوع ہے

سوال بعض لوگ اپنے دوستوں سے گفتگو کرتے ہوئے محض ہنسی مذاق کی خاطر جھوٹ بول دیتے ہیں تو کیا یہ بھی اسلام میں ممنوع ہے؟

جواب ہاں! یہ بھی اسلام میں ممنوع ہے۔ کیونکہ ہر قسم کا جھوٹ ممنوع ہے۔ اور اس سے اجتناب کرنا واجب ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيقًا، وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا»(صحيح البخاري، الأدب، باب قول الله تعالى: ﴿يَأيها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين﴾ ... الخ، ح:٦٠٩٤ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب قبح الكذب، وحسن الصدق وفضله، ح:٢٦٠٧ واللفظ له)

"سچ کو لازم پکڑو کیونکہ سچ نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے اور آدمی ہمیشہ سچ بولتا اور سچ کو تلاش کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں سچا لکھ دیا جاتا ہے اور اپنے آپ کو جھوٹ سے بچاؤ کیونکہ جھوٹ برائی کی طرف لے جاتا ہے اور برائی جہنم کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا اور جھوٹ کی تلاش کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔"

اور نبی ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے:

«وَيْلٌ لِّلَّذِي يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَّهُ، وَيْلٌ لَّهُ»(سنن أبي داود، الأدب، باب في التشديد في الكذب، ح:٤٩٩٠ وجامع الترمذي، ح:٢٣١٥ والسنن الكبرى للنسائي:٦/٥٠٩، ح:١١٦٥٥)

"تباہی و بربادی ہے اس شخص کے لیے جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے بات کرتے ہوئے جھوٹ بولتا ہے' اس کے لیے تباہی و بربادی ہے' اس کے لیے تباہی و بربادی ہے۔"

لہٰذا ہر قسم کے جھوٹ سے اجتناب واجب ہے' خواہ وہ لوگوں کو ہنسانے کے لیے ہو یا ازراہ مذاق ہو یا سنجیدگی سے ہو۔ انسان جب اپنے آپ کو سچ بولنے کا عادی اور خوگر بنالے تو وہ ظاہر و باطن میں سچا ہو جاتا ہے اسی لیے تو نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَمَا يَزَالَ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيقًا»(صحيح البخاري، الأدب، باب قول الله تعالى ﴿يَأيها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين﴾ ... الخ، ح:٦٠٩٤ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب قبح الكذب وحسن الصدق وفضله، ح:٢٦٠٧ واللفظ له)

"آدمی ہمیشہ سچ بولتا اور سچ کی تلاش میں رہتا ہے حتیٰ کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں سچا لکھ دیا جاتا ہے۔"

اور یہ ہم میں سے کسی پر بھی مخفی نہیں کہ سچ کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اور جھوٹ کا کیا؟

شیخ ابن باز

خوش طبعی میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ سچ پر مبنی ہو

سوال دین اسلام میں خوش طبعی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا یہ بھی ''لھوالحدیث'' میں سے ہے۔ یاد رہے میرا سوال ایسی خوش طبعی کے بارے میں نہیں ہے' جس میں دین کا مذاق اڑایا گیا ہو' فتویٰ عطا فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے؟

جواب خوش طبعی اگر حق سچ پر مبنی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں خصوصاً جب کہ کثرت سے ایسا نہ کیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ بھی کبھی کبھی مزاح فرمالیا کرتے تھے۔ لیکن آپ ہر حال میں حق اور سچ ہی فرماتے تھے اور خوش طبعی میں جھوٹ ہو تو پھر یہ جائز نہیں ہے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَيْلٌ لِّلَّذِي يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيَضْحَكَ بِهِ الْقَوْمُ وَيْلٌ لَّهُ، وَيْلٌ لَّهُ»(سنن أبي داود، الأدب، باب في التشديد في الكذب، ح:٤٩٩٠ وجامع الترمذي، ح:٢٣١٥ والسنن الكبرىٰ للنسائي:٦/٥٠٩، ح:١١٦٥٥)

''تباہی و بربادی ہے اس شخص کے لیے جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے بات کرتے ہوئے جھوٹ بولتا ہے' اس کے لیے تباہی و بربادی ہے' پھر اس کے لیے تباہی و بربادی ہے۔'' (اس حدیث کو امام ابوداود' ترمذی اور نسائی نے جید سند کے ساتھ بیان فرمایا ہے)

شیخ ابن باز

انسانی گوشت کھانے کے لیے جمع ہونا

سوال میرے گاؤں کے نوجوان رات کو محفل جما کر غیبت اور چغلی کی باتیں کرتے ہیں' کیا ان کے ساتھ بیٹھنا جائز ہے؟

جواب جو لوگ اپنے بھائیوں کا گوشت کھانے کے لیے محفلیں جماتے ہیں' یہ حقیقت میں بیوقوف لوگ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ ﴾
(الحجرات٤٩/ ١٢)

''اور نہ کوئی شخص کسی کی غیبت کرے' کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے۔''

یہ لوگ جو اپنی محفلوں میں لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں' یہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں' لہٰذا آپ پر واجب ہے کہ انہیں نصیحت کریں' اگر وہ آپ کی بات مان لیں اور اپنے اس عمل کو ترک کر دیں تو بہتر ورنہ آپ کے لیے واجب ہے کہ آپ ان کی مجلس سے اٹھ کر چلے جائیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ

يَخُوضُوا۟ فِى حَدِيثٍ غَيْرِهِۦٓ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ جَامِعُ ٱلْمُنَـٰفِقِينَ وَٱلْكَـٰفِرِينَ فِى جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿١٤٠﴾

(النساء٤/ ١٤٠)

"اور اللہ نے تم (مومنوں) پر اپنی کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے تو جب تک وہ لوگ اور باتیں (نہ) کرنے لگیں، ان کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو جاؤ گے کچھ شک نہیں کہ اللہ منافقوں اور کافروں سب کو دوزخ میں اکٹھا کرنے والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنے والوں کو بھی، جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو سن کر ان کا انکار کرتے اور مذاق اڑاتے ہیں، انہی جیسا قرار دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے جو انسان کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنے اور ان کا مذاق اڑانے والوں کے ساتھ بیٹھنے والا جب ان جیسا ہے تو اسی طرح اس سے کم تر جرم کا ارتکاب کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنے والا بھی انہی کی طرح ہو گا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ غیبت کی جگہ پر بیٹھنے والا بھی گناہ کے اعتبار سے غیبت کرنے والے ہی کی طرح ہے، لہٰذا آپ کو چاہیے کہ ان کی مجلسوں کو چھوڑ دیں اور ان کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

علانیہ طور پر گناہوں کا ارتکاب کرنے والے فاسقوں کے ساتھ بیٹھنا

سوال ایک شخص اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھتا ہے مگر وہ اس مجلس میں شراب پینا شروع کر دیتے ہیں تو کیا اس صورت میں اس شخص کا ان کے پاس بیٹھنا حرام ہے؟

جواب ان فاسقوں اور فاجروں کے ساتھ بیٹھنا جائز نہیں، جو علانیہ طور پر گناہوں کا ارتکاب کر رہے ہوں مثلاً شرابیں پی رہے ہوں یا آلات لہو و لعب اور حرام موسیقی کو استعمال کر رہے ہوں یا بانسریاں اور طبلے وغیرہ بجا رہے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے ایسے دوستوں کو ان گناہوں سے بچنے کی تلقین کرے اور انہیں بتائے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان گناہوں کی کس قدر سخت سزا ہے اور دنیا میں بھی ان کے کس قدر خوفناک نتائج برآمد ہوتے ہیں اور اگر وہ اس کی ان باتوں کو قبول نہ کریں تو اسے ان سے دور ہو جانا چاہیے تاکہ ان کے ساتھ شامل ہو کر یہ بھی شقاوت اور بدبختی میں مبتلا نہ ہو جائے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

تمباکو نوشوں کی مجلس کو ترک کر دینا

سوال الحمد للہ! میں مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کا اہتمام کرتا ہوں، میں نے اپنے گھر کو وی سی آر سے پاک کر دیا اور ویڈیو فلموں کو جلا دیا ہے، نیز اپنے پاس موجود تصویروں کو بھی جلا دیا ہے، گانوں کی کیسٹوں کو میں نے اسلامی کیسٹوں میں تبدیل کر دیا ہے، میں نے داڑھی بھی رکھ لی ہے اور سنت نبوی کی اتباع میں کپڑوں کو بھی چھوٹا کر لیا ہے۔ البتہ ابھی تک ایک چیز باقی ہے، جو میری زندگی کو مکدر کیے ہوئے ہے اور وہ ہے تمباکو نوشی، میں نے اسے بھی ترک کرنے کی کوشش کی

ہے لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہو سکی۔ اسے ترک کرنے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے مجھے نصیحت فرمائیں' امید ہے آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی فرمائیں گے کہ وہ مجھے اس سے بچالے۔

جواب سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں' جس نے آپ کو حق کی ہدایت فرمائی اور اسے اختیار کرنے کے لیے اس نے آپ کی اعانت فرمائی' جس کی وجہ سے آپ نے مخالف حق کاموں کو ترک کر دیا ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حق پر ثابت قدمی اور دین میں فقاہت عطا فرمائے۔

جہاں تک تمباکو نوشی کا تعلق ہے تو آپ کے لیے واجب ہے کہ اسے بھی ترک کر کے اس سے اجتناب کریں کیونکہ اس کے نقصان بہت زیادہ ہیں اور جب آپ صدق دل سے اسے ترک کرنا چاہیں گے اور تمباکو نوشوں کی مجلسوں کو بھی چھوڑ دیں گے تو اسے ترک کرنے اور اس کے شر سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے یقیناً اللہ تعالیٰ بھی آپ کی مدد فرمائے گا۔ ہم آپ کو وصیت کرتے ہیں کہ آپ عزم صادق اور اپنی قوت ارادی کو کام میں لائیں اور اپنے سجدوں میں اور دیگر اوقات میں اللہ تعالیٰ سے بھی دعا کریں کہ وہ اسے ترک کر دینے کے سلسلے میں آپ کی مدد فرمائے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ تمباکو نوشوں کی صحبت کو بھی ترک کر دیں۔ اس سے آپ کو خیر و بھلائی حاصل ہو گی اور انجام بھی یقیناً اچھا ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱدْعُونِىٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (غافر ٤٠/ ٦٠)

"تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ﴿٤﴾ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٤)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔"

اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے' تمباکو نوشی ترک کرنے کے سلسلہ میں آپ کی مدد فرمائے اور حق پر آپ کو ثابت قدمی عطا فرمائے۔ انه سميع قريب.

—— شیخ ابن باز ——

دو چہروں والا سب لوگوں سے بد تر ہے

سوال میں دیکھتا ہوں کہ کچھ لوگ دو چہروں کے ساتھ باتیں کرتے ہیں' میرے سامنے ایک چہرے سے اور دوسرے کے سامنے دوسرے چہرے سے' تو کیا ایسے شخص کی بابت میں خاموش رہوں یا دوسروں کو بتا دوں؟

جواب دو چہروں کے ساتھ گفتگو جائز نہیں ہے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«تَجِدُونَ شَرَّ النَّاسِ ذَا الْوَجْهَيْنِ: الَّذِي يَأْتِي هٰؤُلاَءِ بِوَجْهٍ وَيَأْتِي هٰؤُلاَءِ بِوَجْهٍ»(صحيح البخاري، المناقب، باب المناقب، ح:٣٤٩٤)

"تم سب لوگوں سے برا دو چہروں والے کو پاؤ گے' جو کچھ لوگوں کے پاس ایک چہرے کے ساتھ اور دوسرے لوگوں کے پاس دوسرے چہرے کے ساتھ جاتا ہے۔"

اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی انسان کی اس کے منہ پر تو کسی دنیوی مقصد کے لیے بے حد مدح و ستائش کی جائے مگر اس کی عدم موجودگی میں دوسرے لوگوں کے سامنے اس کی مذمت کی جائے اور اس کی خامیوں کو بیان کیا جائے اور اس کا یہ طرز عمل اکثر لوگوں کے مناسب حال نہ ہو' تو جو کسی ایسے شخص کو جانتا ہو تو اس کے لیے واجب یہ ہے کہ اسے سمجھائے اور اس فعل سے باز رہنے کی تلقین کرے اور اسے بتائے کہ یہ منافقوں کی خصلت ہے اور کبھی نہ کبھی لوگ اس سے اور اس کے اس برے اور قابل مذمت طرز عمل سے آگاہ ہو جائیں گے تو وہ اس سے ناراض ہوں گے' اس کی صحبت سے بچیں گے بلکہ اس سے قطع تعلق کر لیں گے اور اس طرح یہ اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا اور اگر وہ اس طرح کی نصیحت کو قبول نہ کرے تو پھر واجب ہے کہ لوگوں کو اس کے اور اس کے فعل کے بارے میں بتایا جائے' اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کا ذکر کیا جا سکتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

«اُذْكُرُوا الْفَاجِرَ بِمَا فِيهِ يَحْذَرُهُ النَّاسُ»(كشف الخفاء ومزيل الإلباس للعجلوني: ١/ ١١٤، ح: ٣٠٥)

''فاجر کی خرابیوں کو بیان کرو تاکہ لوگ اس سے بچ سکیں۔''

——— شیخ ابن جبرین ———

خفیہ عادت (مشت زنی) کے احکام

خفیہ عادت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال آنجناب سے امید ہے کہ آپ مشت زنی کے بارے میں راہنمائی فرمائیں گے کہ اس کا حکم کیا ہے؟ نیز اس سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب خفیہ عادت یعنی مشت زنی حرام ہے۔ اس کے نقصانات بہت زیادہ اور اس کا انجام بہت بھیانک ہے جیسا کہ ماہر اطباء نے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے تذکرہ میں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ ﴾ (المؤمنون ٢٣/ ٥-٧)

''اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں تو وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں' یہ عادت ان کے خلاف ہے۔ یہ اپنے ہی نفس پر بہت ظلم و زیادتی ہے۔ اسے ترک کرنا اور اس سے بچنا واجب ہے اور اس سے بچنے کے لیے وہ طریقہ استعمال کرنا چاہیے' جس کی نبی ﷺ نے راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا:

«يَامَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ

لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح:٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه . . . الخ، ح:١٤٠٠ واللفظ له)

"اے گروہ جواناں! تم میں سے جس کو استطاعت ہو تو وہ شادی کر لے کیونکہ یہ نظر کو خوب جھکانے والی اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے والی ہے اور جسے استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ اس کی جنسی خواہش کو ختم کر دے گا۔"

امید ہے کہ اس نبوی علاج سے اس خبیث اور حرام عادت کا ان شاء اللہ خاتمہ ہو جائے گا۔ جسے روزہ رکھنے کی استطاعت نہ ہو یا وہ اس خبیث عادت کو ترک نہ کر سکتا ہو تو اسے علاج کے لیے طبیب کی طرف رجوع کرنے میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَنْزَلَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ دَاءً إِلاَّ أَنْزَلَ لَهُ دَوَاءً، عَلِمَهُ مَنْ عَلِمَهُ، وَجَهِلَهُ مَنْ جَهِلَهُ»

(مسند أحمد: ١/ ٤١٣ وسنن ابن ماجه مختصرا، ح:٣٤٣٨)

"اللہ عزوجل نے جو بیماری نازل کی ہے اس کی شفاء بھی اس نے نازل فرمائی ہے' جس نے اسے جان لیا تو اس نے جان لیا اور جو اس سے ناواقف رہا تو وہ ناواقف رہا۔"

اسی طرح نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«عِبَادَ اللهِ تَدَاوَوْا، وَلاَ تَدَاوَوْا بِحَرَامٍ»(سنن أبي داود، الطب، باب في الأدوية المكروهة، ح:٣٨٥٥ وجامع الترمذي، الطب، باب ماجاء في الدواء والحث عليه، ح:٢٠٣٨)

"اے بندگان الٰہی! علاج تو کرو مگر حرام اشیاء کے ساتھ علاج نہ کرو۔"

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں' آپ کو اور تمام مسلمانوں کو ہر برائی سے محفوظ رکھے۔

——— شیخ ابن باز ———

مشت زنی کے بارے میں حکم

سوال فضیلۃ الشیخ محمد بن عثیمین سے بھی اس عادت کے حکم کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے اس کا حسب ذیل جواب دیا:

جواب مخفی عادت یعنی ہاتھ وغیرہ سے منی خارج کرنا' دلائل کتاب و سنت اور عقل کی روشنی میں حرام ہے۔ قرآن مجید سے اس کی حرمت کی دلیل حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝﴾ (المؤمنون٢٣/ ٥-٧)

"اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں تو وہ (اللہ کی مقرر

کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

تو جو شخص اپنی بیوی یا باندی کے بغیر اپنی شہوت کو پورا کرنا چاہے تو وہ اور چیز کا طالب ہے لہٰذا یہ مخفی عادت بھی فطری طریقے کے علاوہ اور چیز ہے اور سنت سے اس کی حرمت کی دلیل نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«يَامَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح:٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠٠ واللفظ له)

"اے گروہ جوانان! تم میں سے جس کو استطاعت ہو تو وہ شادی کر لے کیونکہ یہ نظر کو خوب جھکا دینے والی اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے والی ہے۔ اور جسے استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ اس کی جنسی خواہش کو ختم کر دے گا۔"

جسے شادی کرنے کی استطاعت نہ ہو تو نبی ﷺ نے اسے روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اگر مشت زنی جائز ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کا حکم دیتے اور جب آپ نے اس کا حکم نہیں دیا' حالانکہ ایسا کرنا بہت آسان ہے تو معلوم ہوا کہ یہ جائز نہیں۔ عقلی طور پر اس کے حرام ہونے کی دلیل وہ بہت سے نقصانات ہیں' جو اس کے نتیجہ میں برآمد ہوتے ہیں۔ اہل طب نے ذکر کیا ہے کہ اس کے نقصانات سے بدن' جنسی قوت اور عقل و فکر سبھی متاثر ہوتے ہیں اور بسا اوقات یہ عادت انسان کو حقیقی نکاح سے محروم کر دیتی ہے کیونکہ انسان جب اس طرح اپنی خواہش کی تکمیل کرنے لگتا ہے تو نکاح کی طرف اس کی رغبت نہیں رہتی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مشت زنی حرام ہے

سوال کیا خفیہ عادت حرام ہے؟

جواب مشت زنی کے بارے میں علماء کے اقوال میں سے صحیح ترین قول یہی ہے کہ یہ حرام ہے کیونکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم سے یہی معلوم ہوتا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٥﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٦﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٧﴾﴾ (المؤمنون٢٣/ ٥۔٧)

"اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں تو وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

جو شخص اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنی شہوت کو اپنی بیوی یا کنیز ہی سے پوری کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف بیان فرمائی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی خواہش کی کسی اور طرح تکمیل کرے' خواہ وہ کوئی بھی طریقہ ہو

تو وہ شخص حد سے نکل جانے والا اور اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ طریقہ سے تجاوز کرنے والا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

مشت زنی کی حرمت کی دلیل

سوال مشت زنی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا کتاب و سنت میں کوئی ایسی دلیل موجود ہے' جس سے معلوم ہو کہ یہ حرام ہے؟

جواب مشت زنی حرام ہے کیونکہ یہ صحت کے لیے مضر ہے' علاوہ ازیں اس کے اور بھی بہت سے مفاسد ہیں۔ علماء نے سورۃ المؤمنون میں اللہ تعالیٰ کے حسب ذیل فرمان سے' اس کی حرمت پر استدلال کیا ہے:

﴿ فَمَنِ ٱبْتَغَىٰ وَرَآءَ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْعَادُونَ ۝٧ ﴾ (المؤمنون ۲۳/ ۷)

"اور وہ جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں تو وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

یعنی جو شخص اپنی بیوی یا کنیز کے علاوہ کسی اور طریقے کا طالب ہو تو وہ حد سے نکل جانے والوں میں سے ہے۔ شیخ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر "اضواء البیان" میں اس آیت سے یہی استدلال کیا ہے۔ بعض آثار میں ہے کہ "کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے جن کے ہاتھ حاملہ ہوں گے کیونکہ یہ لوگ اپنے آلات تناسل کے ساتھ کھیلتے تھے" اگر کسی نوجوان کو یہ خدشہ ہو کہ وہ زنا میں مبتلا ہو جائے گا تو اسے بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے اور ان علماء کا خیال ہے کہ اس سے شہوت بالکل تو ختم نہیں ہوتی البتہ اس میں کچھ کمی آجاتی ہے۔ [1] لیکن اسے بھی حصول عفت کے لیے سب سے پہلے شادی کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر اسے اس بات کی استطاعت نہ ہو تو پھر روزہ رکھنا چاہیے' اس سے اس کی شہوت ختم ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

ہاتھ کے بغیر مادہ منویہ کا خارج کرنا

سوال مخفی عادت کے بارے میں کیا حکم ہے اور اگر اس کے لیے ہاتھ کے علاوہ کوئی اور طریقہ استعمال کیا جائے تو کیا اس کا بھی یہی حکم ہو گا؟

جواب مخفی عادت حرام ہے خواہ ہاتھ سے منی نکالی جائے یا روئی وغیرہ سے عورت کی اندام نہانی کی صورت بنا کر اسے استعمال کیا جائے۔ ہر مسلمان کے لیے اس سے اجتناب کرنا واجب ہے' کیونکہ یہ فعل حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے خلاف ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَـٰفِظُونَ ۝٥ إِلَّا عَلَىٰٓ أَزْوَٰجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَـٰنُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝٦ فَمَنِ ٱبْتَغَىٰ وَرَآءَ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْعَادُونَ ۝٧ ﴾ (المؤمنون ۲۳/ ۵۔۷)

---

[1] جن علماء نے یہ بات کہی ہے ان کا یہ قول بالکل غلط اور کتاب و سنت کی نصوص کے منافی ہے۔ لہٰذا اس قول کی طرف التفات کرنا اور اس سے مشت زنی کی اجازت کی دلیل لینا بہت بڑی جسارت اور نصوص کی مخالفت ہے۔ واللہ اعلم (عبدالجبار' دارالسلام' لاہور)

”اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں تو وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔“

یہ عادت اس لیے بھی حرام ہے کہ یہ انسانی صحت کے لیے بہت نقصان دہ ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

مخفی عادت اور شادی کے وقت اس کے نقصانات

سوال میں اس بری عادت میں مبتلا ہوں' جسے شیطان نے بہت سے نوجوانوں کے لیے مزین کر رکھا ہے حالانکہ میں جانتا ہوں کہ یہ عادت میرے جسم و عقل کے لیے بہت نقصان دہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس سلسلہ میں ہمارے دین کی کیا ہدایت ہے تاکہ اس کی روشنی میں میں اس سے باز آ جاؤں یاد رہے میں نماز پڑھتا ہوں اور قرآن مجید کی تلاوت بھی کرتا ہوں؟

جواب بری عادت سے مراد شائد وہ ہے' جو لوگوں میں مخفی عادت کے نام سے معروف ہے یعنی آلہ تناسل کے ساتھ کھیل کر مادہ منویہ کو خارج کر دینا یا ایسے طریقے استعمال کرنا جو شہوت کے ہیجان اور منی کے انزال کا سبب بنیں تو یہ عادت حرام ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَٱلَّذِينَ هُمۡ لِفُرُوجِهِمۡ حَٰفِظُونَ ۝٥ إِلَّا عَلَىٰٓ أَزۡوَٰجِهِمۡ أَوۡ مَا مَلَكَتۡ أَيۡمَٰنُهُمۡ فَإِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُومِينَ ۝٦ فَمَنِ ٱبۡتَغَىٰ وَرَآءَ ذَٰلِكَ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡعَادُونَ ۝٧﴾ (المؤمنون۲۳/ ۵-۷)

”اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں تو وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔“

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَامَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح:٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه . . . الخ، ح:١٤٠٠ واللفظ له)

”اے گروہ جواناں! تم میں سے جس کو استطاعت ہو تو وہ شادی کر لے کیونکہ یہ نظر کو خوب جھکا دینے والی اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے والی ہے اور جسے استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے کیونکہ یہ اس کی جنسی خواہش کو ختم کر دے گا۔“

اگر یہ عادت جائز ہوتی تو نبی اکرم ﷺ اسے اختیار کرنے کی راہنمائی فرماتے کیونکہ یہ آسان ہے اور پھر اس میں کچھ لذت بھی ہے لیکن یہ چونکہ حرام تھی اس لیے آپ نے اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس کی حرمت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ انسانی صحت و فکر کو نقصان پہنچا کر انسان کو ناکارہ بنا دیتی ہے' نیز یہ اس جنسی مادہ کو بھی نقصان پہنچاتی ہے' جس کی انسان کو شادی کے بعد ضرورت ہوتی ہے۔ نوجوان بھائیوں کو میری یہ نصیحت ہے کہ وہ خود بھی صبر کریں اور دوسروں کو بھی صبر

کرنے کی تلقین کریں اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کو طلب کرتے رہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ﴾ (النور٢٤/ ٣٣)

"اور جن کو بیاہ کا مقدور نہ ہو وہ پاکدامنی کو اختیار کیے رہیں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔"

—— شیخ ابن عثیمین ——

مخفی عادت اور غسل نہ کرنا

سوال میں اٹھارہ سال کا ایک نوجوان ہوں۔ میں تین سال سے مخفی عادت (مشت زنی) میں مبتلا ہو گیا ہوں کہ اس میں مجھے لذت محسوس ہوتی ہے۔ لیکن اکثر و بیشتر مجھے اس سے ندامت ہوتی ہے اور ضمیر ملامت کرتا ہے۔ اس بری عادت کے بعد میں کبھی تو غسل کر لیتا ہوں اور کبھی غسل بھی نہیں کرتا خصوصاً موسم سرما میں جب سردی زیادہ ہوتی ہے میں غسل نہیں کرتا اور اب یاد بھی نہیں کہ غسل کے بغیر میں نے کتنی نمازیں پڑھی ہیں۔ رمضان ۱۴۰۲ھ میں دن کے وقت روزے کی حالت میں بھی یہ کام کرتا رہا ہوں۔ کیا اس سے نماز اور روزے پر کوئی اثر پڑے گا؟ کیا منی پاک ہے؟ میں نے ایک حدیث سنی ہے، جس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر ادا فرما رہے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے کپڑے سے مادہ منویہ کھرچ رہی تھیں؟ براہ کرم میری راہنمائی فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے۔

جواب مخفی عادت یعنی مشت زنی انتہائی بدترین عادت ہے۔ اہل علم نے اسے حرام قرار دیا اور اس کی حرمت پر حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے استدلال کیا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ ﴾ (المؤمنون٢٣/ ٥-٧)

"اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں تو وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

اس عادت میں مبتلا انسان کو بہت سے نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لہٰذا آپ کے لیے واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس عادت سے توبہ کریں اور آئندہ اس سے اجتناب کریں۔ رمضان کے جن دنوں میں اس خبیث عادت کے مطابق عمل کیا تو ان دنوں کے روزوں کی قضاء دیں نیز ان نمازوں کی بھی قضاء دیں جنہیں غسل جنابت کے بغیر پڑھا تھا اور اگر ان نمازوں اور روزوں کی صحیح صحیح تعداد یاد نہ ہو تو ظن غالب کے مطابق قضاء دینا کافی ہو گا۔ جہاں تک منی کا تعلق ہے تو وہ علماء کے صحیح قول کے مطابق پاک ہے۔ کپڑے کو لگ جائے تو مستحب یہ ہے کہ اسے دھو کر یا کھرچ کر اس کے نشان کو زائل کر دیا جائے البتہ اسے دھونا افضل ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

نفسیاتی امراض اور شیطانی وسوسے

مومن اور نفسیاتی امراض

سوال کیا مومن نفسیاتی طور پر بیمار ہو سکتا ہے؟ شریعت میں اس کا علاج کیا ہے' جدید طب میں تو نفسیاتی امراض کا صرف دواؤں ہی سے علاج کیا جاتا ہے؟

جواب اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ انسان مستقبل کے فکر یا ماضی کے غم کی وجہ سے نفسیاتی امراض میں مبتلا ہو سکتا ہے اور نفسیاتی امراض جسم پر جسمانی امراض سے بھی زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان امراض کا شرعی امور --یعنی دم-- سے علاج' دواؤں سے علاج کی نسبت زیادہ کامیاب ہوتا ہے جیسا کہ مشہور ہے۔ ان بیماریوں کے علاج کے سلسلہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ جس مومن کو کوئی پریشانی یا غم و فکر لاحق ہو اور وہ یہ دعا پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے غم و فکر کو نہ صرف دور فرما دیتا ہے بلکہ اسے خوشی اور مسرت سے بدل دیتا ہے۔ دعا یہ ہے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ، وَابْنُ عَبْدِكَ، وَابْنُ أَمَتِكَ، نَاصِيَتِي بِيَدِكَ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ، أَسَأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ، سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ، أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيعَ قَلْبِي، وَنُورَ صَدْرِي، وَجَلاَءَ حُزْنِي، وَذَهَابَ هَمِّي»(مسند أحمد: ١/ ٤٥٢، ٣٩١)

"اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں' تیرے بندے کا بیٹا ہوں' تیری بندی کا بیٹا ہوں۔ میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے۔ تیرا حکم میرے حق میں نافذ ہے۔ تیرا فیصلہ میرے بارے میں مبنی بر عدل و انصاف ہے۔ میں تیرے ہر اس نام کے ساتھ جو تیرا نام ہے' تو نے خود اسے اپنے نام کے طور پر رکھا یا اسے اپنی کتاب میں نازل فرمایا' یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا' یا تو نے اسے علم غیب میں اپنے ہی پاس رکھا' میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار' میرے سینے کا نور' میرے غم کا مداوا اور میرے فکر و غم کو دور کرنے کا سبب بنا دے۔"

یہ دعا در حقیقت شرعی دواء ہے۔ اسی طرح انسان کو یہ دعا بھی پڑھتے رہنا چاہیے:

﴿لَّآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنتَ سُبْحَٰنَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ۝٨٧﴾ (الأنبياء٢١/ ٨٧)

"تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو پاک ہے (اور) بے شک میں قصوروار ہوں۔"

تفصیل کے لیے ان کتب کا مطالعہ فرمائیں' جو علماء نے اوراد و وظائف کے موضوع پر لکھی ہیں' مثلاً امام ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب "الوابل الصیب"' شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی "الکلم الطیب" اور امام نووی رحمہ اللہ کی "الاذکار" نیز امام ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب "زاد المعاد" کا مطالعہ فرمائیں۔

جب ایمان کمزور ہو گیا تو شرعی دواؤں کے لیے نفس کا قبول کرنا بھی کمزور ہو گیا اور اب لوگوں نے شرعی دواؤں کی

بجائے مادی دواؤں پر زیادہ اعتماد کرنا شروع کر دیا ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ جب ایمان قوی تھا تو شرعی دوائیں مکمل طور پر مؤثر تھیں بلکہ ان کی تاثیر مادی دواؤں سے زیادہ تیز تھی۔ ہم سب کو اس شخص کا قصہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے' جسے نبی اکرم ﷺ نے ایک سریہ کے ساتھ بھیجا تھا' یہ لوگ ایک عرب قوم کے پاس فروکش ہوئے مگر انہوں نے ان کی مہمان نوازی نہ کی تو اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ ان کے سربراہ کو ایک سانپ نے ڈس لیا تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کے پاس جاؤ' جنہوں نے یہاں آکر ڈیرا ڈالا ہے' شائد ان میں کوئی دم کرنے والا ہو مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے کہا کہ ہم تو تمہارے سربراہ کو اس وقت تک دم نہ کریں گے' جب تک تم ہمیں اتنی بکریاں نہ دے دو۔ انہوں نے کہا ہمیں منظور ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص گیا اور اس نے اسے صرف سورت فاتحہ پڑھ کر دم کیا' جسے سانپ نے ڈسا تھا' تو یہ شخص فوراً اس طرح تندرست ہو گیا گویا اسے بندھی ہوئی رسی سے کھول دیا گیا ہو۔ اس شخص پر سورت فاتحہ کی قراءت اس لیے اثر انداز ہوئی کہ اسے ایک ایسے شخص نے پڑھا تھا' جس کا دل ایمان سے لبریز تھا۔ جب یہ لوگ مدینہ میں واپس آئے تو نبی اکرم ﷺ نے اس سے پوچھا:

«وَمَا يُدْرِيكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ؟»(صحيح البخاري، الإجارة، باب ما يعطي في الرقية علي أحياء العرب بفاتحة الكتاب، ح:٢٢٧٦ وصحيح مسلم، السلام، باب جواز أخذ الأجرة على الرقية بالقرآن والأذكار، ح:٢٢٠١)

''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ سورت دم ہے؟''

لیکن ہمارے زمانہ میں دین اور ایمان کمزور ہو گیا ہے۔ لوگوں نے مادی اور ظاہری امور پر انحصار کرنا شروع کر دیا ہے' جس کی وجہ سے وہ طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں اور ان کے لیے کچھ شعبدہ باز قسم کے لوگ ظاہر ہو گئے ہیں' جو لوگوں کی عقلوں اور عقائد کے ساتھ کھیل رہے ہیں اور اس بات کے دعوے دار ہیں کہ وہ بڑے متقی اور پرہیز گار لوگ ہیں' لیکن حقیقت میں یہ باطل طریقے سے لوگوں کا مال کھانے والے ہیں اور لوگوں نے اب دو انتہائی متضاد موقف اختیار کر لیے ہیں' کچھ لوگ تو قرآن پڑھ کر دم کرنے کا مطلقاً کوئی اثر نہیں سمجھتے اور کچھ لوگ جھوٹے منتر جنتر پڑھ کر لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں اور لوگ ان کے فریب جال میں پھنس رہے ہیں البتہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں' جنہوں نے معتدل طرز عمل کو اختیار کر رکھا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اعصابی مریض

سوال طبیب کے بقول ایک شخص پرانے اعصابی مرض میں مبتلا ہے اور اس مرض کے باعث وہ والدین سے بدکلامی کرتا ہے' رشتہ داروں سے قطع رحمی کرتا ہے اور قلق واضطراب' ڈر اور خوف میں مبتلا رہتا ہے۔ تو سوال یہ ہے کیا مذکورہ بالا بیماری کی وجہ سے یہ شخص اب احکام شرعیہ کا مکلّف نہیں ہے؟ آپ اسے کیا نصیحت کریں گے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب جب تک اس شخص کی عقل کام کرتی رہے گی' یہ احکام شرعیہ کا مکلف رہے گا اور جب اس کی عقل بالکل زائل ہو جائے اور عقل پر اسے کوئی دسترس نہ رہے تو پھر یہ شخص واقعی معذور ہو گا۔ میں اسے نصیحت کرتا ہوں کہ دعا'

اللہ تعالیٰ کا ذکر اور استغفار کثرت سے کرے اور شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی اس وقت پناہ مانگے جب اس کا غصہ بھڑک اٹھے' ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بیماری دور فرما دے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

غم و فکر کا علاج کیسے کریں؟

سوال آج کل وہ غم و فکر' مشکلات اور پریشانیاں کثرت سے موضوع بحث ہیں' جو انسان کو ہلا کر رکھ دیتی ہیں' اور مرور زمانہ کے ساتھ انسان ان میں مبتلا ہوتا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان کا علاج کیسے کریں؟ کیا شرعی طور پر یہ جائز ہے کہ انسان خود اپنے آپ کو بھی دم کرے؟

جواب سب سے پہلے تو یہ جاننا واجب ہے کہ ان مشکلات' پریشانیوں' غموں اور فکروں کو اللہ تعالیٰ گناہوں کا کفارہ بنا کر گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور انسان اگر صبر کا مظاہرہ کرے تو اسے ان مشکلات کے باعث اجر و ثواب بھی حاصل ہوتا ہے۔ غم و فکر کے ازالہ کے لیے مسنون دعاؤں کے پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں مثلاً ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث میں ہے' جسے اہل سنن نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ أَمَتِكَ، نَاصِيَتِي بِيَدِكَ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ، أَسَأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ، سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ، أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيعَ قَلْبِي، وَنُورَ صَدْرِي، وَجَلَاءَ حُزْنِي، وَذَهَابَ هَمِّي»(مسند أحمد: ١/ ٣٩١، ٤٥٢)

''اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں' تیرے بندے کا بیٹا ہوں' تیری بندی کا بیٹا ہوں۔ میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے۔ تیرا حکم میرے حق میں نافذ ہے۔ تیرا فیصلہ میرے بارے میں مبنی بر عدل و انصاف ہے' میں تیرے ہر اس نام کے ساتھ جو تیرا نام ہے' تو نے خود اسے اپنے نام کے طور پر رکھا' یا اسے اپنی کتاب میں نازل فرمایا' یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا' یا تو نے اسے علم غیب میں اپنے ہی پاس رکھا' میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار' میرے سینے کا نور' میرے غم کا مداوا اور میرے فکر و غم کو دور کرنے کا سبب بنا دے۔''

اسی طرح یہ دعا بھی پڑھتے رہنا چاہیے:

﴿ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنتَ سُبْحَٰنَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴾ (الأنبياء٢١/ ٨٧)

''تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو پاک ہے (اور) بے شک میں قصور وار ہوں۔''

یہ حضرت یونس علیہ السلام کی دعا تھی' اللہ تعالیٰ نے اسے ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

﴿ فَٱسْتَجَبْنَا لَهُۥ وَنَجَّيْنَٰهُ مِنَ ٱلْغَمِّ ۚ وَكَذَٰلِكَ نُۨجِي ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴾ (الأنبياء٢١/ ٨٨)

''تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کو غم سے نجات بخشی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔''

اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ انسان اپنے آپ کو خود دم کر لے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت معوذات پڑھ کر خود اپنے

آپ کو دم کیا کرتے تھے' انہیں پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں میں پھونک مارتے اور پھر دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرہ پر اور جسم پر جہاں جہاں پہنچ سکتے' پھیر لیا کرتے تھے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

نفسیاتی بیماری اور دین

سوال ہمارے شہر میں ایک متدین شخص ایک نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہو گیا' تو بعض لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ دین کی وجہ سے یہ شخص اس بیماری میں مبتلا ہوا ہے' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے اپنی داڑھی منڈوا دی اور اب نماز بھی اس طرح باقاعدگی سے نہیں پڑھتا' جس طرح پہلے پڑھا کرتا تھا۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ کہنا جائز ہے کہ وہ شخص دین میں رسوخ اور احکام دین پر پابندی سے عمل کرنے کی وجہ سے بیمار ہوا؟ کیا اس طرح کی بات کرنے والے کو کافر قرار دیا جا سکتا ہے؟

جواب دین کو مضبوطی سے تھامنا کسی مرض کا سبب نہیں بن سکتا بلکہ دین تو دنیا اور آخرت کی ہر خیر و بھلائی کا سرچشمہ ہے۔ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ بے وقوف لوگوں کی اس قسم کی باتوں کو صحیح مانے اور نہ یہ جائز ہے کہ ان لوگوں کی باتوں کی وجہ سے داڑھی منڈوا یا کٹوا دے' یا نماز با جماعت ادا کرنا ترک کر دے بلکہ واجب یہ ہے کہ استقامت کے ساتھ حق پر قائم رہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے غضب و عذاب سے ڈرتے ہوئے ہر اس چیز سے اجتناب کرے' جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ يُدۡخِلۡهُ جَنَّٰتٖ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَاۚ وَذَٰلِكَ ٱلۡفَوۡزُ ٱلۡعَظِيمُ ۝١٣ وَمَن يَعۡصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُۥ يُدۡخِلۡهُ نَارًا خَٰلِدٗا فِيهَا وَلَهُۥ عَذَابٞ مُّهِينٞ ۝١٤ ﴾ (النساء٤/ ١٣-١٤)

''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرماں برداری کرے گا' اللہ اس کو ایسے باغ ہائے بہشت میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی' وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے نکل جائے گا' اللہ اس کو دوزخ میں ڈالے گا' جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو رسوا کن عذاب ہو گا۔''

اور فرمایا:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجۡعَل لَّهُۥ مَخۡرَجٗا ۝٢ وَيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُۚ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

''اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا' جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجۡعَل لَّهُۥ مِنۡ أَمۡرِهِۦ يُسۡرٗا ۝٤ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٤)

''اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں آسانی کر دے گا۔''

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ اس متدین شخص کو دین کی وجہ سے بیماری لاحق

ہوئی ہے' تو وہ جاہل ہے۔ ضروری ہے کہ اس کی اس بات کی تردید کی جائے اور اسے بتایا جائے کہ دین تو سراپا خیر ہے۔ کسی مسلمان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے' تو وہ اس کے گناہوں اور غلطیوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔

ایسا کہنے والے کی تکفیر کے مسئلہ میں تفصیل ہے' جو اسلامی کتب فقہ کے "باب حکم المرتد" سے معلوم ہو سکتی ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

شیطانی وسوسے

سوال مسلمان اپنے نفس سے ان شیطانی وسوسوں کو کس طرح دور کرے' جو اس کے دین کو بہت نقصان پہنچاتے ہیں؟

جواب وسوسے کبھی تو طہارت یا نماز کے بارے میں ہوتے ہیں اور یہ شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں تاکہ وہ اس کی عقل کو فاسد کر دے' لہٰذا اس صورت میں شیطان سے پناہ مانگنی چاہیے اور اصل یعنی طہارت پر بنیاد رکھنی چاہیے اور شیطان جو اس قسم کی باتیں دل میں ڈالتا ہے کہ اس نے تو ابھی یہ پڑھا ہی نہیں یا اس نے تو ابھی وضو کیا ہی نہیں' ان سے دور رہنا چاہیے۔ اور کبھی وسوسے عقیدہ' ایمان بالغیب' اللہ تعالیٰ کی صفات' بعثت اور رسالت کے بارے میں ہوتے ہیں۔ یہ وسوسے پہلی قسم کے وسوسوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ ان کا علاج یہ ہے کہ انہیں دل سے جھٹک دیا جائے اور ایسی گفتگو کی جائے جس سے ایمان کو استحکام نصیب ہو' آیات و دلالات پر غور کرے' مخلوقات میں غور و فکر کرے اور جیسے اسے دین پہنچا ہے' اس کے مطابق اجمال و تفصیل کے ساتھ غیب پر ایمان رکھے اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور دیگر تمام امور غیب کی کیفیت کے بارے میں سوچنے سے اجتناب کرے حتیٰ کہ ایمان مضبوط و مستحکم ہو جائے۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

وسوسے اثر انداز نہیں ہوتے

سوال شیطان کبھی کبھی میرے دل میں وسوسے پیدا کر کے یہ سوال اٹھاتا ہے کہ اس چیز کو کس نے پیدا کیا ہے؟ حتیٰ کہ وہ بات یہاں تک آگے بڑھا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ میں ان وسوسوں کے بارے میں کیا کروں؟

جواب اس قسم کے وسوسے اثر انداز نہیں ہوتے۔ نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ شیطان انسان کے پاس آ کر کہتا ہے کہ اس چیز کو کس نے پیدا کیا ہے' اس کو کس نے پیدا کیا ہے (اور جب انسان جواب یہ دیتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے) تو شیطان کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے تیر بہدف دوا کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس موقع پر (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ) پڑھ لو اور اس وسوسہ سے رک جاؤ۔[1] لہٰذا آپ کے دل میں بھی جب اس طرح کا کوئی وسوسہ آئے تو (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ) پڑھ لو' اس سے رک جاؤ اور اس سے مکمل طور پر اعراض کر لو۔ ان شاء اللہ یہ وسوسہ زائل ہو جائے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

[1] صحیح مسلم' الایمان' باب بیان الوسوسة فی الایمان وما یقوله من وجدها' حدیث: 134

شیطانی وسوسوں کی طرف دھیان نہ دو

سوال میں ایک مسلمان اور متدین نوجوان ہوں لیکن تشکیک میں مبتلا۔ وضو کرتے ہوئے مجھے شک پڑ جاتا ہے کہ میں نے شاید اچھی طرح وضو نہیں کیا لہٰذا میں دوبارہ وضو کرنے لگ جاتا ہوں۔ اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے خصوصاً حالت سجدہ میں شک پڑتا ہے کہ شائد ہوا خارج ہو گئی ہے لہٰذا میں نماز توڑ کر وضو کرنا شروع کر دیتا ہوں۔ اسی طرح جب میں باہر ہوتا ہوں تو اس شک کی وجہ سے میں گوشت نہیں کھاتا کہ شائد انہیں غیر اسلامی طریقے سے ذبح کیا گیا ہو۔ اسی طرح میں بسکٹ اور ناشتہ میں استعمال ہونے والی دیگر چیزیں بھی نہیں کھاتا کیونکہ مجھے شک یہ ہوتا ہے کہ شائد انہیں ایسی گائے کے گھی سے بنایا گیا ہے' جسے اسلامی طریقے کے مطابق ذبح نہیں کیا گیا تھا۔ الغرض میں اس طرح کے بہت سے اوہام و شکوک میں مبتلا ہوں۔ میرے بڑے بھائی نے اس طرح کے شکوک سے دور رہنے کی مجھے نصیحت بھی کی ہے مگر ان کی نصیحت بھی کارگر ثابت نہیں ہوئی' لہٰذا سوال یہ ہے کہ میں کیا کروں؟ اور اگر میں سو جاؤں تو پھر مجھے نماز کی پروا نہیں ہوتی؟

جواب وہ شکوک جو عبادات اور معتقدات حتیٰ کہ ذات باری تعالیٰ کے بارے میں دل میں پیدا ہوتے ہیں' یہ سب کے سب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ان کے دلوں میں ایسے ایسے خیالات آتے ہیں کہ جنہیں وہ بیان نہیں کر سکتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ یہ تو خالص ایمان ہے۔ [1] اس لیے کہ شیطان اس طرح کے شبہات اس دل میں پیدا کرتا ہے جس میں پہلے سے کوئی شبہ موجود نہ ہو' تاکہ وہ اس کے پیدا کردہ شبہ کے بارے میں اس کی اطاعت شروع کر دے اور جس شخص کا دل پہلے ہی شبہات سے بھرا پڑا ہو' یا دین سے خالی ہو تو ایسے دل میں شیطان وسوسے نہیں ڈالتا کیونکہ اس سے وہ فارغ ہو چکا ہوتا ہے۔

ہم اس نوجوان سے یہ کہیں گے کہ اس پر واجب یہ ہے کہ وہ شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے اور وضو' نماز اور دیگر امور کے بارے میں اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے وسوسوں کی طرف توجہ نہ دے۔ شکوک و شبہات کا پیدا ہونا جہاں ایمان کے خالص ہونے کی دلیل ہے' وہاں ان شکوک و شبہات کے ساتھ ساتھ چلتے جانا عزیمت اور استقامت کی کمزوری کی دلیل بھی ہے۔

ہم اس نوجوان سے یہ بھی کہیں گے کہ یہ شک بلا وجہ ہے کیونکہ آپ جب خرید و فروخت کے لیے بازار میں چلے جاتے ہیں تو کیا آپ کو کسی چیز کے بارے میں شک ہوتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے کیونکہ اس طرح کے امور کے بارے میں شیطان انسان کے دل میں وسوسہ پیدا نہیں کرتا۔ البتہ وہ عبادات میں ضرور وسوسہ ڈالتا ہے تاکہ وہ انہیں خراب کر دے لہٰذا جب شکوک و شبہات کی کثرت ہو جائے تو ان کی طرف توجہ نہ دیں۔ اسی طرح جب عبادت سے فراغت کے بعد شک ہو تو اس کی طرف بھی کوئی دھیان نہ دیں الاّ یہ کہ کسی کمی و بیشی کا یقین ہو۔

”فعل کے بعد شک اثر انداز نہیں ہوتا' اسی طرح جب شکوک کی کثرت ہو جائے تو وہ بھی مؤثر نہیں ہوتے۔“

کھانے پینے کی وہ اشیاء جو اصل میں حلال ہیں' ان کے بارے میں بھی شک کا کوئی اعتبار نہیں۔ خیبر میں ایک یہودی

[1] صحیح مسلم' الایمان' باب بیان الوسوسة فی الایمان وما یقوله من وجدها' حدیث: 132' 133.

عورت نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک بکری کا تحفہ پیش کیا تو آپ نے اس کے گوشت کو کھا لیا تھا۔ [1] اسی طرح ایک یہودی نے جب آپ کی دعوت کی اور اس میں جو کی روٹی اور باسی چربی پیش کی تو آپ نے اسے بھی کھا لیا تھا۔ [2]

صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ کچھ لوگوں نے جو نئے نئے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے' مسلمانوں کی ایک جماعت کو گوشت کا تحفہ دیا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں اور ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے ان سے فرمایا:

«سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوهُ»(صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب ذبيحة الأعراب، ونحوهم، ح: ٥٥٠٧)

"تم اس پر اللہ کا نام لے لیا کرو اور اسے کھا لیا کرو۔"

لہٰذا جس کا ذبیحہ حلال ہو' اس کے ذبیحہ کے بارے میں اصول یہ ہے کہ وہ حلال ہے حتیٰ کہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل موجود ہو اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہو' اس کے استعمال سے رک جانا' بلا وجہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا ہے۔ سائل نے جو یہ کہا ہے کہ وہ جب سو جاتا ہے تو نماز کی پروا نہیں کرتا تو یہ بھی شیطان کی طرف سے ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ذکر کیا گیا کہ ایک شخص سو گیا حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور وہ نماز کے لیے نہ اٹھا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«ذَاكَ رَجُلٌ بَالَ الشَّيْطَانُ فِي أُذُنِهِ»(صحيح البخاري، بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، ح: ٣٢٧٠ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الحث على صلاة الليل وإن قلت، ح: ٧٧٤)

"اس آدمی کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے۔"

شیطان انسان کو گہری نیند میں مبتلا کر دیتا ہے' جس کی وجہ سے وہ نماز صبح یا دیگر نمازوں کے لیے اٹھ نہیں سکتا۔ اس صورت کا علاج اس طرح ممکن ہے کہ ٹائم پیس کا الارم لگا لیا جائے یا کسی دوسرے شخص سے کہہ دیا جائے کہ وہ اسے بیدار کر دے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

شیطانی وسوسوں کا علاج

سوال میں ایک مشکل میں مبتلا ہوں' امید ہے کہ آپ میری صحیح راہنمائی فرمائیں گے' تاکہ میں اس مشکل سے نجات پا سکوں اور وہ یہ کہ شیطان ہمیشہ میرے معاملات میں مداخلت کرتا رہتا ہے' خصوصاً فرائض کی ادائیگی مثلاً نماز میں' قرآن کریم کی تلاوت میں اور وضو میں وہ بہت خلل انداز ہوتا ہے' جس کی وجہ سے میں ایسی گفتگو کرتا رہتا ہوں' جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ میں یہ گفتگو زبان سے نہیں کرتا بلکہ اپنے دل ہی میں کرتا رہتا ہوں' میں اس سے اجتناب کے لیے بڑی کوشش کرتا ہوں لیکن بے فائدہ۔ تو کیا اس سے مجھے گناہ ہو گا؟ آپ میری راہنمائی بھی فرمائیں تاکہ میں اس سے بچ سکوں؟

---

[1] صحیح البخاری' الهبة و فضلها والتحریض علیها' باب قبول الهدیة من المشرکین' حدیث: 2617

[2] صحیح البخاری' البیوع' باب شراء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنسیئة' حدیث: 2069

جواب پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کثرت سے (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ) پڑھتے رہیں۔ استعاذہ کے معنی کو مستحضر کریں اور یہ اعتقاد رکھیں کہ شیطان ہی دل میں اوہام اور وسوسے ڈالتا ہے تاکہ انسان کو بہکا کر سیدھے راستے سے دور لے جائے اور یہ عقیدہ بھی رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کو شیطان کے مکر و فریب اور نقصان سے بچا سکتا اور محفوظ کر سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں' دعا کریں' اوراد و وظائف پڑھیں' قرآن مجید کی تلاوت کریں اور ایسے اعمال صالحہ بجالائیں' جن سے بندے کو حفاظت اور حمایت حاصل ہو۔ اس بات کو بھی ہمیشہ پیش نظر رکھیں کہ یہ تمام وسوسے شیطان کی طرف سے ہیں اور وہ یہ چاہتا ہے کہ آپ کے دل کو مشغول کر دے' آپ کی زندگی کو مکدر کر دے اور آپ کو نقصان پہنچائے خصوصاً عبادت کی ادائیگی میں تاکہ آپ اکتا کر تنگ آ جائیں' لیکن آپ ان وسوسوں کی وجہ سے کوئی نقصان محسوس نہ کریں اور ان کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں۔ واللہ الموفق

——— شیخ ابن جبرین ———

انسان میں داخل ہونے کے لیے شیطان کے راستے

سوال وہ کون سے راستے ہیں' جن سے شیطان انسان میں داخل ہو جاتا ہے؟

جواب انسان میں داخل ہونے کے لیے شیطان کے بہت سے راستے ہیں مثلاً یہ کہ وہ جنسی شہوت کے ذریعہ داخل ہوتا ہے۔ بدکاری کے ذریعہ انسان کو گمراہ کرتا ہے اور اس کے لیے اجنبی عورتوں کے ساتھ خلوت' انہیں دیکھنا' ان سے میل جول رکھنا اور ان کے گانے کو سننا بہت ہی مزین کر دیتا ہے اور اس طرح کی چیزوں کے ذریعہ انسان کو ہمیشہ فتنہ میں ڈالے رکھتا ہے حتیٰ کہ انسان زنا میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وہ انسان کو پیٹ کی خواہش کے ذریعہ گمراہ کرتا ہے اور اسے حرام کھانے' شراب پینے اور منشیات کے استعمال کا عادی بنا دیتا ہے۔ اسی طرح وہ مال کے راستے سے انسان کو گمراہ کرتا ہے کہ مال و دولت کی محبت اس کے دل میں پیدا کر دیتا ہے اور وہ حلال و حرام کی پروا کیے بغیر کمائی کے زیادہ سے زیادہ اسباب حاصل کرنے میں لگ جاتا ہے اور باطل راستے سے لوگوں کے مال کھانے' سود' چوری' غاصبانہ قبضے' ڈکیتی' رہزنی اور ملاوٹ وغیرہ کرنے میں بھی کوئی دریغ نہیں کرتا۔ اسی طرح شیطان حکومت و اقتدار اور بلند منصب کی محبت و خواہش کے راستہ سے انسان میں داخل ہوتا ہے اور جب انسان کو حکومت و اقتدار یا کوئی بلند منصب حاصل ہو جاتا ہے' تو وہ فخر و غرور کا اظہار کرتا ہے' لوگوں کو ظلم و جبر کا نشانہ بناتا' انہیں حقیر جانتا اور ان کا مذاق اڑاتا ہے۔ الغرض اس طرح کے بہت سے راستے ہیں' جن سے شیطان انسان میں داخل ہوتا ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نظرِ بد اور جن کا لگ جانا

نظرِ بد لگ جانا

سوال کیا نظر بد انسان کو لگ جاتی ہے؟ اس کا علاج کیا ہے؟ کیا اس سے بچنا توکل کے منافی تو نہیں ہے؟

جواب نظر لگ جانا برحق اور شرعی و حسی طور پر ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن يَكَادُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَٰرِهِمْ ﴾ (القلم٦٨/ ٥١)

"اور کافر یوں لگتے ہیں کہ تم کو اپنی نگاہوں سے پھسلا دیں گے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر مفسرین نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ لوگ اپنی آنکھوں کے ساتھ آپ کو نظربد لگانا چاہتے ہیں اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلْعَيْنُ حَقٌّ، وَلَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ، وَإِذَا اسْتُغْسِلْتُمْ فَاغْسِلُوا»(صحيح مسلم، السلام، باب الطب والمرض والرقي، ح:٢١٨٨)

"نظربد لگ جانا برحق ہے' اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت لے جا سکتی تو وہ نظربد تھی اور جب تم سے غسل کا مطالبہ کیا جائے تو تم غسل کر دیا کرو۔"

اسی طرح امام نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ "عامر بن ربیعہ کا سہل بن حُنَیف کے پاس سے اس وقت گزر ہوا جب وہ غسل کر رہے تھے تو اس نے کہا کہ جس طرح کا (خوبصورت اور حسین) بدن میں نے آج دیکھا ہے' اس طرح کا بدن تو کسی پردہ نشین دوشیزہ کا بھی نہیں دیکھا۔ بس اس کا یہ کہنا تھا کہ سہل بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے' انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اور عرض کیا گیا یا رسول اللہ! سہل بے ہوش ہو گئے ہیں' ان کا علاج فرمایئے۔ آپ نے فرمایا' تم کسے الزام دیتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم عامر بن ربیعہ کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«عَلَامَ يَقْتُلُ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ؟ إِذَا رَأَىٰ أَحَدُكُمْ مِنْ أَخِيهِ مَا يُعْجِبُهُ، فَلْيَدْعُ لَهُ بِالْبَرَكَةِ»(سنن ابن ماجه، الطب، باب العين، ح:٣٥٠٩ وسنن الكبرى للنسائي:٦/ ٦٠، ح:١٠٠٣٦)

"تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو قتل کیوں کرتا ہے؟ جب کوئی اپنے بھائی کی کسی ایسی چیز کو دیکھے جو اسے اچھی لگے تو اس کے لیے برکت کی دعا کرے۔"

پھر آپ نے پانی منگوایا اور عامر کو حکم دیا کہ وہ وضو کرے' اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوئے اور دونوں گھٹنوں کو اور تہبند کے اندر کے حصے کو دھوئے' پھر آپ نے حکم دیا کہ اس پانی کو سہل کے اوپر انڈیل دو اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے حکم دیا کہ برتن کو اس کے پیچھے سے اس کے اوپر انڈیل دو۔ نظر لگنا ایک ایسا امر واقع ہے' جو کئی دفعہ مشاہدہ میں آ چکا ہے۔ لہٰذا اس کا انکار ممکن نہیں۔ نظر لگ جائے تو اس کے لیے حسب ذیل شرعی علاج استعمال کیے جائیں:

1 دم کرنا: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا رُقْيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ»(صحيح البخاري، الطب، باب من اكتوى أو كوى غيره ... الخ، ح:٥٧٠٥ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين ... الخ، ح:٢٢٠)

دم نظربد یا بخار ہی کے لیے کیا جا سکتا ہے۔"

جبریل امین نبی اکرم ﷺ کو دم کرتے ہوئے یہ کلمات پڑھا کرتے تھے:

«بِاسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ، مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ، اللهُ يَشْفِيكَ، بِاسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ»(صحيح مسلم، السلام، باب الطب والمرض والرقي، ح:٢١٨٦)

"اللہ کے نام کے ساتھ میں تجھے دم کرتا ہوں' ہر اس چیز سے جو تجھے تکلیف دے اور ہر انسان کے یا حسد کرنے والی آنکھ کے شر سے' اللہ تجھے شفاء دے' میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ تجھے دم کرتا ہوں۔"

2 نہانے کا مطالبہ کرنا: جیسا کہ سابق حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عامر بن ربیعہ کو اس کا حکم دیا تھا اور پھر غسل کے اس پانی کو اس شخص پر انڈیل دیا جائے جسے نظر لگی ہو۔ جہاں تک اس کے فضلات اور بول و براز کو لینے کی بات ہے تو یہ بالکل بے اصل ہے۔ اسی طرح اس کے پاؤں کی مٹی کو لینا بھی بالکل بے اصل ہے' اس سلسلہ میں جو ثابت ہے وہ صرف نظربد لگانے والے سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ اپنے اعضاء اور تہبند کے اندر کے حصے کو دھوئے۔ پگڑی' ٹوپی اور کپڑے کے اندر کے حصے کو دھونے کا بھی شاید یہی اثر ہو۔ واللہ اعلم۔

نظربد سے پیشگی بچاؤ اختیار کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ یہ تَوَکُّل کے بھی منافی نہیں بلکہ یہ عین توکل ہے کیونکہ توکل کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات گرامی پر اعتماد کیا جائے اور ان اسباب کو بھی اختیار کیا جائے' جنہیں اللہ تعالیٰ نے مباح قرار دیا ہے' یا جنہیں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بھی یہ دم کیا کرتے تھے:

«أُعِيذُكُماَ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ، مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لاَمَّةٍ»(صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ١٠، ح:٣٣٧١ بلفظ أعوذ . . .)

"میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں' ہر شیطان اور زہریلی بلا کے شر سے اور ہر لگنے والی نظربد کے شر سے۔"

اور آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے: حضرت ابراہیم' حضرت اسحاق اور اسماعیل علیہم السلام کو بھی اسی طرح دم کیا کرتے تھے۔ [1]

——— شیخ ابن عثیمین ———

نظربد لگ جانا برحق ہے

سوال کیا یہ بات صحیح ہے کہ کافر مسلمان کو نظربد نہیں لگا سکتا' اس کی دلیل کیا ہے؟ کیا آیت سجدہ کی تلاوت کرتے ہوئے میں اپنی حالت کے مطابق ہی سجدہ کر سکتا ہوں یعنی سر اور جسم کو ڈھانپے بغیر بھی سجدہ کر سکتا ہوں؟

جواب نہیں یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ کافر بھی دوسرے لوگوں کی طرح نظربد لگا سکتا ہے کیونکہ نظربد کا لگ جانا برحق ہے۔ کسی بھی حالت میں سجدہ تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ سر ننگا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ راجح قول کے مطابق اس سجدے کا حکم نماز کا نہیں ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جنوں کا انسان پر اثر انداز ہونا اور ان سے بچاؤ

سوال کیا جن انسان پر اثر انداز ہو سکتے ہیں' ان سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟

[1] صحیح البخاری' احادیث الانبیاء رقم الباب: 10' حدیث: 3371

جواب اس میں کوئی شک نہیں کہ جن انسان پر اثر انداز ہو کر اسے اذیت پہنچا سکتے ہیں' جس کی نوبت قتل تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ کبھی وہ پتھر پھینک (مار) کر انسان کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور کبھی وہ انسان کو ڈرانے بھی لگتے ہیں' الغرض جنوں کے انسانوں پر اثرانداز ہونے کی یہ مختلف صورتیں ہیں' جو سنت سے ثابت ہیں اور حالات و واقعات سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی کو ایک غزوہ میں اپنے گھر جانے کی اجازت دے دی تھی کیونکہ وہ نوجوان تھے اور ان کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ جب وہ گھر پہنچے تو انہوں نے اپنی بیوی کو دروازے پر کھڑے پایا تو انہیں (بیوی کا اس طرح دروازے پر کھڑے ہونا) معیوب لگا' ان کی بیوی نے ان سے کہا اندر آجائیں۔ جب وہ اندر داخل ہوئے تو انہوں نے بستر پر لیٹا ہوا ایک سانپ دیکھا۔ ان کے پاس ایک نیزہ تھا جو انہوں نے سانپ کو چبھو دیا جس سے وہ مر گیا اور عین اسی لمحے جس میں سانپ مرا وہ نوجوان بھی مر گیا۔ حتیٰ کہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ سانپ پہلے مرا ہے یا نوجوان۔ جب نبی اکرم ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے چھوٹے یا زہریلے اور خبیث قسم کے سانپوں کے سوا گھروں میں موجود سانپوں کو قتل کرنے سے منع فرما دیا۔ [1]

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جن انسانوں پر زیادتی کرتے ہیں اور انہیں ایذاء پہنچاتے ہیں جیسا کہ تواتر کی حد تک پہنچے ہوئے حالات و واقعات سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ بہت سے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی بار انسان جنگل وغیرہ میں گیا تو اس پر پتھر گرنے لگ گئے حالانکہ اس کو وہاں کوئی انسان نظر نہیں آتا تھا۔ بسا اوقات انسانوں نے آوازیں اور ایسی سرسراہٹ بھی سنی ہے جیسی درختوں کی سرسراہٹ سی ہوتی ہے۔ اس طرح کے کئی واقعات رونما ہوتے ہیں' جو وحشت و اذیت ناک ہوتے ہیں' علاوہ ازیں جن انسان کے جسم میں بھی داخل ہو سکتا ہے۔ کبھی تو اسے انسان سے عشق ہو جاتا ہے' کبھی اس کا مقصد انسان کو ایذاء پہنچانا ہوتا ہے اور کبھی اس کا سبب کوئی اور ہوتا ہے۔ درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے بھی اس کا اشارہ ملتا ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ يَأْكُلُونَ ٱلرِّبَوٰاْ لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ ٱلَّذِى يَتَخَبَّطُهُ ٱلشَّيْطَـٰنُ مِنَ ٱلْمَسِّ ﴾
(البقرۃ۲/ ۲۷۵)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے' جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔"

اس صورت میں کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ جن انسان کے اندر سے باتیں بھی کرتا ہے اور وہ اس شخص سے بھی باتیں کرنے لگتا ہے' جو اسے قرآن کریم کی آیات پڑھ کر دم کر رہا ہو۔ کبھی دم کرنے والا اس سے یہ وعدہ بھی لے لیتا ہے کہ وہ آئندہ یہاں نہیں آئے گا۔ الغرض اس طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو تواتر تک پہنچی ہوئی اور لوگوں میں بہت مشہور ہیں۔ جن کے شر سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان وہ کچھ پڑھتا رہے جو اس سلسلہ میں حدیث میں آتا ہے مثلاً حدیث میں ہے کہ جو شخص رات کو آیت الکرسی پڑھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک محافظ اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے اور صبح تک شیطان بھی اس کے قریب نہیں آسکتا۔ [2] اور اللہ ہی حفاظت کرنے والا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم' السلام' باب قتل الحیات و غیرھا' حدیث: 2236

[2] صحیح البخاری' الوکالۃ' باب إذا وَکَّلَ رجلا فترک الوکیل شیئًا فأجازه الموکل فھو جائز --- الخ' حدیث: 2311

شیخ ابن عثیمین

جن اور نظر بد کا انسان پر اثر

 جن کا انسان پر اور انسان کا جن پر کیا اثر پڑ سکتا ہے' نیز حاسد کی نظر کا محسود پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟

جواب جن کا انسان پر اور انسان کا جن پر اثر نیز حاسد کی نظر کا محسود پر اثر ایک مشہور بات ہے جو حالات و واقعات سے ثابت ہے لیکن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے شرعی نہیں بلکہ کونی و قدری حکم سے ہوتا ہے۔ حاسد کی نظر کا محسود پر اثر فعلاً ثابت ہے اور لوگوں میں مشہور و معروف ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْعَيْنُ حَقٌّ، وَلَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ»(صحيح مسلم، السلام، باب الطب والمرض والرقي، ح:٢١٨٨)

"نظر بد برحق ہے اور اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت لے جانے والی ہوتی تو وہ نظر بد تھی"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ رُقْيَةَ إِلاَّ مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ»(صحيح البخاري، الطب، باب من اكتوى أو كوى غيره ... الخ، ح:٥٧٠٥ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين ... الخ، ح:٢٢٠)

"دم' نظر بد یا بخار ہی کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔"

اس مسئلہ سے متعلق بہت سی احادیث ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحت و عافیت عطا فرمائے اور حق پر ثابت قدم رکھے۔

فتویٰ کمیٹی

جن کو آگ سے جلا کر نکالنا

سوال ایک آسیب زدہ عورت ہے' جس پر ایک جن عورت نے تسلط جمایا ہوا ہے۔ جب اس جن عورت کو مارا جاتا ہے تو وہ اس انسان عورت کے جسم سے نہیں نکلتی تو کیا اس حال میں اسے آگ سے جلانا جائز ہے تاکہ وہ مسلمان عورت کے جسم سے باہر نکل جائے؟

جواب آگ سے اسے جلانا مطلقاً حرام ہے' کیونکہ آگ کے ساتھ عذاب صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ و باللہ التوفیق' و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

جن کے انسان کے جسم میں داخل ہونے کی دلیل

سوال کیا ایسی کوئی دلیل ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ جن انسانوں کے جسم میں داخل ہو سکتے ہیں؟

جواب ہاں کتاب و سنت کے دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن انسانوں کے جسم میں داخل ہو سکتے ہیں مثلاً قرآن کریم میں ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ يَأْكُلُونَ ٱلرِّبَوٰاْ لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ ٱلَّذِى يَتَخَبَّطُهُ ٱلشَّيْطَٰنُ مِنَ ٱلْمَسِّ ﴾

(البقرة٢/ ٢٧٥)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے' جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔"

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ قیامت کے دن اپنی قبروں سے اس طرح حواس باختہ اٹھیں گے جس طرح آسیب زدہ اس وقت اٹھتا ہے جب وہ حالت آسیب میں ہو اور شیطان نے لپٹ کر اسے دیوانہ بنا دیا ہو اور سنت سے اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنِ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ»(صحيح البخاري، الاعتكاف، باب هل يدرأ المعتكف عن نفسه؟، ح:٢٠٣٩ وصحيح مسلم، الاسلام، باب بيان أنه يستحب لمن رؤي خاليا بامرأة ... الخ، ح:٢١٧٥)

"شیطان ابن آدم میں اس طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون۔"

امام اشعری نے "مقالات اهل السنة والجماعة" میں لکھا ہے کہ اہل سنت کا قول یہ ہے کہ جن آسیب زدہ جسم میں داخل ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں استدلال سابقہ آیت ہی سے کیا ہے۔ عبداللہ بن امام احمد بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی کی خدمت میں عرض کیا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جن انسان کے بدن میں داخل نہیں ہو سکتا' تو آپ نے فرمایا: بیٹا! یہ لوگ غلط کہتے ہیں۔ جن تو انسان کے جسم میں داخل ہو کر اس کی زبان سے باتیں بھی کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ایسی کئی احادیث سے ثابت ہے کہ ایک آسیب زدہ بچے کو آپ کی خدمت میں لایا گیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اُخْرُجْ عَدُوَّ اللهِ فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ»(سنن ابن ماجه، الطب، باب الفزع والأرق وما يتعوذ منه، ح:٣٥٤٨)

"اے اللہ کے دشمن نکل جا! آپ نے تین بار اس طرح کیا۔"

حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«اُخْرُجْ عَدُوَّ اللهِ أَنَا رَسُولُ اللهِ»(مسند أحمد: ٤/ ١٧١، ١٧٢)

"اے اللہ کے دشمن نکل جا! میں اللہ کا رسول ہوں۔"

آپ نے جب یہ فرمایا تو بچہ فوراً تندرست ہو گیا تو جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا اس مسئلہ میں یہ ایک دلیل قرآن کریم سے ہے اور دو دلیلیں سنت مطہرہ سے۔ علاوہ ازیں اہل سنت والجماعۃ اور ائمہ سلف کا بھی یہی قول ہے اور حالات و واقعات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے' لیکن ہم اس بات کے منکر نہیں ہیں کہ جنون کا کوئی اور سبب بھی ہو سکتا ہے مثلاً اعصابی تناؤ یا دماغی عدم توازن وغیرہ۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

انسان جن کی ایذاء اور شرارت سے کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے

سوال ایک شخص نے سوال کیا ہے کہ میں ایک نابینا شخص ہوں اور ایک ایسے گھر میں رہتا ہوں جہاں ہر رات جن آتا ہے اور میں اس سے ڈرتا ہوں۔ میرے پاس قرآن مجید ہے اور جب میں اسے اس کے منہ کے آگے کر دیتا ہوں تو وہ چلا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ قرآن مجید کو اس کے منہ کے آگے کرنا صحیح نہیں ہے۔ امید ہے آپ اس سلسلہ میں راہنمائی فرمائیں گے؟

جواب آپ کو چاہیے کہ سوتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کریں' آیت الکرسی' سورۂ اخلاص' اور معوذتین تین بار پڑھیں اور صبح و شام تین تین بار اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کے ساتھ ہر اس چیز کے شر سے اللہ سے پناہ مانگیں' جو اس نے پیدا کی ہے' نیز صبح و شام تین تین بار یہ بھی پڑھیں:

«بِسْمِ اللهِ الَّذِي لاَ يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الأَرْضِ وَلاَ فِي السَّمَاءِ، وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ»(مسند أحمد: ١/ ٦٢ وسنن أبي داود، الأدب، باب ما يقول إذا أصبح، ح:٥٠٨٨)

"اس اللہ کے نام کے ساتھ جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی' نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

اس سے آپ ان شاء اللہ جنوں وغیرہ کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ اس معاملہ میں مذکورہ طریقے سے قرآن مجید کو استعمال نہ کریں کیونکہ یہ کتاب اللہ کی توہین اور شیطانوں کو خوش کرنے کے مترادف ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت بخشے اور ہم سب کو شیطانوں سے محفوظ رکھے۔ وباللّٰه التوفيق وصلى اللّٰه على نبينا محمد و آله و صحبه وسلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

بعض کلمات اور الفاظ کے استعمال کا حکم

لفظ "مبروک" کے ساتھ مبارک باد دینا

سوال مبارک باد کے وقت لفظ "مبروک" استعمال کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ یہ "بروک" سے ماخوذ ہے مثلاً آپ کہتے ہیں کہ بَرَكَ الْجَمَلُ (اونٹ بیٹھا) اور یہ مبارک کے معنی میں نہیں ہے' جو برکت سے ہے؟

جواب لفظ "مبروک" کا برکت سے ہونا درست ہے کیونکہ فعل رباعی "بَارَكَ" سے یہ کہا جاتا ہے کہ "هٰذَا مُبَارَكٌ" اور فعل "بَرَكَ" سے یہ کہا جاتا ہے کہ "هٰذَا مَبْرُوْكٌ" گویا عرفی لغت میں یہ لفظ "مبارک" ہی کے معنی میں ہے۔ میرے خیال میں صرفی قواعد کے اعتبار سے یہ صحیح نہیں ہے کہ "مَبْرُوْك" "بَرَكَ" سے مشتق ہے کیونکہ بَرَكَ فعل لازم ہے اور فعل لازم سے اسم مفعول حرف جر کے ساتھ متعدی ہوتا ہے' یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ "بَرَكَتِ النَّاقَةُ فَهِيَ بَارِكَةٌ" تو اسے "مَبْرُوْكَةٌ" نہیں کہتے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے بَرَكَ نَاقَتُهُ فَهِيَ مَبْرَكَةٌ' مَبْرُوْكَةٌ نہیں کہا جاتا۔ گویا برک فعل لازم سے صیغہ مفعول از روئے

لغت حرف جر کے بغیر استعمال کرنا صحیح نہیں ہے اور اسے حرف جر کے بغیر استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ عوام میں معروف ہے اور جب مادۂ اشتقاق موجود ہے اور یہ ہے "باء' راء اور کاف جو برکت کے اصلی حروف ہیں لہٰذا میری رائے میں مبارک کے معنی میں لفظ مبروک استعمال کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

لفظ حرام کا استعمال

سوال بہت سے لوگ جب کسی کو عادت یا شریعت کے خلاف کوئی کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو "حرام" کا لفظ استعمال کرتے ہیں' کیا اس لفظ کے استعمال کی وجہ سے گناہ ہو گا یا اس کا کوئی مؤاخذہ نہیں ہو گا؟

جواب لوگ جس کو حرام کہتے ہیں اس کا تعلق یا تو ان امور میں سے ہو گا' جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے' مثلاً "حرام ہے کہ یہ شخص زنا کرے" یا "حرام ہے کہ زبان جھوٹ بولے" تو ان کاموں کے لیے حرام کا لفظ استعمال کرنا صحیح اور شریعت کے مطابق ہے اور اگر کوئی چیز شریعت میں حرام نہ ہو تو اسے حرام قرار دینا اور اس کے لیے حرام کا لفظ استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس چیز سے اسے حرام قرار دینے کا شبہ ہوتا ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہو یا اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قضاء و قدر سے روک دیا ہے کیونکہ حرمت سے ان کا مقصود حرمت قدری ہوتی ہے کیونکہ حرمت قدری بھی ہو سکتی ہے اور شرعی بھی کہ جس چیز کا تعلق اللہ تعالیٰ کے فعل سے ہو گا اس کی حرمت قدری ہو گی اور جس کا تعلق اس کی شریعت سے ہو گا' اس کی حرمت شرعی ہو گی' لہٰذا اگر ان لوگوں کا مقصود شرعی طور پر حرام کردہ امر نہ ہو تو انہیں اس لفظ کے استعمال سے روکا جائے کیونکہ حرمت قدری کا تعلق اس سے نہیں بلکہ اس کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے۔ اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے' جسے پیدا کرنا چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے اور جسے روک دینا چاہے' اسے وہ روک دیتا ہے' لہٰذا میری رائے میں اس کلمہ کے استعمال سے انہیں پرہیز کرنا چاہیے خواہ ان کا مقصد و ارادہ صحیح ہی کیوں نہ ہو مثلاً وہ یہ کہنا چاہتے ہوں کہ بعید ہے کہ یہ واقع ہو یا یہ بات بہت بعید ہے کہ ایسے نہ ہو۔ بہرحال میری رائے میں اس لفظ کے استعمال میں بہت احتیاط کرنی چاہیے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

لفظ جلالہ کا نبی اکرم ﷺ کے نام کے ساتھ استعمال

سوال کاغذ کے چارٹوں اور دھاگوں سے بنی ہوئی بعض چیزوں پر اللہ تعالیٰ کا اسم پاک نبی اکرم ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ ملا کر اس طرح لکھا جاتا ہے کہ "اللہ محمد" تو اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب یہ بات لوگوں میں کئی طرح سے رواج پا گئی ہے لیکن یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم پاک لکھا ہو اور اس کے ساتھ ہی رسول ﷺ کا اسم گرامی لکھ دیا جائے۔ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تھا: ماشاء اللہ--- "جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں۔" تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«جَعَلْتَنِي للهِ عَدْلاً! بَلْ مَاشَاءَ اللهُ وَحْدَهُ» (مسند أحمد: ١/ ٢٨٣، ٢١٤، ٣٤٧)

”تم نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا ہے بلکہ یہ کہو کہ ”جو اللہ وحدہ (اکیلا) چاہے۔“

اگر اس طرح کی لوح وغیرہ کے لٹکانے سے مقصود حصول تبرک ہو تو یہ بھی جائز نہیں کیونکہ حصول تبرک کا طریقہ یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت پر عمل کیا جائے اور آپ کے راستہ پر چلا جائے۔ اسی طرح گھروں میں ایسے کتبوں اور تختیوں کو لٹکانا جن پر قرآن کریم کی آیات لکھی ہوئی ہوں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یا حضرات صحابہ کرام اور تابعین سے یا ائمہ سلف رحمہم اللہ سے ثابت نہیں ہے۔ معلوم نہیں یہ بدعت کہاں سے آگئی ہے۔ حقیقت میں یہ بدعت ہی ہے کیونکہ قرآن مجید تو اس لیے نازل ہوا ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے' نہ اس لیے کہ اسے دیواروں پر لٹکایا جائے۔ دیواروں پر لٹکانے میں خرابی کا ایک یہ پہلو بھی ہے کہ ایسا کرنے والے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ ان کے لیے تعویذ ہے اور اس طرح وہ صحیح حرز یعنی زبان سے قرآن مجید کی تلاوت کو چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو یہ فرمایا ہے: ”جو شخص رات کو آیت الکرسی کی تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک محافظ اس کی حفاظت کرتا ہے اور صبح تک شیطان اس کے قریب بھی نہیں آتا۔“ [1]

مجلسوں میں عام طور پر حرام باتیں بھی ہوتی ہیں اور بسا اوقات وہاں آلات لہو و لعب بھی موجود ہوتے ہیں لہٰذا ایسی جگہوں میں اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہونا چاہیے۔ لہٰذا ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو یہ نصیحت کریں گے کہ وہ ایسی تختیوں اور کتبوں کو گھروں میں نہ لٹکائیں جن پر قرآن مجید کی آیات ہوں یا اللہ تعالیٰ کا اسم پاک ہو یا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

فلاں شخص کا اپنے آپ پر اعتماد ہے

سوال یہ کہنا کہ ”فلاں شخص کا اپنے آپ پر اعتماد ہے“ یہ کیسا ہے؟ کیا یہ مسنون دعا کے ان الفاظ کے منافی تو نہیں ہے' جن کے معنی یہ ہیں کہ ”اے اللہ! مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی میرے نفس کے سپرد نہ کر؟“

جواب ان الفاظ کے کہنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ قائل کی اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں شخص کو اس کے بارے میں پورا اعتماد اور وثوق حاصل ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کی طرف بسا اوقات بعض چیزوں کی نسبت یقین سے کی جاتی ہے' بعض کی ظن سے' بعض کی شک اور تردد سے اور بعض کی بطور مرجوح کے۔ لہٰذا جب کوئی یہ کہے کہ ”مجھے اس کا پورا اعتماد ہے“ یا ”مجھے اپنے نفس پر پورا بھروسہ ہے۔“ یا ”فلاں شخص کو اپنے آپ پر اعتماد ہے۔“ یا ”جو وہ کہتا ہے' اس پر اسے پورا پورا اعتماد ہے۔“ لہٰذا اس طرح کے اسلوب کلام میں کوئی حرج نہیں اور نہ یہ اس مشہور دعا کے خلاف ہے:

«فَلَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ»(سنن أبي داود، الأدب، باب ما يقول إذا أصبح، ح: ٥٠٩٠)

کیونکہ انسان اپنے نفس پر اعتماد کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے عطا کردہ علم و قدرت کے ساتھ ہوتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

[1] صحیح البخاری' الوکالۃ' باب اذا وکل رجلا فترک الوکیل شیئا فأجازہ الموکل فھو جائز--- الخ' حدیث: 2311

رسم و رواج

سوال اسلامی معاشروں میں بسا اوقات اس مفہوم کے لیے کہ یہ معاشرے اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل پیرا ہیں' اس طرح کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں کہ "اسلامی رسم و رواج کے ساتھ چلتے ہوئے۔" بعض معاصر علماء اس قسم کے الفاظ استعمال کرنا جائز نہیں سمجھتے کیونکہ اسلام تو عادات و تقالید اور رسم و رواج کے خلاف ہے۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ الفاظ دشمنان اسلام کی طرف سے پھیلائے ہوئے ہیں' جب کہ کچھ اہل علم کی یہ رائے ہے کہ ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلم سر تسلیم خم کیے ہوئے ہے اس حکم کے سامنے جو اس کے رب نے اسے دیا یا اس کے رسول ﷺ نے اسے دیا ہے' ایک اچھا مسلمان اس کے سوا کسی اور طرف نہیں دیکھتا۔ عبادت سے مقصود بھی یہی ہے۔ امید ہے آپ دلائل کے ساتھ راہنمائی فرمائیں گے کہ اس طرح کے الفاظ استعمال کرنا جائز ہیں یا ناجائز؟

جواب اسلام عادات و تقالید اور رسم و رواج کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تو اس وحی کا نام ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف بھیجا اور جسے اپنی کتابوں کی صورت میں نازل فرمایا۔ جب مسلمان اسے اختیار کر لیں اور اس کے مطابق عمل کو اپنا شعار بنالیں تو یہ ان کا اخلاق و کردار بن جاتا ہے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلام کوئی ایسا نظام نہیں ہے جو رسم و رواج سے تشکیل پایا ہو بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ ایمان لانے اور اسلامی شریعت کے دیگر تمام اصولوں کو ماننے کا نام ہے۔ لیکن غیر شعوری طور پر ان کے ریڈیو' ٹیلی ویژن اور اخبارات و جرائد میں ایسے الفاظ عام استعمال ہو رہے ہیں' جن کے بارے میں سوال کیا گیا ہے کہ "اسلامی عادات و تقالید کے ساتھ چلتے ہوئے" مسلمان ان الفاظ کو حسن نیت ہی سے استعمال کرتے ہیں اور ان کا مقصد اس سے دین اسلام اور اس کے احکام کی اطاعت و پابندی ہوتا ہے۔ یہ مقصد بلاشبہ نیک اور قابل ستائش ہے لیکن انہیں چاہیے کہ اپنے مقصد کے اظہار کے لیے ایسی عبارت استعمال کریں' جو واضح ہو اور جس سے معلوم ہو کہ اسلام ایسی تقالید و رسوم کا نام نہیں ہے' جن کو ہم نے اپنے مسلمان اسلاف سے ورثہ میں پایا ہے' اس لیے ہم انہیں اختیار کیے ہوئے ہیں۔ لہٰذا مذکورہ بالا الفاظ کی بجائے اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں کہ "اسلامی شریعت اور اس کے عادلانہ احکام کے مطابق چلتے ہوئے۔" یاد رہے! مسلمان کے لیے صرف یہی بات کافی نہیں ہے کہ اس کی نیت اچھی ہو بلکہ اس کے لیے عبارت بھی صحیح اور واضح استعمال کرنی چاہیے لہٰذا مسلمان کو کوئی ایسی عبارت استعمال نہیں کرنی چاہیے جس سے یہ شبہ اور وہم ہو کہ اسلامی شریعت رسم و رواج کا نام ہے۔ حسن نیت کی وجہ سے الفاظ کی اس قسم کی لغزشوں کو معاف نہیں کیا جا سکتا' جب کہ وہ ایسا طریقہ اختیار کر سکتا اور زبان سے ایسے الفاظ ادا کر سکتا ہے' جو اس طرح کے شکوک و شبہات اور اوہام سے پاک ہوں۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

بعض غلط اعتقادات کا حکم

علماء سے اس لیے نہ پوچھنا کہ کہیں یہ عمل حرام ہی نہ ہو

سوال میرا ایک عزیز دوست ہمیشہ سگریٹ پیتا رہتا ہے اور میں بھی اسے بہت نصیحت کرتا رہتا ہوں تاکہ وہ اس بری

عادت کو ترک کر دے، لیکن اس نے میری نصیحت کو قبول نہیں کیا اور جب میں اسے بعض علماء کے فتوے اور پند و نصائح دکھاتا ہوں تو وہ یہ کہہ کر انہیں پڑھنے سے انکار کر دیتا ہے کہ اگر میں نے انہیں پڑھ لیا تو اس طرح سگریٹ کی حرمت کے بارے میں مجھ پر حجت پوری ہو جائے گی اور میں عمل نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوں گا، تو اس طرح کی بات کے سلسلہ میں آپ ہمیں کیا نصیحت فرمائیں گے؟

جواب آپ کے دوست پر واجب ہے کہ وہ نصیحت کو قبول کرے اور سگریٹ نوشی ترک کر دے کیونکہ دینی، جسمانی اور مالی بہت سے نقصانات کی وجہ سے یہ حرام ہے اور اس لیے بھی کہ بعض اوقات یہ نشے کا سبب بن جاتی ہے۔ لہٰذا واجب ہے کہ وہ اسے ترک کر دے اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرے۔ جس شخص کو سگریٹ یا کسی اور چیز کی حرمت کے بارے میں شک ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ اہل علم سے پوچھ لے تاکہ اسے بصیرت حاصل ہو جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾ ﴾ (النحل ١٦/ ٤٣)

"اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو۔"

اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس خدشہ کی وجہ سے سوال نہ کرے کہ جس کام کو وہ کر رہا ہے۔ سوال کرنے پر اس کے حرام ہونے کا فتویٰ دے دیا جائے گا کیونکہ یہ بات مذکورہ بالا آیت کریمہ میں مذکور اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اس صحیح سنت کے بھی خلاف ہے، جس میں دین کے علم کو سیکھنے اور دین میں تفقہ حاصل کرنے کی تلقین کی گئی اور دین سے اعراض کرنے والے کی مذمت کی گئی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

گرہن کے وقت کھانا پینا

سوال میں نے بہت سے والدین کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ سورج یا چاند کے گرہن کے وقت کھانا پینا معدہ کے لیے نقصان دہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے، لہٰذا جب تک گرہن ختم نہ ہو جائے کچھ کھانا پینا نہیں چاہیے کیا یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟

جواب گرہن کے وقت کھانا پینا جائز ہے، اس میں کوئی نقصان نہیں۔ اس کے بارے میں جو بات کہی گئی ہے یہ بے اصل ہے، اصل جواز ہے حتیٰ کہ ممانعت کی کوئی دلیل ہو۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ گرہن کے وقت مسلمان نماز کسوف اور ذکر الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں حتیٰ کہ گرہن ختم ہو جائے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

سجدوں کی علامت

سوال کیا یہ بات صحیح ہے کہ سجدوں کی وجہ سے پیشانی پر جو نشان پڑ جاتا ہے یہ نیک لوگوں کی علامت ہے؟

جواب یہ نیک لوگوں کی علامات میں سے نہیں ہے، البتہ وہ نور ضرور علامت ہے، جو چہرے پر جھلکتا ہے اور جو انشراح صدر اور حسن خلق وغیرہ کی صورت میں نظر آتا ہے۔ سجدوں کے سبب چہرے پر ظاہر ہونے والا نشان کئی دفعہ جلد کی ملائمت اور حساسیت کی وجہ سے ان لوگوں کے چہروں پر بھی نظر آ جاتا ہے، جو صرف فرائض ہی ادا کرتے ہیں اور ان لوگوں

کے چہروں پر نظر نہیں آتا جو نوافل بھی کثرت سے ادا کرتے اور سجدے بھی لمبے لمبے کرتے ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کالی رنگت

سوال میں نے بعض اسلامی کتابوں میں پڑھا ہے کہ جن لوگوں کی رنگت کالی ہے' وہ دراصل حضرت نوح علیہ السلام کے ایک ایسے بیٹے کی اولاد ہیں' جس نے چوری چھپے اپنے والد کی شرم گاہ کو دیکھ لیا تھا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے لیے بد دعا کی اس کے چہرے کو کالا کر دیا جائے تو اس وقت سے اس کی اولاد کالے رنگ کی پیدا ہو رہی ہے؟

جواب بعض ایسی کتابوں میں اسی طرح کا ذکر کیا گیا ہے' جن کا اسرائیلی روایات پر انحصار ہے۔ بعض کتابوں میں کالی رنگت کے کچھ اور اسباب بھی بیان کیے گئے ہیں مگر جیسا کہ ظاہر ہے یہ باتیں صحیح نہیں ہیں کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کاریگری اور اس کا اپنے بندوں کے بارے میں تصرف و اختیار ہے کہ اس نے ان میں سے کسی کو گورا بنا دیا اور کسی کو کالا' کسی کو سرخ اور کسی کو کسی اور رنگت میں پیدا فرما دیا' جیسا کہ اس نے کسی کو دراز قد عطا فرمایا اور کسی کو کوتاہ' کسی کو کامل بنا دیا اور کسی کو ناقص' کسی کو عقل مند اور کسی کو مجنون تو اس تفاوت میں بھی عقل والوں کے لیے عبرت ہے کہ یہ سب آدم کی اولاد ہیں' سب اپنے ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں مگر مختلف حیثیتوں کے حامل ہیں کہ یہ اس غالب و علیم ہستی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ جس نے فرمایا ہے:

﴿ وَمِنْ ءَايَـٰتِهِۦ خَلْقُ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱخْتِلَـٰفُ أَلْسِنَتِكُمْ ﴾ (الروم ۳۰/ ۲۲)

”اور اس کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا۔“

——— شیخ ابن جبرین ———

بیت المقدس کی چٹان

سوال بیت المقدس کی وہ چٹان جس سے نبی اکرم ﷺ شب معراج' معراج کے لیے سوار ہوئے تھے' اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ معلق ہے' فتویٰ عطا فرمائیں کیا یہ بات درست ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب آسمانوں' زمینوں اور ان کے مابین کی ہر چیز حتیٰ کہ وہ چٹان جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے' اپنی اپنی جگہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يُمْسِكُ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ أَن تَزُولَا ۚ وَلَئِن زَالَتَآ إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِهِۦٓ ﴾

(فاطر ۳۵/ ۴۱)

”اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے رکھتا ہے کہ ٹل نہ جائیں اور اگر وہ ٹل جائیں تو اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں' جو ان کو تھام سکے۔“ اور فرمایا:

﴿ وَمِنْ ءَايَـٰتِهِۦٓ أَن تَقُومَ ٱلسَّمَآءُ وَٱلْأَرْضُ بِأَمْرِهِۦ ﴾ (الروم ۳۰/ ۲۵)

"اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔"

بیت المقدس کی چٹان فضا میں اس طرح معلق نہیں ہے کہ تمام اطراف سے اس کے گرد ہوا کے سوا اور کچھ نہ ہو' بلکہ یہ چٹان ایک طرف سے اس پہاڑ کے ساتھ ملی ہوئی ہے جس کا یہ ایک حصہ ہے اور جس کے ساتھ یہ باقاعدہ پیوست ہے۔ یہ چٹان اور اس کا پہاڑ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر ایسے اسباب کی وجہ سے قائم ہیں جو کونی ہیں' معمول کے مطابق ہیں اور سمجھ میں آنے والے ہیں۔ ان کی حالت بھی بالکل وہی ہے جو کائنات کی دیگر اشیاء کی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کے منکر نہیں ہیں کہ وہ کائنات کی کسی چیز کو فضا میں معلق کر دے بلکہ امرواقع یہ ہے کہ تمام مخلوقات ہی فضا میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ قائم ہیں جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر کوہ طور کو اس وقت کھڑا کر دیا تھا' جب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق عمل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس وقت یہ پہاڑ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ قوم موسیٰ کے سر پر اٹھایا گیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَـٰقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ ٱلطُّورَ خُذُوا۟ مَآ ءَاتَيْنَـٰكُم بِقُوَّةٍ وَٱذْكُرُوا۟ مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۶۳)

"اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور کوہ طور کو تم پر کھڑا کیا (اور حکم دیا) کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے' اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور جو اس میں (لکھا) ہے' اسے یاد رکھو تاکہ تم (عذاب سے) محفوظ رہو۔"

اور فرمایا:

﴿ ۞ وَإِذْ نَتَقْنَا ٱلْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُۥ ظُلَّةٌ وَظَنُّوٓا۟ أَنَّهُۥ وَاقِعٌۢ بِهِمْ خُذُوا۟ مَآ ءَاتَيْنَـٰكُم بِقُوَّةٍ وَٱذْكُرُوا۟ مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٧١﴾ ﴾ (الأعراف۷/ ۱۷۱)

"اور جب ہم نے ان (کے سروں) پر پہاڑ اٹھا کھڑا کیا گویا وہ سائبان تھا اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ ان پر گرتا ہے تو (ہم نے کہا کہ) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑے رہو اور جو اس میں لکھا ہے' اس پر عمل کرو تاکہ بچ جاؤ۔"

اس لیے ہمارا مقصود صرف اس امرواقع کو بیان کرنا ہے کہ بیت المقدس کی چٹان فضا میں اس طرح معلق نہیں ہے کہ وہ تمام اطراف سے پہاڑ سے بالکل الگ تھلگ ہو بلکہ یہ پہاڑ کے ساتھ متصل اور اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو

سوال مجھے دنیوی امور میں سے جب کسی کام کی توفیق مل جاتی ہے یا اللہ تعالیٰ میرے لیے اس میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے تو مجھے یہ گمان گزرنے لگتا ہے کہ میں نے شاید کوئی گناہ کیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے مہلت مل رہی ہے کہ میرے کام سرانجام پا رہے ہیں' میرا یہ خیال کہاں تک صحیح ہے؟

جواب اس حال میں شریعت کا آپ سے تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں اور اس نے آپ پر جو احسان فرمایا

ہے' اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے اس کی اطاعت اور بندگی کا کام لیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ حسن ظن رکھیں' اس کی ناراضی سے بچیں' اس کے حق کو ادا کریں اور دین پر استقامت کا ثبوت دیں۔

——— شیخ ابن باز ———

غیر مسلم کی مدد کرنا

سوال اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کی مدد کرے تو کیا اس سے وہ اس کا بھائی بن جائے گا؟

جواب اگر کوئی مسلمان کسی غیر حربی غیر مسلم و کافر کی مدد کرے تو اس سے وہ اس کا بھائی نہیں بن جائے گا اور نہ وہ محرم بنے گا اگر مدد کرنے والی عورت ہو' تاہم مدد کرنے والے کو ثواب ضرور ملے گا کیونکہ یہ نیکی ہے اور نیکی خواہ کافر ہی سے کیوں نہ کی جائے' یہ ایک پسندیدہ عمل ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَحۡسِنُوٓاْۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ﴿١٩٥﴾ ﴾ (البقرة٢/ ١٩٥)

"اور نیکی کرو' بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔" اور فرمایا:

﴿ لَّا يَنۡهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمۡ يُقَٰتِلُوكُمۡ فِي ٱلدِّينِ وَلَمۡ يُخۡرِجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمۡ أَن تَبَرُّوهُمۡ وَتُقۡسِطُوٓاْ إِلَيۡهِمۡۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُقۡسِطِينَ ﴿٨﴾ ﴾ (الممتحنة٦٠/ ٨)

"جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا' ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، ح:٢٦٩٩)

اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہوتا ہے' جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔"

نیز نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ، كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ»(صحيح البخاري، المظالم، باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه، ح:٢٤٤٢ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، ح:٢٥٨٠)

"جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت کو پورا کرے' اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کو پورا کرتا رہتا ہے۔"

ان دونوں حدیثوں کا تعلق مسلمان سے ہے اور غیر مسلم کے حوالہ سے صحیح بخاری و مسلم میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے انہیں اپنی ماں سے صلہ رحمی کی اجازت دے دی تھی' جو کہ کافرہ تھیں[1] اور یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول اللہ ﷺ اور اہل مکہ کے مابین مصالحت ہو چکی تھی۔ یاد رہے! حربی کفار کی کسی قسم کی مدد کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کی مدد کرنے سے مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] صحیح البخاری' الهبة و فضلها والتحريض عليها' باب الهدية للمشركين' حديث : 2620 و صحيح مسلم' الزكاة' باب فضل النفقة والصدقة على الاقربين والزوج--- الخ' حديث : 1003

﴿ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ۝٥١ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۵۱)

"اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا تو وہ بھی انہیں میں سے ہو گا۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

——— شیخ ابن باز ———

ہارون الرشید نیک خلیفہ تھا

سوال بعض کتب تاریخ خصوصاً کتاب "الف لیلہ و لیلہ" میں ذکر کیا گیا ہے کہ خلیفۃ المسلمین ہارون الرشید لہو و لعب کے سوا اور کچھ نہیں جانتا تھا۔ وہ شرابیں پیتا تھا' گانے والیوں کے رقص کو دیکھتا اور انہیں اپنے قریب رکھتا تھا۔ امید ہے آپ رہنمائی فرمائیں گے کہ اس بہادر شخص کے بارے میں جو کہا گیا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟

جواب یہ صریح جھوٹ اور قبیح ظلم ہے کیونکہ یہ خلیفہ بہت نیک تھا' ایک سال حج کرتا اور ایک سال جہاد کرتا تھا۔ اس کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بہت سے علاقوں پر فتح عطا فرمائی اور اسلامی حکومت کے حدود دور دور تک پھیل گئے' ہر طرف امن' خوشحالی اور خیر و بھلائی کا اس طرح دور دورہ تھا کہ بعد میں اس کی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ پھر یہ خلیفہ نیک اور اچھے اخلاق و کردار کا مالک تھا' علماء کی صحبت اختیار کرتا' ان سے فیض حاصل کرتا' ان کے پند و نصائح کو سنتا' روتا' خشوع و خضوع کا اظہار کرتا' تہجد' تلاوتِ قرآن' ذکر الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کثرت سے مشغول رہتا تھا۔ جیسا کہ آپ کی سیرت سے متعلق مستقل کتاب میں یہ ساری باتیں مذکور ہیں۔ جہاں تک اس کتاب "الف لیلہ و لیلہ" کا تعلق ہے تو یہ ایسے من گھڑت جھوٹوں کا مجموعہ ہے' جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ایک ایسے شخص کی ذہنی اختراع ہے' جس میں امانت و دیانت نہیں ہے اور جس کا مقصود صرف یہ تھا کہ امت کو اس کے واجبات فراموش کرا دیئے جائیں اور خرافات اور جھوٹے قصے کہانیوں کے پڑھنے یا سننے میں اس کا وقت ضائع کر دیا جائے' لہٰذا اس کتاب سے فریب خوردہ نہیں ہونا چاہیے۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بچے کی پرورش اور بعض دیگر احکام

کیا مادہ منویہ کے جراثیم زندہ ہیں یا نہیں؟

سوال کیا چار ماہ بعد جنین میں روح پھونکے جانے سے ہم یہ مفہوم اخذ کر سکتے ہیں کہ منی کے جراثیم' جو عورت کے بیضہ سے ملتے ہیں اور جن سے جنین پیدا ہوتا ہے' ان میں روح نہیں ہے' یا ہم اس سے کیا مفہوم اخذ کریں؟

جواب منی کے ہر جرثومہ اور عورت کے ہر بیضہ میں اس کے مناسب حال زندگی ہے جب کہ وہ آفات سے محفوظ ہو' پھر اللہ تعالیٰ کے حکم اور تقدیر سے یہ ایک دوسری صورت اختیار کر لیتے ہیں اور اس وقت ان سے اگر اللہ چاہے تو جنین

پیدا ہوتا ہے اور وہ بھی زندہ ہوتا ہے اور اس کی زندگی اس کے مناسب حال ہوتی ہے اور اس میں نمو اور وقتاً فوقتاً وہ تبدیلی ہوتی رہتی ہے' جو معروف ہے اور جب اس میں روح پھونک دی جائے تو اللہ لطیف و خبیر کے حکم سے اس کی ایک دوسری زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ انسان کیسی ہی کوشش کیوں نہ کرے اور وہ کیسا ہی ماہر طبیب کیوں نہ ہو' وہ حمل کے اسرار' اسباب اور اطوار کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے محدود علم' بڑی بحث و تمحیص اور تجربہ سے بعض حالات ہی کو جانتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے:

﴿ ٱللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنثَىٰ وَمَا تَغِيضُ ٱلْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۖ وَكُلُّ شَىْءٍ عِندَهُۥ بِمِقْدَارٍ ۝٨ عَـٰلِمُ ٱلْغَيْبِ وَٱلشَّهَـٰدَةِ ٱلْكَبِيرُ ٱلْمُتَعَالِ ۝٩ ﴾ (الرعد۱۳/ ۸۔۹)

''اللہ ہی اس بچے سے واقف ہے' جو عورت کے پیٹ میں ہوتا ہے اور پیٹ کے سکڑنے اور بڑھنے سے بھی (واقف) اور ہر چیز کا اس کے ہاں ایک اندازہ مقرر ہے' وہ دانائے نہاں و آشکار ہے' سب سے بزرگ (اور) عالی رتبہ ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥ عِلْمُ ٱلسَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ ٱلْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِى ٱلْأَرْحَامِ ﴾ (لقمان۳۱/ ۳۴)

''اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی (حاملہ کے) پیٹ کی چیزوں کو جانتا ہے۔''

—— فتویٰ کمیٹی ——

عقیقہ کی شرعی مدت

سوال کیا عقیقہ کی مدت ایک ہفتہ' دو ہفتے یا اکیس دن ہے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے؟ اگر عقیقہ کے جانور کو نویں یا دسویں دن ذبح کیا جائے تو کیا یہ صحیح ہو گا؟

جواب افضل یہ ہے کہ عقیقہ ساتویں دن کیا جائے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ اگر ساتویں دن نہ ہو سکے تو اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ چودھویں دن کیا جائے اور اگر چودھویں دن بھی نہ ہو سکے تو پھر اکیسویں دن کیا جائے اور پھر اس کے بعد ہفتوں کا اعتبار نہیں اور یہ صرف افضلیت کے اعتبار سے ہے لہٰذا اگر چھٹے یا پانچویں یا دسویں یا پندرھویں دن عقیقہ کر دیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

سوال اگر اکیسویں دن ذبح کیا جائے تو کیا وہ عقیقہ شمار ہو گا؟

جواب ہاں عقیقہ شمار ہو گا اور جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے' اس میں کوئی حرج نہیں۔ مدت کا تعین بر سبیل افضلیت ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

آٹھویں ماہ میں بچے کی ولادت

سوال میرے بچے کی سات ماہ اور آٹھ دن بعد غیر طبعی طور پر ولادت ہوئی ہے' کیا اس طرح پیدا ہونے والے بچے کو پورا بچہ قرار دیا جا سکتا ہے؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ بچہ جب چار ماہ کے بعد پیدا ہو تو اس کا حکم زندہ پیدا ہونے والے بچے کا ہوگا بلکہ وہ زندہ ہوگا کیونکہ جب چار ماہ پورے ہو جائیں تو بچے میں روح پھونک دی جاتی ہے' لہٰذا بچہ جب چار ماہ کے بعد ساقط ہو تو اسے غسل دیا جائے گا' کفن پہنایا جائے گا' اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ اہل علم فرماتے ہیں کہ ایسے بچے کا نام بھی رکھنا چاہیے۔ اگر معلوم ہو کہ لڑکا ہے تو لڑکوں جیسا اور اگر معلوم ہو کہ لڑکی ہے تو لڑکیوں جیسا اس کا نام رکھا جائے اور اگر یہ معلوم نہ ہو سکے کہ وہ لڑکا ہے یا لڑکی تو کوئی ایسا نام رکھا جائے جو دونوں ہی کے لیے موزوں ہو مثلاً "هِبَةُ اللّٰه" یا اس سے ملتا جلتا نام اس کا عقیقہ بھی کیا جائے کیونکہ اسے بھی قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

بچے کے نام رکھنے کا وقت

سوال بچے کی ولادت کے کس دن بعد اس کا نام رکھنا افضل ہے یعنی ساتویں دن یا کسی اور دن اور کیا اس موقع پر دوستوں' ساتھیوں اور پڑوسیوں وغیرہ کے ساتھ تقریب منعقد کرنا صحیح ہے؟

جواب بچے کے نام رکھنے کے سلسلہ میں کافی گنجائش ہے۔ ولادت کے دن بھی نام رکھا جا سکتا ہے اور ساتویں دن بھی' چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ منذر بن اسید کی جب ولادت ہوئی تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لایا گیا تو آپ نے اسے اپنی ران پر بٹھا لیا' ابو اسید بھی اس وقت بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سامنے رکھی ہوئی کسی چیز میں مشغول ہو گئے تو ابو اسید نے کہا کہ بچے کو لے لو تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک پر سے لے لیا گیا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچہ کہاں ہے؟ ابو اسید نے عرض کیا یا رسول اللہ! اسے ہم نے لے لیا ہے' تو آپ نے فرمایا کہ اس کا نام کیا ہے؟ ابو اسید نے نام بتایا تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اس کا نام منذر ہے۔ [1] صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رات میرے گھر بچہ پیدا ہوا ہے اور میں نے اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر اس کا نام رکھا ہے۔" [2]

امام احمد اور اہل سنن نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُّ غُلَامٍ رَهِينٌ بِعَقِيقَتِهِ، تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُحْلَقُ رَأْسُهُ وَيُسَمَّى»(مسند أحمد: ٥/ ١٢، ٨)

"ہر بچہ اپنے عقیقہ کے ساتھ گروی ہوتا ہے۔ اس کی طرف سے ساتویں دن ذبح کیا جائے' اسی دن اس کا سر منڈوایا جائے اور نام رکھا جائے۔"

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

---

[1] صحیح البخاری' الادب' باب تحویل الاسم الی اسم أحسن منه' حدیث: 6191 و صحیح مسلم' الآداب' باب استحباب تحنیک المولود عند ولادته وحمله الٰی صالح یحنکه... الخ' حدیث: 2149

[2] صحیح مسلم' الفضائل' باب رحمته صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال' و تواضعه' وفضل ذٰلک' حدیث: 2315

بچے کے نام رکھنے کی تقریب

سوال کیا بچے کے نام رکھنے کے موقع پر احباب' پڑوسیوں اور دوستوں کا جمع ہونا جائز ہے یا ایسی تقریب کو بدعت اور کفر قرار دیا جائے گا؟

جواب بچے کے نام رکھنے کے موقع پر تقریب کا انعقاد کرنا نبی اکرم ﷺ کی سنت نہیں ہے اور نہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں کبھی ایسا ہوا تھا' جو شخص اسلامی سنت سمجھ کر ایسی تقریب منعقد کرے تو اس نے دین میں ایک ایسی چیز ایجاد کی جس کا دین سے تعلق نہیں ہے' لہٰذا یہ بات بدعت ہونے کی وجہ سے مردود ہو گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، ح:٢٦٩٧ وصحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة . . . الخ، ح:١٧١٨ واللفظ له)

"جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کرے جو دین میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

لیکن یاد رہے کسی ایسی تقریب کا انعقاد کفر نہیں ہے اور اگر کوئی شخص خوشی اور مسرت یا عقیقہ کی دعوت کے لیے تقریب کا انعقاد کرے اور اسے سنت قرار نہ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ ساتویں دن بچے کا عقیقہ کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔

فتویٰ کمیٹی

بچے کی پرورش

سوال میں نے ایک قریبی رشتہ دار خاتون سے شادی کی تھی اور اس کے بطن سے میرا ایک بچہ پید ہوا لیکن ہمارے تعلقات سازگار نہ رہ سکے حتیٰ کہ بعض ایسے اسباب کی بنا پر طلاق تک نوبت پہنچ گئی' جن کے یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب مشکل یہ ہے کہ میرے بچے کی عمر نو سال ہو گئی ہے اور میں جانتا ہوں کہ ماں کا حق حضانت سات سال تک ہے اور اس کے بعد اختیار دیا جاتا ہے اور ساتویں سال کے بعد جب میں شرعی عدالت میں گیا تاکہ اپنے بچے کو لے سکوں تو عدالت نے مجھے بتایا کہ نئے قانون کے مطابق اب اردن میں حق حضانت پندرہ سال کی عمر تک ہے۔ میں یہاں سعودی عرب میں مقیم ہوں اور جب چھٹیوں میں اردن میں جاتا ہوں اور بچے کو دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ بچے کو بہت پکا کر دیا گیا اور اس کے خیالات کو مسموم کر دیا گیا ہے۔ وہ راستے میں مجھے دیکھ کر بھاگ جاتا ہے بلکہ گالیاں دیتا ہے اور مجھے پتھر مارنے میں بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ میں نے کوشش کی کہ اسے اپنے پاس بلاؤں' اسے دیکھوں اور اس کے حالات معلوم کروں' لیکن اس کی ماں نے اسے رد کر دیا۔ میں نے عدالت سے رجوع کیا تو عدالت نے مجھے بتایا کہ میں اسے ہفتہ میں صرف ایک گھنٹہ اور وہ بھی شیخ کے گھر میں یا عدالت میں مل سکتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ کیا بچے کو دیکھنا اور اس کی اچھی تربیت کرنا میرا حق نہیں ہے' کیا شریعت موجودہ صورت حال سے خوش ہے' میں عدالتوں اور وکیلوں سے

تنگ آگیا ہوں' امید ہے کہ آپ مجھے کوئی حل بتائیں گے تا کہ میں اپنے بچے کو دیکھ سکوں اور اس کی اچھی تربیت کر سکوں؟

جواب تربیت و پرورش کے مسائل اختلافی مسائل ہیں اور ان کا تعلق عدالتوں سے ہے لیکن ہم آپ کو یہ ضرور نصیحت کریں گے کہ عورت کے وارثوں سے اچھا معاملہ کریں اور باہمی معاملات کو خوش اسلوبی سے طے کرنے کے لیے اپنے اور عورت کے وارثوں کے درمیان اچھے دوستوں کو ڈال لیں اور جس قدر ممکن ہو عورت اور اس کے ولی سے اچھا سلوک کریں تاکہ باہمی اتفاق و اتحاد سے مسئلہ حل ہو جائے' اسی میں ان شاء اللہ سب کے لیے بہتری ہو گی اور اس میں آپ کے بیٹے کے لیے دین و دنیا کی مصلحت ہو گی۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا بہرا اور گونگا بچہ مکلف ہے؟

سوال کیا بہرا اور گونگا بچہ شرعاً نماز وغیرہ عبادات کا مکلف ہے یا اسے معذور سمجھا جائے گا؟

جواب گونگا بہرا بچہ جب بالغ ہو جائے تو وہ بھی نماز اور دیگر عبادات کا مکلف ہو گا۔ اسے ضروری باتیں لکھ کر یا اشارہ سے سمجھائی جائیں۔ احکام شرعیہ کے وجوب کے دلائل کے عموم سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہر بالغ اور عاقل پر واجب ہیں۔ بالغ وہ ہے جو پورے پندرہ سال کا ہو جائے یا اسے احتلام ہو یا اس کی شرم گاہ کے ارد گرد کھردرے بال اگ آئیں اور عورت کے حوالہ سے ایک چوتھی زائد علامت یہ ہے کہ اسے حیض آنا شروع ہو جائے۔ گونگے بہرے بچے کے ولی پر لازم ہے کہ وہ اس کی طرف سے زکوٰۃ وغیرہ مالی حقوق کو بھی ادا کرے اور دین و شریعت کی جو باتیں اس سے مخفی ہوں' ممکن طریقوں سے اسے سمجھائے تاکہ وہ یہ سمجھ جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کیا واجب قرار دیا ہے اور کیا حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح:٧٢٨٨ وصحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ح: ١٣٣٧)

"میں جب تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اسے بجالاؤ۔"

ہر وہ مکلف جو سن نہیں سکتا یا بول نہیں سکتا یا گونگے اور بہرے پن دونوں میں مبتلا ہے' تو اسے بھی ادائے واجبات اور ترک محرمات کے سلسلہ میں مقدور بھر کوشش کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اسے بھی مقدور بھر کوشش کر کے مشاہدہ یا کتاب یا اشارہ کے ذریعہ دین کو سمجھنا چاہیے تاکہ مطلوب حاصل ہو جائے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

ختنے کے بارے میں چند مسائل پر تنبیہ

ختنہ سنت فطرت اور مسلمانوں کا شعار ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ: اَلْخِتَانُ، وَالِاسْتِحْدَادُ، وَقَصُّ الشَّارِبِ، وَتَقْلِيمُ الأَظْفَارِ ـ وَنَتْفُ الآبَاطِ» (صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، ح:٥٨٩١ وصحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح:٢٥٧)

"فطرت پانچ چیزیں ہیں (۱) ختنہ کرنا (۲) زیر ناف بال صاف کرنا (۳) مونچھیں کاٹنا (۴) ناخن تراشنا اور (۵) بغلوں کے بال اکھاڑنا۔"

اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ختنہ کا سب سے پہلے ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ سنن فطرت میں سے ہے۔

شرعی ختنہ: شرعی ختنہ یہ ہے کہ صرف اس قلفہ کو کاٹ دیا جائے جس نے آلۂ تناسل کے حشفہ کو چھپا رکھا ہو۔ جو شخص اس کھال ہی کو کاٹ دے جس نے آلہ تناسل کا احاطہ کیا ہو یا سارے آلۂ تناسل ہی کو چھیل دے جیسا کہ بعض وحشی علاقوں میں رواج ہے اور وہ از راہ جہالت سمجھتے ہیں کہ یہ شرعی ختنہ ہے حالانکہ یہ شیطانی حکم ہے' جسے اس نے جاہل لوگوں کے لیے مزین کر دیا ہے' اس میں اس شخص کے لیے سخت تکلیف بھی ہے' جس کا ختنہ کیا جا رہا ہو اور اس سنت محمدیہ اور شریعت اسلامیہ کی مخالفت بھی ہے جس میں آسانی' سہولت اور انسانی نفس کی حفاظت کا پورا پورا اہتمام ہے لہٰذا اس طرح ختنہ کرنا کئی وجہ سے حرام ہے۔

① سنت یہ ہے کہ صرف اس قلفہ کو کاٹا جائے جس نے آلۂ تناسل کے حشفہ کو چھپایا ہوا ہو۔

② اس میں انسانی جان کو عذاب دینا اور مثلہ کرنا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ سے اور جانوروں کو باندھ کر ہلاک کرنے یا انہیں بے مقصد ہلاک کرنے یا ان کے اطراف کاٹنے سے منع فرمایا ہے' جب جانوروں کا تکلیف دینا حرام ہے تو انسانوں کو تکلیف دینا بالاولیٰ حرام بھی ہو گا اور اس میں گناہ بھی زیادہ ہو گا۔

③ یہ طریقہ اس احسان اور نرمی کے بھی خلاف ہے' جس کی ترغیب دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ» (صحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل وتحديد الشفرة، ح:١٩٥٥)

"اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے کہ ہر چیز سے اچھا سلوک کیا جائے۔"

④ بسا اوقات اس طرح ختنہ کرنے کی صورت میں مختون کی موت بھی واقع ہو جاتی ہے اور یہ جائز نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾ (البقرة٢/ ١٩٥)

"اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ ﴾ (النساء٤/ ٢٩)

''اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو' کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ علماء نے فرمایا کہ بڑی عمر کے آدمی کے لیے اس وقت ختنہ واجب نہیں ہے' جب ختنہ کی صورت میں اس کی موت کا اندیشہ ہو۔ ختنہ کے موقع پر ایک خاص دن مردوں اور عورتوں کا جمع ہونا اور سب کے سامنے بچے کو ننگا کھڑا کرنا حرام ہے کیونکہ اس میں شرم گاہ ننگی ہوتی ہے اور دین اسلام میں اسے چھپانے کا حکم اور ننگا کرنے کی ممانعت ہے۔ اسی طرح اس قسم کے موقع پر مردوں اور عورتوں کا اختلاط بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں فتنہ بھی ہے اور شریعت مطہرہ کی مخالفت بھی۔

——— شیخ ابن باز ———

نوجوانوں کے لیے پند و نصائح

بیس سال کی عمر کے نوجوان کے لیے ہدایات

سوال ایک مسلمان اس دنیا کی خرابیوں سے کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے؟ مسلمان اس مادی زندگی میں کیا عمل کرے' جس میں مادہ نے لوگوں کو بری طرح سرکشی میں مبتلا کر رکھا ہے' حتیٰ کہ دل سخت ہو گئے ہیں والعیاذ باللہ! میں ایک دنیا وار قسم کا بیس سال کی عمر کا نوجوان ہوں' آپ مجھے کیا نصیحت فرمائیں گے اور کن باتوں کے پڑھنے کی تلقین کریں گے؟

جواب آپ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ' اس کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو اختیار کریں۔ کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھام لیں' مفید باتوں کو اختیار کریں' بے معنی اور فضول باتوں کو ترک کر دیں' فتنوں سے دور رہیں' نیک لوگوں کی صحبت اختیار کریں' برے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کریں' قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کریں اور معانی و مطالب سمجھنے کے لیے تدبر کریں۔ نبی کریم ﷺ سے ثابت اور صحیح اذکار کو معمول بنائیں اور حضور قلب اور عجز و انکساری کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ذکر الٰہی کریں اور ان کتب کا مطالعہ کریں جو حکمتوں اور نصیحتوں سے بھری ہوئی ہیں مثلاً کتاب ''الفوائد'' اور ''الداء والدواء'' جو دونوں ہی امام ابن قیم کی تصنیف ہیں۔ سجدوں میں کثرت کے ساتھ انتہائی خشوع و خضوع سے وہ دعائیں کریں جو سنت مطہرہ سے ثابت ہیں۔ اس طرح کرنے سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت اور شرح صدر عطاء فرمائے گا' ظاہری و باطنی فتنوں سے بچائے گا۔ دیگر مفید کتب میں سے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی ''زاد المعاد'' اور ''اغاثة اللهفان'' نیز ''فتح المجید بشرح کتاب التوحید'' قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں صحیح بخاری و مسلم اور تفسیر ابن کثیر کے مطالعہ کا بھی خاص اہتمام کریں۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و صحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

تقویت ایمان

سوال آدمی کس طرح اپنے ایمان کو قوی کرے کہ وہ اللہ کے احکام پر عمل کرنے لگے اور اس کے عذاب سے ڈرنے لگے؟

جواب اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کی جائے' اس کے معانی و احکام پر تدبر کیا جائے اور نبی اکرم ﷺ کی سنت کا مطالعہ کیا جائے' اس سے احکام شریعت کی تفصیل معلوم کی جائے' اس کے مطابق عمل کیا جائے' عقیدہ اور تمام اقوال و افعال میں کتاب و سنت کی پابندی کی جائے' ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرا جائے' دل کو اس کی عظمت کے تصور سے بھرا جائے اور یوم آخرت اور اس کے حساب' ثواب' عذاب' شدت اور ہولناکیوں کو یاد رکھا جائے' نیز نیک لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے اور برے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کیا جائے۔ و صلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

نوجوان کے لیے نصیحتیں

سوال میں ایک نوجوان ہوں' میرے لیے آپ کی کیا نصیحتیں ہیں؟

جواب ہم نصیحت کریں گے کہ آپ ظاہری و باطنی طور پر اسلام پر عمل کریں' شعائر اسلام کا اظہار کریں' علماء کی مجالس میں شرکت کر کے ان سے استفادہ کریں' نیک' صالح اور ہمدرد و خیر خواہ نوجوانوں کو اپنا دوست بنائیں اور ان برے دوستوں کو چھوڑ دیں جو گناہوں کی ترغیب دیتے' نیکیوں میں سستی کرتے اور عبادت میں کوتاہی کرتے ہوں۔ نیز ہم آپ کو یہ بھی نصیحت کریں گے کہ سلف صالح کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہا کریں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

سوال میرے دل میں اکثر یہ خیال آتا ہے کہ میں ایک ایسا انسان بن جاؤں جس کا ایمان مضبوط ہو' جو عقیدہ میں پختہ ہو' دین پر سختی سے عمل پیرا ہو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہو۔ لیکن کچھ دنوں بعد سست ہو جاتا ہوں اور پھر اس طرح کا عزم کرتا ہوں اور پھر کچھ دنوں بعد سست ہو جاتا ہوں جس کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں' امید ہے کہ آپ ایسے صحیح راستے کی رہنمائی فرمائیں گے جس پر چلنے سے میرا ایمان مضبوط ہو جائے؟

جواب صحیح طریقہ یہی ہے کہ آپ اسی حالت پر برقرار رہیں جو دل کی صفائی اور نیکی سے محبت کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔ آپ جس صورت حال سے دوچار ہیں' یہ دوسرے لوگوں کو بھی پیش آتی ہے۔ بعض لوگوں کو جب یہ صورت پیش آتی ہے تو وہ خود بھی صبر کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرتے ہیں' تو اللہ تعالیٰ نفسانی خواہشات کے مقابلہ میں ان کی مدد فرماتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جسمانی لذتوں میں استغراق

سوال میں اسلام کا پابند ایک نوجوان ہوں لیکن کچھ عرصہ سے محسوس کر رہا ہوں کہ میرا ایمان کمزور ہو گیا ہے کیونکہ میں بعض گناہوں کا ارتکاب کر رہا ہوں مثلاً یہ کہ نمازیں ضائع ہو رہی ہیں یا میں انہیں تاخیر سے ادا کر رہا ہوں' فضول باتوں

کو سنتا ہوں اور جسمانی لذتوں میں غرق ہو گیا ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو اس صورت حال سے نکالنے کی کوشش تو کی لیکن میں اس میں کامیاب نہ ہو سکا کیا آنجناب راہنمائی فرمائیں گے کہ وہ کیا صحیح طریقہ ہے جسے اختیار کر کے میں اپنے نفس امارہ کے شر سے نجات حاصل کر لوں؟

جواب سب سے پہلے تو ہم یہ دعاء کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ہدایت سے سرفراز فرمائے! نفس کے شر سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو زیادہ سے زیادہ پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى ٱلصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ ﴾

(یونس ۱۰/ ۵۷)

”لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفاء اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے۔“

پھر جہاں تک ممکن ہو نبی اکرم ﷺ کی سیرت اور سنت کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کریں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ تک پہنچنا چاہے' اس کے لیے یہ راستے کے مینار ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ آپ اہل صلاح و تقویٰ' علماء ربانی اور متقی دوستوں کی صحبت و رفاقت اختیار کریں اور چوتھی بات یہ ہے کہ مقدور بھر کوشش کر کے ان برے دوستوں سے دور رہیں' جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”برے ساتھی کی مثال بھٹی میں پھونکنے والے کی طرح ہے کہ وہ یا تو آپ کو جلا دے گا -- یا آپ نے یہ فرمایا کہ وہ تمہارے کپڑوں کو جلا دے گا -- یا تم اس سے بدبو پاؤ گے۔“ [1]

پھر اس تبدیلی کی روشنی میں ایسے نیک اعمال سرانجام دو' جن سے تم پھر اس طرح بن جاؤ جیسا کہ پہلے تھے۔ اگر کوئی نیک کام کرو تو اس پر فریفتہ نہ ہو کیونکہ فریفتہ ہونے سے عمل باطل ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا۟ ۖ قُل لَّا تَمُنُّوا۟ عَلَىَّ إِسْلَـٰمَكُم ۖ بَلِ ٱللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَىٰكُمْ لِلْإِيمَـٰنِ إِن كُنتُمْ صَـٰدِقِينَ ﴿١٧﴾ ﴾ (الحجرات۴۹/ ۱۷)

”یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے ہیں' کہہ دیجئے کہ اپنے مسلمان ہونے کا مجھ پر احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا راستہ دکھایا بشرطیکہ تم سچے (مسلمان) ہو۔“

اعمال صالحہ کے حوالہ سے ہمیشہ یہ تصور کرو کہ تم سے ان کے بجا لانے میں ہمیشہ کوتاہی ہوتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ و استغفار کر سکو اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن بھی رکھو کیونکہ انسان جب اپنے عمل کے بارے میں بہت خوش فہمی میں مبتلا ہو جائے اور رب تعالیٰ پر اپنا حق جتانے لگے تو یہ اس قدر خطرناک بات ہے کہ اس سے انسان کے اعمال رائیگاں ہو سکتے ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سلامتی و عافیت عطا فرمائے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

[1] صحیح البخاری' الذبائح والصید' باب المسک' حدیث : 5533 و صحیح مسلم' البر والصلة' باب استحباب مجالسة الصالحین و مجانبة قرناء السوء' حدیث : 2628

غصے کا علاج

سوال میں ایک ایسا انسان ہوں کہ مجھے بہت جلد غصہ آ جاتا ہے۔ میں نے بہت کوشش کی ہے کہ غصے کے وقت اپنے اعصاب قابو میں رکھوں لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ مجھے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ میں غصہ کی حالت میں ہوں' امید ہے کہ آپ غصہ کے علاج کے لیے میری راہنمائی فرمائیں گے؟

جواب آپ کثرت سے (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم) پڑھا کریں اور جب غصہ آئے تو وضو کر لیا کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کی انہی باتوں کی طرف راہنمائی فرمائی تھی' جسے غصہ بہت آتا تھا۔ حسب استطاعت ان اسباب سے بھی بچنے کی کوشش کریں' جن کی وجہ سے غصہ آتا ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجۡعَل لَّهُۥ مِنۡ أَمۡرِهِۦ يُسۡرٗا ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٤)

''اور جو اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔''

—— شیخ ابن باز ——

لے پالک بنانے کے بارے میں احکام

سوال

بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی نے اس استفسار کو ملاحظہ کیا جو انجمن برائے بہبودی اطفال پنجاب کی طرف سے جناب چیئرمین ادارات بحوث علمیہ و افتاء و دعوت و ارشاد کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اور انہوں نے اسے مراسلہ نمبر ۲/۸۶ تاریخ ۱۳۹۲/۱/۱۵ھ کو کبار علماء کی کونسل کے سپرد کر دیا۔ اس استفتاء میں یہ پوچھا گیا ہے کہ ان اصول و قواعد کو بیان کر دیا جائے' جن سے یہ معلوم ہو جائے کہ وراثت میں متبنیٰ بچے کا زیادہ حق دار کون ہے؟

جواب اس سوال کا درج ذیل جواب دیا گیا: ① ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی رسالت سے قبل ایام جاہلیت میں بچوں کو لے پالک بنانے کا طریقہ معروف تھا۔ جو شخص کسی دوسرے کے بچے کو لے پالک بنا لیتا تو پھر بچے کی نسبت اسی کی طرف کی جاتی' وہ اس کا وارث قرار پاتا اور اس کی بیوی اور بچیوں کے پاس بلا روک ٹوک آ جا سکتا تھا اور لے پالک بنانے والے کے لیے اس بچے کی بیوی سے نکاح حرام سمجھا جاتا تھا الغرض تمام امور و معاملات میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے ہی کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی نبوت سے پہلے زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا اور انہیں زید بن محمد کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ لے پالک بچوں کے لیے زمانۂ جاہلیت کا یہ طریقہ ۳ھ یا ۵ھ تک برقرار رہا۔

② پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ لے پالک بچوں کی نسبت ان کے حقیقی باپوں ہی کی طرف کی جائے' جن کی پشت سے وہ پیدا ہوئے ہیں' اگر وہ معلوم ہوں اور اگر ان کے حقیقی باپوں کا علم نہ ہو تو پھر وہ دینی بھائی اور متبنیٰ بنانے والے اور دیگر مسلمانوں کے دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو حرام قرار دے دیا کہ بچے کی لے پالک بنانے والے کی طرف حقیقی نسبت کی جائے بلکہ بچے کے لیے بھی اس بات کو حرام قرار دے دیا گیا کہ وہ اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے' البتہ اگر زبان کی کسی غلطی کی وجہ سے ایسا ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ سبحانہ و

تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ یہ حکم عین عدل و انصاف پر مبنی ہے' یہی سچی بات ہے' اس میں انساب اور عزتوں کی حفاظت بھی ہے اور ان لوگوں کے مالی حقوق کی حفاظت بھی' جو ان کے زیادہ حق دار ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَآءَكُمْ أَبْنَآءَكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُم بِأَفْوَٰهِكُمْ ۖ وَٱللَّهُ يَقُولُ ٱلْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى ٱلسَّبِيلَ ﴿٤﴾ ٱدْعُوهُمْ لِءَابَآئِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ ٱللَّهِ ۚ فَإِن لَّمْ تَعْلَمُوٓا۟ ءَابَآءَهُمْ فَإِخْوَٰنُكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَمَوَٰلِيكُمْ ۚ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُم بِهِۦ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٥﴾ ﴾

(الأحزاب ٣٣/ ٤-٥)

"اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے بنایا' یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ تو سچی بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ مومنو! لے پالکوں کو ان کے (اصلی) باپوں کے نام سے پکارا کرو کہ اللہ کے نزدیک یہی بات درست ہے۔ اگر تم کو ان کے باپوں کے نام معلوم نہ ہوں تو دین میں وہ تمہارے بھائی اور دوست ہیں اور جو بات تم سے غلطی سے ہو اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں لیکن جو قصد دل سے کرو (اس پر مؤاخذہ ہے) اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔"

نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنِ ادَّعٰى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ أَوِ انْتَمٰى إِلَى غَيْرِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ الْمُتَتَابِعَةُ»(سنن أبي داود، الأدب، باب في الرجل ينتمي إلى غير مواليه، ح:٥١١٥)

"جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرے یا (کوئی غلام) اپنے آقاؤں کی بجائے دوسروں کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی مسلسل لعنت ہو۔"

③ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے منہ بولے بیٹے کے دعوے کو' جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی' مسترد کر دیا' اس لیے اس سے متعلق وہ تمام احکام بھی ختم ہو گئے' جن پر زمانۂ جاہلیت میں عمل ہوتا تھا اور پھر اسلام کے ابتدائی دور تک ہوتا رہا۔ جن میں سے بعض احکام حسب ذیل ہیں: (الف) اس غیر حقیقی دعوے کی وجہ سے لے پالک اور اسے بیٹا بنانے والے کے درمیان وراثت کا تعلق ختم کر دیا گیا۔ البتہ اس بات کو برقرار رکھا گیا کہ یہ دونوں زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کر سکتے ہیں اور وفات کے بعد وصیت کر سکتے ہیں' مگر یہ وصیت کرنے والے کے مال کے ایک تہائی حصہ سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ اسلامی معاشرے نے وراثت اور مستحقین کے احکام تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے ہیں' اس تفصیل میں متبنیٰ بنانے والے اور جسے متبنیٰ بنایا گیا ہو' کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے۔ نیکی اور احسان کا وراثت کے سلسلہ میں اجمالاً ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَأُو۟لُوا۟ ٱلْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِى كِتَٰبِ ٱللَّهِ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُهَٰجِرِينَ إِلَّآ أَن تَفْعَلُوٓا۟ إِلَىٰٓ أَوْلِيَآئِكُم مَّعْرُوفًا ﴾ (الأحزاب ٦/٨)

"اور رشتہ دار آپس میں کتاب اللہ کی رو سے مسلمانوں اور مہاجروں سے ایک دوسرے (کے ترکے) کے زیادہ حق دار ہیں مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے احسان کرنا چاہو۔"

(ب) متبنیٰ بنانے والے کو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ وہ اپنے لے پالک کی بیوی سے اس وقت نکاح کر سکتا ہے'

جب وہ اس سے علیحدگی اختیار کر لے' زمانۂ جاہلیت میں اسے حرام سمجھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے اس رسم کے خاتمہ کا آغاز کروایا تاکہ حلال ہونے کی یہ ایک قوی دلیل بن جائے اور زمانۂ جاہلیت کی اس عادت کا سختی سے خاتمہ ہو سکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِىٓ أَزْوَٰجِ أَدْعِيَآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا۟ مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ ٱللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٣٧﴾ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۳۷)

"پھر جب زید نے اس سے اپنی ضرورت پوری کرلی (یعنی اس کو طلاق دے دی) تو ہم نے تم سے اس کا نکاح کر دیا تاکہ مومنوں کے لیے ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (کے ساتھ نکاح کرنے کے بارے) میں جب وہ ان سے (اپنی) حاجت پوری کرلیں (یعنی طلاق دے دیں) کچھ تنگی نہ رہے اور اللہ کا حکم واقع ہو کر رہنے والا تھا۔"

تو نبی اکرم ﷺ نے زینب بنت جحش سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس وقت نکاح کر لیا جب ان کے شوہر زید بن حارثہ نے انھیں طلاق دے دی تھی۔

④ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ متبنی بنانے کی رسم کے خاتمہ کے یہ معنی نہیں کہ اخوت' محبت' صلہ رحمی اور احسان کی انسانی قدروں اور اسلامی حقوق کا بھی خاتمہ کر دیا جائے لہٰذا: (الف) انسان از راہ لطف و کرم اور شفقت و محبت اپنے سے عمر کے اعتبار سے چھوٹے (کم عمر) کو یَابُنَيَّ (اے میرے بیٹے) کہہ کر بلا سکتا ہے' تاکہ وہ اس سے مانوس ہو جائے' اس کی نصیحت کو سنے یا اس کے کام کو کر دے۔ اسی طرح عمر کے اعتبار سے بڑے شخص کو کوئی چھوٹا بطور تعظیم و تکریم یَا أَبِیْ (ابا جی) کہہ سکتا ہے تاکہ اس کی طرف سے نیکی و نصیحت کو حاصل کر سکے' اس سے مدد اور تعاون لے سکے' معاشرے میں ادب و احترام کی فضا پیدا ہو' معاشرے کے افراد میں باہمی تعلقات مضبوط و مستحکم ہوں اور سارا معاشرہ سچی دینی اخوت سے سرشار ہو جائے۔ (ب) اسلامی شریعت نے نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون' باہمی الفت و محبت اور حسن سلوک کی ترغیب دی ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ ﴾ (المائدة۵/ ۲)

"اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ، مَثَلُ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ، تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم، ح:۲۵۸۶ ومسند أحمد: ٤/ ۲۷۰)

"باہمی محبت' رحمدلی اور شفقت کے اعتبار سے مومنوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے' کہ جب کوئی ایک عضو کسی تکلیف میں مبتلا ہو تو سارا جسم بے خوابی اور بخار کے ساتھ بے قرار ہو جاتا ہے۔"

نبی ﷺ نے یہ ارشاد بھی فرمایا ہے:

«اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ، يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا»(صحيح البخاري، المظالم، باب نصر المظلوم، ح:٢٤٤٦ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم، ح:٢٥٨٥)

"مومن' مومن کے لیے ایک دیوار کی مانند ہے' جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔"

اسی لیے شریعت نے حکم دیا ہے کہ یتیموں' مسکینوں' ناداروں اور لاوارث بچوں کی نگہداشت کی جائے' ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے اور ان سے نیکی اور حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے تاکہ اسلامی معاشرے میں کوئی شخص لاچار و بے کار نہ ہو کیونکہ معاشرہ اگر ایسے لوگوں کے بارے میں سنگ دلی اور عدم توجہی کا ثبوت دے تو پھر اس طرح کے لوگ بھی اپنی بری تربیت یا سرکشی و بغاوت کے باعث معاشرے کے لیے ایک ناسور کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ اسلامی حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ ناداروں' یتیموں اور لاوارث بچوں کے لیے ہوسٹل بنائے' اگر بیت المال سے ان کے اخراجات پورے نہ ہو سکتے ہوں تو امت کے خوش حال لوگوں سے مدد لی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَيُّمَا مُؤْمِنٍ مَاتَ وَتَرَكَ مَالاً فَلْيَرِثْهُ عَصَبَتُهُ مَنْ كَانُوا، وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَلْيَأْتِنِي فَأَنَا مَوْلاَهُ»(صحيح البخاري، الاستقراض، باب الصلاة على من ترك دينا، ح:٢٣٩٩)

"جو مومن فوت ہو اور مال چھوڑ جائے' تو اس کے وارث اس کے عصبہ ہیں' خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور جو قرض یا چھوٹے بچے چھوڑ جائے تو وہ میرے پاس آئے میں اس کا دوست ہوں۔"

اس فیصلے پر کمیٹی کے تمام ارکان نے دستخط کیے۔ و صلی اللّٰه علی محمد و آله و صحبه وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

متفرق مسائل کے بارے میں فتوے

دین اسلام کا نام اسلام کیوں ہے؟

سوال دین اسلام کو اسلام کے نام سے کیوں موسوم کیا گیا ہے؟

جواب اس لیے کہ جو شخص اس دین میں داخل ہو جائے' وہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے تمام احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ ۚ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٣٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٣١﴾ ﴾ (البقرة٢/ ١٣٠-١٣١)

"اور ابراہیم کے دین سے کون روگردانی کر سکتا ہے بجز اس کے کہ جو نہایت نادان ہو ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیکو کاروں میں سے ہیں۔ جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انہوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں۔"

اور فرمایا:

﴿ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُۥ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُۥٓ أَجْرُهُۥ عِندَ رَبِّهِۦ﴾ (البقرة۲/ ۱۱۲)

"جو شخص اللہ کے آگے گردن جھکا دے (یعنی ایمان لے آئے) اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اس کا صلہ اس کے پروردگار کے پاس ہے۔"

———— فتویٰ کمیٹی ————

کلید بردارِ حرم کی طرف منسوب وصیت

سوال میرے پاس ایک بھائی آئے اور انہوں نے مجھے حرم نبوی کے کلید بردار احمد نامی ایک شخص کی طرف منسوب وصیت دی جو مشرق و مغرب کے تمام مسلمانوں کے نام ہے' جب میں نے اسے پڑھا تو وہ مجھے اسلامی عقیدے کے خلاف معلوم ہوئی۔ جب میں نے اس سے اس سلسلہ میں بات کی تو اس نے میری بات سننے کی بجائے اس بات پر زور دیا کہ میں اس وصیت کی بہت زیادہ تعداد میں کاپیاں تقسیم کروں' آپ کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب یہ پمفلٹ اور اس کے لکھنے والے کے بقول اس کے فوائد اور اس کی طرف توجہ نہ دینے کی صورت میں نقصانات محض ایک جھوٹی بات ہے' جو قطعی طور پر صحیح نہیں ہے بلکہ یہ کذاب لوگوں کی افتراء پروازی ہے لہٰذا اس پمفلٹ کو اندرون و بیرون ملک تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ ایک منکر کام ہے اور اس کا کرنے والا گناہ گار ہو گا اور اسے جلد یا بدیر اس کی سزا ضرور ملے گی کیونکہ بدعات کا شر بہت زیادہ اور ان کے نتائج بے حد خطرناک ہیں۔ یہ پمفلٹ بھی منکر بدعات میں سے ہے' اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کی گئی یہ ایک جھوٹی بات ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا يَفْتَرِي ٱلْكَذِبَ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ ۖ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَٰذِبُونَ ﴿١٠٥﴾ ﴾

(النحل۱۶/ ۱۰۵)

"جھوٹ افتراء تو وہی لوگ کیا کرتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور وہی جھوٹے ہیں۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، ح:٢٦٩٧ وصحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ... الخ، ح:١٧١٨ واللفظ له)

"جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

اور نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، ح:١٧١٨)

"جو شخص کوئی ایسا عمل کرے' جس کے بارے میں ہمارا امر نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

ان تمام مسلمانوں پر واجب ہے' جن کے ہاتھوں میں اس طرح کے پمفلٹ آئیں کہ انہیں پھاڑ دیں' تلف کر دیں اور لوگوں کو بھی ان سے بچائیں اور انہیں بتائیں کہ ہم نے اور دیگر بہت سے اہل ایمان نے ان پمفلٹوں کو کوئی اہمیت نہیں

دی اور ہم نے خیر و بھلائی ہی کو پایا ہے اور جو شخص اسے لکھے گا' اسے تقسیم کرے گا' اس کی دعوت دے گا اور اسے لوگوں میں پھیلائے گا تو وہ بلاشبہ گناہ گار ہو گا کیونکہ یہ سب کچھ گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے اور بدعات کو رواج دینا اور ان کے مطابق عمل کی ترغیب دینا ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو ہر شر سے محفوظ رکھے۔ ان جھوٹی خرافات وضع کرنے والوں کے مقابلہ میں ہمیں اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ جس نے اسے وضع کیا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ وہ معاملہ کرے جس کا وہ مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے' جھوٹ کو رواج دینے اور لوگوں کو ایک ایسے کام میں مشغول کرنے کی وجہ سے جو ان کے لیے نقصان دہ ہے اور قطعاً فائدہ مند نہیں ہے۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ

—— شیخ ابن باز ——

ایک گم نام خط

سوال مجھے کسی گم نام شخص کی طرف سے ایک خط موصول ہوا ہے' جسے میں نے اپنے اس خط کے ساتھ منسلک کر دیا ہے اور جیسا کہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ اس خط کے شروع میں کتاب اللہ کی چار آیات لکھی ہوئی ہیں اور اس کے بعد اس خط کے ارسال کرنے والے نے اس شخص کے لیے بہت سے فوائد لکھے ہیں' جو ان آیات کو طبع کر کے چار دن کے اندر اندر بہت سے لوگوں تک پہنچائے اور اس سلسلہ میں اس نے بہت سی مثالیں بھی بیان کی ہیں کہ جن لوگوں نے اس کے مطابق عمل کیا تو انہیں کیا کیا فوائد اور خیر و برکات حاصل ہوئے اور جن لوگوں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی تو انہیں کیا کیا نقصانات اٹھانا پڑے!

جناب! مجھے یہ معلوم ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت اور تمام حالات میں اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہے لیکن مجھے تردد اس طریقے کے بارے میں ہے' جسے اس خط کے ارسال کرنے والے نے بیان کیا ہے کہ اگر اسے تقسیم کیا جائے تو اس سے خیر عظیم حاصل ہو گی اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو بہت بڑے نقصانات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ خیر و شر صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اور انسان کو صرف وہی حاصل ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لکھ رکھا ہو۔ مجھے یاد ہے کئی سال پہلے بھی کچھ لوگوں نے اس طرح کے ایک رسالہ کو مشہور کیا تھا اور لکھا تھا کہ یہ مسجد نبوی کے ایک دربان شیخ احمد کی طرف سے ہے اور آپ نے اخبارات و رسائل میں اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے اس کے بارے میں شرعی حکم واضح فرمایا تھا' اسی لیے یہ خط بھی آپ ہی کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں' امید ہے آپ اس کے بارے میں راہنمائی فرما کر شکریہ کا موقع بخشیں گے۔ اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے آپ کو بہترین جزاء عطا فرمائے؟

جواب قرآن مجید کی کچھ آیات کی قراءت یا تلاوت پر اجر و ثواب یا ایسا نہ کرنے کی وجہ سے جلد یا بدیر عذاب کا تعین ان امور میں سے ہے' جن کا علم اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی کے ساتھ خاص ہے کیونکہ یہ ان غیبی اسرار میں سے ہے' جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس ہی رکھا ہے' لہٰذا اس کے بارے میں گفتگو کرنا کسی کے لیے جائز نہیں ہے الا یہ کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو وحی کے ذریعہ مطلع فرما دیا ہو اور سوال میں مذکورہ آیات کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ بطور خاص ان آیات کے لکھنے' انہیں دوسروں کی طرف لکھ کر ارسال کرنے اور لوگوں میں انہیں پھیلانے کی وجہ سے آخرت میں یہ اجر و ثواب ملے گا اور دنیا

میں وہ حفاظت میں رہے گا یا اسے دولت ملے گی یا اس کے کام آسان ہو جائیں یا اس کی مشکلات دور ہو جائیں گی۔ اسی طرح کتاب و سنت کی کسی دلیل سے یہ بھی قطعاً ثابت نہیں ہے کہ ایسا نہ کرنے والے کو کوئی حادثہ پیش آئے گا یا وہ کسی آفت و مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا' لہٰذا جو شخص ان آیات کو لکھ کر ایک مدت مقررہ کے اندر اندر ارسال کرنے کی وجہ سے کسی متعین جزا کی بات کرتا ہے تو وہ یہ بات محض اٹکل سے کرتا ہے اور وہ بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کی طرف ایک بات منسوب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس سے منع فرما دیا ہے:

﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ ۚ إِنَّ ٱلسَّمْعَ وَٱلْبَصَرَ وَٱلْفُؤَادَ كُلُّ أُو۟لَٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔولًا ﴿٣٦﴾ ﴾

(الإسراء۱۷/ ۳۶)

''اور (اے بندے!) جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب (جوارح) سے ضرور باز پرس ہوگی۔''

اور فرمایا:

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّىَ ٱلْفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَٱلْإِثْمَ وَٱلْبَغْىَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا۟ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًا وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾ ﴾ (الأعراف۷/ ۳۳)

''کہہ دیجیے کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل ہی نہیں کی اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔''

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس پمفلٹ کی دعوت دینا اور اس پر ثواب و عذاب کا تعین کرنا ایک منکر کام ہے' جس کا کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ہاں سزا کا مستحق ہو گا' نیز دنیا میں حکمران بھی اسے سزا دے سکتے ہیں کیونکہ وہ دین میں ایک ایسی چیز پیدا کر رہا ہے' جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا تاکہ اسے اور دوسروں کو اس طرح کی باتوں سے روکا جا سکے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

تورات و انجیل کے اقتباسات کی اشاعت

سوال بعض مجلات تورات کے کچھ اقتباسات اکثر و بیشتر شائع کرتے رہتے ہیں' کیا ان اقتباسات کو پڑھنا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تورات پڑھنے سے منع فرما دیا تھا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسے پڑھنا حرام ہے؟

جواب حقیقت یہی ہے کہ ان مجلات کو تورات یا انجیل میں سے کچھ بھی نقل نہیں کرنا چاہیے الا یہ کہ کوئی ایسی چیز ہو جس سے نبی اکرم ﷺ کی رسالت کا اثبات ہوتا ہو یا ان کے انکار کی تکذیب ہوتی ہو تو یہ ایک اچھی چیز ہو گی' لیکن ہدایت طلب کرنے یا پیروی اختیار کرنے کے لیے ان میں سے کچھ نقل کرنا حرام ہے کیونکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ دیگر آسمانی کتابوں کی ضرورت نہیں ہے' ہمیں بس قرآن ہی کافی ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

انجیل اور تورات کو اپنے پاس رکھنا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ میں تورات کا ایک نسخہ حاصل کر کے اپنے پاس رکھوں تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو معلوم کروں' جو اس نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا؟ کیا موجودہ انجیل صحیح ہے؟ میں نے سنا ہے کہ صحیح انجیل فرات میں غرق ہو گئی تھی؟

جواب قرآن مجید سے پہلے کی آسمانی کتابوں تورات و انجیل وغیرہ میں سے کسی کو حاصل کر کے اپنے پاس رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ: ① ان کتابوں میں جو نفع بخش باتیں تھیں' وہ سب کی سب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرما دی ہیں۔

② قرآن مجید ہمیں ان سابقہ تمام کتابوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ نَزَّلَ عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ (آل عمران۳/ ۳)

"اس نے (اے محمد) تم پر سچی کتاب نازل کی جو پہلی (آسمانی کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے۔"

سابقہ آسمانی کتابوں میں خیر و بھلائی کی جو باتیں بھی تھیں' وہ تمام قرآن مجید میں موجود ہیں۔ سائل نے جو یہ کہا ہے کہ وہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد و رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیا کلام نازل کیا تھا تو ہمارے لیے اس کا بھی نفع بخش حصہ قرآن میں موجود ہے لہٰذا اسے بھی کسی اور جگہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور پھر موجودہ انجیل تحریف شدہ بھی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس وقت ایک کی بجائے چار انجیلیں ہیں اور یہ چاروں ایک دوسرے کی مخالف ہیں لہٰذا ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا' البتہ ایسا طالب علم جس کے پاس اتنا علم ہو کہ وہ حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہو تو وہ باطل کی تردید کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ کر سکتا ہے تاکہ ان کے ماننے والوں پر حجت تمام کر سکے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نیک لوگوں کا مذاق اڑانا

سوال اللہ اور اس کے رسول(ﷺ) کے احکام کی پابندی کرنے والوں کا مذاق اڑانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اللہ اور اس کے رسول(ﷺ) کے احکام کی پابندی کرنے والوں کا اس لیے مذاق اڑانا کہ انہوں نے ان احکام کی پابندی کی ہے' حرام اور بے حد خطرناک ہے کیونکہ اس بات کا خدشہ ہے کہ انہیں محض دین پر استقامت کی وجہ سے ناپسند کیا جا رہا ہو لہٰذا ان کا مذاق اڑانا درحقیقت اس طریقے کا مذاق اڑانا ہے' جس پر یہ قائم ہیں لہٰذا یہ ان لوگوں کے مشابہ ہوں گے' جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِٱللَّهِ وَءَايَٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا۟ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ ﴾ (التوبۃ۹/ ٦٥۔٦٦)

"اور اگر تم ان سے (اس بارے میں) دریافت کرو تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی بات چیت اور دل لگی کرتے تھے۔ کہو کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے؟ بہانے مت بناؤ' تم ایمان لانے

کے بعد کافر ہو چکے ہو۔"

یہ آیات ان منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں' جنہوں نے یہ کہا تھا کہ ہم نے اپنے ان علماء (ان کا اشارہ رسول اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف تھا) سے بڑھ کر ایسے لوگ نہیں دیکھے' جن کی اپنے پیٹ کی طرف زیادہ رغبت ہو' جو زبان کے زیادہ جھوٹے ہوں اور میدان جنگ میں زیادہ بزدل ثابت ہوتے ہوں۔ تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا تھا۔ جو لوگ اہل حق سے محض ان کی دین سے وابستگی کی وجہ سے مذاق کرتے ہیں' انہیں ڈرنا چاہیے کیونکہ ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ أَجْرَمُواْ كَانُواْ مِنَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ يَضْحَكُونَ ۝٢٩ وَإِذَا مَرُّواْ بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ۝٣٠ وَإِذَا ٱنقَلَبُوٓاْ إِلَىٰٓ أَهْلِهِمُ ٱنقَلَبُواْ فَكِهِينَ ۝٣١ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوٓاْ إِنَّ هَٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّونَ ۝٣٢ وَمَآ أُرْسِلُواْ عَلَيْهِمْ حَٰفِظِينَ ۝٣٣ فَٱلْيَوْمَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ مِنَ ٱلْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ۝٣٤ عَلَى ٱلْأَرَآئِكِ يَنظُرُونَ ۝٣٥ هَلْ ثُوِّبَ ٱلْكُفَّارُ مَا كَانُواْ يَفْعَلُونَ ۝٣٦ ﴾ (المطففين ٨٣/ ٢٩-٣٦)

"جو گناہ گار (یعنی کفار) ہیں وہ (دنیا میں) مومنوں سے ہنسی کیا کرتے تھے اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو حقارت سے اشارے کرتے اور جب اپنے گھر کو لوٹتے تو اتراتے ہوئے لوٹتے اور جب ان (مومنوں) کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ تو گمراہ ہیں حالانکہ وہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ تو آج مومن کافروں سے ہنسی کریں گے (اور) تختوں پر (بیٹھے ہوئے ان کا حال) دیکھ رہے ہوں گے' تو کافروں کو ان کے عملوں کا (پورا پورا) بدلہ مل گیا۔"

—— شیخ ابن عثیمین ——

مذاق اڑانے والوں کی بات کی طرف توجہ نہ دی جائے

سوال بعض لوگ جو مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں' جب کسی ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جو سنت رسول ﷺ کے مطابق اپنے لباس' داڑھی اور مسجدوں میں بیٹھنے کا اہتمام کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ خرافات ہیں یا کوئی اور ایسی بات کہہ دیتے ہیں' جو اللہ تعالیٰ کے غضب کا باعث ہو' امید ہے کہ آپ ان لوگوں کے لیے نصیحت فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجروثواب سے نوازے؟

جواب ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے یہ واجب ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو حکم دیا ہے' اسے بجالائے' جس سے منع فرمایا ہے' اسے ترک کر دے' دوسروں کو بھی اس کی وصیت کرے' اس پر تعاون کرے اور مذاق اڑانے والوں کی بات کی طرف قطعاً توجہ نہ دے تاکہ حسب ذیل ارشادات باری تعالیٰ کے مطابق عمل پیرا ہو سکے:

﴿ وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝١٣٢ ﴾ (آل عمران ٣/ ١٣٢)

"اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔"

اور فرمایا:

﴿ قُلْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُم مَّا حُمِّلْتُمْ وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُواْ وَمَا عَلَى ٱلرَّسُولِ إِلَّا ٱلْبَلَٰغُ ٱلْمُبِينُ ۝٥٤ ﴾ (النور ٢٤/ ٥٤)

"کہہ دیجئے کہ اللہ کی فرماں برداری کرو اور رسول (اللہ) کے حکم پر چلو' اگر منہ موڑو گے تو رسول پر (اس چیز کا ادا کرنا) ہے جو ان کے ذمے ہے اور تم پر (اس چیز کا ادا کرنا) ہے جو تمہارے ذمے ہے اور اگر تم ان کے فرمان پر چلو گے تو سیدھا راستہ پالو گے اور رسول کے ذمے تو صاف صاف (اللہ کے احکام کا) پہنچا دینا ہے۔"

اور سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ تِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ يُدْخِلْهُ جَنَّـٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَـٰرُ خَـٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَن يَعْصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُۥ يُدْخِلْهُ نَارًا خَـٰلِدًا فِيهَا وَلَهُۥ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٤﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٣-١٤)

"یہ (تمام احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرماں برداری کرے گا' اللہ اس کو باغ ہائے بہشت میں داخل کرے گا' جن میں نہریں بہہ رہی ہیں' وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے نکل جائے گا' اس کو اللہ دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت کا عذاب ہو گا۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلاَّ مَنْ أَبٰى، قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ، وَمَنْ يَأْبٰى؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبٰى»(صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح: ٧٢٨٠)

میری ساری امت جنت میں داخل ہو گی سوائے اس کے جو انکار کر دے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! انکار کون کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: "جو میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل ہو گا اور جو میری نافرمانی کرے گا تو اس نے جنت میں داخل ہونے سے انکار کیا۔"

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا تقاضا ہے کہ تمام مسلمان مرد اور عورتیں نماز پنجگانہ کی حفاظت کرتے ہوئے انہیں ان کے اوقات میں ادا کریں اور مسلمان مردوں کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نمازوں کو مسجدوں میں باجماعت ادا کریں' اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ زکوٰۃ ادا کی جائے' رمضان کے روزے رکھے جائیں' استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کیا جائے' والدین سے حسن سلوک اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی کی جائے' زبان اور دیگر اعضاء کو ان تمام چیزوں سے بچایا جائے' جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے' حق اختیار کرنے کی نصیحت اور ایک دوسرے کو وصیت کی جائے۔ نیکی و تقویٰ اور امربالمعروف اور نہی عن المنکر میں ایک دوسرے سے تعاون کیا جائے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا یہ تقاضا ہے کہ مرد مونچھوں کو کٹوائیں اور داڑھیوں کو بڑھائیں اور پوری پوری رکھیں اور ٹخنوں سے نیچے کپڑوں کو لٹکانے سے اجتناب کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَوَفِّرُوا اللِّحٰى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»(صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار، ح: ٥٨٩٢ وصحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، ح: ٢٥٩)

"مشرکوں کی مخالفت کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ۔"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الإِزَارِ فِي النَّارِ»(صحيح البخاري، اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، ح:٥٧٨٧)

"تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔"

شلوار، قمیص اور پینٹ وغیرہ لباس کی دیگر تمام صورتوں کا حکم بھی تہہ بند جیسا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«ثَلاَثَةٌ لاَ يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلاَ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلاَ يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: ... اَلْمُسْبِلُ [إِزَارَهُ] وَالْمَنَّانُ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية، ... الخ، ح:١٠٦)

"تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ روز قیامت نہ گفتگو فرمائے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا ① اپنے تہبند کو (ٹخنوں سے) نیچے لٹکانے والا۔ ② دے کر احسان جتلانے والا اور ③ جھوٹی قسم کے ساتھ اپنے سودے کو بیچنے والا۔"

—— شیخ ابن باز ——

دعاؤں کی کتاب کے ساتھ بیت الخلاء میں جانا

سوال میرے پاس ایک چھوٹی سی کتاب ہے، جسے میں ہمیشہ اپنی جیب میں رکھتا ہوں، اس میں دین و دنیا کی بھلائی سے متعلق ذکر اور دعائیں لکھی ہوئی ہیں لیکن میں وضو اور قضائے حاجت کے لیے جب بیت الخلاء میں جاتا ہوں تو یہ کتابچہ میری جیب میں ہوتا ہے، کیا اس سے مجھے گناہ تو نہیں ہو گا؟

جواب افضل یہ ہے کہ جب آپ کے لیے ایسا ممکن ہو تو آپ مذکورہ بالا کتابچہ لے کر بیت الخلاء میں نہ جائیں۔ کیونکہ بہت سے اہل علم نے اسے مکروہ قرار دیا ہے اور اگر اسے حمام سے باہر چھوڑنا ممکن نہ ہو تو پھر کوئی حرج اور کراہت نہیں ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

غسل خانوں میں اللہ کا ذکر

سوال کیا مسلمان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ غسل خانہ کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے یا غسل خانہ میں داخل ہونے کے بعد وہ اللہ کا ذکر بند کر دے؟

جواب اسلامی آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلمان جب بیت الخلاء یا حمام میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو اپنے اللہ کا ذکر کرتے ہوئے داخل ہونے سے پہلے بیت الخلاء کے باہر کھڑے ہو کر یہ دعا پڑھ لے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ»(صحيح البخاري، الوضوء، باب ما يقول عند الخلاء، ح:١٤٢ وصحيح مسلم، الحيض، باب ما يقول إذا أراد دخول الخلاء، ح:٣٧٥)

"اے اللہ! میں ناپاک جنوں اور جننیوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔"

بیت الخلاء میں داخل ہونے کے بعد اللہ کا ذکر نہیں کرنا چاہیے بلکہ محض داخل ہوتے ہی ذکر بند کر دینا چاہیے۔

فتویٰ کمیٹی

مقدس اوراق کے تلف کرنے کا صحیح طریقہ

سوال آج کل کوئی گھر بھی ایسے جرائد و مجلّات سے خالی نہیں ہے، جن میں بعض قرآنی آیات یا اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی نہ کوئی اسم پاک اور تصویریں ہوتی ہیں تو سوال یہ ہے کہ انہیں حفاظت سے رکھنے یا تلف کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

جواب جرائد و مجلّات میں زندہ انسانوں کی تصویریں اور اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ یا آیات قرآنی طبع ہو رہی ہیں تو یہ تمام امور عموم بلویٰ کے قبیل میں سے ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو آیات یا اللہ کے ذکر پر مشتمل کلمات کی پوری پوری حفاظت کرے اور ان جرائد و اخبارات کو ضرورت کے بعد جلادے یا دفن کر دے۔ تصویروں کو مٹاوے' اخبارات و جرائد کاغذ بنانے والے کارخانوں کے مالکان کو فروخت بھی کیے جاسکتے ہیں تاکہ وہ ری سائیکل کر کے ان کا دوبارہ کاغذ بنالیں۔ بہرحال کوئی بھی ایسا طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے' جس سے تصویریں مٹ جائیں اور آیات قرآنی کی حفاظت ہو سکے۔

فتویٰ کمیٹی

آیات والے کاغذات کو پھینکنا جائز نہیں ہے

سوال ہم لوگ ایسے اخبارات اور جرائد و مجلّات کو استعمال کرتے ہیں' جن میں اللہ کا نام لکھا ہوتا ہے اور پھر انہیں کوڑا کرکٹ میں پھینک دیتے ہیں' کیا یہ جائز ہے؟ کیا نیکر کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے' جو گھٹنوں سے اوپر تک ہوتی ہے؟

جواب کسی ایسی چیز کو جس پر اللہ تعالیٰ کی آیات یا رسول اللہ ﷺ کی احادیث لکھی ہوں' کسی ایسی جگہ رکھنا جہاں ان کی بے حرمتی ہوتی ہو جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام بہت باعظمت ہے' اس کا احترام واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنبی کے لیے قرآن مجید کو پڑھنا اور ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے' البتہ بہت سے بلکہ اکثر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اگر اس نے وضو کیا ہو تو پھر ہاتھ لگا سکتا ہے۔ ایسے کاغذات کو جن پر آیات و احادیث مطبوع ہوں' استعمال کے بعد یا تو اچھی طرح جلا دیا جائے یا جدید آلات کے ساتھ ان کی اس طرح قطع و برید کر دی جائے کہ ان کے حروف میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے۔ ایسی چھوٹی نیکروں میں نماز پڑھنا جو ناف سے لے کر گھٹنے تک کے مقام کو نہ چھپائیں' جائز نہیں ہے الا یہ کہ ان کے اوپر ایسا لمبا لباس پہنا ہوا ہو جو ستر پوشی کے تقاضوں کو پورا کر رہا ہو۔

شیخ ابن عثیمین

دعوتی کارڈوں پر بسم اللہ لکھنا

سوال کیا شادی کارڈوں پر بسم اللہ لکھنا جائز ہے کیونکہ پڑھنے کے بعد انہیں گلیوں' بازاروں یا کوڑے کرکٹ کے ڈبوں میں پھینک دیا جاتا ہے؟

جواب دعوتی کارڈوں اور خطوط وغیرہ میں بسم اللہ لکھنا جائز ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لاَ يُبْدَأُ فِيهِ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ فَهُوَ أَبْتَرُ»(طبقات الشافعية

لسبکی: ۱/ ٦ وارواء الغلیل: ۱/ ۲۹، ح: ۱ واللفظ له)

”ہر وہ اچھا کام جسے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے شروع نہ کیا جائے' وہ بے برکت ہے۔“

نبی ﷺ بھی اپنے مکتوبات شریفہ کو بسم اللہ سے شروع فرمایا کرتے تھے۔ کارڈ وصول کرنے والے کسی بھی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی ایسے کارڈ کو جس میں اللہ کا ذکر یا قرآن مجید کی کوئی آیات ہو' کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں یا کسی اور گندی جگہ پر پھینکے' اسی طرح ایسے جرائد و مجلات کی بھی بے حرمتی کرنا یا انہیں کوڑے کرکٹ کے ڈبوں میں پھینکنا جائز نہیں ہے' ایسے اخبارات کو دسترخوان کے طور پر یا چیزیں ڈالنے' لفافے بنانے کے لیے استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے' ایسا کرنے والا یقیناً گناہ گار ہو گا تاہم بسم اللہ لکھنے والے کو کوئی گناہ نہیں ہو گا۔

——— شیخ ابن باز ———

تسبیح کا استعمال

سوال اللہ کے ذکر کے لیے تسبیح استعمال کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ہمارے علم کے مطابق شریعت مطہرہ میں تسبیح کے استعمال کی کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا زیادہ بہتر یہ ہے کہ تسبیح استعمال نہ کی جائے اور اللہ کے ذکر کے لیے ہاتھ کی انگلیوں کے استعمال ہی پر اکتفاء کیا جائے۔

——— شیخ ابن باز ———

انگلیوں پر ذکر کرنا تسبیح سے افضل ہے

سوال ذکر الٰہی یا دیگر اعمال کے لیے تسبیح استعمال کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب ذکر الٰہی کے لیے انگلیوں کو استعمال کرنا افضل ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا معمول تھا۔ بہت سے اہل علم نے تسبیح کے استعمال کو مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ یہ آپ ﷺ کے عمل کے خلاف ہے۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

تسبیح کے استعمال کے بارے میں شرعی حکم

سوال آپ کی نظر میں تسبیح کے استعمال کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ ہم میں سے بہت سے لوگ نماز سے فراغت کے بعد تسبیح پر ذکر کرتے ہیں؟

جواب زیادہ افضل اور بہتر یہ ہے کہ انسان اپنے ہاتھ کی انگلیوں پر ذکر کرے اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں پر کرے کیونکہ دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں کی انگلیوں پر ذکر کرنے کی بجائے صرف دائیں ہاتھ کی انگلیوں پر ذکر کرنا افضل ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی سنت سے یہی ثابت ہے کہ آپ نے انگلیوں کے ساتھ ذکر و تسبیح کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ انہیں قوت گویائی عطا کی جائے گی [1] رسول اللہ ﷺ بھی اپنے دائیں ہاتھ پر تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ [2] تسبیح کے استعمال میں حسب ذیل امور خلاف شریعت ہیں:

---

[1] سنن ابی داود' الوتر' باب التسبیح بالحصی' حدیث: 1501

[2] سنن ابی داود' الوتر' باب التسبیح بالحصی' حدیث: 1502

① نبی اکرم ﷺ نے انگلیوں پر تسبیح پڑھنے کے لیے جو راہنمائی فرمائی ہے یہ طریقہ اس کے خلاف ہے۔ ② تسبیح کا یہ استعمال بسااوقات ریاکاری کا سبب بھی بنتا ہے خصوصاً ہم کچھ لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے تسبیح کو ہار کی طرح اپنے گلے میں لٹکایا ہوتا ہے اور ان کی تسبیح بھی ہزار دانوں پر مشتمل ہوتی ہے اور پھر گردنوں میں ڈال کر گویا لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ دیکھو ہم ہزار دانوں کی تسبیح پڑھنے والے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا ہے کہ تسبیح استعمال کرنے والا ہر شخص ریاکار ہوتا ہے بلکہ میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تسبیح کا استعمال ریاکاری کا سبب بنتا ہے۔ ③ تسبیح کو انسان اذکار کی تعداد شمار کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے تو اس طرح وہ حضور قلب کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہ تسبیح کے ان محدود دانوں پر جنھیں وہ ایک ایک کر کے شمار کرتا ہے' اکتفاء کرتا ہے جب کہ دل ذکر سے غافل ہوتا ہے' یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ بظاہر تسبیح پھیر رہے ہوتے ہیں اور آنکھیں گردوپیش سے گزرنے والے لوگوں کا جائزہ لے رہی ہوتی ہیں۔ گویا ان کے ہونٹ تسبیح سے ہل رہے ہوتے ہیں' مگر بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل غافل اور اس طرف متوجہ ہیں جس طرف وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں کیونکہ اکثر و بیشتر صورتوں میں دل کا تعلق نظر ہی سے ہوتا ہے۔ لہٰذا میں یہ کہتا ہوں کہ افضل یہ ہے کہ انسان تسبیح کو استعمال نہ کرے بلکہ انگلیوں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے راہنمائی فرمائی ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دائیں ہاتھ سے تسبیح افضل ہے

سوال کیا ہر فرض نماز کے بعد دائیں ہاتھ کی انگلیوں پر تسبیح و تحمید اور تکبیر پڑھنا افضل ہے؟

جواب افضل یہی ہے کہ اس ذکر کو دائیں ہاتھ پر پڑھا جائے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اسے دائیں ہاتھ کی انگلیوں ہی پر پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جوتا پہننے' کنگھی کرنے' طہارت اختیار کرنے اور دیگر ہر ہر کام میں دائیں طرف سے شروع کرنا پسند تھا۔ [1] البتہ یہ جائز ہے کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں پر ذکر کر لیا جائے کیونکہ بعض احادیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُنَّ مَسْؤُولَاتٌ مُسْتَنْطَقَاتٌ»(سنن أبي داود، الوتر، باب التسبيح بالحصى، ح:١٥٠١ وجامع الترمذي، ح: ٣٥٨٣)

"ان سے پوچھا جائے گا' انہیں قوت گویائی عطا کی جائے گی۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس امر میں توسع ہے لہٰذا اس مسئلہ میں تشدد یا لڑائی جھگڑا اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

——— شیخ ابن باز ———

اجتماعی صورت میں اوراد و وظائف

سوال بعض بھائی جب کسی سفر یا عمرہ وغیرہ کے لیے جاتے ہیں تو وہ اپنے میں سے کسی ایک یا چند بھائیوں سے یہ کہہ

[1] صحیح البخاری' الوضوء باب التیمن فی الوضوء والغسل' حدیث: 168 و صحیح مسلم' الطهارة باب التیمن فی الطهور وغیره' حدیث: 268

دیتے ہیں کہ وہ ہر روز صبح و شام رسول اللہ ﷺ سے ثابت اوراد و وظائف پڑھتے رہیں اور وہ سب انہیں سنتے رہیں گے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ سے بہت سے اذکار اور دعائیں ثابت ہیں' جنہیں آپ خود صبح و شام پڑھا کرتے تھے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی انہیں آپ سے سن کر یاد کر لیا تھا اور وہ بھی انہیں صبح و شام پڑھا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ان میں سے ہر شخص اپنے طور پر خود ہی پڑھا کرتا تھا۔ ہمارے علم کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے اوراد و وظائف کو کبھی اس صورت میں اجتماعی طور پر پڑھا ہو یا کبھی ایسا ہوا ہو کہ ان میں سے ایک شخص پڑھ رہا ہو اور باقی تمام سن رہے ہوں' للذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ذکر و دعا میں' اس کی کیفیت میں اور رسول اللہ ﷺ کے تعلیم فرمائے ہوئے دیگر تمام امور میں آپ کی سیرت و سنت اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کو پیش نظر رکھے کیونکہ ہر طرح کی خیروبھلائی آپ کی اتباع ہی میں مضمر ہے جب کہ ہر طرح کا شر آپ کی مخالفت میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر کرنے کی یہ اجتماعی صورت اور اس کے لیے سوال میں بیان کیا گیا طریقہ اختیار کرنا اور اسے عادت بنا لینا از خود ایجاد کردہ بدعات میں سے ہے اور بدعت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، ح:٢٦٩٧ وصحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة . . . الخ، ح:١٧١٨ واللفظ له)

"جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ»(سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، ح:٤٦٠٧)

"دین میں نئی نئی باتیں ایجاد کرنے سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

رسول اللہ ﷺ سے صبح و شام کے جو اذکار اور دعائیں ثابت ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے' جسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر صبح و شام یہ کلمات پڑھا کرتے تھے اور انہیں کبھی بھی نہیں چھوڑتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! [إِنِّي] أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي، اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِي، وَآمِنْ رَوْعَاتِي، اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِي مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ، وَمِنْ خَلْفِي، وَعَنْ يَمِينِي وَعَنْ شِمَالِي وَمِنْ فَوْقِي، وَأَعُوذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي»(سنن أبي داود، الأدب، باب مايقول إذا أصبح، ح:٥٠٧٤ وسنن ابن ماجه، الدعاء، باب ما يدعو به الرجل إذا أصبح وإذا أمسى، ح:٣٨٧١)

"اے اللہ! میں تجھ سے سلامتی و عافیت چاہتا ہوں اپنے دین و دنیا اور اہل و مال میں۔ اے اللہ! تو میرے عیوب کی پردہ پوشی فرما اور میرے خوف کو امن سے سے بدل دے۔ اے اللہ! تو میرے آگے اور پیچھے سے

اور میرے دائیں اور بائیں اور میرے اوپر سے میری حفاظت فرما اور میں تیری عظمت کی پناہ لیتا ہوں اس بات سے کہ میں اپنے نیچے کی طرف سے اچانک کسی ہلاکت میں ڈال دیا جاؤں۔"

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت یہ کلمات پڑھا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! بِكَ أَصْبَحْنَا، وَبِكَ أَمْسَيْنَا، وَبِكَ نَحْيَا، وَبِكَ نَمُوتُ، وَإِلَيْكَ النُّشُورُ، (وَإِذَا أَمْسَى قَالَ: مِثْلَ ذٰلِكَ إِلاَّ أَنَّهُ قَالَ): وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ»(سنن أبي داود، الأدب، باب ما يقول إذا أصبح، ح:٥٠٦٨ وجامع الترمذي، ح:٣٣٩١ وسنن ابن ماجه، ح:٣٨٦٨ واللفظ له)

"اے اللہ! ہم نے تیری ہی مدد سے صبح کی اور تیری ہی مدد سے شام کی اور تیری ہی مدد سے ہم زندہ ہیں اور تیری ہی مرضی سے ہم فوت ہوں گے اور تیرے ہی پاس قیامت کے دن اٹھ کر جانا ہے اور شام کے وقت بھی آپ یہی کلمات پڑھتے اور شام کے وقت وَإِلَيْكَ النُّشُوْرُ کی بجائے وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ "اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے" پڑھا کرتے تھے۔" وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

شعبان کی پندرہویں رات

سوال ایک شخص نے یہ سوال کیا ہے کہ کیا شعبان کی پندرہویں رات کی کوئی خاص نماز ہے؟

جواب شعبان کی پندرہویں رات کے بارے میں کوئی ایک حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔ اس کے بارے میں بیان کی جانے والی تمام احادیث موضوع' ضعیف اور بے اصل ہیں۔ اس رات کی قطعاً کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ اس میں کوئی قراءت' کوئی خاص نماز یا اس رات کسی نماز کے باجماعت ادا کرنے کے سلسلہ میں کوئی حدیث وارد نہیں ہے۔ بعض علماء نے جو یہ کہا ہے کہ اس رات کی خصوصیت ہے تو وہ ضعیف قول ہے کیونکہ دلیل کے بغیر اس طرح کی خصوصیت کو بیان کرنا جائز نہیں ہے اور صحیح بات یہی ہے کہ اس رات کی کوئی خصوصیت نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

عیدین' شب معراج اور شب براءت کی محفلیں

سوال ہمارے ہاں کچھ عادات ہیں جو بعض مواقع کی مناسب سے اختیار کی گئی ہیں مثلاً عیدالفطر کے موقع پر کیک اور بسکٹ بنائے جاتے ہیں۔ ۲۷ رجب اور ۱۵ شعبان کی راتوں میں گوشت اور پھلوں کی دعوت کا اہتمام کیا جاتا ہے اور عاشورہ کے دن خاص قسم کے حلوے تیار کیے جاتے ہیں تو اس کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟

جواب عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دنوں میں خوشی اور مسرت کے اظہار میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ خوشی و مسرت کا یہ اظہار حدودِ شریعت کے اندر ہو مثلاً ان دنوں میں کھانے پینے وغیرہ کا اچھا انتظام کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللهِ»(صحيح مسلم، الصيام، باب تحريم صوم أيام التشريق

... الخ، ح: ١١٤١)۔

"ایام تشریق کھانے' پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔"

ایام تشریق سے مراد عیدالاضحیٰ کے بعد کے تین دن ہیں۔ ان دنوں میں لوگ قربانی کرتے' قربانیوں کا گوشت کھاتے اور اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ اسی طرح عیدالفطر کے موقع پر بھی خوشی و مسرت کے اظہار میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ شریعت کے حدود سے تجاوز نہ کیا جائے۔

۲۷ رجب یا ۱۵ شعبان کی رات یا عاشورہ کے دن خوشی و مسرت کے اظہار کی کوئی دلیل نہیں ہے' بلکہ اس طرح کے کاموں کی ممانعت کی دلیل موجود ہے لہٰذا جب اس طرح کی محفلوں میں شرکت کی دعوت دی جائے تو ان میں کسی مسلمان کو شرکت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»(سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، ح: ٤٦٠٧)

"دین میں نئی نئی باتیں ایجاد کرنے سے بچو کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

رجب کی ۲۷ ویں تاریخ کے بارے میں بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس رات رسول اللہ ﷺ کو معراج کرایا گیا تھا لیکن یہ بات تاریخی طور پر ثابت نہیں ہے اور جو چیز ثابت نہ ہو تو وہ باطل ہوتی ہے اور جس کی باطل پر بنیاد ہو وہ باطل ہے اور اگر بالفرض یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ ۲۷ رجب کی رات ہی شب معراج ہے تو پھر بھی ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس رات ہم عید اور عبادات کی صورتوں کو ایجاد کریں کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ حضرات صحابہ کرام ﷢ سے بھی یہ قطعاً ثابت نہیں ہے حالانکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سب لوگوں سے قریب تھے اور آپ کی سنت اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق عمل کرنے میں سب لوگوں سے آگے بڑھے ہوئے تھے' تو کسی ایسی چیز کو ایجاد کرنا ہمارے لیے کس طرح جائز ہو سکتا ہے' جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام ﷢ کے عہد میں نہیں تھی۔

شعبان کی پندرہویں رات کی عظمت اور شب بیداری کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔ بعض تابعین نے ضرور اس رات نماز اور ذکر وغیرہ کا اہتمام کیا لیکن یہ ان سے بھی ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے اس رات کھانے پینے' خوشی و مسرت کا اظہار کرنے اور عید کی طرح اس رات کو منانے کا اہتمام کیا ہو۔ یوم عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

«يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ»(صحيح مسلم، الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر ... الخ، ح: ١١٦٢)

"اس دن کا روزہ گزشتہ ایک سال کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔"

لیکن اس دن خوشی یا غم کی کوئی کیفیت اختیار کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ اس دن خوشی یا غم کا اظہار دونوں باتیں ہی خلاف سنت ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے اس دن کے روزے کے سوا اور کچھ ثابت نہیں ہے اور روزے کے بارے میں بھی آپ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اس دن سے پہلے یا اس دن کے بعد ایک دن کا روزہ بھی اس کے ساتھ رکھیں تاکہ ان یہودیوں کی مخالفت بھی کی جا سکے جو صرف عاشوراء کے دن کا روزہ رکھا کرتے تھے۔

شیخ ابن عثیمین

کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اسے ناپسند کرے ---

سوال کیا تقربِ الٰہی کے حصول کی نیت سے مباح چیزوں کو ترک کرنا بھی بدعات میں سے شمار ہو گا یا نہیں؟ بعض لوگ اس کی بڑی پابندی کرتے ہیں اور اسے زہد و تقویٰ سے تعبیر کرتے ہیں' بلکہ بسااوقات وہ بعض مباح اشیاء کو بھی کسی دلیل و برہان کے بغیر حرام یا مکروہ قرار دے دیتے ہیں اور ان سے نہ صرف خود اجتناب کرتے ہیں بلکہ دوسروں سے بھی ایسا نہ کرنے کی وجہ سے لڑائی جھگڑا کرتے ہیں۔ امید ہے آپ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے۔ بارک اللہ فیکم

جواب کسی بھی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی ایسی چیز کو حرام قرار دے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہو یا کسی ایسی چیز کو ناپسند کرے جسے اللہ تعالیٰ نے ناپسند نہ کیا ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقُولُوا۟ لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ ٱلْكَذِبَ هَـٰذَا حَلَـٰلٌ وَهَـٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿١١٦﴾ ﴾ (النحل۱۶/ ۱۱۶)

”اور یوں ہی جھوٹ جو تمہاری زبان پر آ جائے مت کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے سمجھ لو کہ اللہ پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں۔“

اور فرمایا:

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّىَ ٱلْفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَٱلْإِثْمَ وَٱلْبَغْىَ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا۟ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَـٰنًا وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾ ﴾ (الأعراف۷/ ۳۳)

”کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ' جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس بات کو کہ اس کی طرف علم کے بغیر باتیں منسوب کی جائیں' شرک سے بھی بڑے درجہ کا گناہ قرار دیا ہے' کیونکہ اس کے نتیجہ میں برپا ہونے والا فساد بہت بڑا ہوتا ہے۔ سورۃ البقرہ کی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسے شیطانی حکم قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ كُلُوا۟ مِمَّا فِى ٱلْأَرْضِ حَلَـٰلًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا۟ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَـٰنِ ۚ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿١٦٨﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِٱلسُّوٓءِ وَٱلْفَحْشَآءِ وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۶۸-۱۶۹)

”اے لوگو! جو چیزیں زمین میں حلال طیب ہیں وہ کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو' بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تو تم کو برائی اور بے حیائی ہی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور یہ بھی کہ اللہ کی نسبت ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں (کچھ بھی) علم نہیں۔“

اگر کوئی شخص تقربِ الٰہی کے حصول کی نیت سے مباح اشیاء کو اس لیے ترک کر دیتا ہے تاکہ اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں مدد ملے اور انہیں اپنے لیے یا دوسرے لوگوں کے لیے حرام نہ قرار دے مثلاً بعض اوقات

تواضع اور کسر نفسی کرتے ہوئے اور تکبر سے بچنے کی وجہ سے فاخرانہ لباس کو ترک کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں' بلکہ اس کا ان شاء اللہ ثواب ملے گا۔

—— شیخ ابن باز ——

آیات و احادیث کا لٹکانا

سوال بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآنی سورتوں یا آیات کا دیوار پر لٹکانا حرام ہے حالانکہ ان سورتوں یا آیات مثلاً سورہ یٰسٓ اور آیت الکرسی کو ان کے فضائل کی وجہ سے لٹکایا جاتا ہے' امید ہے آپ اس مسئلہ کے بارے میں شرعی حکم بیان فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا

جواب صحیح بات یہ ہے کہ اگر دفتر یا ڈرائنگ روم میں وعظ و نصیحت اور یاد دہانی کے لیے دیواروں پر آیات یا سورتوں کو لکھ کر لٹکا دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ گو بعض معاصر علماء نے اسے مکروہ قرار دیا ہے' مگر صحیح بات یہ ہے کہ اگر مقصود وعظ و نصیحت اور یاد دہانی ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ جگہ بھی صاف ستھری ہو جیسا کہ دفتر یا ڈرائنگ روم میں ہوتی ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ کی احادیث مبارکہ اور تمام ایسی اچھی باتوں کو جو وعظ و نصیحت پر مبنی ہوں' لٹکایا جا سکتا ہے اور اگر ان کے لٹکانے سے مقصد کچھ اور ہو مثلاً یہ کہ یہ جن یا نظر بد وغیرہ سے محفوظ رکھیں گی تو پھر اس مقصد کے لیے اور اس اعتقاد کے ساتھ انہیں لٹکانا جائز نہیں ہو گا کیونکہ شریعت سے یہ ثابت نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی قابل اعتماد دلیل ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

جو شخص گناہ کا ارادہ کرے اور پھر گناہ نہ کرے تو......

سوال میرا نفس مجھے کئی بار کسی برے کام کے کرنے یا بری بات کے کہنے پر اکساتا ہے لیکن اکثر اوقات میں ایسے برے قول و فعل سے باز رہتا ہوں تو کیا محض نفس کے اکسانے کی وجہ سے میں گناہ گار ہوں گا؟

جواب جب کسی انسان کا نفس اسے کسی حرام کام پر اکسائے خواہ اس کا تعلق کسی واجب کے ترک یا حرام فعل کے ارتکاب سے ہو اور پھر وہ اس نفسانی خواہش کو ترک کرتے ہوئے واجب کو ادا کرے اور حرام کو ترک کر دے تو اسے اجر و ثواب ملے گا کیونکہ اس نے حرام فعل کے ارتکاب کو اللہ تعالیٰ کے لیے ترک کیا ہے۔ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص کسی برائی کا ارادہ کرے اور پھر اسے عملی جامہ نہ پہنائے تو اس کے لیے ایک مکمل نیکی لکھ دی جاتی ہے' کیونکہ اس نے اس برائی کو اللہ عزوجل کے لیے ترک کیا ہے۔ یہاں اس مسئلہ کی قدرے تفصیل بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کسی حرام کو ترک کرے تو کیا اسے اجر ملے گا یا نہیں؟ جو شخص کسی حرام کام کو ترک کرتا ہے تو وہ تین حالات میں سے کسی ایک سے خالی نہیں ہوتا:

① اس لیے ترک کرتا ہے کہ وہ اس کے لیے تمام اسباب کو تو اختیار کرتا ہے' مگر اسے سرانجام دینے سے عاجز و قاصر رہتا ہے تو ایسے شخص کو گناہ ہو گا کیونکہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے:

«إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ فَقُلْتُ يَارَسُولَ اللهِ هٰذَا؟ الْقَاتِلُ، فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ؟ قَالَ: إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلٰى قَتْلِ صَاحِبِهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا . . . الخ، ح:٣١ وصحيح مسلم، الفتن، باب إذا تواجه المسلمان بسيفيهما، ح:٢٨٨٨)

”جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم رسید ہوں گے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ یہ قاتل (تو ضرور جہنمی) ہے' مگر مقتول کیوں جہنمی ہو گا؟ آپ نے فرمایا: اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل کا حریص تھا۔“

② اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کی وجہ سے اسے ترک کرتا ہے تو اسے ایک مکمل نیکی کا ثواب ملے گا کیونکہ اس نے حرام کام کو محض اللہ کے لیے ترک کیا ہوتا ہے۔

③ اس نے حرام کام کو اس لیے ترک کیا کہ بعد میں اس کے کرنے کا خیال ہی نہ آیا اور اسے اس نے کوئی اہمیت ہی نہ دی تو اسے نہ ثواب ملے گا اور نہ کوئی گناہ ہو گا۔

④ اس سلسلہ میں ایک چوتھی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حرام کام کو اس نے عاجز و قاصر ہونے کی وجہ سے ترک کیا اور پھر اس کے لیے ضروری اسباب و وسائل کو بھی استعمال نہ کیا۔ البتہ اس کام کے کرنے کی اس کی نیت ضرور تھی تو اسے نیت کے مطابق گناہ ہو گا' البتہ یہ اس شخص کی طرح نہیں ہے' جس نے اسباب و وسائل کو تو اختیار کیا' مگر اس حرام کام کا ارتکاب اس کے لیے ممکن نہ ہوا یعنی یہ اس سے کم تر درجے کا گناہ گار ہو گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

حرام کام کے بارے میں سوچنا' مگر اسے نہ کرنا

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو حرام اشیاء کے بارے میں سوچتا ہے مثلاً کوئی شخص یہ سوچتا ہے کہ وہ چوری کرے یا زنا کرے لیکن اسے یہ معلوم ہے کہ اگر اسے اسباب میسر بھی آ جائیں تو وہ پھر بھی ان میں سے قطعاً کوئی کام نہیں کرے گا؟

جواب انسان کے دل میں چوری' زنا یا منشیات کے استعمال جیسے جو برے خیالات آتے ہیں اور انسان انہیں عملی جامہ نہیں پہناتا تو یہ قابل معافی ہیں۔ ان کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں ہوتا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ»(صحيح البخاري، الطلاق، باب الطلاق في الاغلاق والكره . . . الخ، ح:٥٢٦٩ وصحيح مسلم، الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس . . . الخ، ح:١٢٧)

”میری امت کے لوگوں کے دلوں میں جو خیالات آتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا ہے بشرطیکہ انہیں عمل یا قول کا جامہ نہ پہنا دیا جائے۔“

اسی طرح نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا، لَمْ تُكْتَبْ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب إذا هم العبد بحسنة كتبت

. . . الخ، ح: ۱۳۰)

"جس شخص نے برائی کا ارادہ کیا' مگر پھر اسے نہ کیا تو اسے اس کے نامۂ اعمال میں نہیں لکھا جائے گا۔"

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«وَإِنْ تَرَكَهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً، إِنَّمَا تَرَكَهَا مِنْ جَرَّايَ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب إذا هم العبد بحسنة كتبت . . . الخ، ح: ۱۲۹ كلاهما من حديث أبي هريرة)

"اور اگر اس نے اسے ترک کر دیا تو (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو کیونکہ اس نے اسے میرے ڈر کی وجہ سے ترک کیا ہے۔"

اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص اس برائی کو' جس کا اس نے ارادہ کیا تھا' اگر محض اللہ کے لیے اسے ترک کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر دیگر اسباب کی وجہ سے اسے ترک کر دے تو پھر اس کے نامۂ اعمال میں نہ نیکی لکھی جاتی ہے اور نہ برائی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر محض فضل و رحمت ہے اور اس کی ذات گرامی کے لیے حمد و شکر ہے' اس کے سوا نہ کوئی الٰہ ہے اور نہ رب!

—— شیخ ابن باز ——

مردوں کا ابرو کے بالوں کو چھوٹا کرنا

سوال اگر ابرو کے بال بہت زیادہ گھنے ہو جائیں تو کیا انہیں تھوڑا سا چھوٹا کرنا جائز ہے جب کہ مقصد نہ تو عورتوں سے مشابہت اختیار کرنا ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنا؟

جواب میری رائے میں ان بالوں کو چننا یا چھوٹا کرنا یا منڈوانا جائز نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جمال اور زینت کے لیے اگایا اور آنکھوں کی حفاظت کا انہیں ذریعہ بنایا ہے لہٰذا مرد یا عورت کا ان بالوں کو زائل کرنا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے کے مترادف ہے' چونکہ اکثر عورتیں ہی ان بالوں کو زائل کرتی ہیں اس لیے بطور خاص انہیں کے لیے لعنت آئی ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

وہ کتابیں جمع کرتا ہے اور پڑھتا نہیں

سوال میں بحمد للہ ایک ایسا آدمی ہوں کہ میرے پاس بہت سی نافع و مفید کتب اور مراجع موجود ہیں لیکن میں ان سب کو پڑھتا نہیں بلکہ پڑھنے کے لیے ان میں سے بعض کتب کا انتخاب کر لیتا ہوں--- کیا گھر میں کتابیں جمع کر رکھنے کی وجہ سے مجھے گناہ تو نہیں ہو گا۔ یاد رہے کہ بعض لوگ مجھ سے کتابیں مستعار بھی لے لیتے ہیں اور پھر استفادہ کے بعد مجھے واپس لوٹا دیتے ہیں؟

جواب اس بات میں کسی مسلمان کے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اپنے گھر میں مفید کتابوں کو جمع کر لے' انہیں مراجعت و استفادہ کے لیے اپنی ذاتی لائبریری میں محفوظ رکھے اور اہل علم کی خدمت میں پیش کرے تاکہ وہ ان سے استفادہ کر سکیں اور اگر وہ خود بہت زیادہ کتابوں کو نہ بھی پڑھ سکے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ جہاں تک قابل اعتماد لوگوں کو استفادہ کے لیے کتب مستعار دینے کا تعلق ہے تو یہ ایک نیک کام اور تقرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے کیونکہ یہ

تحصیل علم میں اعانت اور حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں داخل ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۲)

''اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔''

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، ح:٢٦٩٩)

''اللہ اپنے بندے کی مدد میں ہوتا ہے' جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔''

——— شیخ ابن باز ———

بھائیوں کی حرام کمائی

سوال میں ایک طالب علم ہوں اور اس مال کے سوا میرا اور کوئی ذریعۂ آمدنی نہیں ہے' جو میرے وہ دو بھائی مجھے بھیجتے ہیں جو جرمنی میں ایک ہوٹل میں کام کرتے ہیں' جس کا ان دونوں بھائیوں میں سے ایک مالک ہے اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس ہوٹل میں شراب' سور کا گوشت اور بعض دیگر حرام کھانے فروخت کیے جاتے ہیں' کیا ان بھائیوں کے مال سے استفادہ کرنے کی وجہ سے مجھے گناہ ہو گا؟ ان اشیاء کا کیا کروں جو ان دو بھائیوں نے مجھے پہلے سے ارسال کی ہیں؟ اس مسئلہ کا عمومی حل کیا ہے؟ یاد رہے ان کے اس کام میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہے؟

جواب آپ کے یہ بھائی اپنی اس خبیث کمائی سے آپ کو جو ہدیہ یا تحفہ بھیجتے ہیں' آپ کے لیے اسے قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ سب سے پہلے آپ اپنے بھائیوں کو یہ بات سمجھائیں کہ ان کے لیے ان حرام اشیاء کو بیچنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ مسلمان ہیں لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ اس ہوٹل کو کلی طور پر ترک کر دیں' اس کی بجائے اس سے بہتر کوئی کام کریں یا کسی دوسرے ملک میں منتقل ہو کر اسلامی کھانوں کا ہوٹل کھول لیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝٢ ﴾ (الطلاق ۶۵/ ۲)

''اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا۔''

انہوں نے آپ کو پہلے جو چیزیں دی ہیں' انہیں اپنے پاس رکھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن آئندہ ان سے کوئی چیز قبول نہ کریں اور اپنے لیے کمانے کی خود کوئی صورت پیدا کریں۔ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جماع خون بند ہونے کے بعد ہی جائز ہے

سوال کیا مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ولادت کے تیس یا پینتیس دن بعد اپنی بیوی سے مقاربت کرے یا یہ صرف چالیس دن کے بعد ہی جائز ہے؟

جواب مرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ولادت کے بعد ایام نفاس میں اپنی بیوی سے جماع کرے حتی کہ تاریخ ولادت کے بعد چالیس دن گزر جائیں' البتہ اگر چالیس دن سے پہلے خون نفاس بند ہو جائے تو پھر عورت کے غسل کرنے کے بعد مقاربت

جائز ہے اور اگر چالیس دن سے پہلے دوبارہ پھر خون آنا شروع ہو جائے تو اسی وقت مباشرت حرام ہو جائے گی۔ اگر خون چالیس دنوں کے بعد بھی جاری رہے تو وہ خون نفاس نہیں بلکہ استحاضہ کا خون ہو گا' اس صورت میں عورت کو ہر نماز کے لیے وضو کرنا ہو گا اور اس کے شوہر کے لیے مباشرت کرنا جائز ہو گا۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مسجد میں جگہ مخصوص کرنا

سوال بعض معمر لوگ جب مسجد میں تشریف لاتے ہیں اور وہ کسی کو اس جگہ بیٹھا ہوا دیکھتے ہیں جہاں وہ نماز پڑھنے کے عادی ہوتے ہیں تو وہ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ان کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ مسجد میں کسی جگہ بیٹھنا اسی کا حق ہے جو وہاں سب سے پہلے آئے۔ ان بزرگوں کو ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ انہیں اس مسئلہ میں ناراضی کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا یہ حرام ہے؟

بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی نے اس استفتاء کا جائزہ لیا جو سماحۃ الرئیس العام کی خدمت میں انجمن کبار علماء کے سیکرٹریٹ کی طرف سے (حوالہ: ۲۲۲۵۔۲) بھیجا گیا ہے اور سوال یہ ہے کہ کچھ اجنبی لوگوں نے مظاہرے کیے تو سیکورٹی فورسز نے انہیں گرفتار کر لیا اور مجاز اتھارٹی نے ان کے مکانات گرا دینے کا حکم دیا' جس کی وجہ سے ان کا کچھ سامان ادھر ادھر بکھر گیا' جسے بعض لوگوں نے لے لیا تو کیا یہ سامان لے لینے کی وجہ سے کسی کو گناہ تو نہیں ہو گا؟ کیا یہ سامان لینا حرام ہے؟ اگر کسی نے یہ سامان اٹھا لیا ہو اور اب وہ اس کے مالک سے معاف کروانا چاہتا ہو تو اس کی کیا صورت ہے۔ فتویٰ عطا فرما کر شکریہ کا موقع بخشیں؟

جواب اصول یہ ہے کہ مسلمان خون' مال اور عزت و آبرو کے اعتبار سے واجب الاحترام ہے۔ کسی کے لیے ناحق دست درازی کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

«إِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا»(صحيح البخاري، الحج، باب الخطبة أيام منى، ح:١٧٣٩ وصحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، ح:١٢١٨)

''بے شک تمہارے خون' تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تمہارے لیے اس طرح قابل احترام ہیں' جس طرح یہ دن' یہ شہر اور یہ مہینہ قابل احترام ہے۔''

اسی طرح مال کے بارے میں آپ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلاَّ بِطِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ»(السنن الكبرى للبيهقي:٦/ ١٠٠، ٨/ ١٨٢ ومجمع الزوائد: ٤/ ١٧٢)

"کسی مسلمان شخص کا مال حلال نہیں ہے الا یہ کہ وہ خود خوش دلی سے دے دے۔"

نیز آپ نے فرمایا ہے:

«كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم ... الخ، ح:٢٥٦٤)

"ہر مسلمان کا خون' اس کا مال اور اس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔"

آپ نے جو صورت ذکر کی ہے کہ بعض لوگوں نے مظاہرہ کیا اور انتظامیہ نے ان کے مکانات کو گرانے کا حکم دے دیا تو اس صورت میں لوگوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان کے مال و اسباب کو لوٹ لیں۔ جس کسی نے بھی ان کے مال کو لوٹا تو وہ ظالم' سرکش اور گناہ گار شمار ہو گا' لہٰذا جس کسی نے ان کا مال لیا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ فوراً توبہ و استغفار کرے اور اس شخص کو مال واپس لوٹا دے جس کے گھر سے اس نے اسے لیا ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لاَ يَكُونَ دِينَارٌ وَّلاَ دِرْهَمٌ، وَإِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ، وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ»(صحيح بخاري، المظالم، باب من كان له مظلمة عند رجل ... الخ، ح:٢٤٤٩)

"جس کسی نے اپنے بھائی کی آبرو ریزی یا کسی بھی شکل میں اس پر زیادتی کی ہو تو اسے آج ہی معاف کروا لے قبل اس کے کہ وہ دن آئے جب اس کے پاس کوئی دینار ہو گا اور نہ درہم البتہ اگر اس کے پاس عمل صالح ہوا تو وہ اس کے ظلم کے بقدر اس سے لے لیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو اس کے ساتھی کی برائیوں کو لے کر اس پر ڈال دیا جائے گا۔"

اگر پوری تحقیق و جستجو اور ان لوگوں کے بارے میں سوال کرنے کے باوجود' جن کا مال لیا' ان کے بارے میں علم ہونا اور ان تک مال پہنچانا مشکل ہو تو پھر اس مال یا اس کی قیمت کو صدقہ کر دیا جائے۔ اگر بعد میں ان لوگوں کا علم ہو جائے تو انہیں ساری صورتِ حال بتا دی جائے۔ اگر وہ اس پر راضی ہو جائیں تو ٹھیک ورنہ اس کا تاوان اپنے پاس سے ادا کرے۔

وباللّٰہ التوفیق۔ وصلی اللّٰہ علی محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

یہ مال لینا جائز نہیں

سوال میرے والد بہت معمر اور نابینا ہیں۔ ان کی ایک بہت ہی چھوٹی سی دوکان ہے۔ وہ اور میری والدہ بہبود ویلفیئر دفتر گئے اور انہوں نے سالانہ امداد حاصل کی' میری والدہ والد کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے اس امداد کو حاصل کرتی رہیں' جس کی وہ مستحق تھیں جب کہ بالفعل امداد میرے والد ہی دفتر سے حاصل کر لیا کرتے تھے۔ چار سال قبل میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے لیکن میرے والد اس امداد کو مسلسل حاصل کر رہے ہیں' امید ہے راہنمائی فرمائیں گے' کیا اس کی وجہ سے میرے والد کو گناہ تو نہ ہو گا؟ کیا میری والدہ کے نام پر ان کا امداد حاصل کرنا حلال ہے؟

جواب اس حالت میں اس شخص کے لیے اپنی بیوی کے نام پر اس کی وفات کے بعد گزارہ الاؤنس حاصل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ نفقہ اپنی بیوی کے نام پر حاصل کرتا ہے اور وہ فوت ہو چکی ہے۔ اسے چاہیے کہ یہ متعلقہ محکمہ کو حقیقت حال سے آگاہ کر دے اور اگر اس کی کوئی اور بیوی ہو اور وہ اس کی مستحق ہو تو اس کے نام سے از سرنو مدد حاصل کر لے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

خود کشی

سوال خود کشی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب خود کشی یعنی انسان کا اپنے آپ کو قصد و ارادہ کے ساتھ قتل کرنا' خواہ اس کا مطلب کوئی بھی ہو' حرام اور کبیرہ گناہ ہے اور یہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم میں داخل ہے:

﴿ وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ خَٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُۥ وَأَعَدَّ لَهُۥ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿٩٣﴾ ﴾ (النساء٤/ ٩٣)

"اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے' جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا اور اللہ اس پر غضب ناک ہو گا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لیے اس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

اور سنت سے یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اپنے آپ کو کسی چیز سے قتل کرے تو اسے اس کے ساتھ آتش جہنم میں عذاب دیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔" [1]

جو شخص اللہ تعالیٰ یا مخلوق کی طرف سے پہنچنے والی کسی مصیبت کی وجہ سے خود کشی کرتا ہے' تو وہ گویا اس مصیبت کو برداشت نہیں کرتا اور خود کشی کر لیتا ہے' اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی دھوپ سے بچنے کے لیے آگ کا سہارا لے کیونکہ خود کشی کر کے وہ بد سے بدترین حالات کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اگر وہ صبر سے کام لیتا تو اللہ تعالیٰ اس مصیبت کے برداشت کرنے کے لیے اس کی مدد فرماتا اور پھر ہمیشہ ایک جیسی صورت حال تو نہیں رہتی بلکہ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ ع

ثبات اک تغیر کو ہے زمانے میں

——— شیخ ابن عثیمین ———

اصحاب کبائر سے قطع تعلق کرنا

سوال جو لوگ لواطت اور زنا وغیرہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہوں' جن کے بارے میں نصوص میں بہت شدید وعید آئی ہے' کیا ان لوگوں کے ساتھ گفتگو کرنا جائز ہے؟ انہیں سلام کرنا جائز ہے؟ اگر ان میں توبہ کرنے کے آثار ہوں تو کیا اللہ تعالیٰ کی وعید اور اس کے عذاب سے ڈرانے کی غرض سے ان لوگوں کی صحبت اختیار کرنا جائز ہے؟

---

[1] صحیح البخاری' الطب' باب شرب السم والدواء به' وما یخاف منه والخبیث' حدیث: 5778 و صحیح مسلم' الایمان' باب بیان غلظ تحریم قتل الانسان... الخ' حدیث: 109

جواب جن لوگوں پر ان گناہوں کا الزام ہو تو واجب ہے کہ انہیں نصیحت کی جائے' ان کو گناہوں سے بچنے کی تلقین کی جائے اور ان کے بدترین انجام سے انہیں ڈرایا جائے اور بتایا جائے کہ یہ گناہ دلوں کے مرض' قساوت اور موت کا سبب ہیں۔ جو شخص ان گناہوں کا کھلم کھلا ارتکاب کرے تو واجب ہے کہ اس کے معاملہ کو حکمرانوں کے سپرد کیا جائے اور اس پر حد قائم کی جائے۔ ایسے لوگوں کی صحبت اور ہم نشینی جائز نہیں بلکہ واجب ہے کہ ان سے قطع تعلق کر لیا جائے' شاید اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت اور توبہ کی توفیق دے۔ اگر قطع تعلق کرنے سے ان کی برائی میں اور اضافے کا خطرہ ہو تو پھر واجب ہے کہ انہیں اچھے اسلوب کے ساتھ ہمیشہ سمجھایا جائے اور نصیحت کی جائے حتی کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرما دے۔ ایسے لوگوں کو دوست نہیں بنانا چاہیے۔ اسلامی ممالک کے حکمرانوں کو بھی چاہیے کہ وہ ایسے لوگوں کو پکڑیں اور ان پر شرعی حدود قائم کریں اور جو شخص ان کے حالات سے باخبر ہو اسے چاہیے کہ وہ حکومت کی مدد کرے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ (المائدۃ٥/ ٢)

"اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔"

اور فرمایا:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ (التوبۃ٩/ ٧١)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿وَالْعَصْرِ ﴿١﴾ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ﴿٢﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿٣﴾﴾ (العصر١٠٣/ ١-٣)

"عصر کی قسم کہ انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔"

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ رَأَىٰ مِنكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان ... الخ، ح:٤٩)

"تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے' اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے (سمجھادے) اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے (برا جانے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ

وَعَامَّتِهِمْ»(صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان أن الدین النصیحة، ح: ۵۵)

"دین ہمدردی اور خیرخواہی کا نام ہے۔ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کس کے لیے (ہمدردی و خیرخواہی؟) آپ نے فرمایا: اللہ کے لیے' اس کی کتاب کے لیے' اس کے رسول کے لیے' مسلمان حکمرانوں کے لیے اور عامۃ المسلمین کے لیے۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے حالات کی اصلاح فرمائے' انہیں دین کی سمجھ بوجھ بخشے اور ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کرنے کی توفیق عطا فرمائے' انہیں ہدایت پر جمع کر دے اور ان کے حکمرانوں کی بھی اصلاح فرما دے۔ انه خیر مسؤول۔

——— شیخ ابن باز ———

مجسّموں اور تصویروں کی فروخت

سوال کیا مسلمان کے لیے مجسّموں اور تصویروں کو بطور سامان بیچنا اور اسے ذریعۂ معاش بنانا جائز ہے؟

جواب مسلمان کے لیے مجسّموں اور تصویروں کو بیچنا اور ان کی تجارت کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ ذی روح چیزوں کی تصویر بنانا' انہیں مجسّموں کی شکل دینا اور باقی رکھنا حرام ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی تجارت ان کی ترویج کا ذریعہ اور تصویر بنانے اور اسے گھروں اور محفلوں میں سجانے کے سلسلے میں اعانت ہے۔

جب تصویر حرام ہے تو پھر اسے بنانے اور بیچنے کی صورت میں اس کی کمائی بھی حرام ہے۔ کسی بھی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ تصویروں کی کمائی کو اپنی خوراک یا لباس وغیرہ میں استعمال کرے۔ اگر کوئی ایسا کر رہا ہو تو اسے چاہیے کہ اسے فوراً ترک کر کے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے' امید ہے کہ توبہ کرنے سے اللہ اس کے گناہ کو معاف فرما دے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾ ﴾ (طٰہ ۲۰/ ۸۲)

"اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے پھر سیدھے رستے چلے تو یقیناً اس کو میں بخش دینے والا ہوں۔"

ہماری طرف سے قبل ازیں یہ فتویٰ جاری ہو چکا ہے کہ ذی روح چیزوں کی تصویر مطلقاً حرام ہے خواہ وہ مجسم ہو یا غیر مجسم' اسے کھود کر بنایا گیا ہو یا کھینچ کر' برش اور رنگ استعمال کر کے بنایا گیا ہو یا کیمرہ کے ذریعہ۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آله وصحبه وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

حرام کاروبار کے لیے دکانیں کرایہ پر دینا

سوال سگریٹ' گانے کی کیسٹوں اور ناپاک ویڈیو فلمیں فروخت کرنے والوں اور سودی بینکوں کو تجارتی مقامات کرایہ پر دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ان مقامات کو کرایہ پر دینے کے بارے میں حکم درج ذیل آیت کریمہ سے معلوم ہو جاتا ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ ﴾ (المائدۃ٥/ ٢)

"اور (دیکھو!) تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔"

سوال میں مذکورہ مقاصد کے لیے دکانوں کو کرایہ پر دینا حرام ہے کیونکہ یہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ولدالزنا کے بارے میں حکم

سوال اگر ولدالزنا (حرامی بچہ) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے تو کیا وہ جنت میں داخل ہو گا؟ کیا اسے حرامی ہونے کا گناہ ہو گا یا نہیں؟

جواب حرامی بچے کو اپنے والدین کی حرام کاری اور ارتکاب جرم کی وجہ سے گناہ نہیں ہو گا کیونکہ یہ اس کا فعل نہیں ہے لہٰذا اس کا گناہ اس کے والدین کو ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا ٱكْتَسَبَتْ ۗ ﴾ (البقرۃ٢/ ٢٨٦)

"(جو شخص) اچھے کام کرے گا تو اس کو ان کا فائدہ ملے گا' برے کام کرے گا تو اسے ان کا نقصان پہنچے گا۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ ﴾ (الأنعام٦/ ١٦٤)

"اور کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔"

لہٰذا حرامی بچے کا معاملہ بھی دوسرے انسانوں جیسا ہی ہے کہ اگر وہ اللہ کی اطاعت کرے' نیک عمل کرے اور اسلام پر فوت ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گا اور اگر وہ اللہ کی نافرمانی کرے اور کفر پر فوت ہو تو وہ جہنم رسید ہو گا اور اگر وہ نیک اور بد ملے جلے عمل کرے اور مسلمان فوت ہو تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے کہ اگر چاہے تو اسے معاف کر دے اور اگر چاہے تو اسے سزا دے اور پھر بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے جنت میں جائے گا۔ وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ "زنا سے پیدا ہونے والا بچہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔" موضوع ہے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

یہ شرعاً جائز ہے

سوال اگر میں کسی شخص سے ایک قطعۂ اراضی کاشت کرنے کے لیے بلامعاوضہ حاصل کروں اور وہ مجھ سے رہن کے طور پر کچھ رقم کا مطالبہ کرے' جسے وہ اس وقت واپس کر دے گا جب میں اسے اس کی زمین واپس کروں گا تو کیا یہ جائز ہے یاد رہے کہ وہ اس دوران میں زمین کی پیداوار میں سے کوئی حصہ وصول نہیں کرے گا؟

جواب ہاں یہ شرعاً جائز ہے کہ وہ آپ کو کاشت کے لیے زمین دے دے اور پیداوار آپ حاصل کریں' اس نے اس طرح آپ سے احسان کیا ہے۔ راجح قول کے مطابق اس کے رہن کے طور پر رقم لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ

اس طرح اسے اعتماد حاصل ہو جائے گا کہ آپ اس کی زمین واپس کر دیں گے تو آپ کے ذمہ دین (قرض) نہیں ہے' لیکن آپ کے ہاتھ میں عین (یہ زمین) تو ہے لیکن اسے رہن کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ یہ کافی ہے کہ آپ دونوں آپس میں ایک دستاویز لکھ لیں کہ اس نے یہ زمین آپ کو صرف ایک سال یا دو سال کے لیے بطور عطیہ کے دی ہے اور اگر وہ رہن کا بھی مطالبہ کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

نقصان نہ پہنچاؤ

سوال اگر کسی شہر کے اردگرد ایسی چراگاہیں ہوں' جن میں گھاس بکثرت ہو اور اہل شہرلوگوں کے ان چراگاہوں سے گھاس کاٹ کر جمع کرنے اور بیچنے سے نقصان اٹھاتے ہوں اور ان کے مویشیوں کو بھی اس سے نقصان ہوتا ہو اور قاضی کے پاس بھی یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہو کہ یہ سارے علاقے بارش نہ ہونے کی وجہ سے بے حد خشک ہیں اور ان کے جانور بھی بھوک کی وجہ سے مر رہے ہیں اور لوگ دوسرے سرسبز و شاداب علاقوں کی طرف نقل مکانی کر رہے ہیں۔ ان حالات میں یہ بات ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے کہ چراگاہ کی گھاس کاٹ کر بیچنے میں لوگوں کے لیے نقصان خصوصاً مویشیوں کے مالکان کے لیے بہت تنگی ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر انتظامیہ کے پاس یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ چراگاہ کی گھاس کاٹ کر بیچنے میں مویشیوں کے مالکان کے لیے تنگی اور پریشانی ہے تو ان لوگوں کو کاٹنے اور بیچنے سے منع کر کے گھاس کو جانوروں کے چرنے کے لیے مخصوص کیا جا سکتا ہے' کیونکہ فقہ کا قاعدہ یہ ہے کہ مصالح عامہ کو مصالح خاصہ سے مقدم قرار دیا جاتا ہے اور حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ ضَرَرَ وَلاَ ضِرَارَ»(سنن ابن ماجه، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، ح:٢٣٤٠)

”نہ تو کسی کو اپنے فائدے کے لیے نقصان پہنچائے اور نہ کسی کو بلا فائدہ اور بے مقصد نقصان پہنچائے۔“

وصلى الله وسلم على نبينا محمد و آله وصحبه أجمعين

——— فتویٰ کمیٹی ———

بیماری گناہوں کو مٹا دیتی ہے

سوال کیا بیماری سے گناہ مٹ جاتے ہیں؟

جواب حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بیماریوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلاَ وَصَبٍ وَلاَ هَمٌّ وَلاَ حَزَنٍ وَلاَ أَذًى، وَلاَ غَمٌّ حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا، إِلاَّ كَفَّرَ اللهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ»(صحيح البخاري، المرضى، باب ماجاء في كفارة المرض، ح:٥٦٤١، ٥٦٤٢ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب ثواب المؤمن فيما يصيبه من مرض أو حزن ... الخ، ح:٢٥٧٣)

''مسلمان کو جب بھی کوئی پریشانی' غم' رنج' تکلیف اور دکھ پہنچتا ہے حتیٰ کہ اسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

اور بیماری تو بڑی مصیبت ہے اللہ جل وعلا اس کے ساتھ یقیناً گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

غرقد یہودیوں کا درخت ہے

سوال غرقد کا درخت کون سا ہے؟

جواب یہ مدینے کا ایک مشہور درخت ہے اور نبی اکرم ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ مسلمان جب یہودیوں سے جہاد کریں گے اور یہودی درختوں کے پیچھے چھپیں گے تو غرقد کے سوا دیگر تمام درخت بول کر بتا دیں گے کہ ہمارے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے۔ غرقد یہودیوں کا درخت ہے' یہ اس کے پیچھے چھپنے والے یہودیوں کے بارے میں نہیں بتائے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے

سوال میں ایک سال تک اپنی بیوی سے غائب رہا اور اسے یہ معلوم بھی نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں۔ طویل مدت کے بعد جب میں واپس آیا تو آٹھ ماہ پچیس دن تک اس کے ساتھ رہا اور اسی دوران میں اس نے بچے کو جنم دیا تو نویں مہینے کے پورے ہونے سے پانچ دن پہلے اس بچے کو جنم دینے کی وجہ سے مجھے شک ہے' آپ راہنمائی فرمائیں کہ میں کیا کروں؟

جواب عورت اگر نو ماہ سے کم مدت میں بچے کو جنم دے دے تو شک نہیں ہونا چاہیے کیونکہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَحَمْلُهُۥ وَفِصَـٰلُهُۥ ثَلَـٰثُونَ شَهْرًا ﴾ (الأحقاف٤٦/ ١٥)

''اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس مہینے ہے۔'' اور فرمایا:

﴿ وَفِصَـٰلُهُۥ فِى عَامَيْنِ ﴾ (لقمان٣١/ ١٤)

''اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے' لہٰذا اگر عورت ساتویں ماہ یا اس کے بعد بچے کو جنم دے تو اس میں شک کی کوئی بات نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

نیکی کی طرف چلنے کی فضیلت

سوال امید ہے کہ آپ کتاب و سُنّت کے ایسے دلائل کی وضاحت فرمائیں گے' جن سے نماز یا دیگر دینی واجبات مثلاً حج ادا کرنے کے لیے چل کر جانے کی فضیلت ثابت ہوتی ہو' مثلاً ایک حدیث نبوی کا مفہوم یہ ہے کہ کسی نیکی یا دینی واجب کے ادا کرنے کے لیے اٹھنے والے ہر قدم کے عوض اللہ تعالیٰ ایک نیکی یا صدقہ لکھ دیتے ہیں۔ کیا یہ حدیث حج ادا کرنے کے

لیے اٹھنے والے قدموں پر بھی منطبق ہوتی ہے؟

جواب نیکی کی طرف چلنے اور کوشش کرنے کی فضیلت کے بارے میں بہت سے عام نصوص ہیں' جب کہ کچھ خاص نصوص میں مخصوص نیکیوں کے لیے اٹھنے والے قدموں کی فضیلت بھی بیان کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ ٱلْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا۟ وَءَاثَـٰرَهُمْ ۚ وَكُلَّ شَىْءٍ أَحْصَيْنَـٰهُ فِىٓ إِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿١٢﴾ ﴾

(یس ۳٦/ ۱۲)

''بے شک ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ وہ آگے بھیج چکے اور (جو) ان کے نشان پیچھے رہ گئے ہم ان کو قلم بند کر لیتے ہیں اور ہر چیز کو ہم نے کتاب روشن (لوح محفوظ) میں لکھ رکھا ہے۔''

یہ آیت کریمہ عام ہے' مساجد میں نماز ادا کرنے کے لیے' میدانِ جنگ میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے' علم نافع حاصل کرنے اور صلہ رحمی کرنے کے لیے اٹھنے والے تمام قدموں کو یہ شامل ہے' نیز انسان نے اپنی وفات کے بعد اگر کچھ اوقاف یا دینی کتابوں یا نیک اولاد کو چھوڑا ہو جو دوسروں کے لیے نفع کا باعث ہوں تو یہ اسے بھی شامل ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لیے فرمایا ہے:

﴿ مَا كَانَ لِأَهْلِ ٱلْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ ٱلْأَعْرَابِ أَن يَتَخَلَّفُوا۟ عَن رَّسُولِ ٱللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا۟ بِأَنفُسِهِمْ عَن نَّفْسِهِۦ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَلَا يَطَـُٔونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ ٱلْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُم بِهِۦ عَمَلٌ صَـٰلِحٌ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٢٠﴾ ﴾ (التوبۃ۹/ ۱۲۰)

''اہل مدینہ کو اور جو ان کے آس پاس دیہاتی رہتے ہیں ان کو لائق نہ تھا کہ اللہ کے پیغمبر سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو ان کی جان سے زیادہ عزیز رکھیں' یہ اس لیے کہ انہیں اللہ کی راہ میں جو تکلیف پہنچتی ہے پیاس کی یا محنت کی یا بھوک کی یا وہ ایسی جگہ چلتے ہیں کہ کافروں کو غصہ آئے یا دشمنوں سے کوئی چیز لیتے ہیں تو ہر بات پر ان کے لیے عمل نیک لکھا جاتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

اللہ تعالیٰ نے نماز جمعہ' ذکر الٰہی اور خطبہ سننے کے لیے جلدی کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا نُودِىَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ فَٱسْعَوْا۟ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ وَذَرُوا۟ ٱلْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٩﴾ ﴾ (الجمعۃ٦۲/ ۹)

''اے مومنو! جب جمعے کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد (نماز) کے لیے جلدی کرو اور (خرید و) فروخت ترک کر دو۔ اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔''

امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ بنو سلمہ نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب منتقل ہو جائیں' مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ وہ اپنے گھروں کو چھوڑیں' آپ نے فرمایا:

«أَلَا تَحْتَسِبُونَ آثَارَكُمْ»(صحيح البخاري، الأذان، باب احتساب الآثار، ح:٦٥٦)

"کیا تم اپنے قدموں کے آثار کے ثواب کو حاصل نہیں کرنا چاہتے؟"

امام مجاہد نے بیان کیا ہے کہ اس سے مسجدوں کی طرف جاتے ہوئے قدموں کے نشانات مراد ہیں۔ امام بخاری و مسلم نے بطریق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ أَوْ رَاحَ، أَعَدَّ اللهُ لَهُ فِي الْجَنَّةِ نُزُلاً، كُلَّمَا غَدَا أَوْ رَاحَ» (صحيح البخاري، الأذان، باب فضل من غدا إلى المسجد ومن راح، ح:٦٦٢ وصحيح مسلم، المساجد، باب المشي إلى الصلاة تمحى به الخطايا . . . الخ، ح:٦٦٩ واللفظ له)

"جو شخص صبح یا شام کے وقت مسجد میں جائے تو جب بھی وہ مسجد میں جائے' اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مہمانی تیار فرماتا ہے۔"

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" میں بطریق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صَلاَةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلَى صَلاَتِهِ فِي بَيْتِهِ وَفِي سُوقِهِ خَمْسًا وَّعِشْرِينَ ضِعْفًا، وَذٰلِكَ أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لاَ يُخْرِجُهُ إِلاَّ الصَّلاَةُ، لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إِلاَّ رُفِعَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ، وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ، فَإِذَا صَلَّى لَمْ تَزَلِ الْمَلاَئِكَةُ تُصَلِّي عَلَيْهِ مَادَامَ فِي مُصَلاَّهُ: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ، وَلاَ يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلاَةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلاَةَ»(صحيح البخاري، الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، ح:٦٤٧)

"آدمی کا باجماعت نماز ادا کرنا اس کے گھر اور بازار میں نماز ادا کرنے کی نسبت پچیس گنا زیادہ اجروثواب کا حامل ہے۔ جب کوئی شخص بہت اچھے طریقے سے وضو کرے اور پھر مسجد کی طرف چلا جائے اور صرف نماز ہی کے لیے نکلے تو ہر قدم کے عوض اس کا ایک درجہ بلند کردیا جاتا ہے اور ایک گناہ معاف کردیا جاتا ہے اور جب تک وہ اپنی جگہ پر نماز ادا کرتا رہتا ہے فرشتے اس کے لیے مسلسل یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! تو اسے برکت دے۔ اے اللہ! تو اس پر رحمت نازل فرما اور جب تک کوئی نماز کا انتظار کرتا رہے' وہ نماز کے حکم میں ہوتا ہے۔" امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، ح:٢٦٩٩)

"جو شخص طلب علم کے لیے کسی راستے پر چلے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے راستے کو آسان بنادیتا ہے۔"

صحیح بخاری و مسلم میں حجۃ الوداع کی احادیث کے ضمن میں ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حج کے بعد تنعیم سے احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارا اجر و ثواب تمہاری تکلیف --یا آپ نے فرمایا کہ تمہارے خرچ-- کے مطابق ہے۔" [1]

---

[1] صحیح البخاری' العمرۃ' باب أجر العمرۃ علی قدر النصب' حدیث: 1787 و صحیح مسلم' الحج' باب بیان وجوہ الاحرام و انہ یجوز--- الخ' حدیث: 1211

یہ تمام نصوص اس بات کی دلیل ہیں کہ نیکی کرنے والے کو نیکی اور اس کے وسائل کے مطابق ثواب ملتا ہے اور اجر و ثواب مشقت' پیدل چلنے اور جدید سواریوں کو استعمال کرنے کے اعتبار سے مختلف ہو سکتا ہے جیسا کہ مقام اور جگہ کے فضل و شرف اور اخلاص' حضور قلب اور خشوع کے اعتبار سے بھی اجر و ثواب مختلف ہو سکتا ہے مختصر یہ کہ وسائل کے لیے نتائج کے مطابق حکم ہوتا ہے اور مقدمات کے لیے جنس خیر و شر اور گناہ و اجر کے اعتبار سے مقاصد کا حکم ہوتا ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نابالغ بچے کے اعمال

سوال کیا نابالغ بچے کے اعمال صالحہ مثلاً نماز' حج اور تلاوت وغیرہ کا ثواب اسی کے لیے ہوتا ہے یا اس کے ان اعمال کا ثواب اس کے والدین کے لیے ہوتا ہے؟

جواب نابالغ بچے کے اعمال صالحہ کا ثواب اسی کو ملتا ہے' اس کے والد یا کسی اور کو نہیں' البتہ اسے تعلیم دینے' نیکی کی طرف راہنمائی کرنے اور اس پر اعانت کرنے کی وجہ سے اس کے والد کو ضرور اجر و ثواب ملتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ایک عورت نے حجۃ الوداع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بچہ پیش کر کے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا اس کا بھی حج ہے؟ آپ نے فرمایا:

«نَعَمْ، وَلَكِ أَجْرٌ»(صحيح مسلم، الحج، باب صحة حج الصبي ... الخ، ح:١٣٣٦)

"ہاں اور تمہیں اس کا اجر ملے گا۔"

اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج بچے ہی کے لیے ہے اور اس کی ماں کو اسے حج کرانے کی وجہ سے اجر و ثواب ملے گا۔ اس طرح غیر والد کو بھی نیکی کا ثواب ملتا ہے مثلاً اگر کسی نے یتیموں' رشتہ داروں اور خادموں وغیرہ کو دینی تعلیم دی تو اسے اس کا ثواب ملے گا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ» (صحيح مسلم، الإمارة، باب فضل إعانة الغازي في سبيل الله ... الخ، ح:١٨٩٣)

"جو شخص بھی کسی نیکی کی طرف راہنمائی کرے تو اسے اس نیکی کے کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے۔"

اور پھر اس لیے بھی کہ یہ نیکی و تقویٰ کے کام میں تعاون ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ اجر و ثواب سے نوازتا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

حالت جنابت میں سونا

سوال کیا حالت جنابت میں سونا جائز ہے؟

جواب حالت جنابت میں سونا جائز ہے لیکن بہتر اور افضل یہ ہے کہ انسان استنجاء اور نماز کے وضو کی طرح وضو کر کے سوئے کیونکہ محدثین کرام رحمہم اللہ کی ایک جماعت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ غَسَلَ فَرْجَهُ وَتَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ»(صحيح البخاري، الغسل، باب الجنب يتوضأ ثم ينام، ح:٢٨٨ وصحيح مسلم، الحيض، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له وغسل الفرج... الخ، ح:٣٠٥)

"نبی ﷺ جب حالت جنابت میں سونے کا ارادہ فرماتے تو استنجاء اور نماز کے وضو کی طرح وضو فرما لیتے تھے۔"

مستقل فتویٰ کمیٹی

عربی ہندسوں کی بجائے یورپ میں مستعمل ہندسوں کو استعمال کرنا جائز نہیں

فقہی کونسل مکہ مکرمہ کی قرارداد نمبر: ۳

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده سيدنا ونبينا محمد وآله وصحبه وسلم تسليمًا كثيرًا، أما بعد:

اسلامی فقہی کونسل نے اس خط کا جائزہ لیا جو رابطہ کے جنرل سیکرٹری کو اردن کے وزیر اوقاف و مذہبی امور استاد کامل شریف کی طرف سے موصول ہوا' نیز اس تحقیقی مقالہ کا بھی جائزہ لیا گیا جو وزیر موصوف کی طرف سے اردنی کابینہ کے سامنے "عربی ہندسوں کا تاریخی جائزہ" کے عنوان سے پیش کیا گیا تھا اور اس مقالہ میں یہ بھی ذکر کیا گیا کہ بعض پڑھے لکھے لوگوں میں یہ نظریہ پھیلایا جا رہا ہے کہ عربی ہندسے اپنے موجودہ رسم الخط (۱' ۲' ۳' ۴ الخ) کے اعتبار سے ہندی ہندسے ہیں اور یورپین ہندسے (1, 2, 3, 4 etc---) اصل عربی ہندسے ہیں' لہٰذا عربی ملکوں میں ان یورپین ہندسوں پر اعتماد کرتے ہوئے انہیں رائج کیا جائے کیونکہ اس سے ہمیں ان حکومتوں اور غیر ملکی اداروں کے ساتھ حساب کتاب میں بہت آسانی ہو جائے گی' جن کا عربی ملکوں میں اقتصادی اور معاشرتی طور پر بے حد گہرا اثر و نفوذ ہے اور پھر کیلکولیٹر اور کمپیوٹر میں بھی ان ہندسوں کا استعمال عرب ملکوں میں انہیں پسندیدہ بنا دے گا۔ مذکورہ تحقیقی مقالہ میں عربی اور یورپین ہندسوں کے تاریخی پس منظر کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ فقہی کونسل نے اس موضوع سے متعلق مجلس کبار علماء سعودی عرب کی اس سفارش کو بھی ملاحظہ کیا ہے' جو اس نے اپنے اکیسویں اجلاس منعقدہ ریاض مورخہ ۱۷ تا ۲۸ ربیع الآخر ۱۴۰۳ھ میں منظور کی تھی اور جس میں یہ لکھا ہے کہ حسب ذیل اسباب کے پیش نظر موجودہ استعمال ہونے والے عربی ہندسوں کو مغربی ممالک میں استعمال ہونے والے ہندسوں سے بدلنا جائز نہیں ہے۔

اولاً : تبدیلی کے داعی حضرات جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مغرب میں استعمال ہونے والے ہندسے عربی ہیں یہ بات ثابت نہیں ہو سکی بلکہ مشہور و معروف بات اس کے برعکس ہے اور امر واقع بھی اس کا شاہد ہے اور پھر طویل صدیوں سے موجودہ ہندسوں کے استعمال نے انہیں عربی ہندسے بنا دیا ہے جیسا کہ بہت سے کلمات ایسے ہیں جو اصل میں عربی نہیں ہیں' مگر عربی زبان میں ان کے استعمال نے انہیں عربی بنا دیا ہے۔ حتیٰ کہ قرآن کریم میں استعمال ہونے والے بعض کلمات عربی نہیں ہیں' مگر عربی زبان میں مستعمل ہونے کی وجہ سے قرآن کریم میں بھی انہیں استعمال کیا گیا ہے' اسی قسم کے کلمات کو معرب کلمات کہا جاتا ہے۔

ثانیاً : اس فکر کے نتائج بدترین اور اثرات بہت خطرناک اور نقصان دہ ثابت ہوں گے۔ یہ درحقیقت اسلامی معاشرے کو آہستہ آہستہ مغربی معاشرہ بنانے کی طرف پہلا قدم ہے جیسا کہ اس خط کے ساتھ منسلک تحقیقی مقالہ کے چوتھے پیراگراف میں ہے کہ "کویت کی وزارت اطلاعات کی طرف سے ایک دستاویز جاری ہوئی ہے' جس میں اس بات کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے کہ یورپ میں استعمال ہونے والے ہندسوں کو عام کیا جائے' اس کے کئی اسباب ہیں' جن کی اساس یہ ہے کہ عالمی طور پر ثقافتی' سائنسی حتی کہ سیاحتی میدانوں میں بھی وحدت پیدا کی جائے۔"

ثالثاً : یہ فکر اس بات کی تمہید ہے کہ عربی حروف کی بجائے لاطینی حروف کو استعمال کیا جائے خواہ یہ مطالبہ ایک طویل عرصہ بعد ہی کیا جائے۔

رابعاً : یہ سوچ مغرب کی تقلید اور اس کے طریقوں کو مستحسن قرار دینے کی مظہر ہے۔

خامساً : قرآن مجید' کتب تفسیر' کتب لغت اور دیگر تمام کتابوں میں صفحات کے نمبروں یا مراجع کی طرف اشارہ کے لیے موجودہ مروج ہندسوں ہی کو استعمال کیا جاتا ہے اور یہ ہمارا بہت ہی عظیم الشان علمی سرمایہ ہے' ان ہندسوں کی بجائے موجودہ انگریزی ہندسوں کے استعمال کرنے کی وجہ سے آنے والی نسلیں اس عظیم علمی میراث سے آسانی اور سہولت کے ساتھ استفادہ نہیں کر سکیں گی۔

سادساً : یہ ضروری نہیں کہ ان بعض عربی ملکوں کی پیروی کی جائے' جن میں یورپین ہندسوں کے استعمال کا رواج پا گیا ہے' کیونکہ ان ممالک نے تو اس سے بھی زیادہ عظیم اور اہم بات کو ترک کر رکھا ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی شریعت کا نفاذ جو کہ عزت و سعادت اور دنیا و آخرت کی سعادت کا سرچشمہ ہے لہٰذا ان ملکوں کا عمل حجت نہیں ہے۔ اس تفصیل کی روشنی میں اسلامی فقہی کونسل نے طے کیا:

اولاً : اس موضوع سے متعلق مجلس کبار علماء سعودی عرب کی طرف سے جاری ہونے والی سفارش جسے اوپر ذکر کیا گیا ہے' کی بھرپور تائید کی جائے۔ اس سفارش کی رو سے عربی میں استعمال ہونے والے موجودہ ہندسوں کو یورپ میں استعمال ہونے والے ہندسوں سے بدلنا جائز نہیں ہے اور اس کے اسباب بھی اس سفارش میں ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

ثانیاً : اس رائے کو قبول کرنا جائز نہیں ہے کہ یورپ میں استعمال ہونے والے ہندسوں کو عام کیا جائے کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ امت اس بات کو ترک کر دے' جسے وہ طویل صدیوں سے اختیار کیے ہوئے ہے اور غیروں کے اتباع کی وجہ سے اس ظاہر و نمایاں مصلحت کو ترک کر دے' جو ان ہندسوں کے استعمال میں ہے۔

ثالثاً : عرب ملکوں کے حکمرانوں کی اس خطرناک امر کی طرف توجہ مبذول کروائی جائے اور انہیں اس فکر میں شامل ہونے سے روکا جائے جس کے نتائج عربی و اسلامی میراث کے لیے بڑے خطرناک ثابت ہوں گے۔ واللہ ولی التوفیق۔ وصلی اللہ علی سیدنا محمد النبی الامی وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

صدقہ اور ہدیہ میں فرق

سوال عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی طرف سے حضرت الاخ المکرم (ف - ن - م) کے نام اللہ تعالیٰ انہیں ہر نیک کام

کے کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' وبعد: آپ کا خط موصول ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت سے سرفراز فرمائے۔ آپ نے اپنے خط میں یہ ذکر کرنے کے بعد کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرما لیتے تھے لیکن صدقہ قبول نہیں فرمایا کرتے تھے' یہ سوال پوچھا ہے کہ صدقہ اور ہدیہ میں کیا فرق ہے؟ نیز اعانت اور ہبہ میں کیا فرق ہے؟ کیا صدقہ رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کے لیے بھی حرام ہے؟ کیا آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل کے لیے بھی حرام ہے؟ آپ کے نسب شریف کے ثبوت کے لیے کیا طریقہ ہے؟

جواب ہدیہ اور صدقہ میں یہ فرق ہے کہ ہدیہ تو وہ تحفہ ہوتا ہے' جسے انسان محبت اور احترام کی وجہ سے پیش کرتا ہے جب کہ صدقہ وہ ہوتا ہے جسے انسان شفقت' احسان اور اللہ تعالیٰ سے طلب ثواب کے لیے پیش کرتا ہے۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ کے لیے ہدیہ حلال اور صدقہ حرام قرار دیا گیا تھا۔ آپ کے اہل بیت بھی اس مسئلہ میں آپ کے تابع ہیں اور آپ کی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل بھی آپ کے اہل بیت میں سے ہے۔ اعانت اور ہبہ کا حکم صدقہ کا ہے ہدیہ کا نہیں' بشرطیکہ انسان کا اس سے ارادہ غم گساری و ہمدردی اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے حصول ثواب کا ہو اور اگر اس سے مقصود اس انسان سے اظہار محبت ہو' جس کی مدد کی جا رہی اور جسے ہبہ کیا جا رہا ہو یا اس سے بدلہ لینا مطلوب ہو تو یہ ہدیہ کے حکم میں ہوگا کیونکہ جسے ہبہ کیا جا رہا ہو اس کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ ہدیہ دینے والے کو بدلہ میں ہدیہ دے اور اگر بدلہ نہ دے سکتا ہو تو پھر اس کے لیے دعا کرے' جب کہ صدقہ سے انسان کا مقصود اللہ تعالیٰ سے حصول ثواب ہوتا ہے اس سے اس کا مقصود مالی بدلہ یا محبت و شفقت کا اظہار نہیں ہوتا۔

جہاں تک نسب شریف کے ثبوت کے طریقے کا تعلق ہے' تو اسے کئی امور سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ ① ثقہ مؤرخین کی طرف سے نص کہ فلاں خاندان یا آل فلاں اہل بیت میں سے ہیں۔ ② اہل بیت میں سے ہونے کے مدعی کے ہاتھ میں بعض معتبر قاضیوں اور ثقہ علماء کی طرف سے شرعی دستاویز ہو کہ اس کا تعلق اہل بیت سے ہے۔ ③ اس شخص کے شہر والے تواتر اور تسلسل کے ساتھ یہ جانتے ہوں کہ آل فلاں اہل بیت میں سے ہیں۔ ④ دو عادل شخصوں کی گواہی سے یہ ثابت ہو اور وہ اپنی شہادت کی دلیل قابل اعتماد اور ثقہ تاریخ سے یا قابل اعتبار دستاویزات سے یا قابل اعتبار آدمیوں سے پیش کریں' محض زبانی کلامی دعوے کا اعتبار تو نہ اس مسئلہ میں کیا جاتا ہے اور نہ کسی اور مسئلہ میں۔ اگر مدعی شخص یہ جانتا ہو کہ وہ اپنے دلائل کی روشنی میں سچا ہے' تو اسے اپنے اعتقاد کے مطابق عمل کی وجہ سے زکوٰۃ قبول نہیں کرنی چاہیے۔ اس کے دعویٰ کو جاننے والوں کو چاہیے کہ وہ اسے زکوٰۃ نہ دیں کیونکہ اپنے اعتراف و اقرار کے مطابق وہ زکوٰۃ کے مستحق لوگوں میں سے نہیں ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

غیر مسلموں پر صدقہ کرنا

سوال اگر کسی غیر مسلم کو شدید ضرورت ہو تو کیا اس پر صدقہ کرنے کا بھی ثواب ملے گا؟

جواب غیر مسلم کو صدقہ دینا جائز ہے اور اس میں اجر و ثواب بھی ہے' جب کہ وہ محتاج ہو لیکن واجب صدقہ یعنی زکوٰۃ

اسے نہ دی جائے۔ الّا یہ کہ وہ مؤلفة القلوب میں سے ہو۔ اس پر صدقہ کرنے کے لیے بھی شرط ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ لڑائی نہ کرتا ہو یا انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالتا ہو کیونکہ اس حالت میں اس پر صدقہ کرنے کے معنی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں اس کی مدد کرنے کے ہوں گے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

دوست کے مال میں اس کے علم کے بغیر تصرف کرنا

سوال کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں اپنے مسلمان بھائی کے مال میں سے اس کے علم کے بغیر اپنی ضرورت کو پورا کر لوں جب کہ مجھے اس بات کا یقین ہو کہ اگر وہ موجود ہوتا تو اس سے مکمل طور پر راضی ہوتا یا جب اسے بعد میں معلوم ہو گا تو وہ اس سے راضی ہو گا؟

جواب افضل یہ ہے کہ آپ اپنے بھائیوں کے مال کا احترام کریں' خواہ آپ کو یہ یقین ہی کیوں نہ ہو کہ اپنے اموال میں آپ کے تصرف سے وہ خوش ہوں گے کیونکہ اصل یہ ہے کہ مسلمان کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر اپنے تصرف میں لانا حرام ہے' البتہ اگر آپ کو اس کے مال میں تصرف کرنے کی کوئی شدید ضرورت پیش آ جائے اور آپ کو معلوم ہو کہ وہ اس سے راضی ہو گا اور آپ کو اس کی رضامندی کا پورا وثوق ہو مثلاً آپ کے پاس مہمان آ جائیں اور آپ کے دوست کے پاس بکریاں ہوں اور آپ ان میں سے ایک بکری مہمانوں کی مہمان نوازی کے لیے لے لیں اور آپ کو پورا پورا اعتماد ہو کہ آپ کا دوست اس سے خوش ہو گا تو بوقت ضرورت ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر کوئی ایسی حاجت و ضرورت درپیش نہ ہو تو پھر بہتر اور افضل یہ ہے کہ آپ اپنے بھائی کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں تصرف نہ کریں کیونکہ وہ خود کتنا راضی ہی کیوں نہ ہو وہ آپ کے اس طرز عمل سے یقیناً اپنے دل میں تنگی محسوس کرے گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

اسلامی گیت

سوال ہم جانتے ہیں کہ معروف گانے موجودہ شکل میں حرام ہیں کیونکہ ان میں بے ہودہ اور فحش کلام' موسیقی اور لہو و لعب ہوتا ہے اور یہ گانے بالکل بے فائدہ کلام پر مشتمل ہوتے ہیں' ہم نوجوانانِ اسلام جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ روشن کر دیا ہے' ہم جانتے ہیں کہ ان بے ہودہ گانوں کے بدلے میں کچھ اچھے گانوں کا انتخاب کر لیں۔ ہم نے ایسے اسلامی گیت منتخب کیے ہیں' جو شجاعت و بہادری اور پاکیزہ جذبات پر مشتمل ہیں۔ یہ اشعار دعاۃ اسلام کے کہے ہوئے ہیں جیسا کہ سید قطب رحمہ اللہ کا قصیدہ اخی --میرے بھائی!-- ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان خالص اسلامی گیتوں کے بارے میں کیا حکم ہے جو شجاعت و بہادری اور پاکیزہ جذبات پر مشتمل ہوتے ہیں اور یہ عصر حاضر و غیر حاضر کے دعاۃ اسلام کے اشعار ہیں' جن میں سچے کلمات ہیں' جو اسلام کی تعبیر اور دعوت پر مشتمل ہیں لیکن جب یہ گیت گائے جاتے ہیں تو ان کے ساتھ طبلہ یعنی دف کی آواز ہوتی ہے تو کیا انہیں سننا جائز ہے؟ میں یہ جانتا ہوں اور میرا علم بہت محدود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب زفاف کے لیے طبلہ کو جائز قرار دیا ہے۔ طبلہ آلات موسیقی میں سب سے خفیف آواز ہوتی ہے' ایسے ہی جیسے کسی

بھی چیز پر مارنے کی وجہ سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ براہ کرم ہماری راہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی پسند اور رضا کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

جواب کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا: آپ نے بالکل سچ فرمایا ہے کہ گانے اپنی موجودہ شکل میں حرام ہیں کیونکہ یہ فحش اور بے ہودہ کلام پر مشتمل ہیں اور ان میں خیر و بھلائی کا کوئی عنصر نہیں بلکہ ان میں لہوولعب' خواہشات و جنسی جذبات کو ابھارنا اور جنون اور ایسی گری ہوئی باتیں ہوتی ہیں جو ان کے سننے والوں کو شر میں مبتلا کر دیتی ہیں --اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اپنی رضا کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے-- ان گانوں کی بجائے آپ ایسے اسلامی گیت سن سکتے ہیں جن میں حکمت و دانش' وعظ و نصیحت اور درس و عبرت ہو اور وہ بہادری' دینی غیرت اور اسلامی جذبات کو ابھاریں اور شر اور اس کی اسباب سے نفرت دلائیں تاکہ ان کے سننے والے کا نفس اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف مائل ہو اور اس کے معصیت کے ارتکاب کرنے اور حدود الٰہی سے تجاوز کرنے سے نفرت کرے اور اس کی بجائے اس کی شریعت اور اس کے راستے میں جہاد سے محبت کرے لیکن ان گیتوں کے سننے کو معمول اور عادت نہیں بنا لینا چاہیے' بلکہ مختلف مواقع کی مناسبت مثلاً بیاہ شادی' جہاد کے لیے سفر اور ہمتوں کی کمزوری وغیرہ کے موقع پر انہیں سن لینا چاہیے تاکہ نفس کو فعل خیر پر آمادہ کیا جاسکے اور نفس جب شر کی طرف مائل ہو تو اسے بچانے اور اس سے نفرت دلانے کے لیے ان گیتوں کو سن لیا جائے لیکن ان گیتوں کے سننے سے بدرجہا بہتر یہ ہے کہ انسان قرآن مجید کی تلاوت اور نبی اکرم ﷺ سے ثابت اذکار کے ورد کو اپنا معمول بنا لے کیونکہ یہ نفس کے تزکیہ' شرح صدر کے لیے طہارت و قوت اور طمانیت قلب کے لیے گیتوں سے کہیں بڑھ کر مؤثر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٢٣﴾ ﴾ (الزمر۳۹/ ۲۳)

"اللہ نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں' (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی (ہیں) اور دوہرائی جاتی (ہیں) جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں' ان کے بدن کے (اس سے) رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم (ہوکر) اللہ کی یاد کی طرف (متوجہ) ہو جاتے ہیں یہی اللہ کی ہدایت ہے' وہ اس سے جس کو چاہتا ہے' ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ کرے' اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ ﴿٢٩﴾ ﴾ (الرعد۱۳/ ۲۸-۲۹)

"جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے آرام پاتے ہیں (اللہ ان کو اپنی طرف پہنچنے کا راستہ دکھاتا ہے۔) اور سن رکھو کہ اللہ ہی کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں' جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کیے ان کے لیے خوش حالی اور عمدہ ٹھکانا ہے۔"

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول اور عادت یہ تھی کہ وہ کتاب و سنت ہی کے یاد کرنے' پڑھنے پڑھانے اور ان کے

مطابق عمل کرنے کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ کبھی کبھار گیت اور حدی بھی استعمال کر لیتے تھے مثلاً خندق کھودتے وقت' مساجد تعمیر کرتے وقت اور جہاد کے لیے روانہ ہوتے وقت انہوں نے گیت استعمال کیے لیکن اسے انہوں نے اپنا شعار یا معمول نہیں بنایا تھا' البتہ کبھی کبھی انہوں نے نفسوں کو راحت پہنچانے اور جذبات کو ابھارنے کے لیے گیتوں کو استعمال کیا۔ ان اسلامی گیتوں کے ساتھ طبلہ اور دیگر آلات موسیقی کا استعمال جائز نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں استعمال نہیں کیا اور اللہ ہی سیدھے رستے کی ہدایت فرمانے والا ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و علی آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

گناہوں کے نتائج خطرناک ہیں

سوال اللہ تعالیٰ نے مجھے تین بیٹیاں عطا کیں اور اس پر میں نے اللہ تعالیٰ کا بہت شکر ادا کیا اور پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اگر وہ مجھے بیٹا عطا فرمائے تو میں روزانہ نماز فجر مسجد میں ادا کیا کروں گا۔ میں فرائض و سنت تمام نمازوں کو ان کے اوقات ہی میں ادا کرتا ہوں سوائے نمازِ فجر کے جسے میں بیدار ہونے پر گھر ہی میں ادا کر لیتا ہوں اور اسے مسجد میں ادا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو قبول فرما لیا' مجھے بیٹا عطا فرما دیا میں نے اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر ادا کیا لیکن میں نماز فجر باقاعدہ مسجد میں ادا نہیں کرنے لگا' نماز فجر کے علاوہ باقی تمام نمازیں بروقت ادا کرتا ہوں لیکن نماز فجر میں سات بجے کام کے لیے گھر سے نکلنے سے پہلے ادا کرتا ہوں۔ امید ہے آپ میری راہنمائی فرمائیں گے کیا اس میں عہد شکنی کی وجہ سے میں گناہ گار تو نہیں ہوں گا؟ اب میرے لیے کیا واجب ہے؟ کیا اس وعدے کے وفاء نہ کرنے کی وجہ سے بچہ بیماری یا کسی دوسری تکلیف میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ براہ کرم راہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے؟

جواب فرض نماز کو مسلمانوں کے ساتھ مل کر باجماعت ادا کرنا اہم واجبات میں سے ہے اور اس سے پیچھے رہنا اور نماز کو گھر میں ادا کرنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمانی اور ان منافقوں کے ساتھ مشابہت ہے' جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ ٱلْمُنَٰفِقِينَ يُخَٰدِعُونَ ٱللَّهَ وَهُوَ خَٰدِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوٓاْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ قَامُواْ كُسَالَىٰ يُرَآءُونَ ٱلنَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ ٱللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴾ (النساء٤/ ١٤٢)

"منافق (ان چالوں سے اپنے نزدیک) اللہ کو دھوکا دیتے ہیں (یہ اس کو کیا دھوکا دیں گے) وہ انہیں کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے اور جب یہ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں اور یاد الٰہی تو یونہی برائے نام سی کرتے ہیں۔"

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ ٱلْمُنَٰفِقِينَ فِى ٱلدَّرْكِ ٱلْأَسْفَلِ مِنَ ٱلنَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ﴾ (النساء٤/ ١٤٥)

"کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور تم ان کا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

«إِنَّ أَثْقَلَ صَلاَةٍ عَلَى الْمُنَافِقِينَ صَلاَةُ الْعِشَاءِ وَصَلاَةُ الْفَجْرِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا»(صحيح البخاري، الأذان، باب فضل صلاة العشاء في الجماعة، ح:٦٥٧ وصحيح مسلم، المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها . . . الخ، ح:٦٥١ واللفظ له)

"منافقوں پر سب سے گراں نماز عشاء کی نماز اور صبح کی نماز ہے اور اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ ان نمازوں کا کس قدر اجر و ثواب ہے تو یہ انہیں پڑھنے کے لیے ضرور آئیں خواہ انہیں گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑے۔"

نماز پنجگانہ میں سے نماز فجر کے باجماعت ادا کرنے کی زیادہ تاکید اور اہمیت آئی ہے' لہٰذا آپ کے لیے یہ واجب ہے کہ دیگر نمازوں کے ساتھ ساتھ نماز فجر بھی باجماعت ادا کریں۔ نماز فجر کو تاخیر کے ساتھ اور گھر میں ادا کرنا جائز نہیں ہے' اگر آپ ایسا کریں گے تو خدشہ ہے کہ آپ کا نفس' اہل و عیال اور مال اللہ کے غضب و عتاب کی زد میں نہ آ جائے کیونکہ گناہوں کے خطرات بہت عظیم اور ان کے انجام بہت خوفناک ہوتے ہیں۔ نماز باجماعت ادا کرنے سے پیچھے رہنا بدترین گناہ اور منافقوں کی علامت ہے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِهِ، فَلاَ صَلاَةَ لَهُ، إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، المساجد، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣)

"جو شخص اذان سنے اور پھر مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی الا یہ کہ اسے کوئی عذر ہو۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ عذر سے کیا مراد ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ خوف یا مرض اور صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ ایک نابینا شخص نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرے پاس کوئی معاون نہیں ہے' جو مجھے مسجد میں لے جا سکے تو کیا میرے لیے رخصت ہے کہ میں اپنے گھر میں نماز ادا کروں؟ آپ نے فرمایا:

«هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلاَةِ؟ فَقَالَ نَعَمْ، قَالَ: فَأَجِبْ»(صحيح مسلم، المساجد، باب يجب إتيان المسجد على من سمع النداء، ح:٦٥٣)

"کیا تم نماز کے لیے اذان کی آواز سنتے ہو؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں' تو آپ نے فرمایا: پھر اس آواز پر لبیک کہو۔"

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«لاَ أَجِدُ لَكَ رُخْصَةً»(سنن أبي داود، الصلاة، باب في التشديد في ترك الجماعة، ح:٥٥٢)

"میں تمہارے لیے کوئی رخصت نہیں پاتا۔"

آپ نے تو اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر وہ آپ کو بیٹا عطا فرما دے تو آپ باقاعدگی سے نماز فجر مسجد میں باجماعت ادا کیا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اولاد نرینہ کے شوق کو پورا فرما دیا تو آپ بھی اللہ سے ڈریں' اس کے حق کے ادا کرنے میں جلدی کریں اور اس کے اس فضل و کرم پر اس کا شکر ادا کریں' اس سے آپ کو مزید خیر و بھلائی حاصل ہو گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ﴾ (ابراهيم١٤/ ٧)

"اور جب تمہارے پروردگار نے (تم کو) آگاہ کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴾ (البقرة:٢/١٥٢)

''تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں اور میری شکرگزاری کرو اور ناشکری سے بچو۔''

نیز فرمایا:

﴿ اعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا ۚ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ﴾ (سبا٣٤/١٣)

''اے آل داود (میری نعمتوں کے) شکریہ میں نیک عمل کرو میرے بندوں میں سے شکرگزار کم ہی ہوتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اور تمام امت مسلمہ کو شکرگزاری اور کما حقہ ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔ (وباللہ التوفیق)

—— شیخ ابن باز ——

رات کا آخری ثلث کس وقت ہے؟

سوال میں گھڑی کے ٹائم کے مطابق رات کے آخری ثلث کا وقت معلوم کرنا چاہتا ہوں؟

جواب معین اوقات کے ساتھ اس کا اندازہ کرنا ممکن نہیں' تاہم ہر شخص اس کا یوں اندازہ کر سکتا ہے کہ پوری رات کو غروب آفتاب سے طلوع فجر تک تین حصوں میں تقسیم کرے' جب دو حصے گزر جائیں تو آخری حصہ رات کا آخری ثلث شمار ہوگا۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَنْزِلُ رَبُّنَا كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرُ فَيَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ، مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ.» (صحيح البخاري، التهجد, باب الدعاء والصلاة من آخر الليل، ح: ١١٤٥ وصحيح مسلم، الصلاة، باب الترغيب والدعاء والذكر في آخر الليل،ح: ٧٥٨)

''اللہ تعالیٰ ہر رات کو (جب رات کا آخری ثلث باقی رہ جاتا ہے)' آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں اور کہتے ہیں: کون ہے جو مجھے پکارے' میں اس کی دعا قبول کرلوں' کون ہے جو مجھ سے مانگے میں اس کو عطا کردوں' کون ہے جو مجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے میں اس کو معاف کردوں۔''

چنانچہ ایک مومن کو چاہیے کہ وہ اس وقت کو غنیمت جانے' اگرچہ رات کا کچھ ہی حصہ نصیب ہو شاید کہ وہ اس عظیم فضیلت کو پالے۔ شاید کہ مولا عزوجل کی رحمت کا کوئی جھونکا اس کا مقدر بن جائے اور مولا کریم اس کی دعا کو شرف قبولیت سے نواز دے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سب کے لیے توفیق کے طلب گار ہیں۔

—— شیخ محمد ابن عثیمین ——

ٹریفک کے اشاروں کی خلاف ورزی

سوال اسلام میں اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو ٹریفک رولز کی خلاف ورزی کرتا ہے مثلاً سرخ اشارے کے وقت اشارہ

توڑ کر نکل جاتا ہے؟

جواب کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ حکومت کے نافذ کردہ ٹریفک رولز کی خلاف ورزی کرے کیونکہ اس میں اس کی ذات کے لئے اور دوسروں کے لیے عظیم خطرات پنہاں ہیں۔حکومت نے یہ قوانین مصلحت عامہ کے لیے مسلمانوں کو نقصان سے بچانے کے لئے نافذ کیے ہیں۔

چنانچہ کسی بھی شخص کے لئے ان کی خلاف ورزی جائز نہیں۔ حکام کو چاہیے کہ وہ ایسے لوگوں کو مناسب سزائیں دیں' تاکہ انہیں اور دوسرے سب لوگوں کو عبرت ہو۔ اللہ تعالیٰ سلطان کے ذریعے ایسی برائیوں کا سد باب کر دیتا ہے جن کا ازالہ قرآن کے ذریعے نہیں ہوسکتا۔ یہ لوگ صرف حکومتی گرفت کے خوف سے جرائم سے رکے رہتے ہیں۔اور یہ چیز اکثر لوگوں میں ایمان کی قلت یا اس کی عدم موجودگی کے باعث ہوتی ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ أَكۡثَرُ ٱلنَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِينَ ﴾ (یوسف ۱۲/۱۰۳)

''آپ کتنا ہی چاہیں مگر لوگوں کی اکثریت ایمان دار نہ ہوگی۔''

ہم اللہ تعالیٰ سے سب کے لیے توفیق کے طلب گار ہیں۔

—— شیخ محمد ابن عثیمین ——

قیامت کی علامات' اشراط اور ان سے بچنے کی تدابیر

سوال براہ کرم قیامت کی علامات اور ان سے بچاؤ اور احتیاط کی تدابیر بیان فرمائیں۔ جو شخص اس نوعیت کے فتنوں کو دیکھے اسے کیا کرنا چاہیے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

جواب قیامت کی علامات بہت سی ہیں۔ان میں سے نبی ﷺ کا وہ جواب ہے جو آپ نے جبریل امین کے سوال پر دیا تھا۔

((إِذَا وَلَدَتِ الأَمَةُ رَبَّتَهَا، وَ إِذَا تَطَاوَلَ رُعَاةُ الإِبِلِ البُهْمُ فِي الْبُنْيَانِ)) (البخاري، الإيمان، باب سؤال جبريل النبي ﷺ عن الإيمان،ح:٥٠ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان، الإيمان والإسلام....ح:٩)

''جب لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے گی' اور جب اونٹوں کے کالے کلوٹے چرواہے لمبی لمبی عمارتیں بنانے لگیں گے۔''

اور علامات قیامت میں سے مسیح دجال کا ظاہر ہونا' عیسیٰ ابن مریمؑ کا آسمان سے نازل ہونا' سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور '' دابة الارض'' کا منظر عام پر آنا ہے۔اور انہی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ مال کی بہت کثرت ہو جائے گی۔حتی کہ ایک شخص کو بہت سا مال دیا جائے گا مگر پھر بھی وہ ناراض ہی رہے گا۔اور فتنے بڑی کثرت سے ہوں گے' حتی کہ عربوں کا کوئی گھر ان سے محفوظ نہ رہے گا۔

ہم آپ کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ آپ علامہ ابن کثیر کی کتاب ''النهاية في الفتن والملاحم'' کا مطالعہ کریں' اس میں اکثر علاقات قیامت کی شرح موجود ہے اور اس میں بہت سی نصیحتیں اور عبرتیں موجود ہیں' اور یہ کہ انسان کس طرح اپنے آپ کو فتنوں سے بچا سکتا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

باکردار مسلمان کے بارے میں بدگمانی کرنا

سوال کیا بدگمانی ہر حال میں حرام ہے؟ براہ کرم اس موضوع پر مستفید فرمائیں؟

جواب ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱجْتَنِبُوا۟ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ ﴾ (الحجرات۴۹/۱۲)

''اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو' بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔''

ہر گمان گناہ نہیں ہوتا' جو گمان مختلف قرائن اور علامات کی بنیاد پر یقین کی طرح ہو اس میں کوئی حرج نہیں' مگر جو گمان محض وہم کی بنا پر ہو وہ جائز نہیں۔

فرض کریں آپ نے ایک باکردار شخص کے ساتھ کسی عورت کو دیکھا تو محض عورت کے غیر محرم ہونے کی وجہ سے ایسے شخص کے بارے میں بدگمانی جائز نہیں' کیونکہ یہ ایسا ظن ہے جو انسان کو گناہ گار کر دیتا ہے۔ البتہ اگر بدگمانی کے لئے کوئی شرعی سبب پایا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

علمائے کرام فرماتے ہیں: کسی بظاہر عادل شخص کے بارے میں بدگمانی جائز نہیں۔ (واللہ اعلم)

شیخ محمد ابن عثیمین

محض بدگمانی کی وجہ سے تہمت

سوال اگر کسی شخص کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ شراب یا کوئی دوسری نشہ آور چیز استعمال کرتا ہے' مگر کہنے والے کو اچھی طرح معلوم ہو کہ شخص مذکور ایسی حرکات کا مرتکب نہیں ہوتا بلکہ یہ محض اس کی شہرت کو نقصان پہنچانے کے لیے ایسا پروپیگنڈا کر رہا ہے' تو اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب اس سوال کے جواب میں ہم کہیں گے کہ کسی مسلمان شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے کسی بھائی کے خلاف اس کی عزت اور شہرت کو داغدار کرنے کے لیے تہمت لگائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱجْتَنِبُوا۟ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا۟ ﴾ (الحجرات۴۹/۱۲)

''اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو' بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور عیب نہ ٹٹولا کرو۔''

اگر انسان کسی پر محض اپنے ذہن میں وارد ہونے والے بعض خیالات کی بنیاد پر یا کسی کمزور سے قرینہ کی بنا پر عیب' گناہ یا فسق و فجور کے الزامات عائد کرے تو یہ ایک حرام کام ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق منع ہے' جس میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱجْتَنِبُوا۟ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ ﴾ (الحجرات۴۹/۱۲)

''اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔''

انسان کو یہ بات جان لینا چاہیے کہ وہ اپنی زبان سے جو بھی لفظ ادا کرتا ہے اسے لکھ لیا جاتا ہے' جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴾ (ق ۱۸/۵۰)

''کوئی لفظ انسان زبان سے نہیں نکال پاتا مگر اس کو لکھنے کے لئے ایک حاضر باش نگران موجود ہے۔''

یہ تو اس صورت میں ہے جب آپ کسی دوسرے کا کلام آگے نقل کریں۔ جہاں تک آپ کے ہاں اس کلام کی قبولیت کا سوال ہے تو آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ کسی ایسے شخص کا کلام قبول کریں جو حسد اور عداوت کی بنا پر کسی کے خلاف بول رہا ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِن جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓا۟ أَن تُصِيبُوا۟ قَوْمًۢا بِجَهَـٰلَةٍ فَتُصْبِحُوا۟ عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَـٰدِمِينَ ﴾ (الحجرات ۶/۴۹)

''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو' کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ۔''

اگر کوئی شخص آپ کے پاس کسی کے بارے میں بری بات کہے تو اگر وہ شخص آپ کے نزدیک غیر عادل ہے تو آپ تحقیق کریں' اس لیے کہ بعض لوگ بلا تحقیق و بلا احتیاط بات آگے نقل کر دیتے ہیں جبکہ بعض لوگوں کی کسی خاص شخص سے دشمنی ہوتی ہے وہ اس شخص کو بے عزت کرنا اور لوگوں کی نظروں سے گرانا چاہتے ہیں تاکہ لوگ اس سے بدظن ہو جائیں۔ آپ کے سوال کے جواب میں میں نے مناسب جانا کہ اس مسئلہ کی مختلف صورتوں کی طرف توجہ مبذول کروادی جائے۔

شیخ محمد ابن عثیمین

دنیا اور آخرت کی شراب میں فرق

سوال ہم میں سے ہر شخص یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ دنیا کی شراب حرام ہے' یہ نشہ دیتی ہے اور عقل میں فتور پیدا کرتی ہے' لہذا اس کا پینا گندا شیطانی کام ہے نیز یہ ام الخبائث ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ شراب دنیا میں حرام اور آخرت میں حلال کیوں ہے؟

جواب آخرت والی شراب پاکیزہ ہوگی' اس میں کوئی نشہ آور یا نقصان دہ چیز نہیں ہوگی۔ جہاں تک دنیا والی شراب کا تعلق ہے تو اس میں نقصان دہی' نشہ آوری اور تکلیف پائی جاتی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ آخرت والی شراب پینے والے کا نہ تو سر چکرائے گا نہ اسے کمزوری لاحق ہوگی' نہ اس میں عقل یا بدن کو نقصان دینے والی کوئی چیز ہے۔ لیکن دنیا کی شراب عقل و بدن سب کو نقصان دیتی ہے۔ چنانچہ وہ تمام نقصانات جو دنیا کی شراب میں پائے جاتے ہیں آخرت کی شراب ان سب سے خالی ہوگی۔
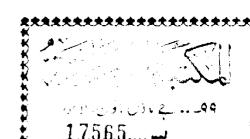
شیخ ابن باز

فتاویٰ اسلامیہ (جلد چہارم)

فتاویٰ علوم اسلامیہ میں ایک ممتاز اور مفید علم اور فن کا درجہ رکھتا ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے مسائل کے جواب میں فتویٰ کے اسلوب کو قرآن میں بیان کیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی تمام احادیث صحیحہ عملاً فتاویٰ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ ﷺ کی اتباع میں خلفائے راشدین کے علاوہ ایک سو تیس سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ بھی محفوظ ہیں۔ فتویٰ نویسی سے قرآن مجید کے عمدہ تفسیری نکات اور احادیث کی شرح میں تعبیر نصوص کا علم حاصل ہوتا ہے۔ فتاویٰ کے ذریعے ہر عہد کے مسائل و مشکلات میں دینی رہنمائی کا التزام ملتا ہے۔ اسی باعث ہم اس شعبہ علم کو اسلام کی حیات مستقبلہ کی ضمانت تصور کرتے ہیں۔ فتویٰ نویسی کے بہت سے آداب اور تقاضے ہیں۔ جہاں ان سے دینی رہنمائی کے لیے روشنی میسر آتی ہے، وہاں بعض علمائے سوء نے گمراہی اور ضلالت کا سامان بھی پیدا کیا ہے۔

پیش نظر فتاویٰ عصر حاضر کے تین ممتاز سعودی علماء اور مفتیان کرام سماحۃ الشیخ عبدالعزیز ابن باز، فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح بن العثیمین رحمہما اللہ تعالیٰ اور فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین حفظہ اللہ تعالیٰ اور "اللجنة الدائمة للإفتاء والإرشاد" کی علمی مساعی کا نتیجہ ہیں جن کا بنیادی استدلال کتاب و سنت اور آثار صحابہ پر مبنی ہے۔ اپنے اسی منہج اور طرز استدلال کے باعث یہ فتاویٰ سلفی فکر کی نمائندگی کرتا ہے۔ عقائد و عبادات سے لے کر معاملات تک کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں کتاب و سنت کے مطابق رہنمائی فراہم نہ کی گئی ہو۔ یوں ہم اسے عہد حاضر میں مسائل دینی اور امور دنیوی کی اصلاح کا دائرۃ المعارف قرار دے سکتے ہیں۔ دارالسلام نے اس عظیم فتاویٰ کا ترجمہ اور اس کی طباعت کے امور کو اپنے روایتی اور مثالی اسلوب کے مطابق پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مطالعہ کو ہمارے لیے نافع اور آخرت میں موجب فلاح بنائے۔ آمین

پروفیسر عبدالجبار شاکر

دارُالسّلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض ○ جدہ ○ شارجہ ○ لاہور
لندن ○ ہیوسٹن ○ نیویارک